اللہ اللہ اللہ

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

اہل دل کے تڑپا دینے والے

واقعات

جلد دوم

افادات

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مرتب

مفتی محمد انعام الحق قاسمی نقشبندی

استاذ دارالعلوم ہدایت الاسلام عالی پور، نوساری، گجرات (انڈیا)

تفصیلات

نام کتاب _____ اہل دل کے تڑپا دینے والے واقعات
جلد دوم (باحوالہ)

افادات _____ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد
صاحب نقشبندیؔ زید مجدہ

مرتب _____ مفتی محمد انعام الحق قاسمیؔ نقشبندیؔ
استاذ دارالعلوم ہدایت الاسلام عالی پور، نوساری، گجرات (انڈیا)

کمپوزنگ _____ محمد شمیم اختر (ممبئی) 9769275940

ناشر طباعت _____

فہرست

مضامین		صفحہ
❁	پیش لفظ	۲۸
محبت الٰہی		
❁	محبت بے تاب کر دیتی ہے	۳۴
❁	ان کے دل محبت سے کس قدر لبریز تھے	۳۵
❁	ایک نوجوان کی محبت الٰہی	۳۶
❁	دین الٰہی سے محبت کا صلہ	۳۸
❁	محبت بھی کیسی سمائی تھی	۴۰
❁	اپنے یار کو منالیا	۴۰
❁	جس نے میری توحید کی گواہی دی	۴۱
❁	دودھ اور پانی کا دلچسپ مکالمہ	۴۳
❁	چڑیے کو اپنے بچے سے محبت	۴۴
❁	حضرت سلیمانؑ کے زمانے کی دو عورتیں	۴۵
❁	جب ماں کی محبت کا یہ حال.....	۴۶
❁	جب ماں کی ممتا کا یہ حال.....	۴۷
❁	حضرت ابراہیمؑ سے پرندہ کی محبت	۴۹

❁	صحابیہ میں قربانی کی تڑپ	۵۰
	محبت رسول ﷺ	
❁	حضرت عباسؓ کا پرنالہ	۵۲
	صحبتِ شیخ	
❁	صحبت سوسال کی عبادت کے برابر کیوں؟	۵۴
❁	صحبت کی برکت	۵۴
❁	حضرت امیر معاویہؓ عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل کیوں؟	۵۵
❁	سفیان ثوریؒ ابو ہاشمؒ کی صحبت میں	۵۶
❁	مولانا رومؒ شیخ کی صحبت میں	۵۶
❁	حضرت گنگوہی مرشد کی صحبت میں	۵۷
❁	باقی باللہ کی صحبت کا اثر نان بائی پر	۶۱
❁	سید سلیمانؒ حضرت تھانویؒ کی صحبت میں	۶۲
❁	بری صحبت کا برا انجام	۶۳
❁	مرید کی انگلی میں شہد	۶۴
	ذکرِ الٰہی	
❁	ذکر کے کس قدر شیدائی تھے وہ!	۶۶
❁	ہر دل میں رب رب کی آواز	۶۷
❁	متاع دل کو کہاں کرنے لگے تلاش؟	۶۸
❁	بغیر ذکر ہاتھ کچھ آتا نہیں	۶۹
❁	غفلت کے ساتھ ذکر بے سود نہیں	۷۰

❁	ذکر سے دل کیونکر تڑپ نہ اٹھے؟	۷۱
❁	قبض کو دور کرنے کا ایک نسخہ	۷۲
	قلب جسمانی	
❁	ایک شعر سے دل کی دنیا بدل گئی	۷۴
❁	کوئے یار میں اٹکا رہے دل	۷۵
❁	ہر حال میں مالک پر رہے نظر	۷۶
❁	سفر حج میں ہر قدم پر نماز	۷۷
❁	پہلے تخلیہ پھر تحلیہ	۷۸
❁	جب تک میل کچیل دور نہ ہو	۷۹
❁	کہیں مسخ نہ ہو جائے یہ دل	۸۰
❁	جب ہپناٹزم کا اثر ہو سکتا ہے.....	۸۲
❁	بس یہی میرا کرتب تھا	۸۴
❁	ٹی وی اسکرین پر ایک کرتب	۸۵
	معرفت و معیت	
❁	حضرت رابعہ کی معرفت بھری بات	۸۸
❁	معرفت نے بادشاہ بنا دیا	۸۸
❁	بادشاہ کی معرفت نے ملکہ بنا دیا	۸۹
❁	جب تک ہیرے کی پہچان نہ تھی	۹۰
❁	معرفت کے بغیر حسرت ہی رہ گئی	۹۱
❁	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت	۹۱

❁	ابا کوئی دیکھ رہا ہے	۹۲
	عقیدت ومحبت	
❁	روٹی کے ٹکڑے عقیدت سے کھائی	۹۴
❁	شیخ کی بات پر اعتماد کیجئے	۹۵
❁	زبیدہ ہارون سے بڑھ گئی	۹۶
❁	اگر عقیدت میں کمی نہ ہوتی	۹۷
❁	حضرت جانِ جاناںؒ کی نازک مزاجی	۹۸
❁	جتنی عقیدت اتنا ہی فیض	۹۹
❁	صحابۂ کرام کو کس درجہ اعتماد تھا؟	۱۰۱
	آداب رسول ﷺ	
❁	دربارِ الٰہی کا ادب	۱۰۴
❁	شمع رسالت کے درخشاں آداب	۱۰۴
❁	کاشانۂ نبوت میں امام مالکؒ کا ادب	۱۱۲
❁	ابوالفضل کا ادب	۱۱۵
❁	علماء دیوبند کا بے پناہ ادب	۱۱۵
	سادات کا ادب	
❁	صحابہؓ کی نگاہ میں سادات کا ادب واحترام	۱۱۸
❁	اکابر کی نظر میں سادات کا ادب واحترام	۱۲۳
	والدین کی خدمت	
❁	والدہ کی اطاعت پر نور کی بارش	۱۲۸

❁	خدمت کے وسیلہ سے چٹان کھسک گیا	۱۲۹
❁	والدین مسخ ہو گئے پھر بھی خدمت.....	۱۲۹
❁	حضرت خرقانیؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟	۱۳۰
❁	حِبّ رسولؐ حضرت اسامہؓ کا ادب	۱۳۱
❁	حضرت بایزیدؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟	۱۳۱
❁	احترام والدہ پر صاحب کشف ہو گئے	۱۳۲
❁	خدمت پر قطب بن گئے	۱۳۲
❁	اویس قرنیؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟	۱۳۳
❁	والدین کو دل دکھانے کا انجام	۱۳۴
	خلافت ونسبت	
❁	خلافت ملنے پر اشکال	۱۳۵
❁	امیر خسرو کی عقیدت پر خلافت	۱۳۷
❁	حضرت سید احمد شہیدؒ کی خلافت	۱۳۸
❁	حضرت عبدالمالکؒ کو نسبت وخلافت	۱۳۹
❁	حضرت شاہ بھیکؒ کو خلافت	۱۴۱
❁	شاہ پھتو، فتح علی ہو گئے	۱۴۲
❁	بیک وقت سات علماء کو سند خلافت	۱۴۴
❁	حضرت صدیقؓ کو کیسی نسبت حاصل تھی؟	۱۴۶
❁	اللہ والوں کے وقت میں برکت کیوں؟	۱۵۲

ایمان ویقین اور استقامت

❁	ایمان کامل پر ہر چیز مسخر	۱۵۴
❁	یہ روٹی تو میری نہیں	۱۵۵
❁	دریا نے پیالہ واپس کر دیا	۱۵۶
❁	جنگل کے جانور بھی ہو گئے رواں دواں.....	۱۵۷
❁	زکوۃ سے مال محفوظ ہونے کا یقین	۱۵۷
❁	میرا بیٹا پیٹھ پھیر نہیں سکتا	۱۵۸
❁	جنگ یرموک میں خواتین کا کردار	۱۶۰
❁	حضرت ابوطلحہؓ مسلمان کیسے ہوئے؟	۱۶۲
❁	حضرت عکرمہؓ کا قبول اسلام	۱۶۳
❁	ایک دہریہ لاجواب ہو گیا	۱۶۴
❁	تمنائے شہادت	۱۶۵
❁	معذور صحابی کا شوقِ شہادت	۱۶۶
❁	جس قوم کے بچوں کا یہ جذبہ ہو	۱۶۷
❁	حسین احمدؒ مدنی کفن بردوش جا پہنچے	۱۶۸
❁	حضرت عبداللہ بن حذافہ کی استقامت	۱۶۹
❁	درخت سے سری سقطیؒ کی گفتگو	۱۷۰
❁	کینسر کے مریض کی قوت ارادی	۱۷۲
❁	پھانسی کا پھندا اور حضرت سعیدؒ	۱۷۳
❁	میرے مالک کے ہر کام میں خیر ہی خیر.....	۱۷۵

❁	میں جانور کی بولی سمجھنے لگوں	۱۷۶
❁	دلِ پُرنور میں کہیں غیر کا خوف	۱۷۸
❁	حضرت فاروقؓ کے سامنے دیہاتی کی بیباکی	۱۷۹
❁	عمرو بن ہشام کی ایمان سے محرومی	۱۷۹
	علم	
❁	★ **علوم دینیہ**	۱۸۲
❁	علم کے متلاشی کے لئے احتیاط	۱۸۲
❁	امام بخاریؒ نے تھیلی دریا میں ڈال دی	۱۸۳
❁	تکرارِ علم	۱۸۵
❁	غلاموں کے سروں پر علم کا تاج	۱۸۶
❁	غلامی کے پنجڑے سے امامت کے مصلے تک	۱۸۹
❁	استاذ سے بھرپور مناسبت پیدا کیجئے	۱۹۳
❁	بے ادبی پر علم سے محرومی	۱۹۴
❁	طلب علم کے ساتھ گھر والوں کا خیال	۱۹۴
❁	طلبۂ حدیث پرنور کی کرنیں	۱۹۵
❁	طلبہ کے لئے دو تحفے	۱۹۵
❁	حدیث سے محبت کا مثالی انداز	۱۹۷
❁	حضرت امام محمد بن سحنونؒ کا استغراق	۱۹۷
❁	طلبہ کے لئے رہنماء مثال	۱۹۸
❁	ابن جریر طبریؒ کا تصنیفی کارنامہ	۱۹۸

❁	ابن جوزیؒ کے حالات	۲۰۰
❁	ایک وقت میں دو کام	۲۰۰
❁	علامہ ابن عقیلؒ کا علمی ولولہ	۲۰۰
❁	فضیل بن عیاض کا محاسبہ	۲۰۱
❁	علامہ ضیاء المقدسیؒ کا قیام لیل	۲۰۱
❁	سبق کی اہمیت	۲۰۲
❁	علامہ منذریؒ کی حدیث سے محبت	۲۰۲
❁	امام آلوسیؒ ایک مثالی مدرس	۲۰۳
❁	مجد الدین ابن تیمیہ کا زمانۂ طالب علمی	۲۰۳
❁	⋆ **راہِ علم میں ادب کے فوائد**	۲۰۴
❁	اساتذہ کے ادب کی عجیب مثالیں	۲۰۴
❁	خدمت استاذ کی برکتیں	۲۰۶
❁	کتابوں کا ادب	۲۰۷
❁	ساتھیوں کا ادب	۲۰۸
❁	طلبہ کی برکت	۲۰۸
❁	ہدیہ لینے میں احتیاط کرنا چاہئے	۲۰۸
❁	اساتذہ کی شفقت کے واقعات	۲۱۱
❁	طلبہ کا مالی تعاون	۲۱۲
❁	استاذ ناغہ نہ کریں	۲۱۵
❁	کم کھانے کا فائدہ	۲۱۶
❁	کشادہ دل علماء کے واقعات	۲۱۶

❁	امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ	۲۱۷
❁	امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ	۲۱۸
❁	حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیدؓ میں علمی اختلاف	۲۱۹
❁	حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کا اختلاف	۲۱۹
❁	★ **علوم عصریہ**	۲۲۲
❁	مادی علم کی طاقت	۲۲۲
❁	محمد علی کا مقابلہ	۲۲۳
❁	مقناطیسی دھاگے کے ذریعہ آپریشن	۲۲۳
❁	آنکھوں دیکھا حال	۲۲۵
❁	ایک مصنوعی چاند	۲۲۶
❁	ہاتھیوں کا فٹ بال میچ	۲۲۶
❁	ہاتھی کی پینٹنگ	۲۲۷
❁	ایک عجیب وغریب کیٹل فارم	۲۲۷
❁	ڈالفن مچھلی کا حیرت کن کرتب	۲۲۸
❁	ریچھ کی عقلمندی	۲۲۹
❁	ہاتھی کا تماشا	۲۳۰

ذھـــانت اور فطـانت

❁	قوتِ حافظہ کی انوکھی مثال	۲۳۴
❁	قوت حافظہ اور محدث کا مقام	۲۳۵
❁	حضرت علیؓ کا عجیب فیصلہ	۲۳۶

❁	غفلت میں نبیؐ کا نام لینے پر سجدۂ سہو	۲۳۷
❁	ایک طالب علم کی ذہانت	۲۳۸
❁	انسان اپنے کلام میں پوشیدہ ہوتا ہے	۲۳۸
❁	ابن عربی کا شیطان سے مکالمہ	۲۴۰
❁	ایک بڑے میاں کے دلچسپ اشکالات	۲۴۱
❁	تالاب میں پانی کتنے پیالے	۲۴۳
❁	غیر محرم کے ہاتھ میں دھاگہ	۲۴۳
❁	تو کانا کیوں پیدا ہوا	۲۴۴
❁	یہ قیاس آیا کہاں سے؟	۲۴۴
❁	منہ توڑ جواب	۲۴۵
❁	آج مسلمان اور کل ہاتھ میں بخاری	۲۴۶
❁	ترکی بہ ترکی جواب	۲۴۷
❁	عقل بڑی یا بھینس	۲۴۹
❁	شوگر فری تربوز	۲۴۹
❁	چاند کی رؤیت کے سلسلے میں حضرت کا واقعہ	۲۵۰
❁	منفرد مثال کے ذریعہ اہم پیغام	۲۵۳
فہم وفراست		
❁	حضرت ابوبکرؓ کی فراست	۲۵۶
❁	حضرت عمرؓ کی فراست	۲۵۶
❁	حضرت عمرؓ کی فہم وفراست	۲۵۷

❁	حضرت جنید بغدادیؒ کی فراست	۲۵۸
❁	یہ حرام گوشت کب سے	۲۵۹
❁	انگور سے مردوں کی بدبو	۲۶۰
❁	یا تو بڑھئی یا درزی	۲۶۱

تربیت وپرورش

❁	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کی پیاری باتیں	۲۶۴
❁	بچوں کی سعادت بچپن سے ہی	۲۶۵
❁	بچے گھر کے ماحول کے مطابق کھیلتے ہیں	۲۶۶
❁	یہ بچہ ہے یا بوڑھا	۲۶۷
❁	چھوٹے بچوں کی سوچ اور ان کی دنیا	۲۶۷
❁	شیخ سعدیؒ کا بچپن	۲۷۰
❁	مولانا آزادؒ کے لڑکپن کی باتیں	۲۷۲
❁	مولانا عبدالماجدؒ کی رسم بسم اللہ	۲۷۳
❁	اکبرالہ آبادی کو پھکنے کا تحفہ	۲۷۴
❁	بہن کی تربیت کا اثر بھائی پر	۲۷۶
❁	جذبۂ جہاد پیدا کرنے کا انوکھا انداز	۲۷۷
❁	ماں کی تلاوت کا اثر بچوں پر	۲۷۸
❁	مشتبہ کھانے کا اثر اولاد پر	۲۷۹
❁	بچے کی تربیت کا عبرت آمیز واقعہ	۲۷۹
❁	ایک سلیقہ مند بچہ کا جواب	۲۸۲

❁	ضد کا علاج کیسے کیا؟	۲۸۳
❁	باپ نے حق ادا نہ کیا	۲۸۴
❁	بری اولاد بددعا کرنے لگی	۲۸۵
❁	اولاد پر ماں کی مامتا	۲۸۶
❁	بغیر اطلاع گھر آنے کا انجام	۲۸۹
❁	اے عمرؓ! آپ نے تین غلطی کی	۲۹۰
❁	شیطان کا شہد اور راکھ	۲۹۱
❁	یورپ میں بچوں کا برتاؤ	۲۹۲
	عبادت وریاضت	
❁	اطاعت نبوی کی حیرت انگیز مثال	۲۹۴
❁	جذبۂ جہاد شوق عبادت کی حیرت انگیز مثال	۲۹۹
❁	سنت پر عمل کی انوکھی مثال	۳۰۰
❁	حضرت ابن عمرؓ کا جذبۂ عمل	۳۰۰
❁	ہیرا ٹوٹے تو ٹوٹے مگر.....	۳۰۱
❁	کاش اپنے رب کے حکم کو دیکھتے	۳۰۲
❁	ایک اشکال کا حیران کن جواب	۳۰۲
❁	اپنے آپ کو خدا کے حوالے تو کیجئے	۳۰۳
❁	ہر ایک کو راضی کرنا ممکن نہیں	۳۰۴
❁	دو صحابہؓ کی درخشندہ مثال	۳۰۴
❁	حضرت یوسفؑ سے بوڑھی عورت کی محبت	۳۰۵

❁	نیکی کی خوشبو	۳۰۶
❁	پگھلتی برف سے عبرت	۳۰۶
❁	روشندان بنانے کی نیت	۳۰۷
❁	غسل کرنے میں نیت کا دخل	۳۰۷
❁	کنگھی بھی نیت کے ساتھ	۳۰۸

حجّ بیتُ اللہ

❁	ایسی عبادت جو کہیں نہ ہو سکے	۳۱۰
❁	اللہ والے حج کیسے کرتے ہیں؟	۳۱۰
❁	حج میں اکابر کا ذوق عبادت	۳۱۲
❁	پلکوں کے بل اللہ کے گھر کی حاضر	۳۱۳
❁	خواجہ سراج الدینؒ کا احترام مکہ	۳۱۳
❁	یہاں امید سے زیادہ ملتا ہے	۳۱۴
❁	کہیں دیدار سے بھی محروم نہ لوٹ جائیں	۳۱۴
❁	ایک اندھے کو حجّاج کی دھمکی	۳۱۵
❁	اپنی دولت پر ناز نہ کیجئے	۳۱۶
❁	ایک کھرب پتی کی بے بسی	۳۱۸
❁	غربت کا زمانہ ایسا بھی تھا	۳۱۹
❁	تربوز کے چھلکوں کی قدر	۳۱۹
❁	قرآن وتلوار اور خط کا تحفہ	۳۲۰

تلاوت کلام پاک

❁	یہ ہے شوقِ تلاوت	۳۲۲
❁	آج بھی کیسے کیسے موجود ہیں	۳۲۲
❁	ایک ماہ میں حفظِ قرآن	۳۲۳
❁	تین دنوں میں حفظِ قرآن	۳۲۴
❁	قرآن کے بھولنے پر ایک خاتون کا تعجب	۳۲۴
❁	حفظِ قرآن میں اتنی پختگی!	۳۲۵
❁	شوق کے پروں سے حافظ کی پرواز	۳۲۵
❁	ننھے بچے نے سورۂ ملک سنادی	۳۲۶
❁	قرآن مجید کا کمپیوٹر	۳۲۷

دعا اور آہ وزاری

❁	حضرت انسؓ کی قسم	۳۳۰
❁	دل کی مراد پوری ہوگئی	۳۳۱
❁	حضرت یوسف کی دعاء سحر گاہی	۳۳۲
❁	میں جانتا نہیں یہ مانتا نہیں	۳۳۳
❁	حضرت بابو جی عبداللہؒ کی دعا کا مقام	۳۳۴
❁	اللہ نے عزت رکھ لی	۳۳۵

اخلاص وریاء

❁	امام زین العابدین کا اخلاص	۳۳۸

❁	شیخ الہندؒ کا اخلاص	۳۳۸
❁	حضرت حسین احمد مدنیؒ کا اخلاص	۳۳۹
❁	مفتی محمد حسن کا اخلاص	۳۴۱
❁	اخلاص کے تاج محل ایسے بھی تھے	۳۴۲
❁	دوسوکنوں کا اخلاص	۳۴۳
❁	ایک رحم دل حاجی کا اخلاص	۳۴۵
❁	والدہ محترمہ کی نیکی چھپانے کی عادت	۳۴۶
❁	ابوالفضل اور فیضی کی محرومی	۳۴۷
❁	خواجہ معین الدین چشتی کی قبولیت	۳۴۹
❁	رابعہ بصریہ کی قبولیت	۳۴۹
❁	مولانا حسین احمد مدنیؒ کی قبولیت	۳۵۰
	قدرومنزلت اور حوصلہ افزائی	
❁	حضرت بشر حافیؒ کی قدرومنزلت	۳۵۲
	زہد واستغناء	
❁	شیخ الہندؒ کا استغناء	۳۵۴
❁	حضرت سہارنپوریؒ کا استغناء	۳۵۵
❁	حضرت اقدس تھانویؒ کا استغناء	۳۵۵
	رزقِ خداوندی اور جود وسخا	
❁	بلوں سے رزق کا انتظام	۳۵۸

❁	پردہ غیب سے کھانے کا انتظام	۳۵۸
❁	والدین کی خدمت پر رزق کی وسعت	۳۶۰
❁	اگر دارد برائے دوست دارد	۳۶۱
❁	ذریعہ معاش میں عقل کا دخل	۳۶۲
❁	کھانے والے کا سفر۔۔رزق کی طرف	۳۶۳
❁	رزق کا سفر.....کھانے والے کی طرف	۳۶۴
❁	جوتے کھا کھا کر کھانا پڑا	۳۶۵
❁	اللہ پر یقین کرنے کا انعام	۳۶۷
❁	نوٹوں سے بھرا سوٹ کیس	۳۶۸
❁	کھانے کے چند دانے کی اہمیت	۳۶۹
❁	مہمان کے کھانے میں اسراف نہیں	۳۷۰
❁	مہمان نوازی کی مثال	۳۷۱
❁	ہاتھ دھلوایئے	۳۷۲
❁	خلیفہ منصور کا حکیمانہ جواب	۳۷۲
❁	ایک مچھلی کی حیرت انگیز خوراک	۳۷۳
❁	پودے کی خوراک	۳۷۴
❁	حضرت فاطمہؓ کی سخاوت	۳۷۴
❁	مصرف کو دیکھ کر حرام کا پتہ	۳۷۶
❁	مہمان کے سامنے بھینسے کا سر	۳۷۷

❁	تاریخی عمارتیں دسترخوان پر	۳۷۹
❁	حیران کن سلاد	۳۸۰

خوف وخشیت اور توبہ ومغفرت

❁	چھ عورتوں کو جہنم میں دیکھنے پر خوف	۳۸۲
❁	بناوٹی خوف	۳۸۴
❁	ایک بچہ کا خوف	۳۸۵
❁	کے بال بھیگنے پر مغفرت	۳۸۶
❁	سب سے برا سب سے اچھا ہوگیا	۳۸۶
❁	نیکوں کے ساتھ حشر کی تمنا	۳۸۷
❁	بدکار عورت کی سچی توبہ	۳۸۸
❁	مالک بن دینار کی توبہ کا سبب	۳۹۲
❁	کعب بن مالکؓ کی توبہ	۳۹۴
❁	ایک شرابی کی آہ وزاری	۳۹۷
❁	ایک عورت کی لاجواب توبہ	۳۹۸
❁	بنی اسرائیل کی ایک رقت آمیز توبہ	۴۰۰
❁	دو بندوں کی عجیب مغفرت	۴۰۲
❁	آدھے ٹکڑے پر مغفرت	۴۰۳
❁	گناہوں کے ننانوے دفتر معاف	۴۰۴
❁	چنگے سنگ ترے	۴۰۵
❁	بابا یہ تو کھوٹے سکے ہیں	۴۰۶

❁	چھٹکارے کا مدار رحمت پر ہے	۴۰۷
❁	تیرے در پر کیسے آؤں؟	۴۰۷
❁	پوری بستی دو پہاڑ کے نیچے دب گئی	۴۰۸
❁	پوری بستی دھنس گئی	۴۰۹
❁	تقوی پر خدائی فوج کا پہرہ	۴۱۰
❁	امام صاحب کا تقوی	۴۱۱
❁	تقویٰ کے عجیب واقعات	۴۱۱
❁	مولانا محمد عبدالمالکؒ کا تقویٰ	۴۱۳
❁	بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ کا تقویٰ	۴۱۳
❁	رونے کا ایک عجیب سبب	۴۱۵
❁	جبرئیل علیہ السلام کا اضطراب	۴۱۶
❁	سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا اضطراب	۴۱۶
❁	حضرت عمرؓ کا اضطراب	۴۱۷
❁	سیب کھانے پر خوف خدا	۴۱۷
❁	خوفِ خدا پر بادل کا سایہ	۴۱۹
❁	یہ تو جہنم میں خود گئے	۴۲۰
❁	یہ رشتہ ہمیشہ سلامت رہے	۴۲۱
❁	اولاد کی بھی سرپرستی	۴۲۲
❁	شہزادے گداگر بن گئے	۴۲۲

❁	دو منٹ میں نور شتے	۴۲۴
❁	ایک نوجوان کا دلچسپ اقرار	۴۲۵
❁	سرپرست کبھی انتقام بھی لیتا ہے	۴۳۱
❁	اگر میں جہنمی تو تجھے طلاق	۴۳۲
	شیطان اور گناہ ومعصیت	
❁	برصیصا راہب کی گمراہی کا عبرتناک انجام	۴۳۶
❁	ایک فیشن ایبل لڑکی کا انجام	۴۴۶
❁	چند دانہ کم کردینے پر پکڑ	۴۴۷
❁	محشر کی رسوائی کا خیال	۴۴۸
❁	نقصان دہ چیزوں سے بچنے کا خیال	۴۴۹
❁	قوم سبا کا حشر	۴۵۰
❁	بے مثال باغ بھی تباہ	۴۵۰
❁	گیارہ بیٹوں کا سرطشت میں	۴۵۱
❁	گناہ کا شوق اور عذاب کا ڈر	۴۵۲
❁	چیونٹی کو چینوٹیوں نے قتل کردیا	۴۵۴
❁	پیسے کھرے مل گئے	۴۵۵
	شرم وحیائ اور عفت وپاکدامنی	
❁	ایک زریں نصیحت	۴۵۸
❁	ایک باہمت لڑکی کا فیصلہ	۴۵۹

❁	کافروں کی مشابہت پر پکڑ	۴۶۱
❁	صحابۂ کرام میں عیب پوشی	۴۶۲
	شکر وامتنان اور صبر وتوکل	
❁	فیل ہونے پر بھی اللہ شکر	۴۶۴
❁	نیویارک کے سفر میں انگریز کا شکر	۴۶۴
❁	فرزند کی تیاری پر حضرت اسماء کا صبر	۴۶۵
❁	بڑھاپا مستقل مرض ہے	۴۶۶
❁	خواجہ عبد کا صبر وتحمل	۴۶۹
❁	صبر پر بھی اور شکر پر بھی	۴۷۳
❁	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کا صبر	۴۷۳
❁	ایک صابرہ عورت کی داستان	۴۷۴
❁	حضرت حسن کے صبر وضبط کی انوکھی مثال	۴۷۶
❁	نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تحمل	۴۷۷
❁	ماتحتوں کے ساتھ تحمل مزاجی	۴۷۸
❁	صبر کا ایک اہم فائدہ	۴۷۹
❁	پوری سلطنت کی قیمت ایک پیالہ پانی	۴۸۰
❁	اب لیٹ کر سونا کہاں میسر	۴۸۱

❁	کڑوا پھل مزے کے ساتھ	۴۸۱
❁	اپنی اوقات نہ بھولئے	۴۸۳
	تواضع وانکساری	
❁	سیدالانبیاءؐ کی عجز بھری دعائیں	۴۸۶
❁	تواضع پیدا کرنے کا انوکھا انداز	۴۸۸
❁	پیر فضل علی قریشی کی تواضع	۴۸۸
❁	تصنع سے بھی بچنا چاہئے	۴۸۹
❁	حضرت عمر بن عبدالعزیز کی انکساری	۴۹۰
❁	امام ابوحنیفہؒ کی انکساری	۴۹۰
❁	مولانا حسین علی کی انکساری	۴۹۱
❁	حضرت قاری طیب صاحبؒ کی تواضع	۴۹۲
❁	عاجزی بھرے کلمات کی فوری قبولیت	۴۹۳
❁	جو الف کی طرح کھڑا رہا محروم رہا	۴۹۳
❁	تین ستارے کی تواضع	۴۹۴
❁	مونچھوں اور پلکوں کے مابین ایک دلچسپ مناظرہ	۴۹۴
❁	نمرود کا تکبر کیسے ٹوٹا؟	۴۹۵
	عجب وکبر	
❁	کبر کا انجام بد	۴۹۸

❁	جانوروں کی تحقیر کا وبال	۴۹۹
❁	کبر نے امیر کو فقیر بنا دیا	۵۰۲
❁	سینہ بے کینہ کا انعام	۵۰۳

حسن معاشرت اور حسن اخلاق

❁	☆.....مثبت سوچ	۵۰۶
❁	سوچ کے دو انداز	۵۰۶
❁	تعبیر کا فرق	۵۰۶
❁	مثبت سوچ سے دشمن مغلوب	۵۰۷
❁	دلوں کی کشتی پلٹ دیجئے	۵۰۸
❁	دل کو دل سے راہ ہوتی ہے	۵۱۰
❁	سر پر راکھ پھر بھی شکر	۵۱۱
❁	☆.....ازدواجی زندگی	۵۱۲
❁	نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زوجہ مطہرہ کی دلداری	۵۱۲
❁	حضرت عائشہؓ کا برملا اظہار تعلق	۵۱۴
❁	اہل خانہ کے ساتھ تحمل مزاجی	۵۱۴
❁	خاوند کی فرمانبرداری پر مغفرت	۵۱۵
❁	ایک خاتون کا صبر و تحمل	۵۱۷
❁	ایک دلچسپ صلح	۵۱۷

❁	ایک خاوند کی ناگفتہ بہ حالت	۵۱۸
❁	بیوی پر زیادتی کا انجام	۵۱۹
❁	غلط نخرے کا انجام	۵۱۹
❁	حضرت احمد علی لاہوریؒ کی زوجہ کا جواب	۵۲۰
❁	حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟	۵۲۴
❁	حضرت مرشد عالم کا حسن سلوک	۵۲۴
❁	معمولی عمل کی وجہ سے مغفرت	۵۲۵
❁	ایک بزرگ کی تحمل مزاجی	۵۲۵
❁	جاہل ان پڑھ کا عفو و درگزر	۵۲۶
❁	بیوی کی تلخی برداشت کرنے کی وجہ	۵۲۸
❁	ایک خاتون کا انوکھا انداز شکایت	۵۲۹
❁	☆.....عفو درگزر	۵۳۱
❁	دندان مبارک شہید ہونے پر بھی دعائیں	۵۳۱
❁	وحشی کی معافی کا معاملہ	۵۳۲
❁	زہر کھلانے والی عورت کی معافی	۵۳۲
❁	ابوجہل کے بیٹے کی معافی	۵۳۳
❁	ابوسفیانؓ کی معافی کا اعلان	۵۳۴
❁	ہندہ کے ساتھ عفو و درگزر	۵۳۴
❁	صفوان بن امیہ کے ساتھ عفو و درگزر	۵۳۵

❁	بیٹی کے قاتل کو معافی کا پروانہ	۵۳۷
❁	عثمان بن ابی طلحہ کے ساتھ تحمل مزاجی کا مظاہرہ	۵۳۹
❁	حضرت عمرؓ کا معافی مانگنا	۵۴۰
❁	معاف کرانے سے پہلے معاف کر دیا	۵۴۱
❁	☆.....حسن اخلاق	۵۴۳
❁	دشمنوں کے دل کیسے جیتے	۵۴۳
❁	دوستوں کے دل کیسے جیتے	۵۴۵
❁	چھوٹوں کے دل کیسے جیتے؟	۵۴۶
❁	دیہاتیوں کے دل کیسے جیتے	۵۴۷
❁	یہودی کے ساتھ حسن معاملہ	۵۴۸
❁	کافر بچی کے سر پر نبی کی چادر	۵۵۱
❁	حاتم طائی کی بیٹی سے حسن اخلاق	۵۵۱
❁	احترام انسانیت کا نبوی نمونہ	۵۵۴
❁	ایثار کا نادر واقعہ	۵۵۵
❁	ایک بچے کے ایفاء عہد پر پوری قوم مسلمان	۵۵۵
❁	خیر خواہی نے مسلمان بنا دیا	۵۵۸
❁	حسن سلوک واخلاق پر اکابر کے واقعات	۵۵۹
❁	بلی پر رحم کیا تو کیا ملا	۵۶۰
❁	مولانا روم کو معرفت کی دولت	۵۶۱
❁	ہم سے تو بہروپیہ اچھا	۵۶۱

❁	احسان کا ایک واقعہ	۵۶۳
❁	بائع کے ساتھ خیر خواہی	۵۶۴
❁	صاحبزادی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت	۵۶۴
❁	کفر کے معاشرے کی ایک مثال	۵۶۶
❁	اسلامی معاشرے کی مثال	۵۶۷
❁	تابعین کے دور کی حیرت انگیز مثال	۵۶۸
❁	عدل وانصاف سے بھر گئی زمین	۵۶۹
❁	☆.....جذبۂ خدمت	۵۷۰
❁	ایک امیر کی خدمت کا جذبہ	۵۷۰
❁	حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا انداز خدمت	۵۷۱
❁	اکابرین کی زندگی معاشرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس جمیل	۵۷۲
موت وقبر اور میدانِ حشر		
❁	پتھر دلوں کی موت	۵۷۶
❁	حضرت عبداللہ کا وقت شہادت	۵۷۶
❁	قیامت میں ایک گنہگار کی سفارش	۵۷۷
❁	قبر کیا سلوک کرتی ہے؟	۵۷۹
❁	ماخذ ومراجع	۵۸۲

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ

سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وعظ وخطاب اور بیان وتقریر میں اگر قرآنی آیات اور نبوی فرمودات کی آمیزش ہوتو وعظ وخطاب میں نورانیت وجاذبیت اور اثر انگیزی بڑھ جاتی ہے، آیات وآحادیث کے انوار وبرکات دلوں کو چھوتی اور قلب وجگر کو گرماتی ہیں اور اگر خطیب کا دردِ دل، سوزِ دروں اور سوزِ جگر شامل ہوتو پھر سحر انگیزی کا عجیب کیف ہوتا ہے، دل کی دنیا بدلتی ہے، دل ودماغ پر فکرِ آخرت چھا جاتی ہے، اس کے رفتار وگفتار کا انداز بدل جاتا ہے، پھر تو وہ اپنے خالق و مالک کی رضا اور تلاشِ محبت میں کھویا کھویا رہتا ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر

اور اگر خطیب کے کلام میں عبرت آموز حکایات اہلِ دل اولیاء کرام کے واقعات شامل ہوں تو سامعین نگاہِ شوق بن جاتے ہیں اور مضامین کی عبرت آموزی دو بالا ہو جاتی ہے، بلکہ اس کا ضمیر جھنجھوڑتا ہے کہ تھے تو تمہارے ہی آباء واجداد، جنہوں نے عبادت و ریاضت اور محنت ومجاہدہ میں اپنی جان کھپادی، زندگی کا ہر لمحہ یادِ الٰہی اور محبت باری میں گزار دیا، دست بکار، دل بیار کے مصداق بنے رہے، اخلاقِ حمیدہ کے پھولوں سے دل کو سجاتے رہے اور معرفت کی عطر چھڑکتے رہے، اے کاش! تو بھی تو انسان ہے، کیوں خوابِ غفلت میں پڑا ہے؟ اپنے مالک کی یاد سے کیوں بھولا بھٹکا ہے؟ تیرے دل کا رخ کیوں بدلا بدلا

ہے؟ چلو.....! اٹھو.....! کمر کس لو.....! اوران روشن ستارے صحابہ اور روشن اولیاء کرام کے واقعات کو ذہن میں بیٹھاؤ، عہد کرو، میدانِ عمل میں دوڑ لگاؤ اور اپنے سینہ کو بے کینہ بنا کر محبت الٰہی سے بھر لو۔

اسی مقصد اور جذبہ کے تحت ہر دور میں اکابر و مشائخ وعظ وخطاب میں واقعات سنایا کرتے تھے، خود قرآنی اسلوب دیکھئے اور ذخیرۂ احادیث پر نظر ڈالیے تو جا بجا قصص و واقعات کے نمونے ملیں گے، کہیں تو صالحین و مقربین کے عبرت آموز واقعات نظر نواز ہونگے، تو کہیں کفار و منافقین کے حسرت آموز واقعات .....خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکایت وقصص سنائے بھی ہیں اور دوسروں کی زبانی سنے بھی ہیں، ایک دفعہ ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہؓ نے گیارہ عورتوں کے مشہور اور دلچسپ قصے سنائے، جو حدیث ام زرع ؓ کے نام سے مشہور ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دلچسپی سے سنتے رہے اور پھر اخیر میں ابوزرع کے حسین اخلاق کو سن کر فرمایا: اے عائشہ! میں تمہارے لیے ابوزرع کی طرح ہوں۔

بعض اکابر و مشائخ نے اپنی کتابوں میں واقعات کے ذکر کرنے کا بڑا اہتمام کیا ہے، چنانچہ مشہور محدث حضرت ابونعیم اصفہانیؒ نے دس جلدوں پر مشتمل حلیۃ الاولیاء نامی کتاب لکھی، جس میں بیشمار واقعات ہیں، اس کی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ نے اس کا اختصار کیا اور تین جلدوں میں مشتمل صفوۃ الصفوۃ نامی کتاب لکھی، اسی طرح سیر السلف کو دیکھئے، اس میں زمانۂ قدیم کے اسلاف کے بیشمار واقعات نظر آئیں گے، اسی طرح قصص الانبیاء ہو یا قصص القرآن، موسوعہ غرائب القصص ہو یا موسوعہ القصص المؤثرۃ یا الفرج بعد الشدۃ ہو یا ابن جوزیؒ کی کتاب الاذکیاء، تلبیس ابلیس یا جاحظؒ کی کتاب البخلاء، ان تمام میں ان گنت قصے نظر

آئیں گے، ان کے علاوہ اگر آپ واقعات کی دنیا میں جا کر صرف واقعات کی کتاب تلاش کریں تو سو سے زائد کتاب آپ کے سامنے ہونگی۔

واقعات کی افادیت کے اعتراف کے ساتھ اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ واقعات نہ تو مقصود ہیں اور نہ ہی مطلوب، بلکہ صرف اور صرف سامعین کے قلوب میں دردِ دل اور سوزِ دروں کو بیٹھانا ہوتا ہے، دلوں میں رقت اور خوف وخشیت میں اضافہ کرنا ہوتا ہے، یا کسی بڑی حقیقت کو واقعات کے سہارے ہر کس و ناکس کو سمجھانا ہوتا ہے اور بس۔

اس جذبہ کے تحت خطیب کبھی تو واقعات کو مکمل بیان کرتا ہے اور کبھی اختصار کا پیرایہ اختیار کرتا ہے، کبھی صاحبِ واقعہ کے نام کو ذکر کرتا ہے تو کبھی ابہام واجمال کے ساتھ بیان کر دیتا ہے، اسی کے ساتھ خطیب سے کبھی نام میں، تو کبھی دو واقعہ میں خلط بھی ہو جاتا ہے اور تمثیل وواقعات کی دنیا میں یہ توسع گوارہ بھی کر لیا جاتا ہے، واقعات کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے تو اس قسم کی بیشمار مثالیں آپ کو ملیں گی۔

میرے پیر ومرشد حضرت اقدس، رہبرِ شریعت، عارف باللہ حضرت مولانا **ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی** دامت برکاتہم کی زبانِ فیض ترجمان سے جو روحانی اور عرفانی بیانات ہو رہے ہیں؛ ان کے متعلق عوام وخواص، مرد وزن ہر ایک کا یہ تأثر زبانِ خلق بنتا جا رہا ہے کہ ہر بیان دلوں کو بیدار کرنے، توجہ الی اللہ، انابت الی اللہ اور فکرِ آخرت کی کیفیت پیدا کرنے میں بے مثال ہے، آپ کی باتیں براہِ راست سنئے، یا انٹرنیٹ یا سی ڈی کے ذریعہ یا کتابوں میں پڑھئے، ہر ایک اپنی تاثیر میں لاجواب ہے، حضرت اقدس بھی اپنے مواعظ میں قصص وحکایات بہت دل سوزی کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

حضرت کے شائع شدہ بنایات سے واقعات کا اقتباس کرتے ہوئے یہ دوسرا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے، واقعات کے حوالے تلاش کرنا اتنا آسان نہیں، جتنا فقہ وفتاویٰ اور تفسیر وتاریخ کے حوالے کا تلاش کرنا آسان ہے، بلکہ حکایات کے حوالے تلاش کرنا کچھ زیادہ ہی دشوار ہے جیسا کہ اہلِ علم جانتے ہیں، تاہم اس حصہ کی کمپوزنگ مکمل ہو جانے کے بعد حضرت اقدس، صاحب نسبت مولانا صلاح الدین صاحب سیفی زید مجدہ سے جب اس کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے حوالے تلاش کرنے کی تاکید فرمائی، ان کے ایماء اور دعا پر یہ کام کسی حد تک انجام پایا۔

اس حصہ کی ترتیب میں مندرجۂ ذیل امور پیشِ نظر رہے:

(۱) اکثر وبیشتر واقعات کے حوالے مستند کتابوں سے درج کئے گئے ہیں۔

(۲) جن کے حوالے مل سکے ہیں ان کو اصل ماخذ سے موازانہ کے دوران اگر فرق نظر آیا تو اصل ماخذ کے مطابق واقعہ نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۳) جن کے حوالے درج نہ ہو سکے یہ عاجز اپنی کم علمی اور غفلت کی بناء پر ان کے ماخذ تک نہ پہنچ سکا، اگر مزید کوشش کرتا تو انشاء اللہ وہ حوالے ضرور پالیتا۔

تصنیفی اور تحریری سفر میں اس عاجز کے بہترین رفیق سفر اور تحقیق وتخریج میں اپنے ایک بے لوث معاون کا ممنون ومشکور ہوں، جنھیں دربارِ الٰہی سے ذوقِ تحقیق کا وافر حصہ ملا ہے، جنھیں تلاشِ حوالہ کا ملکہ حاصل ہے، جنھیں روشن ذہن اور ایسا تیز رود ماغ ملا ہے کہ بہت جلد تلاشِ حوالہ میں کتابوں کی طرف ذہن سبقت کرتا ہے، وہ عمدہ کتابوں کے خوگر اور طلبِ علم میں پسینہ بہانے کے عادی ہیں، اس سے میری مراد رفیق مکرم جناب مولانا رضی عالم صاحب دامت برکاتہم ہیں، خدائے پاک علم کی دنیا میں انہیں تابندہ اور درخشندہ رکھے، اسی کے ساتھ رفیقِ مکرم استاذِ حدیث حضرت مولانا یحییٰ صاحب پالن پوری کا بھی مشکور ہوں جو

ایک عمدہ مدرس، حدیث وتفسیر اور منطق وفلسفہ کے بہترین شناور ہیں، اپنے علاقہ کے ممتاز علماء میں شامل ہیں، کتب بینی کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں اور اکابر کے حالات وواقعات ذہن نشیں کرنے کے عادی ہیں، نیز محب محترم حضرت مولانا نسیم اطہر ندوی صاحب کو فراموش نہیں کرسکتا جو زبان وادب کا شیریں اور حسین ذوق رکھتے ہیں، جن کے ذوق ادب نے کتابت کی باریک غلطیوں کی عمدہ تصحیح کی اور اسی کے ساتھ مخلص باصفا حضرت مولانا قاری ذاکر صاحب بھی امتنان وتشکر کے مستحق ہیں، جنہوں نے عرق ریزی کے ساتھ تصحیح کتابت کا فریضہ انجام دیا۔ جزاہم اللہ خیراً الجزاء

اللہ پاک ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

(مفتی) محمد انعام الحق (نقشبندی) سیتامڑھی، بہار

خادم دار العلوم ہدایت الاسلام عالی پور

ضلع نوساری، گجرات (انڈیا)

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء

اللہ اللہ اللہ

"وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدّ حُبًّا لِلّٰہ"

محبت الٰہی

پتھر سے ہو خدا سے، یا پھر کسی سے ہو
آتا نہیں ہے چین محبت کئے بغیر

دل بحر محبت ہے محبت ہی کریگا
لاکھ اس کو بچاؤ کسی پر تو مریگا

اللہ اللہ اللہ

محبت بے تاب کر دیتی ہے

صحابہ کرامؓ کے دلوں میں اللہ رب العزت کے ساتھ بے پناہ محبت تھی، چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ احد کی لڑائی میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں، اگلے دن فائر کھلنا ہے، لڑائی شروع ہونی ہے، دو صحابہؓ آپس میں دوست ہیں، ایک حضرت سعد بن وقاصؓ اور دوسرے حضرت عبداللہ بن جحشؓ، وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مجاہد جب اللہ کے راستے میں نکل کر دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتے ہیں، دوسرے نے کہا میں نے بھی سنا ہے، کہنے لگے کیوں نہ ہو، میں دعا مانگتا ہوں آپ آمین کہنا اور پھر آپ دعا مانگئے گا پھر میں آمین کہوں گا، ہماری دعائیں قبول ہو جائیں گی، انہوں نے کہا بہت اچھا، چنانچہ دونوں ایک طرف کو گئے۔

حضرت سعدؓ نے دعا مانگی: اے اللہ! کل کو میرا مقابلہ دشمن کے کسی بڑے سے ہو، وہ مجھ پر اٹیک کرے میں اس پر وار کروں، اے مالک! ہمارا خوب مقابلہ ہو، بالآخر میں اس پر ایسا وار کروں کے تیرے راستے میں اس کو قتل کر ڈالوں اور دشمن کے کسی بڑے کو قتل کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہو اور مالِ غنیمت حاصل ہو، دوسرے نے کہا: آمین۔

اب حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی باری تھی، انہوں نے دعا مانگی، کہا: اے پروردگار! کل میرا مقابلہ کسی بہادر، سخت حملہ آور، غصہ والا دشمن سے ہو، وہ مجھ پر وار کرے اور میں اس پر وار کروں، ہمارا خوب ایک دوسرے سے مقابلہ ہو، اور بالآخر وہ مجھ پر ایسا وار کرے کہ مجھے تیرے راستے میں شہید کر دے، اے اللہ! پھر وہ میری ناک کاٹ دے اور میرے کانوں کو کاٹ لے، اے آقا! میں قیامت کے دن اسی حال میں آپ کے

سامنے کھڑا کیا جاؤں اور تو مجھ سے پوچھے اے میرے بندے! تیری آنکھوں اور کانوں کا کیا بنا؟ اور میں عرض کروں اے اللہ! محبت میں یہ نذرانہ آپ کے سپرد کر کے آیا ہوں۔

(الاصابۃ ۲/ ۲۸۷-حلیۃ الاولیاء ۱/ ۱۰۹ بحوالہ حیاۃ الصحابہ ۱/ ۶۳۹-الاصابہ ۴/ ۳۶-سیر اعلام النبلاء ۱/ ۸۹-معرفۃ الصحابہ لابی نعیم ۳/ ۱۶۰۷)

اندازہ کیجئے کہ محبت ان کو کس قدر اللہ رب العزت کی ملاقات کے لئے بیتاب کر دیتی تھی، یہ جذبہ آج ہمارے اندر موجود نہیں ہے، اگر ہو تو ہماری زندگی کا رنگ بدل جائے اور رفتار و گفتار میں محبت جھلکنے لگے۔

ان کے دل محبت سے کس قدر لبریز تھے

ایک مرتبہ حضرت ضرار بن ازورؓ جہاد کرتے ہوئے دشمن کے گھیرے میں آ گئے اسی حالت میں کئی گھنٹے لڑتے بھڑتے ان کا گھوڑا تھک گیا، وہ چاہتے تھے کہ گھوڑے کو بھگائیں مگر گھوڑا اتنا تھک چکا تھا کہ بھاگنا مشکل تھا، چاروں طرف ان کے دشمن تھے اور انہوں نے بھی دیکھ لیا تھا کہ اب گھوڑا بھاگ نہیں سکتا، انہوں نے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا تا کہ انہیں زندہ گرفتار کر سکیں، جب انہوں نے دیکھا کہ اب دشمن میرے اتنے قریب آ رہے ہیں تو یہ زیادہ متفکر ہوئے اور گھوڑے کی لگام کھینچی مگر گھوڑا تھکن کی وجہ سے آگے بڑھتا ہی نہیں تھا، کتاب میں لکھا ہے وہ اس وقت گھوڑے پر آگے جھکے اور اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے: اے گھوڑے! تو تھوڑی دیر کے لئے میرا ساتھ دے دے ورنہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے پر جا کر تیری شکایت کروں گا، یہ الفاظ کہنے تھے کہ گھوڑا ہنہنایا اور ایسے بھاگنے لگا جیسے تازہ دم ہو، انہوں نے دشمن کا حصار توڑا اور گھیرے سے باہر تشریف لے آئے، گھوڑے تھک جاتے تھے مگر مجاہد نہیں تھکا کرتے تھے، کیسے لوگ تھے۔۔۔!

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

''یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ سے وعدہ سچ کر دکھایا''

ان کی زندگی کے ان حالات کو پڑھ کر حیران ہوتے ہیں، کیا وجہ تھی ۔۔۔۔؟ ان کے دل اللہ رب العزت کی محبت سے لبریز تھے، اسی لئے اللہ کے نام پر قربان ہوجانا ان کی زندگی کا مقصد ہوتا تھا، وہ لوگ استقامت کے پہاڑ تھے اور اللہ رب العزت کو یہی استقامت پسند ہے۔

(فتوح الشام للنواوی ۱ / ۵۴ دار الکتب العلمیۃ)

ایک نوجوان کی محبت الٰہی

امریکہ میں ایک نوجوان تھا، کلمہ گو مسلمان تھا، لیکن جس دفتر میں کام کرتا تھا اس دفتر میں کام کرنے والی ایک امریکن لڑکی سے اس کا تعلق ہوگیا، اس کا یہ محبت کا تعلق اتنا بڑھا کہ اس نے محسوس کیا کہ اب میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ اس نے پروپوزل (تجویز) بھیج دی کہ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اس کے والدین نے کہا ہماری یہ کنڈیشن (شرط) ہے کہ۔

☆۔۔۔ہم عیسائی ہیں اس لئے آپ کو اپنا دین چھوڑ کر عیسائی ہونا پڑیگا۔

☆۔۔۔والدین سے قطع تعلق کرنا پڑیگا۔

☆۔۔۔آپ اپنے ملک واپس نہیں جایا کریں گے۔

☆۔۔۔جس کمیونٹی میں آپ رہتے ہیں اس کمیونٹی کے لوگوں سے آپ بالکل نہیں ملا کریں گے۔

اگر آپ یہ تمام شرائط پوری کر سکتے ہیں تو ہم اپنی بیٹی کی شادی کر دیتے ہیں، یہ اپنے جذبات میں اس قدر مغلوب الحال تھا کہ اس اللہ کے بندے نے یہ تمام شرائط قبول کر لیں، ماں باپ سے قطع تعلقی، عزیز واقارب سے رشتہ ختم، ملک سے رشتہ ختم، جس کمیونٹی (مسجد) میں رہتا تھا، وہاں آتا جاتا تھا وہاں سے رشتہ ختم حتی کہ اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گیا اور عیسائیوں کے ماحول میں زندگی گزارنے لگ گیا، پھر اس نے اس لڑکی سے شادی کر لی، مسلمان بڑے پریشان، کبھی کبھی وہ اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے مگر وہ ان سے ملنے سے

کترایا کرتا تھا، کہیں پبلک میں مل جاتا تو یہ دور سے کنی کترا جاتا تھا، لوگ بالآخر تھک گئے۔

☆..... کسی نے کہا: اس کے دل پر مہر لگ گئی۔

☆..... کسی نے کہا: مرتد ہو گیا۔

☆..... کسی نے کہا: اس نے جہنم خرید لی۔

☆..... کسی نے کہا: اس نے بڑا مہنگا سودا کیا۔

جتنے منہ اتنی باتیں، اسی حال میں اس کو ایک سال گزر گیا، دو سال گزر گئے، چار سال یونہی گزر گئے، اس کے دوست احباب اس سے مایوس ہو گئے، حتی کہ یہ ان کی یادداشت سے بھی نکلنے لگ گیا اور بھولی بسری چیز بنتا چلا گیا، اچانک ایک دن امام صاحب نے مسجد کا دروازہ کھولا، یہ نوجوان بھی فجر کی نماز پڑھنے کے لئے آیا، وضو کیا اور مسجد میں صف میں آ کر بیٹھ گیا، امام صاحب بڑے حیران! ان کے لئے تو یہ بڑی عجیب چیز تھی، انہوں نے نماز پڑھائی، پھر اس سے سلام کیا اس کو اپنے حجرہ (کمرے) میں لے گئے، انہوں نے محبت پیار سے بیٹھا کر ذرا پوچھا کہ آج بڑی مدت کے بعد آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔

اس وقت اس نے اپنی حالت بتائی کہ میں نے اس لڑکی کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، بہت کچھ میں نے اپنا ضائع کر دیا، لیکن جس گھر میں رہتا تھا، میرے اس گھر میں ایک جگہ پر اللہ کا قرآن پڑا ہوا تھا، میں جب کبھی آتا جاتا میری نظر اس قرآن مجید پر پڑتی تو میں اپنے دل میں سوچتا کہ یہ میرے مولا کا کلام ہے اور یہ میرے گھر میں موجود ہے، میں اپنے نفس کو ملامت کرتا کہ تو ظاہر میں جو بنا پھرتا ہے، پھر بھی تیرے دل میں اللہ کا ایمان موجود ہے، اعمال میرے برے تھے لیکن دل مجھے کہا کرتا تھا: میں نے جس کا کلمہ پڑھا، میں اس سے محبت کرتا ضرور ہوں اس لئے اس کی نشانی میں نے رکھ رکھی ہوئی ہے۔

اسی طرح کئی سال گزر گئے، ایک دن میں آیا اور حسب معمول میں نے گزرتے ہوئے اس پر نظر ڈالی تو مجھے وہ کتاب نظر نہ آئی، میں نے وائف سے پوچھا کہ ایک کتاب یہاں پڑی تھی، وہ کدھر ہے؟ اس نے کہا: میں نے گھر کی صفائی کی تھی تو جو غیر ضروری چیزیں

تھیں، جو استعمال نہیں ہوتی تھیں، ان سب کو میں نے ٹریش کر دیا (یعنی ان کو الگ کر کے ایک گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا) اس نے پوچھا اس کتاب کو بھی؟ اس نے کہا: ہاں! یہ نوجوان وہیں سے واپس گیا اور جا کر ٹریش کیبن میں سے وہ کتاب اٹھا لایا، جب لڑکی نے دیکھا کہ یہ بڑی STRONG FEELINGS (شدید جذبات) کا اظہار کر رہا ہے اس کتاب کے بارے میں تو وہ بھی محسوس کرنے لگی کہ آخر کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ بس میں اس کتاب کو گھر میں رکھنا چاہتا ہوں۔

جب اس لڑکی نے کتاب کو دیکھا کہ عربی ہے تو اس نے سوچا کہ اس کا اس سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے، وہ کہنے لگی: دیکھو! یا تو اس گھر میں یہ کتاب رہے گی یا پھر میں رہوں گی، تمہیں آج یہ (DECIDE) فیصلہ کرنا ہے۔

جب اس لڑکی نے کہا تو میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ تو نے نفس کی خواہشات کی تکمیل کے لئے وہ کچھ کر لیا جو تجھے نہیں کرنا چاہئے تھا، آج تیرا رشتہ پروردگار سے ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائیگا، اب تو فیصلہ کر لے کہ تو اس لڑکی کو چاہتا ہے یا پھر اپنے پروردگار کو چاہتا ہے، جب میں نے اپنے دل میں سوچا تو دل نے آواز دی کہ نہیں، میں اپنے مولا سے کبھی نہیں کٹنا چاہتا ہوں، میں نے اس لڑکی کو طلاق دے دی، اب میں نے دوبارہ کلمہ پڑھا اور ہمیشہ کے لئے پکا مسلمان بن گیا ہوں۔

تو اتنا غافل مسلمان ہو کر بھی دل میں اللہ رب العزت کی محبت کا بیج موجود ہوتا ہے، لہٰذا ہمیں کسی کو فسق و فجور میں مبتلا دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہئے، کیا خبر! اس کے دل میں محبت الٰہی کی جو بیج اور چنگاری چھپی ہے اسے یکلخت کہاں سے کہاں تک پہنچا دے۔

دین الٰہی سے محبت کا صلہ

مدینہ طیبہ میں ایک نوجوان رہتا تھا جو غفلت کا شکار تھا، اس کی زندگی بھی کافروں والی تھی، عادتیں بھی، لباس بھی، کھانا پینا بھی، سب کچھ اس کا بس کافروں کی

طرح تھا،لیکن ویسے کلمہ پڑھتا تھا اور مدینہ طیبہ میں پیدا ہوا وہیں کا رہنے والا تھا، جب وہ فوت ہوا تو اس کی جنازے کی نماز پڑھی گئی اور اس کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا، اللہ کی شان کہ وہ لوگ دفن کر کے واپس آئے ان میں سے ایک بندہ تھا جس کی جیب میں کوئی ایسا کاغذ تھا، جو بڑی اہمیت کا حامل تھا وہ گم ہو گیا، اس کو اندازہ ہوا کہ جب دفن کرنے کے لئے میں قبر میں اترا تھا،تو اس وقت وہ کاغذ کہیں نیچے نہ گر گیا ہو؟ کاغذ بہت اہم تھا چنانچہ اس نے حکومت سے اجازت مانگی کہ قبر کو کھولا جائے اور میرا وہ کاغذ اتنا اہم ہے وہ نکالا جائے، اس کو اجازت مل گئی جب قبر کھودی گئی تو دیکھا گیا کہ وہاں پر مرد کے بجائے ایک انگریز گوری لڑکی دفن ہے،تو قبر کھولنے والے بھی بڑے حیران !اب یہ بات کافی لوگوں میں پھیل گئی، اس کی تصویریں بھی لی گئیں، اخباروں میں چھپائی گئیں، چنانچہ یوروپ کے کسی ملک سے ان کو ایک اطلاع ملی کہ یہ تصویر تو میری بیٹی کی تصویر ہے جب اس سے رابطہ کیا گیا، اس بندے سے جا کر ملے تو اس نے کہا کہ اسکی بیٹی کی چند دن پہلے وفات ہوئی اور ہم نے تو اسے عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کیا، چنانچہ یہاں حکومت سے اجازت لے کر جب اس لڑکی کی قبر کو کھودا گیا تو دیکھا گیا کہ وہاں اس نوجوان کی لاش پڑی تھی، لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے، اس انگریز سے پوچھا گیا کہ آپ کچھ جانتے ہو یہ کیا معاملہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ اور تو مجھے پتہ نہیں لیکن اتنا مجھے اندازہ ہے کہ میری اس بیٹی نے کچھ دنوں سے اسلام کے بارے میں کتابیں پڑھنی شروع کر دی تھی اور یہ مجھے بار بار کہتی تھی، کہ میں دین اسلام سے محبت رکھتی ہوں، یہ بار بار کہتی تھی اور ہوسکتا ہے کہ اس نے کلمہ بھی پڑھ لیا ہو، تب جا کے لوگوں کو یہ بات سمجھ میں آئی کہ جو نوجوان مدینہ میں پیدا ہوا اور فقط ظاہر کا مسلمان تھا، اندر سے غیر مسلموں کے طور طریقے کو پسند کرتا تھا، اس کو اگر جنت البقیع میں دفن کیا گیا تو اللہ نے اس لاش کو عیسائیوں کے قبرستان میں پہونچا دیا اور عیسائی لڑکی اگر چہ عیسائیوں کے قبرستان میں دفن کی گئی، دین اسلام کی محبت رکھنے کی وجہ سے اللہ نے اسکی لاش کو جنت البقیع میں پہونچا دیا، لہٰذا

اگر ہمیں شوق وتمنا ہے اور دل کی آرزو ہے کہ مقدس مقام پر حسن خاتمہ ہوتو اسلام کی محبت اور اپنے خالق و مالک کی محبت کو دل میں رچا اور بسا لیجئے۔

نوٹ: اسی سے ملتا جلتا واقعہ حضرت تھانویؒ نے بیان فرمایا ہے۔

(حضرت تھانویؒ کے دلچسپ واقعات ص: ۱۷۷)

محبت بھی کیسی سمائی تھی

حضرت شبلیؒ اللہ کی محبت میں فنا ہو چکے تھے، کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو مجنون سمجھ کر کسی نے پتھر مارا، جس کی وجہ سے خون نکل آیا، ایک آدمی دیکھ رہا تھا، اس نے جب خون نکلتا دیکھا تو کہا کہ چلو میں پٹی باندھ دیتا ہوں، لہٰذا اس نے بچوں کو ڈرایا دھمکایا اور ان کے قریب ہوا، وہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو قطرہ بھی خون کا نکلتا ہے وہ زمین پر گرتے ہی اللہ کا لفظ بن جاتا ہے، وہ حیران ہوا کہ اس بندے کے رگ وریشہ میں اللہ تعالیٰ کی کتنی محبت سمائی ہوگی کہ خون کا جو قطرہ بھی گرتا ہے وہ اللہ کا لفظ بن جاتا ہے، اس کے بعد اس نے زخم پر پٹی باندھ دی۔

● حضرت شبلیؒ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت تھی کہ جب کوئی انکے سامنے اللہ کا نام لیتا تھا تو وہ جیب میں ہاتھ ڈالتے تھے اور جیب سے مٹھائی نکال کر اس بندے کے منہ میں ڈال دیتے تھے، کسی نے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں کہ لوگوں کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ جس منہ سے میرے محبوب کا نام نکلے میں اس منہ کو شیرینی سے نہ بھر دوں تو پھر اور کیا کروں۔

بستان العارفین ۴۳۱-تذکرۃ الاولیاء ۳۱۱-۳۱۲

اپنے یار کو منا لیا

نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ تھے، اللہ کی شان کہ ان پر آخری گھڑیاں آگئیں،

ان کی ایک دو تین سال کی بیٹی تھی جس کا نام حفصہ تھا، وہ اپنے ابو کے پاس آیا کرتی تھی اور سینے پر لیٹ جاتی تھی، کھیلتی تھی، باتیں کرتی تھی، آخری وقت میں جب وہ آئی اور اپنے ابو کے سینے پر لیٹی تو ابو نے اسکو کوئی responce, (توجہ) نہ دی، وہ بچی تھی ایک دو دفعہ اس نے ابو کو متوجہ کرنے کی کوشش کی جب وہ متوجہ نہ ہوئے تو ان کے سینے سے اتری اور دوسرے کمرے میں جا کر رونا شروع کر دیا، ماں نے پوچھا بیٹی کیوں رو رہی ہے، اس نے کہا، ابو مجھ سے نہیں بولتے میں نے ابو سے نہیں بولنا، میں نے بھی کٹی کر لی ہے، میں ابو سے نہیں بولونگی، ماں اس بچی کو لیکر اپنے میاں کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ دیکھیں آپ حفصہ سے کیوں نہیں بولتے ؟حفصہ کہہ رہی ہے میں نے ابو سے نہیں بولنا آپ ذرا بولیں ناں حفصہ کو منالیں، جب بیوی نے کہا کہ آپ حفصہ کو منالیں تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور فرمانے لگے، کون سی حفصہ اور کیسی حفصہ؟ ہم نے اپنے یار کو منا لیا اور اسی کو دل میں بسا لیا ہے، یہ کہتے ہوئے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کلمہ پڑھا اور ان کی روح پرواز کر گئی، یہ اللہ والوں کی زندگی ہوتی ہے، آخری وقت میں بس اللہ کی محبت ان کے دل میں ایسی بھری ہوتی ہے کہ بس غیر کی محبتوں سے دل خالی ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر بندۂ خدا کو چاہئے کہ ذکر و فکر اور مراقبہ کے ذریعہ دل کو خدا کے ساتھ اس طرح مربوط کر لے کہ اس شعر کا مصداق بن جائے:

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں
کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں
غم سے تیرے دل شاد ہے

جس نے میری توحید کی گواہی دی

حضرت یوسفؑ کے زمانے میں گندم کی کمی تھی، حکومت نے گندم اسٹور کی ہوئی تھی اور دینے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا حکم چلتا تھا، انہوں نے کارندوں کو کہا

ہوا تھا کہ اگر کوئی آئے تو اتنی قیمت لینا اور اسکے بدلے ہر بندے کو اتنی گندم دے دینا، ایک نوجوان آیا کہ گندم چاہیئے، لوگوں نے دستور اور روٹین کے مطابق اس کو دے دی وہ کہنے لگا جی اور چاہیئے، انہوں نے کہا بھئی ہم تو ایک قانون کے مطابق دیتے ہیں، تجھے اگر زیادہ چاہیئے تو پھر یوسفؑ کے پاس جا ان کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہے جتنا دے دے، وہ نوجوان حضرت یوسفؑ کے پاس آیا، حضرت مجھے اور گندم چاہیئے، انہوں نے دلوادیا، وہ کہنے لگا حضرت اور چاہیئے، او خدا کے بندے! اتنی گندم انہوں نے بھی دی، اتنی گندم میں نے بھی دلوائی اور مانگتا ہے تیرا جی نہیں بھرتا، اس نے کہا حضرت آپ کو پتہ چل جائے کہ میں کون ہوں تو آپ مجھے بہت زیادہ دیں، جب اس نے یہ الفاظ کہے تو حضرت یوسفؑ متوجہ ہوئے اور پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا حضرت جب زلیخا نے آپ پر بہتان باندھا تھا تو جس چھوٹے بچے نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی وہ چھوٹا بچہ میں ہوں، اب بڑا ہو کر جوان ہو گیا ہوں، حضرت نے جب یہ سنا تو اتنا پیار آیا کہ اس بچے کو سینے سے لگایا اور اسکو گندم بھی دلوائی اور انعام بھی دلوایا، بلکہ لوگوں کو کہا کہ اسکو گھر پہونچا کے آو، جب لوگ اس کو گھر پہونچانے کے لئے گئے، اللہ تعالی نے یوسفؑ پر وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے پیغمبرؑ آپ نے اس نوجوان کا بڑا ہی اکرام کیا، تو عرض کی اے اللہ یہ وہ نوجوان ہے جس نے میری پاکدامنی کی گواہی دی تھی، آج یہ جب میرے سامنے آیا تو میرا جی چاہا کہ میں اتنا دوں جتنا میں دے سکتا ہوں، اللہ تعالی نے فرمایا اے یوسفؑ گواہ رہنا، اس نے آپ کی پاکدامنی کی گواہی دی جب وہ آپ کے پاس آیا، آپ نے اتنا دیا جو آپ کے مقام کے مناسب تھا، تو میں پروردگار بھی کہتا ہوں کہ جو میرا بندہ دنیا میں میری وحدانیت کی گواہی دیگا جب قیامت کے دن میرے پاس آئیگا، میں بھی اسکو اتنا دونگا جو میری شان کے مناسب ہوگا، یہ ہے محبت خدا کی ایک جھلک کہ صرف توحید پر اپنی شان کے مطابق عنایت کریں گے تو اگر توحید کے ساتھ دل محبت سے بھی چھلک رہا ہو تو کس قدر نوازا جائیگا، اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

(الزھر الفائح ۳۹، شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد بن یوسف ابن الجزری المتوفی ۸۳۳ھ)

دودھ اور پانی کا دلچسپ مکالمہ

ایک صاحب نے عجیب سی بات سنائی، اچھی لگی، آپ لوگوں کو بھی سنا دیتے ہیں، کہنے لگے کہ حلوائی دودھ کو آگ پر گرم کر کے جب اس کی ملائی بناتے ہیں تو پہلے اس میں پانی ڈالتے ہیں، حلوائی لوگ جو کڑاہی میں دودھ ڈال کر گرم کرتے ہیں، وہ فقط دودھ نہیں ہوتا بلکہ اس میں پانی بھی ملاتے ہیں، کیونکہ وہ پک کر خشک ہوتا ہے اور ملائی بن جاتی ہے، وہ عالم فرمانے لگے کہ جب حلوائی دودھ میں پانی ڈالنے لگا تو پانی اور دودھ کے درمیان مکالمہ ہوا۔

دودھ نے کہا: جناب! میرا رنگ بھی گورا، سفید چٹا! میری قیمت بھی اعلیٰ، میرا ذائقہ بھی بہترین، میرے اندر غذائیت بھی بہت زیادہ ہے، اے پانی! تیرے اندر تو ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، نہ تیری شکل ہے، نہ تیری قیمت، نہ تیرا ذائقہ ہے، تو کیوں مجھ میں شامل ہو رہا ہے؟ میرے اور تیرے درمیان بڑا فرق ہے، میں اعلیٰ ہوں، تو ادنیٰ ہے، میرا تیرا کیا جوڑ؟ بھئی!

پانی نے کہا: دودھ صاحب! بات آپ کی بالکل ٹھیک ہے، آپ اعلیٰ، آپ کی قیمت اعلیٰ، آپ کے طلب گار زیادہ لوگ ہیں، آپ کی قیمت بھی بہت ہے اور آپ کی غذائیت بھی بہت ہے اور میں کم قیمت ہوں، میری شکل دیکھنے میں اتنی اچھی نہیں، ذائقہ بھی کوئی نہیں، میں ادنیٰ ہوں اور آپ اعلیٰ، لیکن مجھے اپنے اندر شامل ہونے دیں اس لیے کہ میں وفادار ہوں، میں اگر آپ میں شامل ہوا تو وفا کروں گا۔

دودھ نے کہا: اچھا! آپ میں وفا بڑی ہے، بھئی! ذرا بتاؤ تو سہی کہ وہ وفا کیسے ہوگی؟

پانی نے کہا: جناب! وفا ایسی کہ جب آپ کو آگ پر رکھ کر گرم کریں گے تو جب تک میرا آخری قطرہ پہلے بھاپ نہیں بن جاتا، میں اس وقت تک آپ کو آنچ نہیں آنے دوں گا۔

(جب دودھ میں پانی ڈال کر آگ پر پکاتے ہیں تو پہلے پانی اڑتا ہے، بعد میں

دودھ کی باری آتی ہے)

تو پانی نے کہا: جناب! میرے میں وفا ایسی کہ پہلے میں آگ کی غذا بنوں گا، اور جب تک میں موجود رہوں گا، اس وقت تک آپ بھاپ نہیں بن سکتے، اس لیے مجھے ملنے دیجیے۔

دودھ نے کہا: اچھا! پھر آؤ، مجھے گلے ملو، تم اتنے وفادار ہو! مگر ایک بات میری بھی سن لو! جب تم نے مجھے گلے لگانے کی کوشش کی وفا کے ساتھ، تو پھر ایک بات ذہن نشین رکھو کہ جس قیمت پر میں بکا کروں گا، قیمت تمہاری بھی وہی لگے گی، جب پانی دودھ سے ملا تو پانی کی قیمت دودھ کے ساتھ لگ گئی، اگر ہم اللہ پاک سے سچی محبت کرنے والوں کے ساتھ مل جائیں تو انشاء اللہ ہماری بھی وہی قیمت لگے گی جو عاشقانِ خدا کی ہوگی۔

چڑیے کو اپنے بچے سے محبت

حضرت عامر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے، ایک درخت پر انہوں نے ایک گھونسلہ دیکھا جس میں چھوٹے چھوٹے بچے تھے، چڑیا کہیں گئی ہوئی تھی، ان کو وہ پیارے لگے، اچھے لگے ان کو انہوں نے اٹھا لیا، ذرا دیر میں چڑیا آ گئی اس نے ان کے سر پر چہچہانا شروع کر دیا، وہ ان کے سر پر اڑتی رہی چہچہاتی رہی، وہ صحابیؓ سمجھ نہ پائے بالآخر تھک کر چڑیا انکے کندھے پر بیٹھ گئی، انہوں نے اس کو بھی پکڑ لیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر پیش کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بچے کتنے پیارے اور خوبصورت ہیں، اور واقعہ بھی سارا سنایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بات سمجھائی کہ ماں کے دل میں بچوں کی اتنی محبت تھی کہ پہلے تو یہ تمہارے سر پر اڑتی رہی، فریاد کرتی رہی میرے بچوں کو آزاد کر دو، میں ماں ہوں، مجھے بچوں سے جدا نہ کرو، مگر آپ سمجھ نہ سکے، تو اس ننھی سی جان نے یہ فیصلہ کیا کہ میں بچوں کے بغیر تو رہ نہیں سکتی، میں اس آزادی کا کیا کروں گی، میں بچوں سے جدا ہوں، اس لئے تمہارے کندھے پر آ کر بیٹھ گئی، اگرچہ میں

قید ہوجاؤں گی مگر بچوں کے تو ساتھ رہوں گی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو واپس اپنی جگہ چھوڑ آؤ..... جب پرندہ کو اپنے بچے سے اس قدر محبت تو پھر خدائے پاک کو اپنے بندوں سے کس قدر محبت ہوگی!

(ابوداؤد کتاب الجنائز ۳۰۸۹)

حضرت سلیمانؑ کے زمانے کی دو عورتیں

حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں دو عورتیں تھیں چھوٹے چھوٹے ایک جیسے بچے اٹھائے ہوئے تھیں، جنگل میں جارہی تھیں، ایک بھیڑیا آیا، اور اس نے اس میں سے ایک عورت کے بچے کو چھین لیا اور بھاگ گیا، تھوڑی دیر کے بعد اس عورت کے دل میں یہ خیال آیا، کہ یہ دوسری عورت کا بچہ میں لے لوں، اس نے جھگڑا شروع کردیا، معاملہ حضرت سلیمانؑ تک پہنچا، دونوں اپنا حق جتلاتی ہیں، وہ کہتی ہے اس کے بچے کو بھیڑیا لے گیا، سلیمانؑ نے فرمایا چھری لاؤ، میں اس بچے کے دو ٹکڑے کرتا ہوں اور دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کردیتا ہوں، ان میں سے جب ایک نے فیصلہ سنا تو وہ کہنے لگی ٹھیک ہے، لیکن جب دوسری نے سنا تو رونا شروع کردیا، کہنے لگی میرے بچے کے ٹکڑے نہ کرو، اس دوسری عورت کو دے دو یہی پالے گی، کم از کم میرا بچہ زندہ تو رہے گا، آپ سمجھ گئے کہ یہ بچہ اس عورت کا ہے، آپ نے اسے عطا فرمادیا، محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ محبوب کو تکلیف پہنچنے نہ پائے، اسے کانٹا چبھنے نہ پائے، اگر ہم نے اپنے پیارے اللہ سے محبت کا رشتہ مضبوط کرلیا تو پھر وہ کیسے گوارہ کریگا کہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچے، خواہ دنیا میں ہوں یا قبر میں، محشر میں ہوں یا پل صراط پر۔

(صحیح مسلم ۵۹۲ ۱۴ اختلاف المجتہدین - مسند احمد ۶۲۶۳ - البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۳۲)

جب ماں کی محبت کا یہ حال.....

چائنا میں پچھلی صدی میں ایک زلزلہ آیا تھا، جس میں کئی لاکھ آدمی موت کے آغوش میں چلے گئے، ایک بڑی بلڈنگ (multy story) تھی، اس کا ملبہ ہٹانے میں کئی دن لگ گئے، تو نیچے ایک جگہ ایک کنکریٹ سلیب (concrete slab) گری ہوئی تھی، اسکے نیچے ایک عورت کو بے ہوش دیکھا گیا، ایک بچہ اس کے ساتھ لیٹا ہوا تھا، ہاسپٹل لے گئے، ٹریٹمنٹ (treatment) ہوئی، جب وہ عورت ہوش میں آ گئی تو ڈاکٹروں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ تیرے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے زخمی ہیں؟ اس نے بتایا کہ میرے اوپر چھت اس طرح گری کہ میں ایک کونے کے اندر محفوظ تھی، بچہ میری چھاتی سے لگا ہوا تھا، اور میں سمجھتی تھی کہ اگر میری زندگی ہوئی تو کوئی کنکریٹ ہٹائیگا اور مجھے نکالیگا، ایک دو دن تو میں بچے کے ساتھ رہی اسے دودھ پلاتی رہی، خود بھوکی پیاسی تھی اب میرے اپنے سینے میں دودھ ختم ہو گیا، میرا بچہ روتا میں اسے بہلاتی، لیکن بچے کا رونا مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا، میں کبھی اس کے منہ میں انگلی ڈالتی، کبھی اپنی زبان ڈالتی، جب بچے کے پیٹ میں کچھ نہ جاتا تو وہ روتا، کہنے لگی میرے دل میں خیال آیا کہ بچے کو میں دودھ تو نہیں پلا سکتی میرے جسم کے اندر خون تو موجود ہے، میں نے اپنے ہاتھ کی انگلی کو دانتوں سے کاٹا اور جب اس میں سے خون ٹپکنے لگا تو میں نے وہ انگلی بچے کے منہ میں ڈال دی، بچے نے چوسنا (suck) شروع کر دیا، جب بچے کے پیٹ میں کچھ جانے لگا تو یہ خاموش ہوا، اب میں ایک انگلی کاٹتی پھر دوسری کاٹتی میں نے اس بچے کو اتنا اپنا خون پلایا کہ میں بھی بے ہوش ہو گئی بچہ بھی بے ہوش ہو گیا۔

اب آپ لوگوں نے نکالا ہے تو دوائیوں سے ہم پھر دوبارہ ہوش میں آ گئے، لوگ حیران ہو گئے کہ ماں کی محبت اس درجے تک ہوتی ہے کہ اگر وہ محسوس کرے کہ اپنے جسم کا خون دے کر اپنے بچے کی جان بچا سکتی ہے تو ماں اس سے بھی گریز نہیں کیا کرتی، اس کو ماں کی محبت کہتے ہیں۔

جب ماں کی ممتا کا یہ حال.....

کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک ولی تھے، ان کی والدہ فوت ہو گئی، تو اللہ رب العزت نے ان کے دل میں الہام فرمایا ''اے میرے پیارے جس کی دعائیں تیری حفاظت کرتی تھیں وہ ہستی اب دنیا سے چلی گئی، اب ذرا سنبھل کے قدم اٹھانا'' کہ جس کی دعائیں تیری حفاظت کرتی تھیں وہ ہستی دنیا سے چلی گئی۔

ماں اگرچے بڑھاپے کی وجہ سے ہڈیوں کا ڈھانچہ کیوں نہ ہو، بیمار کیوں نہ ہو ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتی مگر بستر پر پڑے پڑے جب اس کی زبان سے دعا نکلتی ہے وہ بچے کی حفاظت کر دیا کرتی ہے۔ اللہ اکبر

☆ ایک مرتبہ میں نے کسی جگہ امتحان لینا تھا پردے میں طالبات موجود تھیں، میں نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ کہ دنیا میں سب سے زیادہ آسانی سے کون مان جاتا ہے؟ تو بچی نے جواب دیا کہ ماں جلدی مان جاتی ہے۔

میں نے پوچھا کیسے؟

کہنے لگی اپنے گھر میں میں دیکھتی ہوں میرا بڑا بھائی جب بھی کوئی گڑبڑ کرتا ہے، تو امی اس کو سمجھاتی ہے، ناراض ہو جاتی ہے، ایسے نہیں کرنا تھا تم نے ایسے کرنا تھا، یوں کیوں کیا یوں کیوں کیا؟ تو میرا بھائی منہ بنا کے باہر نکل جاتا ہے، تو جیسے ہی باہر نکلتا ہے میں دیکھتی ہوں کہ امی اس کے لئے دعائیں کرنے لگ جاتی ہے، وضو کرتی ہے مصلے پر آ جاتی ہے نفل پڑھنے لگ جاتی ہے اب ماں نفل پڑھ کر دعا مانگ رہی ہے، اے اللہ میرا بچہ کسی برے کے ہاتھ نہ

لگ جائے، اللہ میرے بچے کو خیریت سے واپس لوٹا دینا اب ماں جب دعائیں مانگتی ہیں تو میں ان سے کہتی ہوں کہ اماں اگر آپ نے اس طرح رونا ہی تھا تو پھر اس کو ڈانٹا کیوں؟

ماں کہتی ہے آخر میں ماں ہوں تربیت بھی تو میں نے ہی کرنی ہے، میں نہیں سمجھاؤں گی تو کون سمجھائیگا، مگر میرا یہ بھی دل نہیں چاہتا کہ اولاد میری نظر سے دور ہو جائے، چنانچہ میں دعا مانگ رہی ہوں اللہ کرے میرا بیٹا جلدی واپس آجائے، اب اس دوران کھانے کا وقت ہو جاتا ہے گھر کے سارے لوگ آ کے کھانا کھا لیتے ہیں، میں دیکھتی ہوں کہ امی کھانا نہیں کھاتی، میں کہتی ہوں امی کھانا کھا لے، ماں کہتی ہے بیٹی پتہ نہیں تیرے بھائی نے کھانا کھایا ہوگا یا نہیں، میرا کھانے کو جی نہیں چاہتا، پھر رات کا وقت آجاتا ہے، گھر کے سارے لوگ سو جاتے ہیں، ایک امی جاگ رہی ہوتی ہے، ابو بھی امی کو ڈانٹتے ہیں کہ تیری بے جا شفقت نے، محبت نے بچے کو بگاڑ دیا، ماں بھی ڈانٹ سن لیتی ہے، پھر بھی راتوں کو جاگتی ہے، پوچھتی ہوں اماں کیوں جاگ رہی ہو؟ کہتی ہے بیٹی ایسا نہ ہو کہ تیرا بھائی آئے اور دروازہ کھٹکھٹائے اور اسے دروازے پے انتظار کرنا پڑ جائے۔

یہ ماں روتی ہے، سوتی بھی نہیں، کھاتی بھی نہیں، کس لئے؟ بچے کی محبت اس کے دل میں موجود ہے، ذرا سی آہٹ اس کو آتی ہے، ہوا سے بھی دروازہ بند ہوتا ہے تو ماں اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے کہ میرا بیٹا تو نہیں آ گیا، اور آدھی رات کے وقت جب بھائی گھر آتا ہے اور گھر آ کے اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے تو امی مجھے آ کے جگاتی ہے، بیٹی تمہارا بھائی آ گیا، اسے کھانا پکا کے اسے گرم کھانا دو، میں کہتی ہوں امی اس نے کمرہ بند کر لیا صبح کھالیگا، صبح ہوتی ہے تو ماں پھر میرے پاس آتی ہے، بیٹی رات کا بھوکا ہے چلو اپنے بھائی کو کھانا دے دو میں کہتی ہوں امی جب اتنی محبت ہے تو پھر آپ بچے سے کیوں ناراض ہوتی ہیں؟ ماں کہتی ہے بیٹی میں تو بچے سے راضی ہونے کے لئے تیار ہوں بس اتنا کہتی ہوں کہ وہ میرے پاس آ کے کہہ دے امی غلطی ہوئی بس اسکے غلطی کا لفظ کہنے پر میں اس کو معاف کر دوں گی اب جو ماں

تیار بیٹھی ہے کہ بیٹا اتنا ہی کہہ دے امی مجھ سے خطا ہوئی، غلطی ہوئی وہ ماں تو جلدی معاف کر دیگی، میں نے کہا کہ اچھا اگر ماں کو زیادہ غصہ تھا اور ان الفاظ پر اگر ماں معاف نہیں کرتی کہ امی مجھے معاف کر دے تو پھر؟

تو وہ کہنے لگی کہ اگر میرا بھائی آ کر امی کے پیر پکڑ لے تو امی اسی وقت نرم ہو جائیگی اور بچے کو کہے گی کہ اچھا بیٹا میرے پاؤں مت پکڑو میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

میں نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ ناراض تھی، پاؤں پکڑنے پے بھی راضی نہیں ہوتی تو اب بتاؤ؟ کہنے لگی اگر میرا بھائی آ جائے اور امی کے پاس بیٹھ کر آنکھوں سے دو آنسو اس کے نکل آئیں، ماں اپنے بیٹے کے آنکھوں کے آنسو برداشت نہیں کر سکتی، اپنے دوپٹے سے آنسوؤں کو پوچھے گی کہے گی بیٹا میں ناراض نہیں چل میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

یہ ماں کی ممتا ہے کہ بیٹے کے آنسو برداشت نہیں کر سکتی، ناراض ہوتی ہے وہ بھی ظاہری طور پر ورنہ دل تو اس وقت بھی اولاد سے محبت کر رہا ہوتا ہے، کاش کہ ہم ماں کی حقیقت کو پہچانتے کہ ماں کو اولاد کے ساتھ کیا محبت ہوتی ہے..... جب ماں کی ممتا کا یہ حال کہ دو قطرہ آنسو کو برداشت نہ کر پائی اور سینے سے چمٹا لیا، تو اللہ رب العزت جو ستر ماؤں سے زیادہ شفیق و رحیم ہیں، کیا ہمارے آنسوؤں پر محبت و رحمت اور مغفرت سے نہ چمٹائیگا، ضرورت ہے ندامت کے چند قطرے بہانے کی۔

حضرت ابراہیمؑ سے پرندہ کی محبت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، تو اس آگ کے شعلے اتنے بلند تھے کہ وہ آگ چالیس دن تک جلتی رہی، کوئی آگ کے قریب نہیں جا سکتا تھا، اس وقت ایک چھوٹا سا پرندہ چونچ میں پانی لے جا کر اس آگ کے اوپر ڈالتا تھا، کسی دوسرے پرندے نے اس سے کہا کہ بھئی! تیرے اس پانی ڈالنے سے آگ تو نہیں بجھ سکے گی، کہنے

لگا، یہ تو میں بھی جانتا ہوں آگ نہیں بجھ سکے گی، لیکن میں نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دوستی کا حق ادا کرنا ہے.....ہم بھی تھوڑی دیر ذکر و مراقبہ میں بیٹھ کر محبت کا حق ادا کریں۔

صحابیہ میں قربانی کی تڑپ

دورِ صحابہ میں گھروں کے اندر عورتیں دین کے خاطر قربانی دینے کے لئے تڑپتی تھیں، ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جہاد کی تیاری کرو، مدینہ طیبہ میں ایک صحابیہ اپنے چھوٹے سے بچے کو گود میں لے کر بیٹھی ہے اور زار و قطار رو رہی ہے، رو کیوں رہی ہے۔۔۔۔اس لئے کہ اس کا خاوند پہلے ہی کسی جنگ میں شہید ہو گیا تھا، اور گھر میں کوئی مرد نہیں تھا کہ جس کو تیار کر کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بھیج سکے، رو رو کر جب طبیعت ہلکی ہو گئی تو اپنے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئی، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اس بچے کو جہاد کے لئے قبول فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنا چھوٹا بچہ جہاد میں کیسے شریک ہو سکتا ہے، عرض کرنے لگیں: اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میرے اس بچے کو ایسے مجاہد کے حوالے کر دیجئے کہ جس کے پاس ڈھال نہ ہو، تاکہ جب وہ مجاہد جہاد میں جائے اور سامنے سے دشمن تیروں کی بارش برسائے، تو وہ تیروں سے بچنے کے لئے میرے بیٹے کو آگے کر دے، میرا معصوم بیٹا تیروں کے روکنے کے کام آ سکتا ہے۔

جس قوم کی عورتوں کی محبت کا یہ عالم ہو اس قوم کے مردوں کا عالم کیا ہو گا۔۔۔!

یہ وہ لوگ تھے جن کے قلوب محبت سے امنڈتے تھے، عشق و وفا کی وجہ سے تڑپتے تھے۔

اللہ اللہ اللہ

اللہ اللہ اللہ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ
مِن وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (مسلم)

محبت رسول ﷺ

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے
نقش روئے محمد بنایا گیا

پھر اسی نور سے مانگ کر روشنی
بزم کون ومکان سجایا گیا

وہ محمد بھی احمد بھی محمود بھی
حسن فطرت کا شاہد بھی مشہود بھی

علم وحکمت میں وہ غیر محدود بھی
ظاہراً امیوں میں اٹھایا گیا

حضرت عباسؓ کا پرنالہ

حضرت عباسؓ کے گھر پرنالے کا رخ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن کی طرف تھا، بارش ہونے کی وجہ سے پرنالے سے پانی مسجد کے صحن میں گرتا اور کیچڑ ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے نمازیوں کو تنگی ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے اجتماعی فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پرنالے کو اکھڑوا دیا، حضرت عباسؓ نے ان سے کہا خدا کی قسم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے پر کھڑے ہو کر لگایا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا، خدا کی قسم اس میں شک نہیں، اب تم میرے کندھے پر چڑھ کر اُسے لگانا پڑے گا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے کندھے پر چڑھے اور اس کو لگایا، پھر دنیا نے دیکھا کہ وہ امیر المومنین، جن سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے اور کانپتے تھے، وہ جا کر رکوع کی حالت میں جھکے اور حضرت عباسؓ نے ان کی کمر کے اوپر کھڑے ہو کر وہ پرنالہ لگایا۔

(وفاء الوفاء ۲ / ۴۹۲ - سیر الصحابہ - مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ۵۸)

اللہ اللہ اللہ

اللہ اللہ اللہ

یا ایھا الذین آمنوا اِتّقُوا اللّٰہ و کونوا مع الصّادقین

صحبت شیخ

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردِ کامل پامال شو
صد کتاب وصد ورق در نار کن جان ودل را جانب دلدار کن

صحبت سوسال کی عبادت کے برابر کیوں؟

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ایک مرتبہ حضرت اقدس تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ شعراء حضرات جب اپنا کلام لکھتے ہیں تو افراط وتفریط کے شکار ہوجاتے ہیں، جس طرف رجحان ہوتا ہے بات کو لمبی کردیتے ہیں اور جہاں نہیں ہوتا اس کو ضرورت سے زیادہ گھٹادیتے ہیں، تو مجھے لگتا ہے کہ مولانا رومؒ نے بھی ایک شعر میں کچھ ایسا ہی عمل کیا ہے، کون سا شعر؟ کہا کہ جی انہوں نے فرمایا:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک لمحہ بیٹھنا سوسال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے، اگر عبادت کہہ دیتے تو بھی بات سمجھ میں آجاتی، نہیں سوسال کی بے ریا عبادت، حضرت اقدس تھانویؒ بھی حکیم الامتؒ تھے فرمایا کہ اس شعر کو میں پڑھوں؟ جی حضرت! فرمایا:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از لکھ سالہ طاعت بے ریا

اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت پر حسن خاتمہ اور نجات کا وعدہ نہیں جبکہ صحبت پر کم از کم حسن خاتمہ ضرور حاصل ہوتا ہے۔

(مشائخ چشت ۲۷۲-کمالات اشرفیہ)

صحبت کی برکت

ایک چیونٹی کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں کسی طرح خانہ کعبہ پہنچوں اور بیت اللہ کی زیارت کروں، لیکن وہ تو وہاں سے کوسوں دور تھی، وہ روزانہ سوچتی رہ جاتی کہ

میں چھوٹی سی مخلوق ہوں، بھلا وہاں کیسے پہنچ سکتی ہوں؟ ایک دفعہ جہاں وہ رہتی تھی کبوتروں کا ایک غول آ گیا اور کھیتوں سے دانہ وغیرہ چوگنے لگا، چیونٹی نے یہ کیا کہ ایک کبوتر کے پنجے سے چمٹ گئی جیسے ہی کبوتر نے اڑان بھری وہ بھی اس کے ساتھ ہی اڑ گئی، آخر کار کبوتر خانہ کعبہ پہنچ گئے تو وہ بھی خانہ کعبہ پہنچ گئی اور اپنی مراد کو پالیا۔

اب دیکھیں! کہ تھی تو وہ چیونٹی ہی، کبوتر تو نہیں بن گئی لیکن کبوتر کے ساتھ لگنے کی وجہ سے جہاں کبوتر پہنچا وہاں وہ بھی پہنچ گئی۔

یہی حال اولیاء اللہ کی صحبت کا ہے کہ ان کے ساتھ لگنے کی وجہ سے کم تر شخص بھی کسی مرتبے کو پالیتا ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل کیوں؟

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے سوال پوچھا کہ حضرت! سیدنا امیر معاویہؓ کا درجہ بڑا ہے یا عمر بن عبدالعزیزؒ کا؟ عمر بن عبدالعزیزؒ بعد کے دور کے تھے اور خلیفہ عادل تھے، جب کہ سیدنا امیر معاویہؓ کے زمانے میں بہت لڑائیاں رہیں اور انہیں جنگوں کی وجہ سے حالات پرامن نہ تھے اسی لئے اس آدمی نے ان دو شخصیات کے بارے میں سوال کیا، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے ایسا جواب دیا جو سونے کی روشنائی سے لکھنے کے قابل ہے، فرمایا: جب سیدنا امیر معاویہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کے لئے نکلے اور ان کے گھوڑوں کے نتھنوں میں جو گرد اور مٹی جا پڑی، عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی اس مٹی کا رتبہ بڑا ہے، تو یہ فرق کس وجہ سے پڑا؟ صحبت کی وجہ سے پڑا۔

جو نعمتیں اور برکتیں صحبت سے ملتی ہیں، وہ اس کے بغیر بندے کو حاصل نہیں ہوسکتیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ۷/ ۳۴۹-الفتنۃ فی عہد الصحابۃ ۱/ ۱۳۶)

سفیان ثوریؒ ابو ہاشمؒ کی صحبت میں

حضرت سفیان ثوریؒ ایک بزرگ کی صحبت میں جاتے تھے جن کا نام ابو ہاشم تھا (المتوفی ۱۵۰ھ) اور حضرت سفیان ثوریؒ ان کو کہتے تھے ابو ہاشم الصوفی، یہ الصوفی کا لفظ حضرت سفیان ثوریؒ جیسے جلیل القدر استعمال فرماتے تھے، آج کہتے ہیں اپنے آپ کو سلفی، حنبلی وغیرہ، لیکن تصوف کو نہیں مانتے، جبکہ صوفی کا لفظ اتنے بڑے محدث استعمال فرمارہے ہیں، کسی نے پوچھا آپ اتنے بڑے محدث بھی اور اتنے بڑے فقیہ بھی تو آپ ایسے بندے کے پاس جاتے ہیں، امام صاحبؒ نے ایسا جواب دیا کہ انہی کو زیب دیتا ہے کہ میں ریا کی دقیق باتوں سے کبھی واقف نہیں ہوسکتا تھا، اگر ابو ہاشم کی صحبت میں نہ بیٹھتا، یہ ریا کو پہچاننا اس کی تفصیلات سے آگاہ ہونا، مشائخ کی صحبت میں بیٹھ کر راز کھلتے ہیں۔

(عوارف المعارف ۲۰۴-الفتاوی الحدیثیہ لابن حجر ہیثمی ۱/ ۷۶۵)

مولانا رومؒ شیخ کی صحبت میں

مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

بے عنایت حق وخاصان حق

گر ملک باشد سیاہ تست ورق

کہ حق اور خاصان حق کی عنایت کے بغیر تم فرشتے بھی بن جاؤ گے تو بھی تمہارا نامہ اعمال سیاہ رہیگا، اس لئے فرماتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزی نہ شد

مشہور واقعہ ہے، ایک دفعہ بیٹھے بچوں کو پڑھا رہے تھے، وضو کے لئے تالاب بھی قریب تھا، اس وقت شمس تبریزؒ آئے، انہوں نے آکے پوچھا مولانا روم سے کہ ایں چیست؟

(یہ کیا ہے) مولانا روم نے کہا، ایں قال است (یہ قال ہے) حضرت نے کتاب مانگی اور لے کر پانی میں ڈال دیا، اس زمانے میں فوٹوں کا پیاں تو ہوتی نہیں تھی، مخطوط نسخے ہوتے تھے جو قلم اور سیاہی سے لکھے جاتے تھے، کتاب کو پانی سے بچانا بڑا ضروری ہوتا تھا، مولانا رومؒ بہت گھبرائے کتاب ہی گئی، جب انہیں گھبرائے ہوئے دیکھا تو ہاتھ ڈال کر شمس تبریزؒ نے کتاب نکالی، اس کو جو ہاتھ سے جھاڑا تو اس میں سے دھول نکلنے لگی، مولانا روم حیران! کہا: ایں چیست؟ (یہ کیا ہے) انہوں نے فرمایا کہ ایں حال است (یہ حال ہے)۔

حال دل ایک نعمت ہے جو اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر ملتی ہے، اور قیل وقال کرنے والے بالآخر صاحب حال بن جاتے ہیں..... دل پر محبت کا رنگ آجاتا ہے **ومن احسن من اللہ صبغة** کا مصداق نظر آنے لگتا ہے۔

(معارف شمس تبریز ص:۶-صاحب المثنوی ص:۱۴۰)

حضرت گنگوہی مرشد کی صحبت میں

ہمارے اکابر علماء دیوبند میں حضرت گنگوہیؒ کو فقہ میں ممتاز حیثیت حاصل ہے، فقیہ امت تھے، جب تعلیم سے فارغ ہوئے تو دل میں خیال آیا کہ تھانہ بھون جائے اور حضرت حاجی امداداللہؒ کے پاس ایک دن رہ کر آئے، جیسے طلبہ جاتے ہیں دعائیں کروانے کے لئے، ملنے کے لئے، زیارت کے لئے، اب جب یہ گئے حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی تو ملاقات کے بعد واپسی کی اجازت مانگی، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں رشید احمد آپ کچھ دن ہمارے پاس بھی رہ جایئے، انہوں نے تھوڑے سے تامل کے بعد عرض کیا جی بہت اچھا۔

حاجی صاحب نے خادم سے فرمایا کہ بھئی میاں رشید احمد کی چارپائی ہماری چارپائی کے قریب ڈال دینا بس اسی میں کام ہوجانا تھا، سو گئے، فرماتے ہیں کہ جب تہجد کا وقت ہوا تو میری آنکھ کھلی میں نے دیکھا کہ کوئی نفلیں پڑھ رہا ہے، کوئی ذکر واذکار کر رہا ہے، کوئی

دعائیں مانگتے ہوئے رو رہا ہے، کوئی سجدے میں رو رہا ہے، عجیب کیفیت تھی خانقاہ میں، فرماتے ہیں کہ میرا نفس تو چاہتا تھا کہ لیٹا رہوں سویا رہوں مگر دل نے کہا رشید احمد ورثۃ الانبیاء میں شمولیت کی تمنا تو تمہیں بھی ہے اور انبیاء کرام کا خلق تو یہ تھا کہ "**کانوا قلیلا من اللیل ما یہجعون، وبالاسحار ھم یستغفرون**"

''وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخری شب میں استغفار کیا کرتے تھے''

کہنے لگے مجھے آیتیں یاد آنی شروع ہوگئیں، احادیث یاد آنی شروع ہوگئیں حتی کہ بستر نے مجھے اچھال دیا، میں اٹھ بیٹھا میں نے بھی وضو کیا اور کچھ نفلیں پڑھیں اور اس کے بعد جیسے اور لوگ ذکر کر رہے تھے میں نے بھی ذکر شروع کر دیا، فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز پڑھ کر حاجی صاحب کے پاس آیا تاکہ رخصت ہونے کی اجازت مانگوں، حضرت حاجی صاحب نے پوچھا میاں رشید احمد اگر ذکر کرنا ہی ہے تو پھر سیکھ کر کیوں نہیں کرتے، میں نے کہا حضرت سکھا دیجئے! اسی وقت بیعت ہو گئے۔

بیعت ہونے کے بعد میری حالت بدل گئی، میں نے فیصلہ کیا کہ اب چالیس دن یہیں گزاروں گا، حضرت نے بھی رکھ لیا، اب ذکر شروع ہو گیا، اذکار بتانے لگ گئے، ایک مہینہ محنت رہی، اپنی چراغ بتی تو پہلے ہی ٹھیک کر آئے تھے، حاجی صاحب نے تو فقط اس کو سلگانا تھا، آگ لگانی تھی، بھڑکانا تھا، ایک مہینے کے اندر الحمد للہ ان کا کام بن گیا، حاجی صاحب نے جب دیکھا کہ اب ان پر ذکر کے اثرات کافی گہرے نظر آتے ہیں تو حاجی صاحب نے امتحان لیا، یہ اللہ والے بھی امتحان لیتے ہیں یہ بھی جانچ پڑتال کرتے ہیں، آزماتے ہیں کہ بندے پر ذکر کا اثر ہوا بھی کہ نہیں۔

تذکرۃ الرشید ۱/ ۴۸-مولانا رشید احمد گنگوہی حیات اور کارنامے ۳۹، ۴۰

ایک مرتبہ حضرت حافظ ضامن شہیدؒ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے گھر پہنچے تو دسترخوان پر تکلف کھانوں سے سجا ہوا تھا، مگر حاجی صاحبؒ نے تھوڑی سی دال اور دو روٹی

حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ میں دے دی اور کہا میاں رشید احمد وہاں بیٹھ کر کھالو، حاجی صاحبؒ خود تو کھا رہے ہیں مرغے چرغے، اور ان کو دے دی دال روٹی، آج کا مرید ہوتا تو بیعت ہی توڑ دیتا، کہتا پیر صاحب میں عدالت نہیں ہے، لیکن وہ تو سمجھتے تھے کہ اللہ والے بڑے دانا ہوتے ہیں، حکیم ہوتے ہیں ان کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، حضرت گنگوہیؒ دسترخوان کے کونے پر بیٹھ کر کھانے لگ گئے، حاجی صاحبؒ کچھ دیر تو بیٹھے کھاتے رہے پھر کچھ دیر کے بعد ایسے فرمانے لگے جیسے کوئی غصے میں بات کرتا ہے، فرمایا :میاں رشید احمد! عرض کیا جی حضرت، فرمایا :دل تو چاہتا تھا تجھے اور بھی دور بٹھاؤں، یہ تم پر احسان کیا کہ دسترخوان کے کونے پر بٹھادیا، ایک تو دی دال اور اوپر سے احسان کے دسترخوان کے کونے پر بٹھالیا، یہ الفاظ جب کئی لوگوں کے سامنے کہے جائیں اور وہ بھی کسی بڑے عالم سے تو نفس زیادہ بھڑکتا ہے، اس کے بعد حاجی صاحب نے آپ کے چہرے کو دیکھا کہ نفس بھڑکتا ہے یا نہیں مگر وہاں تو نفس مٹ چکا تھا، پامال ہو چکا تھا، انہوں نے جب یہ سنا تو چہرے پر بشاشت آ گئی اور کہنے لگے کہ حضرت! آپ نے سچ فرمایا میں تو آپ کے جوتوں میں بیٹھنے کے بھی قابل نہیں تھا، یہ تو آپ کا احسان ہے کہ آپ نے دسترخوان کے کونے پر بٹھالیا، حاجی صاحبؒ نے جب دیکھا کہ نفس بھڑکنے کے بجائے چہرے پر بشاشت ہے تو فرمایا الحمدللہ ذکر کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں، چنانچہ دعوت کے بعد واپس آ کر حاجی صاحبؒ نے اجازت وخلافت عطا فرمادی، اب جو اجازت دی تو حضرت گنگوہیؒ بڑے حیران، کہنے لگے کہ حضرت! مجھے تو اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا، حاجی صاحب نے فرمایا: رشید احمد! تمہیں یہ اجازت (نسبت) اسی لئے دی گئی کہ تمہیں اپنے اندر کچھ نظر نہیں آتا، اگر نظر آتا تو یہ کبھی نہ دی جاتی، خیر اس کے بعد فارغ ہوئے اور اپنے گھر آ گئے۔

(تذکرۃ الرشید ۲/ ۷- امداد السلوک ۱۹- ضرورت مرشد ۱۵۰)

ایک دو سال پھر گنگوہ میں رہ کر کام کیا تو ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ قدرتاً گنگوہ تشریف لے آئے، جب ملاقات ہوئی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک عجیب بات

پوچھی جو یاد رکھنے کے قابل ہے اور سونے کی سیاہی سے لکھے جانے کے قابل ہے، حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں رشید احمد! یہ بتاؤ کہ بیعت ہونے سے پہلے اور بیعت ہونے کے بعد تمہیں اپنے اندر کیا تبدیلی محسوس ہوئی ؟ اصولی سوال تھا، جب یہ سوال پوچھا تو حضرت گنگوہیؒ تھوڑی دیر سوچتے رہے پھر فرمانے لگے کہ حضرت ! مجھے اپنے اندر تین تبدیلیاں نظر آئیں۔

☜ پہلی تبدیلی تو یہ ہے کہ بیعت ہونے سے پہلے مجھے کئی دفعہ مطالعے کے دوران اشکال پیش آتے تھے ان کے لئے حاشیہ دیکھنا پڑتا تھا، شروحات دیکھنی پڑتی تھیں، اور کافی ساری محنت کرنی پڑتی تھی تب وہ اشکال دور ہوتے تھے، اب جب سے بیعت ہوا ہوں، اشکال پیش ہی نہیں آتے، خود بخود رفع ہو جاتے ہیں، ذہن میں اللہ تعالی ان کے جوابات ڈال دیتے ہیں۔

☜ دوسری تبدیلی یہ آئی کہ امور شرعیہ امور طبعیہ بن گئے یعنی اب جو بھی شریعت کے احکام ہیں ان پر عمل کرنے کے لئے مجھے نفس کو تیار کرنا نہیں پڑتا بے ساختگی کے ساتھ میں احکام شریعت پر عمل کرتا رہتا ہوں۔

☜ تیسری تبدیلی یہ پیش آئی کہ دین کے معاملے میں حق بات کہہ دیتا ہوں، اب میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتا، جب حاجی صاحبؒ نے سنا تو فرمایا: الحمدللہ میاں رشید احمد! دین کے تین درجے ہیں۔

- دین کا پہلا درجہ علم ہے، اور اس علم کا کمال یہ ہے کہ آدمی کو نصوص شرعیہ میں کہیں تعارض نظر نہ آئے، اگر یہ کیفیت ہے تو پھر علم کامل ہے۔
- دوسرا درجہ عمل ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مکروہات شرعیہ مکروہات طبعیہ بن جائیں، جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کی طبیعت بھی ان سے کراہت کرے یہ عمل کا کمال ہے۔

● تیسرا درجہ اخلاص ہے کہ انسان خالصتا لوجہ اللہ عمل کرے حتی کہ ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ رہے، لوگوں کی مدح وذم انسان کی نظر میں برابر ہو جائے یہ اخلاص کا کمال ہے، مبارک ہو اللہ تعالی نے آپ کو علم میں بھی کمال عطا فرما دیا، عمل میں بھی عطا کر دیا، اور اخلاص میں بھی عطا کر دیا..... یہ ہے صحبتِ شیخ کا فائدہ کہ جس نے اتنے زبردست عالم وفقیہ، محدث وزاہد کے قلب میں جلا پیدا کر دیا اور اخلاص ومحبت کا خوف وخشیت اور آہ وزاری کا پہاڑ بنا دیا۔

باقی باللہ کی صحبت کا اثر نان بائی پر

حضرت خواجہ باقی باللہؒ دہلی میں رہتے تھے ان کی خانقاہ میں ایک نانبائی حضرت کی خدمت کیا کرتا تھا، خصوصا جب بھی کوئی وقت بے وقت مہمان آجاتا تو وہ مہمانوں کی خاطر مدارات کے لئے کچھ نہ کچھ لے کر حاضر ہو جاتا، حضرت اس سے بہت خوش تھے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ صاحب کے یہاں کچھ اہم مہمان آگئے، اس نان بائی نے دیکھا کہ موسم خراب ہے مگر کچھ نیک قسم کے مہمان بے وقت آئے ہیں تو اس نے کھانا پکا کر حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پیش کیا حضرت خواجہ صاحب نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں مہمان آئے ہیں میں ان کے لئے کھانا لایا ہوں قبول فرمالیں، حضرت کو بہت ہی مسرت ہوئی اور بے اختیار فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنا دیجئے، حضرت نے تھوڑی دیر تامل کر کے فرمایا کہ کچھ اور مانگ لو، طباخ نے کہا کہ نہیں حضرت بس یہی کچھ چاہیئے، متواتر تین مرتبہ جب یہی اصرار کیا تو چونکہ حضرت زبان مبارک سے یہ فرما چکے تھے کہ مانگ کیا مانگتا ہے، اس لئے اس کو حجرے مبارک میں لے گئے، اندر سے زنجیر لگا لی، نہ جانے پھر وہاں کیسی توجہ دی کہ آدھ گھنٹے کے بعد جب حجرہ کھول کر باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک ایک ہو گئی تھی، فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ صاحب جیسے حجرے میں گئے

تھے ویسے ہی باہر تشریف لے آئے لیکن وہ طباخ مدہوشی کی حالت میں تھا اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں انتقال ہوگیا، موت تو آنی ہی تھی اس کا وقت مقرر تھا اس میں تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی تھی، لیکن اس کی خوش قسمتی کہ ساری عمر تو طباخی کی اور موت کے وقت اس نے خواجہ باقی باللہ بن کر آخرت کے بھی مزے لوٹے..... اللہ والوں کی صحبت، ان کی توجہ اور پر اثر نگاہ سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے اور ظاہر و باطن کا رنگ بدل جاتا ہے۔

(حکیم الاسلام کے پسندیدہ واقعات ص: ۱۳۲ تا ۱۳۴ - شیخ الاسلام واقعات وکرامات کی روشنی میں ۱۸۹ - اکابر کا سلوک واحسان ص: ۶۱)

سید سلیمانؒ حضرت تھانویؒ کی صحبت میں

سید سلیمان ندویؒ حضرت اقدس تھانویؒ کی صحبت میں آئے اور بیعت ہوگئے، ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ عربیت کے ایسے ماہر، زبان پہ آپ کو اتنا عبور حاصل ہے، پھر بھی آپ نے بیعت کر لی؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت تھانویؒ کی صحبت میں جا کر اپنی جہالت کا اندازہ ہوا، تم تو مجھے بڑا عالم کہتے ہو۔

(حیاتِ سلیمانی مؤلفہ شاہ معین الدین ندوی ص: ۶۸۴ روایت بالمعنی - ملفوظات فقیہ الامت ۷ / ۱۰۰)

نقطے کی بات فرماتے تھے کہ اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا منگوائی، جس میں اہل اللہ کی محبت کو اعمال پر مقدم کروایا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔

- اللّٰھم انی اسئلك حبك

اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

- وحب من یحبك

جو آپ سے محبت کرتے ہیں میں انکی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

● وحب عمل یبلغنی حبك

اور جو اعمال آپ کی محبت کو بڑھاتے ہیں ان کا بھی سوال کرتا ہوں۔

الدعاء للطبرانی ۱۴۱۷

تو فرماتے تھے کہ اس دعاء میں اہل اللہ کی محبت پہلے اور اعمال کی محبت کی دعا بعد میں، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ صحبت اولیاء سے انسان کو نیک عمل کی توفیق ملا کرتی ہے، اسی لئے انہوں نے شعر کہا ؎

ان سے ملنے کی یہی اک راہ ہے
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اللہ والوں کی محبت سے جہاں قلب میں رقت، تواضع وانکساری اور فنائیت کی شان پیدا ہوتی ہے، وہیں علوم ومعارف کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔

بری صحبت کا برا انجام

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے یہ لکھا فرماتے ہیں کہ ایک ہمارا خادم تھا اور خادم لوگ جو ہوتے ہیں پھر ان کی رعایت بھی کرنی پڑتی ہے۔

{هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ}

ایک مرتبہ آپ کے خادم کا بھائی بیمار ہوا اور اس کے اوپر جان کنی کا عالم طاری ہو گیا یعنی آخری وقت، آخری لمحات، آخری علامات پوری ہو گئیں، تو خادم نے آکر کہا کہ حضرت میرا بھائی ہے، اگر آپ مہربانی فرمائیں تو آپ تشریف لائیں، چلیں دعا بھی فرمادیں اور اس موقع پر اس پر توجہ بھی فرمادیں، اسکا معاملہ اچھا ہو جائے گا، خاتمہ بالخیر ہو جائیگا، حضرت فرماتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ وہاں گیا، دعا بھی کی اور پھر توجہ بھی کی، لیکن توجہ کرنے کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کے دل پر کوئی اثر نہیں، فرماتے ہیں میں بہت دیر بیٹھا رہا اور توجہات ڈالتا رہا، مگر اس بندے کے دل پہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس روحانیت کا بندہ اگر کسی بندے پر توجہ کر رہا ہو تو پھر دل پر اثر تو لازمی ہونا چاہئے، مگر وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت دیر بیٹھ کر توجہ کی مگر اس بندے کے دل پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوا، فرماتے ہیں میں بہت پریشان ہوا اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا، میرے اللہ میرے مولیٰ رحمت فرما دے اور بات میرے اوپر واضح کر دے، فرماتے ہیں کہ پھر الہام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر واضح فرمایا کہ اس بندے کی مصاحبت بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ تھی، اس بندے کا بیٹھنا اٹھنا بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ تھا، اس کی دوستی تھی کافروں کے ساتھ اور کافروں کی دوستی کی وجہ سے یہ ان کی باتیں سنتا تھا اور ان کے ساتھ راہ ورسم رکھتا تھا، اس کی ظلمت ایسی تھی کہ وقت کے مجدد نے بھی توجہ ڈالی، تو اس بندے کے دل پر اثر نہ ہو سکا۔

مرید کی انگلی میں شہد

ایک آدمی طالب صادق تھا کسی شیخ سے بیعت تھا، خلوص دل سے اس کی خدمت کرتا تھا، لیکن اس شیخ کی نظر اس کے مال پر تھی، ایک دن اس شخص نے ایک خواب دیکھا اور آ کر پیر صاحب کو بیان کیا، کہنے لگا: حضرت! میں نے خواب میں دیکھا ہے آپ کے ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور میرے ہاتھ پر گندگی لگی ہوئی ہے، بس پیر صاحب نے سنا تو فورا کہہ اٹھے یہ بالکل سچا خواب ہے کیونکہ ہم دیندار لوگ ہے، ہمارے ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور تم دنیا دار ہو اور تمہارے ہاتھ پر نجاست لگی ہوئی ہے، وہ کہنے لگا: حضرت! ابھی پورا خواب تو سنیں، پورا خواب کیا ہے؟ کہنے لگا کہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے منہ میں دیا ہوا ہے اور میں اپنا ہاتھ آپ کے منہ میں دیا ہوا ہے۔

تعبیر اس خواب کی یہ تھی کہ مرید کو عقیدت کی وجہ سے شیخ سے پھر بھی فائدہ ہو رہا تھا مگر شیخ کی نظر چونکہ مرید کی جیب پر تھی اس لئے اس کو اس سے نقصان ہو رہا تھا..... اس سے پتہ چلا کہ شیخ اگر ناقص بھی ہوگا اور مرید کو عقیدت کامل ہوگی تو فائدہ ضرور پہونچے گا۔

(علمی مضامین ۳۳۳)

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

اَلاَ بِذِکرِ اللّٰہِ تَطمَئِنَّ الْقُلُوب

ذکر الٰہی

ضربیں لگا کے کلمۂ طیبہ کی بار بار دل پہ لگا جو زنگ ہے اس کو ہٹایئے
مشغول اس ذات میں ہوں اس طرح اس کے سوا ہر ایک کو بس بھول جایئے

اللہ اللہ اللہ

ذکر کے کس قدر شیدائی تھے وہ!

عبداللہ اصطخریؒ ایک اللہ والے بزرگ تھے ذکر واذکار میں لگے رہتے تھے، ذکر کرتے کرتے جب ان پر فنائیت کی حالت آئی تو ذکر کی مستی ایسی سوار ہوئی کہ اب ذکر چھوڑنے سے بھی نہ چھوٹے، ایسی حالت میں روحانی طور پر تو مزے ہوتے ہیں کہ انسان باطنی ترقی کر رہا ہوتا ہے لیکن جسم پر بوجھ ہوتا ہے کہ جسم ان کیفیات کو برداشت نہیں کرتا، اب وہ بزرگ چاہتے تھے کہ کچھ دیر ذکر چھوڑ کر ذرا جسم کو آرام دوں لیکن ذکر سے اب غفلت ہوتی نہ تھی، آخر انہوں نے دھیان ہٹانے کے لئے شکار کا پروگرام بنایا اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ جنگل کو نکلے لیکن شکار میں بھی ذکر کی حالت سے چھٹکارا نہ ملا، اب تو وہ بہت پریشان ہوگئے اور اس پریشانی کی حالت میں ان کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ بڑے عجیب ہیں، فرمایا: اللہ اس شخص کے سب گناہوں کو معاف کردے جو مجھے ایک لمحہ کے لئے اللہ کے ذکر سے غافل کردے۔

تو فنائیت میں بندے کی یہی حالت ہوجاتی ہے کہ کوشش کرنے سے بھی دل میں غفلت نہیں آتی.....لہٰذا ذکر خدا میں فنا ہوجایئے اور اس کا مصداق بن جایئے:

نور میں ہو یا نار میں رہنا
ہردم ذکر یار میں رہنا
چند جھونکے خزاں کے سہ لو
پھر ہمیشہ بہار میں رہنا

ہر دل میں رب رب کی آواز

ایک مرتبہ مجھے امریکہ میں اپنے ایک دوست کے پاس جانا پڑا، وہ دل کے بڑے اسپیشلسٹ ڈاکٹر تھے، مجھے وہاں چند دن ٹھہرنا تھا، مجھے کہنے لگے، حضرت! میں آپ کو اپنا دفتر دکھانے کے لئے لے جاونگا اور وہاں دعا بھی کراؤنگا، میں نے کہا، بہت اچھا، چنانچہ ایک دن وہ مجھے اپنے دفتر میں لے گئے، انہوں نے مجھے کہا کہ میں یہاں دل کا بڑا اسپیشلسٹ ہوں اور پھر کہنے لگے کہ میں مختلف مشینوں کے ذریعہ دل کے کام کو چیک کرتا ہوں کہ یہ ٹھیک کام کر رہا ہے یا نہیں، ان مشینوں میں سے ایک مشین کا نام ایکو کارڈیو ۔۔۔۔تھا، میں نے پوچھا، اس مشین کا کیا کام ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اسکے ذریعہ دل میں خون کے آنے اور جانیکی پوری تصویر سکرین پر آجاتی ہے اور باقاعدہ اس کی آواز بھی سنائی دیتی ہے، وہ مجھے کہنے لگے، حضرت! اب میں آپکی دل کی کیفیت چیک کرتا ہوں، ساتھ اور بھی لوگ تھے، وہ کہنے لگے، حضرت! اچھا موقع ہے، جب انسان پچاس سال سے اوپر ہو جائے تو اسے ٹیسٹ کرواتے رہنا چاہئے، چنانچہ میں نے کہا، ٹھیک ہے چیک کریں، اب انہوں نے مشین کے ذریعہ دیکھنا شروع کر دیا، وہ اس مشین کے پوائنٹس بدن کے اوپر ہی لگاتے ہیں اور اسکرین پر پوری تصویر آجاتی ہے، دل کیسے سکڑ رہا ہوتا ہے، کیسے پھیل رہا ہوتا ہے، خون کو کیسے لے رہا ہوتا ہے، کیسے دے رہا ہوتا ہے، یہ پوری رنگدار تصویر آجاتی ہے، جب انہوں نے مجھے وہ تصویر دکھائی تو پوچھنے لگے، حضرت! کیا میں آپ کو آپ کے دل کے پمپ کی پوری آواز بھی سناوں، میں نے کہا، سنائیں، چنانچہ اب انہوں نے ایک بٹن کو آن کر دیا تو ہمیں دل کی آواز سنائی دینے لگی، ساتھ ساتھ یہ بھی نظر آرہا تھا کہ دل باقاعدہ پیچھے سے خون لے رہا ہے اور آگے خون دے رہا ہے، وہ کہنے لگے کہ سائنس دانوں نے کتابوں میں لکھا ہے کہ انسان کا دل لب ڈب کرتا ہے، یعنی جب خون اپنے اندر لیتا ہے تو اس وقت

لب کی آواز پیدا ہوتی ہے اور جب خون آگے سپلائی کرتا ہے تو اس وقت ڈب کی آواز پیدا ہوتی ہے، جب ہم نے یہ بات کی تو میں نے کہا، ڈاکٹر صاحب! ذرا ٹھہرنا، وہ کہنے لگے، جی کیا ہوا؟ میں نے کہا ذرا یہ آواز غور سے سنیں، مجھے لگتا ہے کہ سائینس دانوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے، یہ آواز لب ڈب کی تو نہیں ہے، وہ کہنے لگے، تو پھر یہ کیسی آواز ہے؟ میں نے کہا، یہ آواز تو..... رب رب..... رب رب..... کی ہے۔

جب انہوں نے بھی اس آواز پر غور کیا تو کہنے لگے، حضرت! واقعی یہ رب کا لفظ اس آواز کے بالکل قریب ہے، اس وقت جتنے آدمی وہاں موجود تھے ان سب نے اس آواز کو غور سے سنا اور مجھے کہنے لگے، یہ بالکل ٹھیک ہے، یہ لب ڈب کی آواز نہیں ہے بلکہ یہ تو واضح طور پر رب رب..... رب رب..... کی آواز ہے میں نے کہا، ڈاکٹر صاحب! اگر یہ بات ہے تو آج مجھے ایک بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اللہ کو یاد کرتی ہے، کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ سوال آتا تھا کہ دہریہ اللہ تعالیٰ کو کیسے یاد کرتا ہے، آج اس بات کا پتہ چلا ہے کہ دہریہ عقلی طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانے یا نہ مانے، اسکا دل ہر وقت اسکا نام لیتا رہتا ہے، وہ بھی رب رب، رب رب ..... ہی کرتا رہتا ہے..... جب غیر اختیاری طور پر دل پیارے رب کو پکارتا ہو، تو پھر ہم کیسے محبت کے دعویدار کہ اپنے اختیار سے اللہ اللہ نہ پکاریں۔

متاع دل کو کہاں کرنے لگے تلاش؟

ہم اپنے بڑوں سے ایک لطیفہ سنا کرتے تھے کہ ایک آدمی روشنی میں روپیہ ڈھونڈھ رہا ہے تو دوستوں نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو، کہنے لگا روپیہ ڈھونڈھ رہا ہوں، گر گیا تھا، انہوں نے بھی ڈھونڈھنا شروع کر دیا، سب لوگ مل کر روپیہ ڈھونڈھ رہے ہیں، روپیہ ملتا نہیں، جب تھک ہار چکے تو کسی نے اس سے یہ پوچھا کہ بھائی تمہیں یقین ہے کہ تمہارا روپیہ گرا تھا، اس نے کہا یہ یقین ہے گرا تھا مگر گھر کے اندر گرا تھا، مگر تم تو گھر کے باہر ڈھونڈھ رہے

ہو، کہنے لگا وہاں اندھیرا تھا، یہاں روشنی تھی تو میں نے کہا چلو روشنی میں تلاش کرتے ہیں، اب یہ سارے لوگ اس روشنی میں ساری زندگی روپیہ ڈھونڈھتے رہے، روپیہ نہیں ملے گا، ہو بہو یہی مثال آج کے انسان کی ہے، اس کی متاع (چین وسکون) جو گم ہوئی وہ من سے تعلق رکھتی ہے اور یہ اس متاع کو باہر کی دنیا میں ڈھونڈھتا پھر رہا ہے، اس لئے اس فساد کا حل نظر نہیں آتا، حالانکہ کہ اس کا حل ذکر الٰہی اور محبت خداوندی میں ہے۔

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنی افکار کی دنیا میں سفر کرنہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کرنہ سکا

بغیر ذکر ہاتھ کچھ آتا نہیں

ایک دفعہ ایک صاحب حضرت عبدالقادر رائپوریؒ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے، ان کی خانقاہ پر کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ ہر وقت ذکر واذکار نماز تلاوت مراقبات میں مشغول ہیں، یہ منظر دیکھ کر انہوں نے اپنے احباب میں ذکر کیا کہ یہ چکی تو ہم سے نہ پیسی جائیگی، حضرت اس سے مطلع ہو گئے یا کسی نے عرض کر دیا تو ان کی اصلاح کے لئے محفل میں فرمانے لگے کہ دوست یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے حصے کی پر یا بنی بنائی رکھی ہے مل جائیگی، جیب میں ڈال کر واپس آجائیں گے مگر یہاں بغیر محنت کے کچھ نہیں ہوسکتا، کچھ دنوں کے بعد پھر ان کو اطلاع ملی کہ فلاں صاحب یہاں شب وروز کی محنت کو دیکھ کر گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی محنت کون کرے، آپ نے پھر دوبارہ بڑے جوش سے فرمایا ''اگر کوئی گھر آپ کو ایسا معلوم ہو جہاں دو روٹیاں پکی پکائی مل جاتی ہو تو میں بھی ٹوکری پکڑ کر آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں تا کہ کچھ حاصل کرسکوں، دوست بار بار چکی پیسنے کی شکایت کرتے ہیں، میں تو کہتا ہوں کہ چکی پیسنے کا مرحلہ تو بہت دیر کی بات

ہے پہلے تو زمین کو جوتنا ہے، اچھا بھلا بیج گھر سے نکال کر کھیت میں بکھیرنا ہے پھر پانی لگانا ہے، اور جب پک جائے تو اب کاٹنا ہے، گاہنا ہے اور غلہ بھونسا سے الگ کرنا ہے اس کے بعد چکی پیسنے کی باری آنی ہے، چکی پیس کر آٹا بنانے کے بعد اسے مشقت سے گوندھنا بھی ہے اور پھر اسے پکانے کا انتظام بھی کرنا ہے، پکنے کے بعد اب روٹی کو توڑ کر منہ میں لے جانے اور نگلنے کی مشقت بھی کرنی ہے ان ساری کوششوں کے بعد اگر ہضم ہوجائے تو محض اللہ کا کرم ہے ورنہ قے ہوکر باہر بھی آسکتا ہے۔

کسی دوست نے عرض کیا کہ حضرت ماں بچے پر کتنی شفیق ہوتی ہے کہ سوئے ہوئے بچے کو اٹھا کر دودھ پلاتی ہے، مشائخ تو ماؤں سے بھی زیادہ شفیق ہوتے ہیں ان سے تو اس قسم کی امیدیں باندھی جاسکتی ہیں، اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بھئی ماں کا کام تو اتنا ہی ہوتا ہے کہ چھاتی بچے کے منہ میں ڈال دے اب اگر بچے میں ہی اتنی اہلیت نہ ہو کہ وہ ہونٹ ہلا کر اسے چوس لے اور اپنے پیٹ میں ڈال لے تو اس میں ماں کا کیا قصور ہے، یا اس کی شفقت میں کیا کمی ہے.....اسی طرح اللہ پاک توفیق بھی دیتے ہیں، مگر یہ بندے کا قصور کہ اپنی زبان و دل کو یاد الٰہی میں مشغول نہیں رکھتا۔

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ۳۴۰

غفلت کے ساتھ ذکر بے سود نہیں

ایک ڈاکو تھا، وہ اپنی ضعف و پیری میں شیخ بن گیا اور لوگوں کو بیعت بھی کرنا شروع کردیا، اللہ کے یہاں تو اخلاص کی قدر ہے چنانچہ طالبین کو ان کے اخلاص کی وجہ سے خوب فائدہ ہوا اور روحانی طور پر کشف بھی ہونے لگ گئے۔

ایک مرتبہ ان طالبین کی جماعت نے شیخ سے عرض کیا کہ ہم نے مراقبے میں مشائخ کے مقامات کو دیکھا ہے اور سب اکابر کے مقامات معلوم ہوگئے، مگر حضرت کا مقام شاید اتنا بلند ہے کہ ہم سب مل کر بھی اس کو نہیں پہچان سکے، اللہ کے تعالی کے نام میں برکت

تو ہوتی ہی ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے، اللہ کے نام میں برکت ہوتی ہے چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے، چنانچہ اس مصنوعی پیر پر بھی اللہ کے نام کا اثر ہوکر رہا، وہ مریدوں کی یہ بات سن کر بہت رویا اور پھر اس نے اپنی حقیقت ان کے سامنے بیان کی اور روکر مریدوں سے درخواست کی اب تم میری توبہ کے لئے دعا کرو، ان سب نے مل کر دعا کی تو اللہ نے اس پیر کو بھی نواز دیا۔

(اکابر کا سلوک واحسان ص:۴۵-اصلاحی واقعات ص:۲۲۱)

ذکر سے دل کیونکر تڑپ نہ اٹھے؟

ایک بادشاہ نے کسی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا، بڑی محبتوں کے ساتھ اس نے اسے محل میں رکھا، مگر لڑکی روز بروز چپ ہوتی گئی، کمزور ہوتی گئی، اس کی صحت گرتی چلی گئی، شکل دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ یہ خوش نہیں ہے، یہ مغموم ہے، یہ اداس ہے، چنانچہ بادشاہ نے بڑے علاج کروائے کوئی دوائی ٹھیک ہی نہیں بیٹھتی تھی، ایک طبیب تھا جسکو کچھ باطن کی نظر بھی حاصل تھی، اسنے بادشاہ سے کہا بادشاہ سلامت! میں اسکا علاج کرتا ہوں اگر آپ مجھے اجازت دیں اور اسکو آپ اس کی باندی کے ساتھ میرے پاس بھیج دیا کریں، بادشاہ نے کہا بہت اچھا، بادشاہ نے اسکو اس طبیب کے پاس بھیج دیا، طبیب نے اس لڑکی کے سارے کوائف جمع کر لئے، جدھر سے شادی ہوکر آئی تھی اور جتنے رشتے اس کے آئے تھے اور جتنے رشتے دار اسکے امیدوار تھے، اس نے وہ ساری معلومات اکھٹی کرلیں، اس نے اس لڑکی کو بیٹھایا اور چیک اپ کیا، اور دیکھا کہ کوئی بدنی مرض نہیں ہے، یہ کوئی اندر کا روگ ہے، اندر کا مرض ہے، چنانچہ اس نے اسکی نبض پر ہاتھ رکھا اور اس سے باتیں شروع کردیں اور باتیں کرتے کرتے اس نے ان سب کے نام لینا شروع کردئے جن کے رشتے آئے تھے، تو جب اس نے اس جیولر کا نام لیا جو اسکا کزن بھی تھا اور جس کے ساتھ اس لڑکی کو چھپی محبت تھی تو اس کی نبض تیز ہوگئی، لڑکی دراصل اس کزن سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر ماں باپ

نے وقت کے بادشاہ سے شادی کردی، اب لڑکی دل میں تو اسے بسا رہی ہے، لیکن گھر بادشاہ کا بسا رہی ہے، اب جب طبیب نے دیکھا کہ نبض تیز ہوگئی تو طبیب نے اس سے پوچھ لیا کہ اب بتاؤ بھئی! آپ کے دل کی بات یہی ہے نا کہ آپ کی پسند یہ تھی کہ اس کے ساتھ شادی ہوتی اور ہو بادشاہ کے ساتھ گئی، تو اسے اپنا راز کھولنا پڑا..... اندازہ لگائیے کہ جب محبوب کا نام آتے ہی دل تڑپا، نفس پھڑکا، تو ہم کیسے ہیں کہ ہمارے اللہ کا نام آئے اور دل نہ تڑپے، کوشش تو کریں کہ اللہ کی محبت اس قدر آجائے کہ اس شعر کا مصداق بن جائے:

اللہ اللہ کیا ہی پیارا نام ہے
عاشقوں کا مینا اور جام ہے

نوٹ: جالینوس کی طرف اسی قسم کا واقعہ منسوب ہے۔

(اطباء کے حیرت انگیز واقعات ص:۱۶)

قبض کو دور کرنے کا ایک نسخہ

حضرت خواجہ عبد اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ میرے قلبی حالات بہت ہی اچھے تھے، بسط کی کیفیت تھی، میں دعوت پر گیا، وہاں جو کھانا پیش کیا گیا وہ مشتبہ تھا، حرام نہیں تھا بلکہ شبہ تھا کہ کھانے میں شاید سود کی ملاوٹ ہے، فرماتے ہیں کہ اس کھانے کو کھانے کے بعد میری کیفیت ختم ہوگئی، میں نے اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کو آکر بتایا کہ حضرت! یہ مسئلہ پیدا ہوگیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ اب تم پابندی کے ساتھ میرے سامنے آکر بیٹھنا، میں توجہات دوں گا تاکہ مشتبہ کھانے کی ظلمت دور ہوجائے، فرماتے ہیں کہ حضرتؒ میرے اوپر ایسی توجہ ڈالتے تھے کہ اگر وہ توجہ پہاڑ پر ڈالتے تو کانپ اٹھتا، چالیس دن متواتر توجہ دینے کے بعد ایک دن مشتبہ لقمے کا اثر میرے اندر سے زائل ہوا، جس طرح دوام ذکر سے قبض کی کیفیت ختم ہوتی ہے، اسی طرح صحبتِ شیخ اور توجۂ شیخ سے بھی قبض کی کیفیت ختم ہوکر انشراح کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

اللہ اللہ اللہ

قلبِ جسمانی

اللہ اللہ اللہ

ایک شعر سے دل کی دنیا بدل گئی

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان پر قبض کی کیفیت اتنی زیادہ آئی کہ کچھ حال احوال محسوس بھی نہیں ہوتے تھے، ایسے لگتا تھا کہ جیسے سب کچھ ہی چلا گیا، چنانچہ وہ بڑا عرصہ استغفار بھی کرتے رہے، اللہ سے توبہ بھی کرتے رہے، آگے بڑھنے کی کوشش بھی کرتے رہے، مگر کچھ نہ محسوس ہوا، حتیٰ کہ ایک دن خیال آیا کہ جب کچھ بھی کیفیت نہیں ہے تو پھر چلیں جا کر کوئی رزقِ حلال والا کام کریں، بچوں کو بھی تنگی ہے، چلو ایک طرف سے تو سہولت ہو جائے گی، یہ سوچ کر وہ اپنے گھر سے چل پڑے کہ میں جا کر دکان پر کام کرتا ہوں، راستے میں نماز کا وقت ہو گیا، ایک مسجد میں داخل ہوئے، مسجد میں سامنے جو نظر پڑی تو ایک دو شعر لکھے ہوئے تھے، ان کا پڑھنا تھا کہ ان کی زندگی ہی بدل گئی، چنانچہ پھر دوبارہ ذوق وشوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے، یہ وہ وقت تھا کہ جس قبض کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو نسبتِ نقشبندیہ سے سرفراز فرما دیا، اتنی بڑی نعمت مل گئی، وہ شعر کیا تھے؟ وہ شعر یہ تھے:

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تُو
شیئًا للہ از جمالِ روئے تُو

''اے اللہ! میں تیری گلی میں مفلس بن کر حاضر ہوا ہوں، تو اپنے چہرے کے حسن کے صدقے کچھ مجھے بھی عطا کر دے''

دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما
آفریں بر دست و بر تُو

''وہ پیالہ جو میں نے لینے کے لیے پکڑا ہوا ہے، ذرا اپنا ہاتھ اسے دینے کے لیے میری طرف بڑھا دیجیے''

یہ اشعار ان کو اتنے اچھے لگے کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ جب میں مروں اور میرا جنازہ دنیا سے اٹھے تو کوئی ایک بندہ میرے جنازے کے آگے یہ اشعار پڑھتا ہوا جائے۔

ان اشعار نے اس عاجز کو بھی بڑا فائدہ دیا، جب کبھی حرم شریف میں جانے کا اتفاق ہوا تو رات کی تنہائی میں بیت اللہ شریف کے پاس جا کر تصور کرتا ہے کہ میں اس وقت شہنشاہ کے دربار میں کھڑا ہوں، پھر وہاں انسان اللہ کا دھیان کر کے انسان اپنے رب سے باتیں کرے، ہم نے دیکھا ہے کہ ان اشعار کو بیت اللہ شریف کے سامنے پڑھنے سے بندے کی ایسی کیفیت بنتی ہے جس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔

کوئے یار میں اٹکا رہے دل

ایک نوجوان کسی بزرگ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت مجھے موت سے بہت ڈر لگتا ہے، موت سے بہت خوف آتا ہے، انہوں نے کہا کہ بھئی یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے پاس کچھ مال پیسہ ہے، کہنے لگا جی انہوں نے کہا اسے اللہ کے راستے میں خرچ کیا کرو اور نیک اعمال کی پابندی کیا کرو، اس نے کہا بہت اچھا، کچھ عرصہ کے بعد پھر ان کی ملاقات ہوئی، بزرگ نے پوچھا سناؤ بھئی اب طبیعت کیسی ہے، وہ کہنے لگا کہ حضرت وہ موت سے خوف تو ختم ہو گیا مگر حیران اس بات پر ہوں کہ اب تو میرا مرنے کو جی چاہتا ہے، مگر ایسا کیوں ہوا، تو ان بزرگ نے یہ بات سمجھائی کہ دیکھو بندے کا دل وہیں لگتا ہے جہاں اس کا خزانہ ہوتا ہے، پہلے تم نے اپنے آگے یہ

سرمایہ بھیج دیا ہے نیکیوں کا، جو صدقے کا مال ہے، تو جہاں سرمایہ ہوتا ہے بندے کا وہیں جانے کو دل کرتا ہے۔

ہر حال میں مالک پر رہے نظر

جیسے بچے کا تعلق ماں سے ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز میں اپنی ماں کی طرف دیکھتا ہے، مؤمن کا تعلق بھی اسی طرح اپنے پروردگار کے ساتھ ہوتا ہے، وہ ہر معاملہ میں اللہ پر نظر رکھتا ہے، ایک بزرگ کسی کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے، صاحب خانہ اپنے بچے کو اٹھا لے آیا، ان کے پاس کوئی میٹھی چیز تھی، انہوں نے وہ بچے کی طرف بڑھائی، مگر بچے نے لینے سے انکار کر دیا، دوبارہ کہا کہ لے لو! لیکن بچے نے پھر بھی انکار کر دیا، اب یہ بڑی عجیب بات ہے، حالانکہ بچے کے اندر میٹھی چیز کھانے کی Temptation (شدید طلب) ہوتی ہے، اس کی گروتھ کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ میٹھا کھائے، اس لیے بچے میٹھی چیز کے پیچھے پاگل ہو کر بھاگتے ہیں..... لیکن جب ان بزرگوں نے بچے کو میٹھی چیز پیش کی تو اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور مٹھائی لینے سے انکار کر دیا۔

جب دو مرتبہ ان بزرگوں نے اس سے کہا تو بعد میں باپ نے بچے کو کہا: بیٹا لے لو! یہ ہمارے حضرت جی ہیں، یعنی باپ نے بچے کو اجازت دی تو پھر بچے نے وہ مٹھائی لے لی، اس پر ان بزرگوں کی آنکھوں سے آنسو آ گئے، یہ دیکھ کر وہ صاحب خانہ معذرت کرنے لگا: جی! بچے نے بدتمیزی کر دی اور آپ سے مٹھائی نہیں لی، آپ اس کو محسوس نہ فرمائیں، وہ کہنے لگے: نہیں نہیں، اس وجہ سے آنکھ سے آنسوں نہیں آئے، بلکہ مجھے یہ خیال آیا کہ اس کے اندر میٹھا کھانے کی چاہت بھی ہے، پھر بھی جب میں نے اس کو ایک دو دفعہ مٹھائی پیش کی تو اس نے اپنے ''ابا'' کو دیکھا، کاش! میرا بھی ایمان ایسا ہوتا کہ میں بھی ہر معاملہ میں اپنے ''ربا'' کو دیکھ لیتا..... جب بچے کو باپ کی معیت اور دیکھنے کا اس قدر

خیال، تو کیا ہم اہل سلوک خدا پاک کی معیت اور ہر دم دیکھنے کا استحضار نہیں کر سکتے، کیا بچے سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔

سفر حج میں ہر قدم پر نماز

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے جب توبہ کی تو یہ بلخ کے بادشاہ تھے، انہوں نے ارادہ کیا کہ میں بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے جاؤں، ہر قدم پر یہ دو رکعت نفل پڑھتے ہوئے وہاں گئے، ایک قدم بڑھاتے مصلی بچھا کر دو رکعت نفل پڑھتے، پھر ایک قدم بڑھاتے اور دو رکعت پڑھتے، ہر ہر قدم پر دو دو رکعتیں پڑھتے پڑھتے تقریباً اڑھائی سال میں مکہ مکرمہ پہنچے۔

واہ میرے مولا! آپ کی بھی کیا شان ہے، اور آپ کے دنیا میں کیسے کیسے چاہنے والے ہیں، وہاں جا کر طواف کیا، مقام ابراہیم پر دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا مانگی، اے میرے اللہ! تیرے بندے پاؤں سے چل کر تیرے گھر کی طرف آتے ہیں، میں وہ بندہ ہوں جو پلکوں کے بل چل کر تیرے گھر کی طرف آیا ہوں، اتنے میں رابعہ بصریہؒ بھی آ گئیں، ابراہیم بن ادہمؒ نے دیکھا کہ رابعہ بصریہؒ پر اللہ کی خصوصی تجلیات ذاتیہ وارد ہو رہی ہیں، بڑے حیران ہوئے، کہنے لگے! رابعہ ایسا مقام تجھے کیسے مل گیا؟ تو رابعہ نے کہا: شور تو آپ نے مچا رکھا ہے کہ ہر ہر قدم پر دو رکعت پڑھ کر آئے ہو، فرق بتاؤں؟ کہنے لگے: بتائیں، کہنے لگیں کہ فرق یہ ہے کہ آپ اس جگہ پر سر نیاز لے کر آئے ہیں اور میں اس جگہ پر دل نیاز لے کر آئی ہوں، میری اس نیاز مندی کو اللہ نے پسند فرما لیا..... اللہ والوں کی محبت میں رہنے سے سر نیاز اور دلِ نیاز کا فرق سمجھ میں آئیگا۔

اللہ والوں کی صحبت میں رہیں تو عاجز بن کر رہیں، پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت کی

کیا رحمتیں آتی ہیں۔

(تذکرۃ الاولیاء ص: ۴۴)

پہلے تخلیہ پھر تحلیہ

دنیا کا مشاہدہ ہے، میل کچیل جوڑ کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے، بچپن کی بات ہے، شاید یہ عاجز اس وقت دوسری تیسری کلاس میں پرائمری کا طالب علم تھا، ہماری گلی سے ایک آدمی کبھی کبھی گزرتا اور آواز لگاتا برتن قلعی کرالو، برتن قلعی کرالو، میں اُسے روکتا چچا ذرا رکو، اور گھر آکر امی سے کہتا امی برتن نکالیں، قلعی کروانی ہے، بعض دفعہ وہ کہتی نہیں ابھی تو ضرورت نہیں سارے برتن ٹھیک ہیں، تو ہم رونا دھونا شروع کرتے، اصرار کرتے کیونکہ وہ قلعی کرنے کا جو طریقۂ کار تھا وہ اچھا لگتا تھا تو ایک دو برتن امی پکڑا دیتی، ہم لے کر جاتے، انکل (UNCLE) یہ قلعی کردو، وہ اپنی بھٹی جلاتا، آگ پر برتن رکھ کر اس کو خوب گرم کرتا، نوشادر یا کوئی دوسری چیز لگا کر اسکو صاف کرتا، پھر وہ نکالتا جس کو دیکھنے کو ہم بیتاب کھڑے ہوتے تھے، اور وہ قلعی رینگ کی مانند پتلی سی ہوتی تھی، اور وہ ہلکی سی لگا کر کوٹن سے اس کو پھیرتا تو پورا برتن بالکل قلعی ہو کر چمکنے لگتا۔

ایک دن میں نے ان سے پوچھا، کہ انکل آپ برتن پر ایسے ہی کیوں نہیں لگا دیتے؟ اس نے کہا آپ بچے ہو، آپ چھوٹے ہو، آپ کو پتہ نہیں، جو برتن تم لاتے ہو بظاہر صاف نظر آتا ہے، مگر ہماری نظر میں صاف نہیں ہوتا، اس پر چکنائی اور میل لگی ہوتی ہے، اس پر اگر ڈائریکٹ قلعی لگا دیں، تو قلعی اس پر نہیں چپکے گی، اسلئے پہلے آگ میں گرم کر کے نوشادر سے وہ ساری میل کچیل، چربی، چکنائی ہٹا دیتا ہوں، پھر اس کے بعد جب تھوڑی سی قلعی لگاتا ہوں، تو وہ اس کو چمکا دیتی ہے، اس چھوٹی عمر میں تو اس بات کا پتہ نہیں چلا کہ اس کا مقصد کیا تھا؟ آج جب بچپن کے اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ واقعی گناہ انسان کے دل پر میل کچیل جما دیتا ہے، اب ہم چاہیں کہ یہ دل صیقل ہو جائے تو

اس کے لئے پہلے گناہوں کے میل کو اتارنا پڑیگا، ورنہ اللہ رب العزت کے ساتھ دل واصل نہیں ہوسکتا۔

جب تک میل کچیل دور نہ ہو

۱۹۷۶ء کی بات ہے، اس عاجز کو مسکین پور شریف میں چار مہینے رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، اس وقت جہاں مسجد ہے پہلے وہاں عمارت تھی، کچھ کمرے تھے، اور اس سے متصل اندازاً کوئی پانچ چھ فٹ اونچی دیوار تھی جس میں نل لگے تھے جس سے مدرسے کے طلبہ غسل کیا کرتے تھے، چونکہ دیوار اتنی زیادہ اونچی نہیں تھی، تو کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ کوئی طالب علم نہا رہا ہوتا اور جب دیکھتا کہ قریب سے کوئی گزر رہا ہے تو وہ اندر سے پانی اچھالتا، جس سے گزرنے والوں پر پانی پڑ جاتا، اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ گزرنے والا باہر سے کوئی کنکر پھینک دیتا جس سے نہانے والے پریشان ہوتے، تو کچھ طلباء نے ایک استاذ صاحب سے مل کر یہ فیصلہ کیا، کہ ہم ان دیواروں کو اونچی کردیں، چنانچہ ایک بوری سمنٹ، کچھ اینٹیں اور ریت لائے، اور جمعہ کے دن ان طلباء نے خود ہی اینٹیں جوڑ کر اس کو دو فٹ اونچی کردیا، دو فٹ دیوار اونچی ہونے سے نہانے والے بھی خوش، اور باہر والے بھی خوش، ایک طالب علم نے کہا کہ پتہ نہیں یہ دیوار کتنی مضبوط بنی ہے؟ اس نے اوپر والے حصے کو ہاتھ لگایا تو وہ ہلنے لگی، اس نے دوسروں کو کہا، یہ تو ہلتی ہے، دوسرے نے بھی دیکھا، پتہ چلا کہ نیچے کی دیوار الگ، اور اوپر کی الگ، چند نئی اینٹیں آپس میں تو جڑ گئی تھیں، لیکن پرانی دیوار کے ساتھ وہ جڑی نہیں تھی، جب کسی اور نے ہاتھ لگایا تو اوپر کی دیوار نیچے گر گئی، طلبہ پریشان ہوئے کہ سمنٹ بھی گئی، اینٹیں بھی گئیں اور مقصد بھی حل نہ ہوا، تو کسی استاذ نے اس عاجز کے بارے میں بتایا کہ اس کا تعلق انجینئرنگ سے ہے، اس سے پوچھو، ایک طالب علم آیا، مجھے کہنے لگا کہ آپ مہربانی کر کے بتائیں کہ یہ دیوار کیوں گر گئی؟ اس عاجز نے آکر

دیکھا، تو پتہ چلا کہ نیچے کی دیوار مٹی گارے سے بنی ہوئی تھی، اور اسکی جو سب سے اوپر کی اینٹ تھی اس کے اوپر بھی گارا اور مٹی تھی، انہوں نے گارا ہٹائے بغیر اوپر پانی ڈالا اور اسی پر سیمنٹ رکھ کر اینٹیں رکھ دی، مٹی نے جوڑ ملنے نہیں دیا، میں نے طلبہ سے کہا ایک اسٹیل کا برش لے آئیں، وہ لائے، میں نے کہا کہ اوپر کی جو اینٹ ہے اس کو ذرا رگڑو، دو طالب علم لگے اور انہوں نے اوپر کی اینٹ کو خوب رگڑ کر صاف کر دیا، مٹی اور گارے کا نام ونشان ختم ہو گیا، تو انہیں کی ہاتھوں سے سمنٹ رکھوایا، اینٹیں لگوائیں، تو اینٹ پرانی دیوار سے بالکل چپک گئی، دونوں کا جوڑ پختہ ہو گیا، طلباء خوش بھی ہوئے اور حیران بھی، ان کے استاذ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس میں راز کیا تھا کہ ہم نے بھی دیوار بنائی، تو الگ ہو گئی، آپ نے بنائی تو جوڑ پکا بیٹھ گیا، اس عاجز نے بتایا کہ اوپر جو میل تھی، اس نے جوڑ بیٹھنے نہیں دیا، بلکہ دونوں کے درمیان رکاوٹ بن گئی۔

آج جب یہ بات یاد آرہی ہے، تو مضمون کے متعلق یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بندہ اللہ سے دل کا تعلق جوڑنا چاہتا ہے، مگر گناہ جو میل ہے، وہ جڑنے نہیں دیتا، جوڑ بیٹھنے نہیں دیتا، اسلئے ہمارے اکابر ہر آنے والے سے پہلے گناہوں کے چھوڑنے کا مجاہدہ کراتے ہیں، کہ گناہ جب چھوڑو گے، تو تھوڑی محنت کے ساتھ بھی تمہارا جوڑ بن جائے گا، اللہ رب العزت پاک ہے اس کے وصل میں گناہوں کی ناپاکی کبھی درمیان میں نہیں رہ سکتی۔

کہیں مسخ نہ ہو جائے یہ دل

زمانۂ جاہلیت میں ایک مرد وعورت تھے، عورت کا نام نائلہ اور مرد کا نام اِساف، دونوں کے ناجائز تعلقات تھے، دونوں طواف کرنے کیلئے آئے، اور بیت اللہ شریف کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ مشغول ہو گئے، اللہ رب العزت کا غضب ہوا کہ دونوں پتھر بن گئے، اب اہلِ مکہ نے دیکھا تو انکو بڑا غصہ آیا کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسرے بیت

اللہ شریف کے اندر، انہوں نے مشورہ کیا کہ ان دونوں کو ایسی سزا دینی چاہئے کہ جو اس سے پہلے کسی کو کبھی نہ دی گئی ہو، مشورہ کیا، مل کر بیٹھے، کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ، ایک صاحب نے مشورہ دیا کہ دیکھو حج کا عمل قیامت تک رہے گا، ہم ان میں سے ایک کو صفا پر رکھ دیتے ہیں اور ایک کو مروہ پر رکھ دیتے ہیں، جو حج اور عمرہ کرنے کیلئے آئے گا وہ سعی کرنے کیلئے ان دونوں مقام پر آئے گا، لہذا صفا پر جو جائے وہ اسکو جوتے مارے، اور جو مروہ پر جائے اسکو جوتے لگائے، قیامت تک اسکو ذلت ملتی رہے گی، اپنے دماغ سے انہوں نے کیا بات سوچی؟ لیکن اس بات کو بھول گئے کہ شریعت کے ایک حکم میں ہم کسی چیز کا اضافہ کر رہے ہیں، سعی کا یہ حصہ تو نہیں مگر انہوں نے اعمالِ سعی کا حصہ بنا دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دو پشت تک تو اِدھر جوتا مارتے، اُدھر جوتا مارتے، کسی کے پاس جوتا نہیں ہوتا تو وہ اِدھر تھپڑ لگاتے، اُدھر تھپڑ لگاتے، جب انکی اولاد آئی، تو انہوں نے سوچا کہ بھئی اصل تو اُسکو ہاتھ لگانا ہے اور اِسکو بھی ہاتھ لگانا ہے، چنانچہ جب وہ صفا پر چڑھتے تو اسکو ہاتھ لگاتے، اور جب مروہ پر چڑھتے اس وقت اسکو ہاتھ لگاتے، آنے والی نسل نے سوچا کہ یہ کوئی بزرگ بندے ہیں، برکت کیلئے لوگ ہاتھ لگاتے ہیں، کچھ ہوتے ہیں ضعیف الاعتقاد، انہوں نے کہا کہ یہ کوئی نیک بزرگ گزرے ہیں، لہذا صرف برکت کیلئے ہاتھ لگانے کے بجائے انہوں نے چومنا بھی شروع کر دیا، صفا پر اسکو چومتے اور مروہ پر اسکو چومتے، حتی کہ بعض وہاں دعائیں مانگتے، رفتہ رفتہ یہاں تک بات پہنچی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو کفار ومشرکین حج کے دوران صفا پر جاتے تھے تو اسکو سجدہ کرتے اور مروہ پر جاتے تو اسکو سجدہ کرتے تھے، اب دیکھئے یہ شرک وبدعت شروع کہاں سے ہوئی، اور کتنا بھیانک اسکا انجام نکلا.....تو گناہ اور بدعت وخرافات کی وجہ سے جس طرح وہ مسخ ہو گئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ معصیت وغفلت کی وجہ سے ہمارا دل مسخ اور سخت ہو جائے، اس لئے اپنے ہر عمل پر نظر رکھئے اور قلب کو یادِ الٰہی سے منور کیجئے۔

(البدایۃ والنہایۃ ۲ / ۲۳۳-المفصل فی تاریخ العرب ۱۱ / ۲۶۶)

جب ہپناٹزم کا اثر ہوسکتا ہے.....

جب میں (حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم) پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا، اس وقت یہاں جھنگ میں ایک سرکس آئی بڑے بھائی ہمیں سرکس دکھانے کے لئے لے گئے، ہم نے زندگی میں کبھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا، وہ کہنے لگے کہ آپ کو ہم ہاتھی بھی دکھائیں گے اور مداری بھی دکھائیں گے، اس عمر میں مداری وغیرہ بہت اچھے لگتے ہیں، چونکہ میں چھوٹا سا تھا اس لئے میں جا کر ہاتھی کے پاس کھڑا ہو گیا، مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس کی اتنی لمبی سونڈ ہوتی ہے، مجھے اس وقت پتہ چلا جب اس نے سونڈ میرے ساتھ لگائی، یہ تو اس کا بھلا ہے کہ اس نے کچھ نہ کیا، لیکن جب میں نے دیکھا کہ سونڈ جو پہلے لٹک رہی تھی وہ یک دم میرے سامنے آ گئی، اس وقت میں گھبرا کر تھوڑا پیچھے ہٹا۔

پھر مجھے اندازہ ہوا کہ اس کی سونڈ بھی کوئی چیز ہوتی ہے، چونکہ ہم نے زندگی میں پہلی دفعہ ہاتھی دیکھا تھا اس لئے اسکو ہم بڑے حیران ہو کر دیکھتے رہے۔

اس سرکس میں ہم نے ہپناٹزم کا ایک شو دیکھا، ایک بوڑھے آدمی نے ہپناٹزم کا کرتب دکھایا، وہ بڑا عجیب کرتب تھا، اٹھارہ بیس سال کی ایک جوان لڑکی تھی وہ ایک دروازے سے بھاگی ہوئی آئی، اس کے ہاتھ میں لوہے کے دو نیزے تھے، وہ ان کو ہاتھ میں لے کر سب کو دکھاتی پھر رہی تھی، وہ نیزے آگے سے اتنے تیز تھے کہ ہمارے قریب ایک آدمی بیٹھا تھا، اس نے ان کو چیک کرنے کے لئے ہاتھ لگایا تو اس کے ہاتھ سے خون نکل آیا، وہ دکھا بھی رہی تھی کہ دیکھو یہ آگے سے کتنے تیز ہے، جب اس نے وہ نیزے سارے مجمع کو دکھائے تو ایک اونچی سی جگہ پر آ کر وہ کھڑی ہو گئی، اب وہ بوڑھا میاں آیا اور اس نے آ کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ پڑھنے لگا، وہ اس کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

.....میں کون؟.....معاملہ.....متوکون؟.....ممعمول.....موہ اس کی طرف برابر دیکھتا رہا، میں نے دیکھا کہ تھوڑی دیر کے بعد لڑکی کو غشی آنے لگی، اب اس بوڑھے آدمی نے اس کی ایک بغل میں ایک نیزہ دیا اور دوسری بغل میں دوسرا، اور لڑکی جب وہ نیزے دکھا رہی تھی تو اس وقت اپنی بغلیں بھی دکھا رہی تھی کہ میری بغلوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ لڑکی پہلے تو سیدھی کھڑی تھی، اس کے بعد نیزوں پر آ گئی یوں اس کا پورا وزن ان دونوں نیزوں پر آ گیا، پھر وہ کچھ پڑھتا رہا، پڑھتا رہا، جب وہ اچھی طرح سے بے ہوش ہوگئی تو اس بوڑھے نے اس کے نیچے سے دو تین فٹ اونچی لکڑی نکالی جس پر وہ کھڑی تھی، ہم بہت حیران ہوئے، اب وہ لڑکی دونوں نیزوں کے اوپر لٹکی ہوئی تھی، اس کے بعد وہ اپنا عمل کرتا رہا، پھر اس نے ایک عجیب کام کیا کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور اس کی ایک طرف کو اٹھا کر ایک نیزہ نکال دیا، پھر ایک نیزے کے اوپر پوری لڑکی لٹکی ہوئی تھی۔

۔۔۔۔سائنس پڑھنے والے آج تو اس بات کو سمجھ سکتے ہیں لیکن ہم تو اس وقت بچے تھے اس لئے ہمیں اس بات کی سمجھ نہیں تھی، البتہ ہمیں یہ عجیب سا لگ رہا تھا کہ اس کی ایک بغل کے نیچے نیزہ اور اس کے اوپر ہوا میں پوری لڑکی لٹکی ہوئی ہے۔

اس کے بعد وہ پھر پڑھتا رہا، بالآخر اس نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور اس کو ہوا میں ہی سیدھا کر دیا، اب وہ ہوا میں یوں لٹکی ہوئی تھی جیسے کوئی لڑکی بیڈ کے اوپر لیٹی ہوتی ہے، یہ اس کے کرتب کا آخری مرحلہ تھا، چنانچہ وہ دو چار منٹ تک اسی طرح ہوا میں لٹکی رہی اور وہ بندہ اسے دیکھتا رہا اور تالیاں بجتی رہیں، تھوڑی دیر کے بعد اس نے اس کو پھر اسی طرح واپس کیا اور وہ ایک نیزے پر لٹکنے لگی پھر اس نے دوسرا نیزہ نیچے لگا دیا، پھر اسکے بعد اس نے کچھ پڑھا، پھر اس کے نیچے لکڑی رکھ دی پھر اس کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی بندہ کے بے ہوشی سے باہر آتا ہے، اسے اتنا پسینہ آیا ہوا تھا کہ اس کے پورے چہرے پر پسینے کے قطرے تھے، اس کے کپڑے بھی پسینے سے شرابور ہو چکے تھے، اس وقت وہ ہم سے پانچ سات فٹ کے فاصلے پر تھی، پھر دو عورتیں آئیں اور وہ

اس کو پکڑ کر لے گئیں، وہ اتنی تھک چکی تھی کہ اس کے لئے پاؤں اٹھانے بھی مشکل ہو رہے تھے، یہ ہپناٹزم کا کرتب میں نے اپنی زندگی میں خود دیکھا۔

اچھا، جب اس نے لڑکی کو ہوا میں لٹا دیا تو اس وقت مجھے اپنے والد صاحب کی ایک بات یاد آ گئی، انہوں نے ایک دفعہ جادوگروں کا ایک واقعہ سنایا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ یہ جادوگر تماشائیوں کی آنکھوں پر جادو کرتے ہیں، حقیقت میں وہ چیز ایسی نہیں ہوتی جیسی نظر آ رہی ہوتی ہے، مجھے آج بھی یاد ہے کہ جب مجھے ابا جان کی وہ بات یاد آئی تو میں اپنی آنکھوں کو ملنے لگا کہ مجھے یہ دھوکا ہو رہا ہے یا واقعی ایسے ہی ہے، یہ واقعی ایسے ہی تھا کہ وہ لڑکی ایک نیزے کے اوپر لیٹی ہوئی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟..... میہ ایسے ہوا کہ اس بندے نے اپنی قوت کو ایک جگہ پر یکجا کر کے اس کو دوسرے پر لاگو کرنا سیکھ لیا تھا، لہذا اس نے اس لڑکی کو اپنی نظر کے سہارے پر رکھا ہوا تھا۔

جب ہم یونیورسیٹی میں پڑھتے تھے تو ان دنوں ہم سید زوار حسین شاہؒ کی خدمت میں کراچی حاضر ہوئے، حضرت سید زوار حسین شاہؒ ایک بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے، میں نے ان کو یہ واقعہ سنا کر عرض کیا، حضرت! میں نے یہ واقعہ خود دیکھا ہوا ہے لیکن مجھے آج تک اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی، حضرتؒ نے فرمایا: یہ کوئی جادو نہیں ہے بلکہ اس بندے نے یہ سب کچھ اپنی قوت ارادی کو مرکوز کرنے کی وجہ سے کیا۔

بس یہی میرا کرتب تھا

انڈیا میں ایک آدمی نے شو دکھایا، اس نے لوگوں سے کہا تھا کہ میں ٹھیک چھے بجے آ کر آپ کو شو دکھاؤں گا، ٹائم طے تھا، بہت سارے لوگ جمع ہو گئے، چھے بھی بج گئے، بلکہ دس منٹ اوپر ہو گئے مگر وہ بندہ نہ آیا، جب کچھ دیر کے بعد وہ آدمی آیا تو اس نے سلام

کیا اور کہنے لگا: چونکہ ابھی وقت نہیں ہوا، پندرہ منٹ باقی ہیں، اس لئے میں اب جاتا ہوں اور میں اپنے صحیح وقت پر آؤں گا، لوگوں نے کہا: جی وقت تو ہو گیا ہے، اس نے کہا: نہیں آپ اپنی گھڑی دیکھ لیں، جب لوگوں نے اپنی گھڑی دیکھیں تو واقعی سب کی گھڑیوں پر پونے چھے بج رہے تھے، جب تک وہ وہاں کھڑا رہا سب کی گھڑیوں کی سوئیاں پونے چھے پر ہی رہیں، اس کے بعد وہ کہنے لگا کہ ''بس یہی میرا کرتب تھا، السلام علیکم''..... جب انسان ہپناٹزم اور قوت ارادی کے ذریعہ دوسروں پر تصرف کر سکتا ہے، تو پھر اللہ والے اپنی باطنی اور روحانی قوت کے ذریعہ راہِ خیر پر لانے کیلئے دلوں پر تصرف کیوں نہیں کر سکتے۔

ٹی وی اسکرین پر ایک کرتب

ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر حضرت سید زوار حسین شاہؒ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے جب حضرتؒ سے یہ بات سنی تو انہوں نے کہا: حضرت! میں آپ کو اس سے بھی عجیب بات سناتا ہوں، حضرتؒ نے فرمایا: سناؤ، انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ انگلینڈ میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ میں ٹی وی پر آپ کو ایک کرتب دکھاؤں گا، چنانچہ اسے ٹی وی پر کرتب دکھانے کی اجازت دے دی گئی، جب وہ کرتب دکھانے سے فارغ ہوا تو اس نے آخر میں کہا کہ پورے ملک میں جو بندہ بھی ٹی وی دیکھ رہا ہے، وہ اپنے ہاتھ میں لوہے کی کوئی چیز پکڑ لے، یہ سن کر کسی نے چمچ پکڑا، کسی نے کانٹا پکڑا، کسی نے چھری وغیرہ پکڑ لی، جیسے ہی اس نے لوہے کی چیز پکڑنے کو کہا تو اس کے بعد چند سکینڈ کے اندر اندر جس کے ہاتھ میں جو چیز تھی، وہ ٹیڑھی ہو گئی، پورے ملک کے لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا، دنیا حیران تھی کہ اس نے ٹی وی اسکرین پر بیٹھ کر یہ کہا مگر اس کی توجہ اتنا کام کر رہی تھی کہ پورے ملک میں جس نے جو چیز اسکے کہنے پر پکڑی تھی وہ ٹیڑھی ہو گئی، پھر لوگوں نے اس پر مقدمہ بھی درج کر دیا کہ آپ نے ہمارا یہ نقصان کیا ہے، اس نے جواب میں کہا کہ میں نے آپ سے صرف یہ کہا تھا کہ پکڑیں، یہ تو نہیں کہا تھا کہ ٹیڑھا کریں۔

اس سے پتہ چلا کہ انسان اپنی قوت ارادی کو مرکوز کر کے بہت سے عجیب وغریب کام کرسکتا ہے، انسان آخر اللہ تعالی کا نائب ہے، اللہ تعالی نے انسان میں یہ صفات رکھی ہیں لیکن ہمیں ان صفات کو آزمانا نہیں آتا.....ہم اپنے اندر پہلے یہ روحانی اور باطنی قوت پیدا تو کریں، پھر دیکھیں کہ کتنے مردہ دل زندہ ہوجاتے ہیں۔

اللہ وہ دل دے کہ تیرے عشق کا گھر ہو
دائم رحمت کی تیری اس پہ نظر ہو

دل دے کہ تیرے عشق میں یہ حال ہو اس کا
محشر کا اگر شور ہو تو بھی خبر نہ ہو

اللّٰہُ اللّٰہُ اللّٰہُ

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ

معرفت و معیت

حضرت رابعہ کی معرفت بھری بات

حضرت حسن بصریؒ اس امت کے بڑے اولیاء میں سے گزرے ہیں ان کے زمانے میں ایک خاتون تھی جس کا نام رابعہ بصریہ ہے، کبھی کبھی یہ ان کے پاس جایا کرتی تھی کچھ مسائل پوچھنے کے لئے بات پوچھنے کے لئے، ایک مرتبہ جب ان کے گھر گئی پتہ چلا کہ وہ دریا کی طرف گئے ہیں، گرمی کا موسم تھا، بہت زیادہ شدت کی گرمی تھی، اہل خانہ نے بتایا کہ وہ دریا کے کنارے اس لئے گئے ہیں کہ وہاں بیٹھ کر میں اللہ اللہ کروں گا، انہوں نے بات ضروری پوچھنی تھی، یہ بھی دریا کے کنارے کی طرف چل پڑی، بڑھاپے کی عمر تھی، جب دریا کے کنارے پر پہنچی تو کیا دیکھا کہ حسن بصریؒ نے کنارے کے بجائے پانی پر دریا کے اوپر مصلی بچھایا ہوا ہے، اور اللہ رب العزت کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، یہ گویا ان کی ایک کرامت تھی جو اللہ رب العزت نے اس وقت ان پر ظاہر کردی تھی، یہ ایک طرف بیٹھ کر دیکھتی رہی، جب حسن بصریؒ نماز سے فارغ ہوئے انہوں نے رابعہ بصریہ کو دیکھا تو سلام کیا، رابعہ بصریہ نے اسے کہا: اگر یہ ''ہواروی مگسے باشی ''اگر تو ہوا پہ چلتا ہے تو مکھی کے مانند ہے، وبرآب روی خسے باشی، اگر تو پانی پر تیرتا ہے تو تنکے کے مانند ہے، دل بدست شی باشی، اپنے دل کو قابو میں کرلے تاکہ تو کچھ بن جائے۔

حسن بصریؒ نے اقرار کیا کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا، دیکھئے اتنے بڑے ایک ولی کو اتنا پیارہ مشورہ کس نے دیا ایک عورت نے دیا جو خود ولایت کے مقامات کی معرفت حاصل کرچکی تھی۔

(تذکرۃ الاولیاء ۴۷)

معرفت نے بادشاہ بنادیا

شیر کا ایک بچہ عام جانوروں کے ساتھ زندگی گزارنے لگا تو اسکی حالت بھی عام جانوروں جیسی ہوگئی، گدھے اور بکری وغیرہ کی طرح وہ شیر بھی رہنے لگا، اس شیر کو ایک بندر نے پہچان لیا کہ یہ

تو بادشاہ کا بیٹا ہے، چنانچہ اس نے اسے سمجھایا کہ تم تو جنگل کے بادشاہ ہو اور تم کہاں زندگی گزارتے پھر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں بادشاہ نہیں ہوں، میں بس ادھر اپنے دوستوں کے ساتھ ٹھیک ہوں، وہ بندر اسے لے کر ایک دریا پر گیا اور اسے کہا کہ نیچے پانی کی طرف جھانک کر دیکھو، جب اس نے پانی میں جھانک کر دیکھا اور اسے اپنی شکل نظر آئی تو اسے اپنا باپ یاد آ گیا، اس نے چھوٹی عمر میں اپنے باپ کو دیکھا تھا اور اب جوان ہو چکا تھا، اب اس کا قد کاٹھ اور وضع قطع بھرپور شیر کی طرح تھا جب اپنی شکل دیکھ کر اسے اپنا باپ یاد آیا تو اسنے شیر والی آواز نکالی، اب اسے احساس ہونے لگا کہ میں کوئی عام جانور نہیں ہوں بلکہ جانوروں کا بادشاہ ہوں، چنانچہ اب اس کے اندر ایک قوت آ گئی اور اسکو دوسروں کے ساتھ لڑنا اور حملہ کرنا بھی آ گیا، لہٰذا جب وہ لوٹ کر واپس آیا تو سب جانوروں نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا..... جب ایک جانور اپنی حقیقت اور اپنی معرفت کے حاصل ہونے پر بادشاہ بن سکتا ہے، تو کیا انسان اپنی حقیقت کو پہچان لے اور ذاتِ باری کی معرفت حاصل کر لے تو راہِ سلوک کا بادشاہ نہیں بن سکتا اور سایۂ عرش کا ہم نشیں اور دیدارِ خداوندی کا مستحق نہیں ہو سکتا؟

بادشاہ کی معرفت نے ملکہ بنا دیا

ہارون رشید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ بھیس بدل کر شکار کھیلنے کے لئے نکلا، اتفاق سے وہ اپنے قافلہ سے بچھڑ گیا، تھکا ہوا تھا اور اسے پیاس بھی لگی ہوئی تھی، کہیں اسے ایک چھوٹی سی چھونپڑی نظر آئی، وہ وہاں گیا اور کہنے لگا، جی مجھے پینے کے لئے پانی دیدیں، اس گھر میں ایک نوجوان لڑکی تھی، اسنے اس کے چہرے مہرے سے اندازہ لگایا کی یہ وقت کا بادشاہ ہے، جب بادشاہ نے پانی مانگا تو اس لڑکی نے درخت سے انار توڑا اور اسکا جوس نچوڑا اور بادشاہ کو دینے سے پہلے اس نے وہ شربت (جوس) کپڑے سے چھان لیا تھا کہ کوئی تنکا یا پتہ نہ چلا جائے، اب بادشاہ یہ سب غور سے دیکھ رہا تھا، جب اس نے جوس بادشاہ کو پیش کیا تو اسنے پوچھا کہ تم نے یہ جوس چھان کر کیوں دیا؟ وہ کہنے لگی اے امیر المومنین میں نے ایسا اس لئے کیا تا کہ کوئی تنکا وغیرہ آپ کے منہ میں نہ چلا جائے، بادشاہ یہ جواب سن کر بڑا

حیران ہوا کہ اس نے بغیر بتائے سمجھ لیا کہ میں بادشاہ ہوں، وہ اس بات پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے گھر آ کر اس لڑکی کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا اور اس لڑکی کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیا..... اب اس لڑکی نے بادشاہ کو پہچان لیا اور اس کی قدر کی جس کے نتیجے میں اسنے فائدہ اٹھایا..... اندازہ لگایئے کہ ایک بادشاہ کی معرفت پر ایک خاتون شاہی محل میں جگہ پا سکتی ہے، بادشاہ کی محبوبہ بن سکتی ہے، تو کیا ہم خدا کے پرستاروں کو اگر خدا کی سچی معرفت حاصل ہو جائے تو محبوب خدا نہیں بن سکتے اور خدا کے شاہی محل (جنت) میں جگہ نہیں پا سکتے؟

جب تک ہیرے کی پہچان نہ تھی

ایک صاحب نے مجھے (حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی) ایک عجیب بات بتائی، وہ کہنے لگے کہ ہمارے گھروں کے قریب ایک علاقہ ہے، وہاں پر ہیرے زمین کے اوپر پڑے ہوتے ہیں اب حکومت نے اس علاقہ میں جانے پر پابندی لگا دی ہے وہ کہنے لگے کہ ہم لوگ اس علاقہ میں آتے جاتے تھے اور کئی مرتبہ ہم چمکتے ہوئے پتھر دیکھتے بھی تھے مگر ہم سمجھتے تھے کہ یہ ریت کے ذرات ہیں، انہوں نے بتایا کہ ہم مرغابی کا شکار کرتے تھے اور ان مرغابیوں کے معدے سے یہ چمکدار پتھر نکلتے تھے، ہم ان پتھروں کو اپنے ڈرائنگ روم کے پیالے میں ویسے ہی رکھ دیا کرتے تھے، یہ سلسلہ چلتا رہا اور کسی کو بھی پتہ نہ چلا کہ یہ کیا چیز ہے، وہ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ بیرون ملک سے ایک مہمان ہمارے گھر آیا، وہ ہیرے کی فیکٹری میں کام کرتا تھا، جب اس نے ان پتھروں کو ایک نظر دیکھا تو کہنے لگا، یہ کیا ہے، تم نے یہ یہاں پیالے میں ڈال کر رکھے ہوئے ہیں، ہم نے کہا کہ یہ ہماری مرغابیوں کے معدے سے نکلتے ہیں، اس نے کہا، خدا کے بندے! اس کے اندر ہیرا ہے جب ہمیں پتہ چلا تو بات آگے بڑھی، حکومت کو بھی پتہ چل گیا، پھر حکومت نے اس علاقہ میں جانے پر پابندی لگا دی، معلوم ہوا کہ دنیا کا آدھے سے زیادہ ہیرا اللہ تعالی نے اس ملک کو عطا کیا ہوا ہے اور پورا ملک اس ہیرے کی آمدنی پر زندگی گزار رہا ہے..... تو جب پہچان نہیں تھی تو ان پتھروں کو پیالے کے اندر ڈال کر رکھا ہوا تھا اور جب پہچانا تو پھر قدر ہو گئی..... اسی طرح انسان کو اگر خدا کی عظمت و بڑائی کی معرفت مل جائے تو خدائی نعمتوں کی قدردانی بھی نصیب ہو گی اور دل کو محبت

ومعیت اور یادالٰہی سے بھرنا بھی آسان ہوگا، پہلے معرفت حاصل کر کے تو دیکھیں۔

معرفت کے بغیر حسرت ہی رہ گئی

ایک ڈاکٹر صاحب تھے، وہ دماغی آپریشن کے بڑے ماہر سرجن تھے، جب ان کے پاس کوئی مریض آتا تو وہ بھاری فیس لیتے تھے، ایک دن وہ ہسپتال میں بیٹھے تھے کہ ایک مریض کو لایا گیا، لوگوں نے ان کو اطلاع دی کہ ایک نوجوان بڑی نازک حالت میں ہے لہذا آپ اس کا آپریشن کرنے کے لئے آجائیں، انہوں نے کہا کہ پہلے اسکی فیس جمع کراؤ، لوگوں نے کہا کہ اس کا کوئی بھی قریب نہیں ہے، سڑک پر ایکسیڈنٹ ہوا ہے، اٹھا کر لائے ہیں، لہٰذا بعد میں فیس کے بارے میں دیکھیں گے، وہ کہنے لگے، پہلے فیس جمع کراؤ، پھر آونگا، وہ بتاتے بھی رہے کی اس کی حالت غیر ہورہی ہے لیکن اس ڈاکٹر نے انکار کردیا، جب آدھا گھنٹہ گزر گیا تو اس ڈاکٹر کے گھر سے فون آیا، بیوی نے کہا، مجھے اطلاع ملی ہے کہ اکلوتے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے، پتہ کرو وہ کہاں ہے؟ اب ڈاکٹر صاحب نے ڈھونڈھنے کے لئے فون کیا تو پتہ چلا کہ وہی نوجوان سگا بیٹا تھا، اب جب آپریشن کے لئے گئے تو پہونچنے سے پہلے دم توڑ چکا تھا..... جب پہچان نہیں تھی تو اپنے بیٹے کی ناقدری ہوئی اور جب پہچان ہوئی تو پھر روتے تھے کہ میں ساری زندگی کی کمائی لگا دیتا اور کاش کہ میں اپنے بیٹے کے پاس آجاتا..... اسی طرح بروز قیامت ہم کو حسرت ہوگی کہ ہائے کاش! اس دنیا میں ہمیں بھی خدا کی معرفت حاصل ہوگئی ہوتی، تاکہ محبت الٰہی سے دامنِ دل کو بھر کر لاتے اور سایۂ عرش میں جگہ پاتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحدثنا ونحدثہ فاذا حضرت الصلوٰۃ کانہ لم یعرفنا ولم نعرفہ** (جب نماز کا وقت آجاتا تھا، اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہوجاتے تھے کہ وہ ہمیں نہیں پہچانتے تھے اور نہ ہم ان کو جانتے تھے) فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ اذان کی آواز سنی تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر کھڑے

ہو گئے، میں ذرا سامنے آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: من انت؟ (تو کون ہے ؟) میں نے کہا: عائشہ، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من عائشة؟ (عائشہ کون؟) میں نے کہا: بنت ابی بکر (ابوبکر کی بیٹی) فرمانے لگے: من ابو بکر؟ (ابوبکر کون؟) میں نے کہا ابن ابی قحافہؓ فرمانے لگے: من ابو قحافة؟ فرماتی ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوقحافہ کون؟ پھر میں گھبرا گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب کسی کو نہیں پہچانیں گے، پیچھے ہٹ گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کیفیت پھر عام حالت والی ہوئی اور وہ محبت کی کیفیت ذرا کم ہوئی تو فرمایا: عائشہ! لی مع اللہ وقت [میرا اللہ کے ساتھ ایک وقت ہوتا ہے] کوئی نبی مرسل، کوئی اللہ کا فرشتہ اس وقت میرے اور اللہ کے درمیان حائل نہیں ہوسکتا..... اس درجہ کی معیت واستحضار اگر حاصل نہیں تو کچھ نہ کچھ معیت ضرور حاصل کریں، البتہ یہ نعمت اہل اللہ کی صحبت سے بہت جلد حاصل ہوجاتی ہے۔

(فیض القدیر ۲۸۲۱ ج: ۳/ ۱۱۴ تحت اول مایرفع احیاء العلوم مع تخریج العراقی ۱/ ۲۹۳)

ابا کوئی دیکھ رہا ہے

ایک آدمی کہیں جارہا تھا، اس کا بیٹا بھی اس کے ساتھ تھا، اس نے انگور کا ایک باغ دیکھا تو اسکے دل میں خیال آیا کہ میں انگور اتارتا ہوں، چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو راستے میں کھڑا کیا اور کہا: بیٹا! اگر کوئی آئے تو تم مجھے آواز دے دینا میں جا کر انگور اتارتا ہوں۔

چنانچہ جیسے باپ باغ میں گھسا پیچھے سے بیٹے نے آواز لگانا شروع کی:

یاابی! یاابی! احدیر انا

''اے ابا جان! اے ابا جان! ایک ہمیں دیکھ رہا ہے''

یہ سن کر باپ جلدی سے واپس آ گیا، قریب آ کر دیکھا تو آدمی تو کوئی نہیں تھا، لہٰذا اس سے پوچھا: بیٹا! ہمیں کون دیکھ رہا ہے؟ بیٹے نے کہا: ابو! انسان نہیں دیکھ رہا، انسانوں کا پروردگار دیکھ رہا ہے۔

اس وقت کے چھوٹے بچوں کے دل میں بھی قیامت کے دن کا اتنا خوف ہوتا تھا۔

اللہ اللہ اللہ

عقیدت و محبت

اللہ اللہ اللہ

روٹی کے ٹکڑے عقیدت سے کھائی

ایک بزرگ جن کا نام عبدالعزیز تھا، وہ ایک صاحب نسبت بزرگ کے پاس عقیدت کے ساتھ جاتے تھے، جن کا نام ابوحازم تھا بڑے اللہ والے تھے، یہ ان کی خدمت میں آتے جاتے نیاز مندی سے بیٹھتے، چنانچہ ابوحازم نے ایک مرتبہ خوش ہوکر اپنی روٹی کا ایک خشک ٹکڑا بچا ہوا ان کو بھی دے دیا کہ یہ آپ لے لیں، انہوں نے اس کو تبرک سمجھا کہ یہ اللہ والے کا بچا ہوا کھانا ہے ویسے ہی مومن کے کھانے میں شفا ہوتی ہے، پھر ایک نیک بندے نے کھانا دیا تحفہ دیا یہ تو تبرک تھا، حضرت عبدالعزیز اس ٹکڑے کو لے کر اپنے گھر آئے اب سوچنے لگے کہ میں کیا کروں، بیوی سے بھی مشورہ کیا سوچا اس کو اس طرح سے استعمال کرنا چاہیئے کہ اسکی برکتیں حاصل کرسکیں، چنانچہ اس کی نیت کرلی کہ میں اس کے تین ٹکڑے کرتا ہوں روزانہ روزہ رکھوں گا اور میں روزانہ اس روٹی کے ٹکڑے سے افطار کروں گا، یہ اس کا بہترین استعمال ہے، چنانچہ یہ ادب تھا دل کے اندر نیکی تھی، چنانچہ انہوں نے تین روزے رکھے، پہلا روزہ پہلے ٹکڑے سے افطار کیا اور دوسرا روزہ دوسرے ٹکڑے سے افطار کیا اور تیسرا روزہ تیسرے ٹکڑے سے افطار کیا، اللہ کی شان جب تیسرا روزہ مکمل ہوا تو رات کو میاں بیوی آپس میں اکٹھے ہوئے، اللہ نے اس رات میں ان کو برکت عطا فرمادی، ان کے یہاں ایک بیٹا ہوا، جس کا نام انہوں نے عمر رکھا، یہ عمر جب جوان ہوا تو اللہ نے اسکو عمر بن عبدالعزیز بنا دیا..... جب شیخ کی روٹی کے ٹکڑے کو عقیدت ومحبت سے کھانے پر یہ اثر، تو اگر ان کی باتوں کو عقیدت سے سنے اور اس پر عمل کرے تو کس قدر فیضیاب ہوئے گا۔

شیخ کی بات پر اعتماد کیجئے

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد تھا جو عالم تھا، وہ ایک دفعہ حضرت کے پاس آیا اور اس نے آ کے کہا کہ حضرت! یہ شعر ہے جس نے بھی یہ شعر کہا لگتا ہے اس نے بہت زیادہ اس میں افراط وتفریط سے کام لیا ہے، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جیب سے کچھ پیسے نکالے اور اس عالم کو دیئے اور کہا کہ بھئی! یہ پیسے لے جاؤ جہاں جسم فروش عورتیں ہوتی ہیں، وہاں جا کر یہ کہنا کہ پیسے میں دیتا ہوں لیکن جو کوئی نئی عورت آئی ہے مجھے اس سے ملاؤ، اب وہ اتنے بڑے فقیہ اور شیخ لیکن انہوں نے یہ فرمادیا، پیسے تو اس نے لے لئے مگر جب باہر نکلا تو کہنے لگا، میں تو یہ کام نہیں کرسکتا، لیکن جانتا تھا کہ میرے شیخ بہت بڑے متقی انسان ہیں، اگلے دن پھر حضرت کی صحبت میں پہونچا، حضرت نے پوچھا کہ کل گئے تھے؟ نہیں حضرت نہیں گیا تھا، فرمایا بھئی نقصان اٹھاؤ گے آج چلے جاؤ تمہارے پاس وقت کم ہے۔

جب دوبارہ کہا تو اس نے پیسے لئے اور چلا گیا، اس نے جب جا کر یہ الفاظ کہے تو بتلانے والے نے اسکو بتایا کہ ہمارے یہاں ایک عورت نئی پہونچی ہے، کل سفر سے آئی تھی تھکی ہوئی تھی، آج ہم آپ سے اسکو ملا دیتے ہیں، جب وہ ملنے کے لئے سامنے آئی تو عالم صاحب نے دیکھا کہ اسکی سگی بیٹی تھی، دراصل دو دن پہلے بیٹی کی شادی ہوئی تھی اور انہوں نے اسکو اپنے خاوند کے ساتھ روانہ کیا تھا، برات نے کسی دوسرے شہر جانا تھا، راستے میں جنگل میں کچھ ظالم ڈاکوں نے قافلے کو لوٹ لیا، انہوں نے دلہن کو بھی وہاں سے اغواء کیا اور یہاں لا کر بیچ دیا، باپ کو تو ابھی تک پتہ ہی نہیں تھا واقعہ کا، اب جب باپ نے بیٹی کو دیکھا تو بیٹی باپ سے چمٹ گئی، ابو! شکر ہے آپ یہاں آ گئے میرے ساتھ تو یہ گذری تو باپ اپنی بیٹی کو گھر لے کر آیا اور پھر اس نے آ کر شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ حضرت

واقعی متبع سنت بزرگ اگر کوئی بات کہتے ہیں تو اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، آپ کی اس بات نے میری عزت کو بچالیا..... شیخ نگاہِ دوررس رکھتا ہے، نگاہ قلندرانہ سے دیکھ کر کچھ کہا کرتا ہے، بلکہ گفتۂ او گفتہ اللہ بود کا بھی مصداق ہوتا ہے، لہٰذا ان کے مشورہ پر عقیدت کے ساتھ عمل کرنے پر اللہ پاک نقصان سے بچا کر مقام عطا فرمادیتے ہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت ۲/۵۰)

زبیدہ ہارون سے بڑھ گئی

ایک دن ہارون رشید اور اسکی بیوی زبیدہ دریا کے کنارے چہل قدمی کررہے تھے، بہلول دانا جو ایک بزرگ تھے وہ وہاں بیٹھے ہوئے ریت کے گھر بنارہے تھے، ہم نے بچوں کو دیکھا کہ ریت والی جگہ پر پاؤں رکھ کر اوپر ریت جماتے ہیں اور کہتے ہیں گھر بن گیا، تو ریت کے گھروندے بنارہے تھے، ہارون رشید آیا السلام علیکم، وعلیکم السلام، بہلول کیا کررہے ہو؟ گھر بنارہا ہوں، جو خریدے گا میں دعاء کرونگا اللہ اس گھر کے بدلے اس بندے کو جنت میں گھر عطا فرمادے، بہلول قیمت کتنی ہے؟ انہوں نے کہا ایک دینار، بادشاہ نے سمجھا یہ جہاز ہے اپنی موج میں ہے پرواز کررہا ہے، بادشاہ سلامت تو آگے چلے گئے پیچھے سے زبیدہ آئی، اس نے پوچھا کہ بہلول کیا کررہے ہو؟ اس نے وہی جواب دیا کہ گھر بنارہا ہوں جو خریدے گا تو میں دعاء کرونگا کہ اللہ تعالی اس گھر کے بدلے اس بندے کو جنت میں گھر عطاء فرمادے بہلول کیا قیمت ہے؟ ایک دینار، زبیدہ نے ایک دینار دے دیا اور گھر چلے گئے، اب رات کو جب ہارون رشید سویا تو اس نے خواب میں دیکھا..... جنت ہے، اس کے محلات ہیں، باغات ہیں، نہریں ہیں، مرغزاریں ہیں، آبشاریں ہیں، جنت کی سکائی لائن ہے اور اس میں ایک سرخ یاقوت سے بنا ہوا بڑا محل ہے اور اوپر زبیدہ کے نام کا سائن بورڈ لگا ہوا ہے تو ہارون رشید نے کہا بھئی چلتے ہیں دیکھتے ہیں ذرا، جب دروازے پر پہنچ کر اندر جانے کی کوشش

کی تو ایک سیکورٹی والے نے روک لیا اور کہا کہ یہاں صرف وہی داخل ہوسکتا ہے جس کا یہ محل ہے آپ جائیں، اب جب اس نے روکا تو بادشاہ کی آنکھ کھل گئی، اب بادشاہ کو بہت پریشانی کہ مجھ سے تو بیوی عقل مند نکلی، اس نے روپیہ دے کر دعاء کروالی اور میں دعاء ہی نہ کرواسکا، سارا دن اسی ڈپریشن میں گزارا جب شام کا وقت ہوا تو اسکے ذہن میں بات آئی کہ آج اگر بہلول بیٹھا ہوگا تو میں آج جاکے دعاء کروالیتا ہوں، چنانچہ جلدی سے پہونچا ادھر ادھر دیکھا، بہلول واقعی بیٹھا ہوا تھا ایک جگہ بہلول کیا کررہے ہو؟ گھر بنا رہا ہوں کس کے لئے؟ جو خریدے گا میں دعاء کرونگا اللہ اس گھر کے بدلے بندے کو جنت میں گھر عطاء فرمادے، اچھا بہلول قیمت کیا ہے؟ بہلول نے کہا جناب پوری دنیا کی بادشاہی اسکی قیمت ہے، اب ہارون رشید حیران ہوا، بہلول اتنی قیمت تو میں بھی نہیں دے سکتا، پوری دنیا تو میری حکومت نہیں ہے، بہلول کل ایک دینار میں دے رہے تھے آج اتنی قیمت بڑھا دی، بہلول نے کہا بادشاہ سلامت کل بن دیکھا سودا تھا، آج دیکھا ہوا سودا ہے اور دیکھے سودے کی قیمت کچھ اور ہوتی ہے..... اس سے پتہ چلا کہ شیخ کی بات بلا چوں چرا ماننے سے فائدہ ہوتا ہے، ان کی باتوں کو تجربہ اور مشاہدہ کی کسوٹی پر نہ پرکھے، بلکہ یہی سمجھے کہ ہمارے لئے اسی میں فائدہ ہے۔

اگر عقیدت میں کمی نہ ہوتی

(۱) علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے ایک جگہ پر واقعہ لکھا ہے کہ کسی جگہ حضرت جنید بغدادیؒ تشریف فرما تھے، آپ ذرا آرام حاصل کرنے کے لئے ٹانگیں پھیلا کر بیٹھے تھے، ان کے سامنے ایک درویش بیٹھا تھا، اس نے بھی ٹانگیں پھیلالیں یوں کہ ٹانگیں شیخ کی طرف تھیں، حضرت جنید بغدادیؒ کچھ دیر اس درویش کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اپنی ٹانگیں سمیٹ لی، اس فقیر نے بھی اپنی ٹانگیں پیچھے سمیٹنا چاہی لیکن وہ ان کو پھر نہ ہٹا سکا وہیں مفلوج ہوگئیں، اللہ تعالیٰ ہمیں مشائخ کی بے ادبی سے محفوظ فرمائیں۔

(۲) کسی شیخ کا ایک مرید تھا ایک مرتبہ اس پر انقباض کی کیفیت طاری ہوئی اور اس کی ذوق وشوق والی تمام کیفیات ختم ہوگئیں، کافی عرصہ وہ پریشان رہا کہ اس پر ایک عجیب وحشت کی حالت طاری تھی، وہ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اپنی حالت بتائی، شیخ نے فرمایا تم اپنے اعمال پر غور کرو کوئی ایسی حرکت تو نہیں ہوئی جس پر یہ عتاب ہوا ہو، اس نے کافی غور کیا اور پھر شیخ سے عرض کیا کہ کوئی ایسی بات میرے علم میں تو نہیں آرہی، شیخ نے پھر فرمایا نہیں تم دوبارہ غور کرو کوئی نہ کوئی عمل تم سے ایسا ہوا ہے جس کا یہ وبال ہے کافی دیر سوچ کر اس کے دل میں آیا کہ اور تو کوئی ایسا عمل نہیں ہوا سوائے اس کے کہ ایک مرتبہ شیخ کا عصا کہیں پڑا ہوا تھا اور وہ اس کے اوپر سے گزر گیا تھا، بس جب اس نے اس بات پر اللہ تعالی سے گڑگڑا کر توبہ کی اور پھر شیخ سے توجہات لیں، تو اس کی وہ حالت ختم ہوگئی اور انشراح قلب حاصل ہوگیا.....لہٰذا جب کبھی قلب میں قبض کی کیفیت محسوس ہو، بلکہ قساوت پیدا ہونے لگے، دل اچاٹ رہنے لگے، فکر آخرت اور اعمال ختم ہونے لگے، تو جہاں تک ممکن ہو صحبت شیخ کی کوشش کیجئے عقیدت کے ساتھ، تاکہ دل کی دنیا بدل جائے۔

حضرت جانِ جاناںؒ کی نازک مزاجی

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے بزرگوں میں سے ہیں، ان کی طبیعت بہت ہی نفیس تھی کسی قسم کی کوئی کجی برداشت ہی نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ بادشاہ وقت ان کی زیارت کو آیا، کچھ دیر کے بعد اسے پیاس لگی تو قریب ہی ایک گھڑے سے پانی پیالے میں ڈال کر پیا، پینے کے بعد گھڑے کے اوپر پیالہ رکھ دیا لیکن تھوڑا سا ٹیڑھا رکھ دیا، کچھ دیر کے بعد بادشاہ نے رخصت کی اجازت چاہی اور ساتھ ہی عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو میں خدمت کے لئے کسی خادم کو آپکے

پاس بھیج دوں، اس پر آپ نے کہا: کہ تم بادشاہ ہو اور تمہارا یہ حال ہے کہ گھڑے پر پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے ابھی تک میرے سر میں درد ہو رہا ہے، تمہارا خادم پتہ نہیں میرا کیا حال کر جائیگا۔

(ارواحِ ثلاثہ ۳۰)

حضرت کی اس قدر نازک مزاجی کے باوجود اہلِ طلب عقیدت ومحبت میں ڈوبے رہتے تھے، ہر لمحہ ان کے مزاج کا خیال رکھتے، تو ایسے ہی لوگ فیضیاب ہوئے۔

جتنی عقیدت اتنا ہی فیض

ایک بزرگ سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ تھے، وقت کے بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے سوچا کہ ان کے مریدین زیادہ ہوتے چلے جارہے ہیں، کہیں میرے لیے یہ خطرہ ہی ثابت نہ ہوں، چنانچہ اس نے حضرت کو اپنے پاس بلوایا۔

بادشاہ نے کہا: جی! مجھے آپ کے متعلقین کی کثرت کی وجہ سے ڈر سا محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں آپ میرے لیے خطرہ ثابت نہ ہوں۔

انہوں نے فرمایا: جناب! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، یہ بھیڑ جمع ہے، مریدین تھوڑے ہیں۔

بادشاہ کہنے لگا: نہیں، میں نے تو سنا ہے کہ آپ کے چاہنے والے لاکھوں ہیں۔

انہوں نے فرمایا: نہیں، آپ کو رپورٹ غلط ملی ہے، حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

بادشاہ نے کہا: نہیں، ہم تو دیکھتے ہیں کہ روزانہ سینکڑوں آدمی آپ کے پاس آتے جاتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا: جناب! ایسا نہیں ہے، میرے تو اس دنیا میں کل ڈیڑھ مرید ہیں۔

بادشاہ نے حیران ہو کر کہا: یہ لاکھوں کا مجمع.....اور آپ کہتے ہیں کہ ڈیڑھ مرید!!!

انہوں نے کہا: جی ہاں!

بادشاہ نے کہا: میں نہیں مانتا۔

انہوں نے کہا: میں آپ کو طریقہ بتا دیتا ہوں چیک کرنے کا۔

بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے۔

چنانچہ انہوں نے بادشاہ کو ایک ترکیب بتائی، پھر بادشاہ نے ترکیب کے مطابق اعلان کروادیا کہ ان سے جتنے تعلق رکھنے والے ہیں وہ سارے کے سارے فلاں جگہ جمع ہو جائیں، وہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔

وہاں پر بادشاہ نے یہ اعلان کیا کہ اس شیخ سے ایک ایسی غلطی ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے آج اس کو قتل کرنا ضروری ہو گیا ہے، ہاں! اس کے بدلے میں اگر کوئی اپنی جان پیش کرسکتا ہے تو پھر ہم ان کو معافی دینے کے بارے میں سوچ سکتے ہیں.....اب کون ہاتھ کھڑا کرے.....وہیں سے لوگوں نے واپس جانا شروع کر دیا، بس تھوڑے سے رہ گئے، بادشاہ نے پھر کہا: ہے کوئی؟ جو اپنے آپ کو ان کی جگہ پر پیش کرے؟

یہ سن کر ایک مرد آگے بڑھا اور اس نے کہا: جی ہاں! آپ بے شک مجھے قتل کر دیں اور میرے شیخ کو چھوڑ دیں۔

بادشاہ نے ایک خیمہ لگایا ہوا تھا اور اس خیمے کے اندر ایک بکری بھی پہنچائی ہوئی تھی، پھر وہ مرید جس نے کہا: آپ مجھے میرے شیخ کی جگہ پر قتل کر دیں اس کو اس خیمے میں پہنچا دیا گیا اور اس بندے کی بجائے اس بکری کو وہاں پر ذبح کر دیا گیا، جب بکری کا خون خیمے سے باہر نکلا تو سب لوگوں نے سمجھا کہ بندے کو تو قتل کر دیا گیا ہے، اب سب لوگوں میں خوف وہراس پھیل گیا۔

بادشاہ نے پھر اعلان کیا کہ ایک اور بندے کی ضرورت ہے، اب کوئی اور ہے جو اپنے آپ کو اپنے شیخ کی جگہ پر پیش کرے.....اب تو وہ خون بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، اس لیے کون اپنے آپ کو پیش کرتا..... چنانچہ سب خاموش ہو گئے، جب

بار بار پوچھا گیا تو ایک عورت نے کہا: جی ہاں! میں بھی اپنے شیخ کے بدلے میں اپنی جان پیش کرتی ہوں، مجھے قتل کر دو اور میرے شیخ کو چھوڑ دو، اس کے بعد کسی نے ہاتھ کھڑا نہ کیا۔

چنانچہ اب شیخ نے بادشاہ سے کہا: دیکھا! میں نہیں کہتا تھا کہ آپ کو لاکھوں کا مجمع نظر آتا ہے لیکن میرے مریدین ان میں سے ڈیڑھ ہی ہیں۔

بادشاہ نے کہا: ہاں: ٹھیک ہے، مرد کی گواہی پوری اور عورت کی گواہی آدھی ہوتی ہے، اس لیے آپ نے ٹھیک ہی کہا کہ مرد ایک مرید ہے اور عورت آدھی مرید، یوں ڈیڑھ مرید بن گئے۔

شیخ نے کہا: نہیں نہیں!..... بات الٹی ہے..... مرد آدھا مرید تھا اور عورت پوری مرید تھی، جس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر اپنی جان دینے کے لیے تیار ہوگئی۔

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ لوگ شیخ کے ساتھ ارادت کا اظہار تو کرتے ہیں، لیکن آج ہر ایک کو ارادت میں پختگی حاصل نہیں ہوتی، پھر اس کی وجہ سے مقصود حاصل نہیں ہوتا .....اگر فیض کامل چاہتے ہیں، انوارات کو جذب کرنا چاہتے ہیں اور ظاہر و باطن کو منور کرنا چاہتے ہیں، تو کامل عقیدت ومحبت کے ساتھ صحبت میں رہنا پڑیگا۔

صحابۂ کرام کو کس درجہ اعتماد تھا؟

ایک مرتبہ ایک عورت مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلی تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اسکو ایک رقعہ دے دیا کہ یہ جا کر وہاں کافروں کو دے دینا، اس نے وہ رقعہ اپنے پوشیدہ اعضاء میں کہیں چھپالیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فرمایا جن میں علیؓ بھی تھے، اس طرح ایک عورت جارہی ہے، اسکے پاس ایک رقعہ ہے، اس میں مسلمانوں کے حالات لکھے ہوئے ہیں جو کافروں کو پہنچ جائیں گے لہذا وہ رقعہ چھین کر لے آئیں، صحابہ کرامؓ نے

جا کر اس عورت کو پکڑ لیا اور کہا کہ سامان دکھاؤ، اس نے پورا سامان دکھا دیا، رقعہ نہیں ملا، اس نے کہا جی میرے پاس کوئی رقعہ نہیں، صحابہ بڑے حیران، علیؓ نے اس عورت سے کہا کہ سنو! آرام سے وہ رقعہ حوالے کر دو اور اگر نہیں کرو گی، تو ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غلط نہیں ہوسکتا، ہم تیرے جسم سے کپڑے اتار کر بھی اس کاغذ کو ڈھونڈھ نکالیں گے، جب انہوں نے یہ بات کہی تو عورت ڈر گئی اور اس نے اپنے کپڑوں کے اندر سے پوشیدہ اعضاء سے نکال کر وہ رقعہ ان کو دے دیا، یہ اعتماد ہوتا ہے اور یہ صحابہؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔

(بخاری ۳۰۰۷۔ مسلم ۴۵۵۰)

اللہ اللہ اللہ
آداب رسول
صلی اللہ
علیہ وسلم

دربارِ الٰہی کا ادب

حضرت سلطان محمود غزنویؒ ولیٔ کامل اور بادشاہِ وقت ہے، ان کا نہایت محبوب وزیر ایاز ایک مرتبہ دربار میں حاضر تھا، اچانک اسے وہم گزرا کہ گریبان کا بٹن جلدی کی وجہ سے کھلا رہ گیا ہے، چونکہ یہ بات دربارِ شاہی کے آداب کے خلاف تھی، لہٰذا فوراً اس کا ہاتھ بٹن درست کرنے کے لئے اٹھ گیا، عین اسی وقت سلطان محمود غزنویؒ کی نظر ایاز پر پڑی تو فرمایا، ایاز! دربارِ شاہی میں یہ حرکت؟ ایاز ساکت وصامت، باادب نفس گم کردہ کھڑا رہ گیا۔

یہ تو ایک مخلوق بادشاہ کے دربار کے آداب کا حال ہے، پھر اس احکم الحاکمین کے دربارِ عالی کے آداب کا تقاضہ ہی یہ تھا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ادب سے حاضر ہوتے جسکی تصویر کشی ربِ کائنات نے **مازاغ البصر وماطغیٰ** کے الفاظ سے کی، باقی اعضاء کی حرکت کا تو مذکور ہی کیا، دیدارِ محبوب میں آنکھ کی ٹکٹکی میں بھی فرق نہ آیا، قلب کی توجہ بھی وہیں مرکوز رہی، نہ بہکے نہ بھٹکے۔ سبحان اللہ

شمع رسالت کے درخشاں آداب

(۱) مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکڑی کا ایک منبر بنایا گیا، جس کے تین درجہ تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دینے کے لئے سب سے اوپر کے درجے پر بیٹھتے تو درمیانی درجہ پر پاؤں مبارک رکھتے، جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کیلئے درمیانی درجہ پر بیٹھتے جبکہ پاؤں مبارک نچلے درجہ پر رکھتے، جب عمر فاروقؓ خلیفہ بنے تو خطبہ دینے کے لئے سب سے نچلے درجہ پر بیٹھتے، جبکہ پاؤں زمین پر رکھتے، جب حضرت عثمانِ غنیؓ کا دور آیا تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کردیئے، جب خطبہ دینے کی ضرورت پیش آتی تو آپ منبر کے پہلے درجہ پر کھڑا ہوا کرتے تھے، خلفاء راشدین کا یہ عمل ادب کے معاملہ میں سند رکھتا ہے۔

(۲) نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وصال مبارک سے پہلے جب مرض کا غلبہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ابوبکر صدیقؓ مسجد میں نمازوں کی امامت کروائیں، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ میں سترہ نمازیں پڑھانے کا شرف نصیب ہوا، وصال مبارک سے دو روز قبل حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز ظہر کی امامت کروا رہے تھے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شدید علالت کے باوجود حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے کندھوں کا سہارا لے کر جماعت میں شمولیت کے لئے مسجد تشریف لائے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جب اندازہ ہوا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں تو دورانِ نماز مصلّے سے پیچھے ہٹے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ''پیچھے مت ہٹو'' پھر نبی علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے برابر بیٹھ کر نماز ادا فرمانے لگے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے، اور دوسرے تمام صحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اقتداء کرتے اور اس طرح یہ نماز مکمل ہوئی، نماز سے فراغت حاصل ہونے پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا آپ دورانِ نماز میں پیچھے کیوں ہٹے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ''**ماکان لابن ابی قحافة ان یصلی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**'' (ابوقحافہ کے بیٹے کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نماز پڑھے) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عمل کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ''**لاتقدم بین یدی اللہ ورسولہ**'' کے فرمانِ الٰہی پر کس بے ساختگی سے عمل کرتے تھے۔

(صحیح البخاری ۶۸۴-سنن ابوداؤد ا ۹۴-صحیح مسلم ۹۷۶-نصب الرایہ ۲/۷۶)

(۳) ایک مرتبہ حضرت نضلہ اسلمیؓ اور حضرت ابن الأ درعؓ تیر اندازی میں باہر مقابلہ کر رہے تھے، کسی وجہ سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو تیر اندازی میں دیکھ کر خوش ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نضلہؓ سے فرمایا، اے بنی اسماعیل! تم تیر اندازی کرو، چونکہ

تمہارا باپ تیر انداز تھا، تم تیر پھینکتے جاؤ میں ابن ورع کے ساتھ ہوں، یہ الفاظ سنتے ہی حضرت نضلہ نے کمان رکھ دی اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ابن الأ درع کے ساتھ ہیں تو ادب کی بنا پر میں مقابلہ میں تیر نہیں پھینک سکتا۔

یعنی مقابلہ کا لفظ برابری کے زمرہ میں آتا ہے، مجھے کہاں زیب دیتا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کروں گو کہ وہ تیر پھینکنے ہی میں کیوں نہ ہوں۔

(فتح الباری ۶/ ۹۲-عمدۃ القاری ۲۱/ ۳۹-باب التحریض علی الرمی)

(۴) حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دسترخوان پر حاضر ہوتے تو اس وقت تک طعام کو ہاتھ نہ لگاتے جب تک نبی علیہ السلام شروع نہ فرماتے، چونکہ آقا کی موجودگی میں غلام کا کسی کام میں پہل کرنا، بے ادبی سمجھی جاتی ہے، اسی لئے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کھانا کھانے میں بھی پہل نہیں کیا کرتے تھے۔

(تحفۃ الذاکرین ۲۲۱-الآداب الشرعیۃ ۳/ ۳۰۷-الاذکار النوویۃ ۲۳۰-
الترغیب والترہیب ۳/ ۹۱)

(۵) حضرت ابومحذورہؓ کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا اس قدر لمبا گچھا تھا کہ جب آپ زمین پر بیٹھ کر اپنے بال کھولتے تو وہ بال زمین سے لگ جاتے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ ان بالوں کو کٹوا کیوں نہیں دیتے، آپؓ نے جواب دیا کہ میرے ان بالوں کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار سے پکڑا تھا، اس کے بعد سے میں نے انہیں کٹوانا چھوڑ دیا۔

عشق وادب کی انتہاء دیکھئے، اگر عام آدمی ظاہری نظر سے دیکھے تو اسے یہ بات معمولی نظر آئیگی، مگر آداب واکرام کے حدود میں بڑی وسعت ہے، ہر انسان کو اس کے نصیب کے بقدر حصہ ملتا ہے۔

(الاستیعاب ۱/ ۳۸-سیر اعلام النبلاء ۵/ ۱۱۴)

(۶) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام فرمایا، اس مکان کی دو منزلیں تھیں، حضرت ابوایوب انصاریؓ مع اہل وعیال اوپر والی منزل میں ٹھہرے، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نچلی منزل میں قیام پزیر ہوئے، حضرت ابوایوب انصاریؓ رات کو محوِ خواب تھے، اچانک آنکھ کھلی، معاً دل میں یہ خیال آیا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے ہیں اور میں اوپر ہوں، یہ تو صریحاً بے ادبی ہے، چنانچہ بستر سے اٹھ کر کمرے کی دیوار سے چپک کر کھڑے رہے، حتی کہ صبح ہوگئی، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی تو بصد اصرار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر والی منزل میں ٹھہرایا، آپ خود مع اہل وعیال نیچے آ گئے۔

(الاستیعاب ۱/۱۲۶-الاصابہ ۲/۲۳۴-سیر اعلام النبلاء ۳/۳۵۷)

(۷) ترمذی شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ کو غسل جنابت کی ضرورت پیش آئی، اسی حال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے، حضرت ابوہریرہؓ جلدی سے کہیں چھپ گئے، پھر غسل کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کہاں چلے گئے؟ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حدث لاحق تھا، اس ناپاکی کی حالت میں میرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا، خلاف ادب محسوس ہوا، اب میں پاک وصاف ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

(ترمذی شریف باب مصافحۃ الجنب حدیث نمبر ۱۲۱)

(۸) نسائی شریف میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ فرمانا چاہا، تو انہوں نے غسل کی حاجت لاحق ہونے کا عذر پیش کیا۔

(باب مجالسۃ الجنب ومماستہ حدیث نمبر ۲۶۵-صحیح ابن حبان حدیث نمبر ۱۲۵۸)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام ناپاکی کی حالت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے اپنا ہاتھ ملانا خلافِ ادب سمجھتے تھے۔

صحابۂ کرامؓ کو جب بھی محفلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھنے کی سعادت ملتی تو وہ اپنی نگاہوں کو ادب کی بناء پر نیچی رکھتے تھے۔

☜ (۹) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابِ مہاجرین وانصار میں تشریف فرما ہوتے تو ان میں سوائے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے کوئی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر نہیں اٹھاتا، ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بہت خاص تھا، نبی علیہ السلام ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے اور وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھ کر تبسم فرماتے، گویا عشق ومحبت کے قلبی جذبات مسکراہٹوں کی شکل میں نمودار ہوتے۔

(مسند البزار ۶۸۹۴-سنن الترمذی ۳۶۶۸-مسند احمد ۱۲۵۳۸)

☜ (۱۰) شمائلِ ترمذی کی ایک روایت میں حضرت علیؓ محفل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کلام شروع فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوجاتے تب حاضرین میں سے کوئی ایک کلام کرتا اور دورانِ گفتگو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث ومباحثہ نہ کرتے۔

(باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ۳۵۱)

دنیا کے بڑے بڑے امراء کی مجالس میں ان آداب کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان آداب کا تعلق قلبی محبت وعقیدت سے ہے، اہلِ دنیا کو یہ نعمت کہاں نصیب؟

☜ (۱۱) سیدنا صدیق اکبرؓ کے والد محترم حضرت ابوقحافہؓ ابھی مشرف باسلام

نہیں ہوئے تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نازیبا کلمات کہہ دیئے، حضرت ابوبکرؓ ان ناشائستہ الفاظ کو سن کر بہت خفا ہوئے، حتی کہ اپنے والد کے چہرہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا، انہوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت احوال واقعی معلوم کرنے کی غرض سے ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی، ورنہ ایسے نازیبا کلمات کہنے پر ان کی گردن اڑا دیتا، اس پر جبرئیل علیہ السلام قرآن پاک کی یہ آیت لیکر نازل ہوئے:

"لَا تَجِدُ قَوْماً يُّؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا آبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ، اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ، وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"۔

(پ:۲۸، المجادلۃ، آیت ۲۱)

(اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے نہ پائیگا، گو وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا کنبے قبیلہ کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں، ان ہی لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا اور ان کی تائید اپنی روح سے کی ہے، انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی، وہ خدائی لشکر ہے، آگاہ رہو بے شک اللہ کے لشکر والے لوگ ہی کامیاب ہیں)

(تفسیر القرطبی ۱۷/ ۳۰۷-التفسیر المنیر ۲۸/ ۵۸)

(۱۲) ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کا شانۂ نبوت میں داخل ہوئے تو اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند آواز سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا، حضرت صدیق اکبرؓ کو بارگاہ نبوت میں اپنی بیٹی کی یہ بے ادبی دیکھ کر سخت غصہ آیا، چنانچہ آپؓ نے ایک طمانچہ لگانے کا ارادہ فرمایا کہ وہ نبی علیہ السلام کی اوٹ میں جا چھپیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۲/۱۷۱-عشرۃ النساء للنسائی ۱/۲۹-سنن ابی داؤد ۷ ۴۳۴)

(۱۳) ایک مرتبہ منافقین نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ پر بہتان باندھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر جلوہ افروز ہوئے اور سیدہ عائشہؓ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا اگر تم اس تہمت سے بری ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری براءت کا اعلان فرمادیں گے اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کر اور توبہ کرو، کیونکہ بندہ جب توبہ کر لیتا ہے تو اسکے سارے گناہ دھل جاتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اپنے والد محترم سے عرض کیا کہ میری طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دے دیجئے، گو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا یقین تھا، مگر ادب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے زبان نہ کھل سکی، صرف اتنا کہا ''میں نہیں جانتا کیا کہوں''

(عیون الأثر ۲/۸۸-تاریخ الاسلام للذہبی ۲/۲۷۶-سیر اعلام النبلاء ۲/۱۵۸)

(۱۴) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے گفتگو فرماتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو ہم بھی (از راہِ ادب) کھڑے ہو جاتے۔

(جمع الوسائل ۲/۲۳۶-سبل الہدیٰ ۷/۲۵-البدایہ والنہایہ ۶/۴۴)

(۱۵) حضرت صفوان بن عسالؓ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی نو ظاہری نشانیوں کے متعلق دریافت کیا، جب نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے نشانیاں بیان فرمادیں، تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو ادب ومحبت سے بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

ترمذی ۷ ۳۴۳ ومن سورہ بنی اسرئیل-مسند احمد ۷ ۱۸۱۱ حدیث صفوان

(۱۶) حضرت زارعؓ (وفد عبدالقیس کے ایک فرد ہیں) روایت کرتے ہیں کہ وفدِ عبدقیس کے لوگ جب مدینہ آئے تو جلدی جلدی اپنے کجاوؤں سے نکل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں اور پاؤں کو (وفور محبت وادب سے) چومنے لگے۔

(سنن ابوداؤد ۵۲۲۵-بیہقی شعب الایمان ۸۵۶۰)

(۱۷) حضرت ابن عمرؓ ایک مرتبہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لائے اور منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی تھی، اسے ہاتھ سے مس کیا اور تبرکاً اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیر لیا۔

(الثقات لابن حبان ۴/ ۹-الطبقات الکبریٰ ۱/ ۲۵۴-الأداب الشرعیۃ ۳/ ۲۲۴-امتاع الأسماع ۱۴/ ۶۱۸-الشفا ۲/ ۸۶-الانساب للسمعانی ۴/ ۴۲۶)

(۱۸) سیدہ عائشہ صدیقہؓ اگر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قریبی مکان میں میخ ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء نہ پہونچاؤ۔

(اتحاف الزائر ۱۱۵-امتاع الأسماع ۱۴/ ۶۲۴-خلاصۃ الوفا ۱/ ۱۶۶)

(۱۹) حضرت علیؓ کو اپنے گھر کے لئے لکڑی کا دروازہ بنوانا تھا، آپؓ نے کاریگر سے یہ شرط طے کی کہ وہ دور کسی جگہ دروازہ تیار کریگا، تاکہ تیاری کے دوران اوزار وغیرہ کی آواز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ پہنچے، جب دروازہ تیار ہوجائیگا تو اپنی جگہ پر نصب کردیا جائیگا۔

(۲۰) حضرت سائب بن یزیدؓ کا بیان ہے کہ میں مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لیٹا ہوا تھا کہ کسی نے میری طرف کنکری پھینکی، جب سر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ

حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہیں، آپ نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جاؤ، ان دونوں کو بلا لاؤ، جب وہ دونوں حاضر خدمت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کون ہو؟ یا کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ طائف سے، آپؓ نے فرمایا اگر تم لوگ شہر (مدینہ) کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں درے لگاتا، کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟

(کنز العمال ۴۴۰۸۴-السنن الکبریٰ للبیہقی ۴۱۴۳-موسوعۃ التخریج ۲۱۸۷۸)

(۲۱) حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ عشاء کے وقت مسجد نبویؐ میں موجود تھے، اچانک کسی شخص کی بلند آواز سنائی دی، آپؓ نے اسے بلا کر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں قبیلۂ بنو ثقیف سے ہوں، یہ سن کر آپؓ نے فرمایا، کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں طائف کا رہنے والا ہوں؟ آپ نے فرمایا اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، یاد رکھو، اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔

(اتحاف الزائر ۱۱۳-خلاصۃ الوفا ۱۲۶/-العمدۃ من الفوائد ۸۸)

کاشانۂ نبوت میں امام مالکؒ کا ادب

(۱) ابن حمید سے روایت ہے کہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں کسی بات پر مباحثہ کیا، اس وقت خلیفہ کے ہمراہ پانچ سو شمشیر بند بھی موجود تھے، دورانِ گفتگو جب خلیفہ کی آواز قدرے بلند ہوئی تو امام مالکؒ نے فرمایا، اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حیاتِ مبارکہ میں تھا) یہ سنتے ہی ابو جعفر کی آواز پست ہو گئی۔

(الترتیب المدارک ۶۷-الشفا عیاض ۲/۴۱-سبل الہدیٰ ۱۱/۴۳۹۱-خلاصۃ الوفا ۵۱/)

(۲) حضرت امام مالکؒ نے اپنی زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی، جب قضائے

حاجت کی ضرورت پیش آتی تو آپ شہر سے باہر حدود حرم تک جاتے اور اس طرح بیٹھ کر فراغت حاصل کرتے کہ جسم تو حدود حرم میں رہتا تاہم فضلہ حدود سے باہر گرتا، کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں مدینہ منورہ سے باہر میری موت واقع نہ ہو جائے، ایک طرف تو دیار حبیب سے اتنا لگاؤ اور دوسری طرف ادب کی یہ انتہا کہ اپنے جسم کی نجاست مدینہ منورہ کی مٹی میں شامل کرنا گوارہ نہیں، محبت وادب کا یہ امتزاج بہت کم دیکھا گیا ہے۔

☜ (۳) امام مالکؒ کی یہ عادت تھی کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے راستہ کے درمیان چلنے کی بجائے دیواروں کے قریب چلتے، پوچھنے پر فرمایا ممکن ہے کہ ان راستوں پر نبی علیہ السلام کے مبارک قدموں کے نشان موجود ہوں، اگر میرے قدم ان نشانوں پر آ گئے تو سخت بے ادبی ہوگی۔

☜ (۴) امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ امام مالکؒ سے پوچھا کہ آپ کے پاس سواری کے لئے بہترین گھوڑے موجود ہیں، مگر آپ مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار کیوں نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا، مجھے زیب نہیں دیتا کہ جس مقدس جگہ پر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم لگے ہوں، میں اس جگہ کو گھوڑے کے سموں سے پامال کروں۔

(سبل الہدیٰ ۱۱/ ۴۵۱-احیاء العلوم ۱/ ۲۸-الشفا ۲/ ۴۷-ترتیب المدارک ۱-۵۵)

☜ (۵) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب میں لکھا ہے ''امام مالکؒ ادب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔

☜ (۶) ایک مرتبہ کسی شخص نے دورانِ گفتگو کہا کہ مدینہ منورہ کی مٹی خراب ہے، امام مالکؒ نے یہ سن کر فتویٰ دیا کہ اسے تیس درّے مارے جائیں اور کچھ عرصہ کے لئے قید کر دیا جائے، کسی نے پوچھا کہ اتنی سختی کیوں، فرمایا کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اس کی گردن مار دی جائے، جس زمین میں اللہ تعالیٰ کے محبوب آرام فرما ہیں، وہ اس کے متعلق گمان کرتا ہے کہ اس کی مٹی خراب ہے۔

خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفی ۳۰-الشفا ۲/ ۴۷

ایک شاعر نے کتنے خوبصورت الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کیا ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرشِ نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

(آسمان کے نیچے عرشِ الٰہی سے بھی زیادہ نازک یہ ادب گاہ (روضۂ اقدس) ہے، جنید وبایزید جیسی ہستیاں بھی یہاں سانس روک کر حاضری دیتی ہے)

گویا اس بارگاہِ اقدس میں زور سے سانس لینا بھی بے ادبی ہے، حضرت نثار فتحی نے کیسا خوبصورت شعر کہا ہے ؎

یہ شورِ تنفس بھی ہمیں بار ہوا ہے

☜ (۷) امام مالکؒ روضۂ اقدس اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ادب کیا کرتے تھے، حتی کہ ذکر رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی کیفیت طاری ہوجاتی تھی، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

لَوْ رَأَیْتُمْ مَا رَأَیْتُ لَمَا أَنْکَرْتُمْ عَلٰی مَا تُرَوْنَ

(اگر تم وہ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں، تو پھر میرے عمل پر اعتراض نہ کرتے)

اسی ادب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی کہ آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں کثرت سے دیدار ہوتا تھا، حضرت ابوسعد حلیہ میں مثنی بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ نے ارشاد فرمایا میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب نہ ہوا ہو۔

(ترتیب المدارک ۱/ ۵۵- الشفا ۲/ ۴۲- سبل الہدی ۳۹۵- مجموعۃ الفتاوی ابن تیمیہ ۱/ ۲۲۶)

ابوالفضل کا ادب

حضرت ابوالفضل جوہری اندلسیؒ نے مدینہ طیبہ کے لمبے سفر کا قصد کیا، جب شہر کے مکانات نظر آنے لگے تو سواری سے اتر پڑے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے پیدل چلے:

لما رأينا رسم من لم يدع لنا
فؤادا لعرفان الرسوم ولا لبا
نزلنا عن الاكوار نمشى كرامة
لمن بان عنه ان نلم به ركبا

الشفا ۲/ ۴۷

(جب ہم نے اس ذاتِ شریف کے آثار دیکھے جس نے آثار کے پہچان کے لئے ہمارے پاس نہ دل چھوڑا نہ عقل چھوڑی، پس ہم سواری سے اتر پڑے اور ذاتِ اقدس کی تعظیم کے لئے پیدل چلنے لگے، جس کی زیارت سواری کی حالت میں بعید از ادب ہے)

علماء دیوبند کا بے پناہ ادب

علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ قبر مبارک میں جو مٹی لگ رہی ہے وہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے، بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نہایت خوبصورت اور نازک اندام تھے، جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو جوتے نہیں پہنتے تھے، سنگلاخ زمین پر پیادہ چلنے سے پاؤں کے تلوے زخمی ہوگئے، کسی نے پوچھا کہ حضرت جوتے کیوں نہیں پہن لیتے، فرمایا: جس دیار میں

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کے نشانات ہوں میں انہیں جوتوں سے کیسے پامال کروں، یہ تو سراسر بے ادبی اور گستاخی ہے۔

یہ خاکِ مقدس ہے گلابوں کی جبیں سے
آہستہ قدم رکھنا مدینہ ہے مدینہ

سوانح قاسمی ۳/۶۱-علامات محبت ۱۸۵ بحوالہ خطبات دین پوری

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

سادات کا ادب

صحابہؓ کی نگاہ میں سادات کا ادب واحترام

(۱) حضرت یزید بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ میں اور حصین بن سبرہؓ اور عمر بن مسلمؒ حضرت زید بن ارقمؓ کے پاس گئے، جب ہم ان کے پاس بیٹھ گئے تو حصینؓ نے ان سے کہا کہ اے زیدؓ آپ نے بہت کچھ بھلائیاں دیکھی ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے آپ مشرف ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں آپ نے سنیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، بے شک اے زید آپ نے خیر کثیر جمع کر لی ہم سے وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی، حضرت زیدؓ نے فرمایا اے برادر زادہ! میری عمر زیادہ ہوگئی، عرصہ دراز گزر گیا، میں بعض وہ باتیں بھول گیا ہوں جن کو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا تھا، پس جو کچھ میں تم سے بیان کروں اسکو مان لو اور جو کچھ بیان نہ کروں تو اسکی مجھے تکلیف نہ دینا، اس کے بعد فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں خطبہ دینے کے لئے اس پانی کے کنارے کھڑے ہوئے جس کو ''خم'' کہا جاتا ہے اور جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور وعظ ونصیحت فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اما بعد! اے لوگو! میں بشر ہوں اور قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد بلانے کے لئے آئے اور اسکا کہا مان لوں، میں تم لوگوں میں دو بھاری بھر کم چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ان میں سے پہلی چیز کتاب اللہ ہے، جس میں ہدایت ہے، نور ہے، تم اللہ کی کتاب لو اور اسے مضبوطی سے پکڑ لو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ (کے

عمل) پر آمادہ کیا اور اسکے بارے میں رغبت دلائی، اس کے بعد فرمایا (دوسری چیز) میرا گھرانہ ہے، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا یاد دلاتا ہوں۔

یہ سن کر حضرت حصینؓ نے پوچھا اے زیدؓ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت نہیں ہیں، حضرت زیدؓ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تو اہل بیت ہی میں سے ہیں تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ لوگ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن پر صدقہ کا مال حرام کر دیا گیا، حصینؓ نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا حضرت علیؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عباسؓ اور ان کی اولادیں ہیں، حضرت حصینؓ نے پوچھا ان سب پر صدقہ کا مال لینا حرام کر دیا گیا، حضرت زیدؓ نے کہا ہاں۔

(مسلم شریف ۴۴۲۵، منتخب الکنز ج:۵-ص:۹۵-المعجم الکبیر طبرانی ۴۸۸۸-مسند احمد ۱۹۲۸۵)

(۲) حضرت ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں تشریف فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے، سامنے سے حضرت عباسؓ آتے ہوئے دکھائی دیئے، ان کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے جگہ دی، وہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سامنے ہی بیٹھ گئے، اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل فضل کی فضیلت اہل فضل ہی جانتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے باتیں کرنے لگے اس دوران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آواز انتہائی پست کی، تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف ہوگئی ہے، جس کی میرے دل میں بڑی کھٹک ہے، حضرت عباسؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس برابر بیٹھے رہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ضرورت رفع کر دی، وہ چلے گئے، تب حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی کوئی تکلیف ہوگئی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا میں نے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز انتہائی پست ہوگئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل ؑ نے مجھے حکم دیا کہ جب حضرت عباس ؓ آئیں تو میں اپنی آواز کو انتہائی پست کرلوں جیسا کہ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی آوازوں کو میرے پاس پست کرلو۔

(کنزالعمال ۳۲۲۷۳، ج: ۱۳/ ۵۱۴- جامع الاحادیث ۴۳۲۸۶- حیاۃ الصحابہ ۳/ ۳۰۰- مختصر تاریخ دمشق ۴/ ۱۰۸- ابن عساکر، کذا فی الکنز ج: ۷- ص: ۶۸)

(۳) ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عمر ؓ اپنے اپنے دور خلافت میں جب کبھی حضرت عباس ؓ سے ملتے اور یہ سوار ہوتے تو اپنی سواری سے حضرت عباس ؓ کے لئے اتر جاتے اور اس سواری کی لگام پکڑ کر حضرت عباس ؓ کے ساتھ پیدل چلتے، یہاں تک کہ حضرت عباس ؓ اپنے مکان یا اپنی مجلس پر پہنچ جاتے تو یہ جدا ہوتے تھے۔

(ابن عساکر- کذا فی الکنز ج: ۷- ص: ۲۹)

(۴) حضرت قاسم بن محمد ؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان ؓ کے ان واقعات میں سے جن پر لوگ راضی ہوگئے ایک یہ ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو کسی جھگڑے میں سزا دلوائی، جس نے اس قضیہ میں حضرت عباس بن مطلب ؓ کی توہین کی تھی، جب حضرت عثمان ؓ سے اس سزا کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی تعظیم کی اور میں ان کے چچا کی توہین کئے جانے پر رخصت دے دوں، جو آدمی اس کام پر راضی ہو بے شک اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، چنانچہ لوگ حضرت عثمان ؓ کی اس بات سے راضی ہوگئے۔

(خرج سیف وابن عساکر، کذا فی الکنز ج: ۵- ص: ۲۱۳)

(۵) حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب چاروں طرف سے گھیرے ہوئے بیٹھے تھے کہ اتنے میں سامنے سے حضرت علی ؓ آئے اور کھڑے ہو کر مجلس میں بیٹھنے کی جگہ دیکھنے لگے،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھا کہ ان میں سے کون ان کیلئے جگہ میں گنجائش کر دیتا ہے، حضرت ابوبکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنی جگہ سے کھسکے اور فرمایا اے ابوالحسن! یہاں آجائیں، چنانچہ حضرت علیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان بیٹھ گئے، تو ہم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک انتہائی خوش ہوا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے ابوبکر ''اہل فضل ہی سے فضیلت ظاہر ہوتی ہے''۔

(کذا فی البدایہ ج:۷-ص:۳۵۸-الریاض النضرۃ ۱/ ۸۷-
مسند الشہاب القضاعی ۴/ ۲۶۹-نزہۃ المجالس ۱/ ۳۵۴)

(۶) حضرت عقبہ بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ نماز عصر پڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند راتوں بعد نکلا، حضرت علیؓ ان کے پہلو کے برابر چل رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ کا گزر حضرت حسن بن علیؓ پر ہوا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے از راہ محبت وشفقت ان کو اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور فرمانے لگے۔

''بابی شبیہ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس شبیہا علی رضی اللہ عنہ''

(میرے باپ کی قسم، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے اور حضرت علیؓ کے مشابہ نہیں ہے)

(البدایہ ۸/ ۱۸۹-بخاری ۳۲۷۸، ۳۴۶۷-مسند احمد ۲۶۴۲۲-تاریخ دمشق ۱۳/ ۱۷۴)

حضرت علیؓ یہ سن کر ہنس پڑے۔

(بخاری واحمد وابن سعد وعساکر)

(۷) حضرت عمیر بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو دیکھا کہ وہ حضرت حسنؓ سے ملے اور کہا کہ اپنے پیٹ سے کرتا ہٹاؤ، جس جگہ کا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے، انہوں نے اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا، حضرت ابوہریرہؓ

نے اس جگہ کا بوسہ لیا، ایک روایت میں ہے کہ ان کی ناف کا بوسہ لیا۔

(قال الہیثمی ج:۹-ص:۱۷۷، اخرجہ احمد)

☜ (۸) شفاء مصنفہ قاضی عیاضؒ میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ حضرت حسنؓ کو محبت واحترام سے اپنے کندھوں پر اٹھایا کرتے تھے۔

۴۹/۲

☜ (۹) ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے والد ابوقحافہؓ کے ایمان لانے پر اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ حضرت عباسؓ کے ایمان لانے پر ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیوں؟ عرض کیا کہ ابوقحافہ کے ایمان لانے سے مجھے خوشی ہوئی اور حضرت عباسؓ کے ایمان لانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوئی اور مجھے اپنی خوشی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی مقدم ہے۔

تاریخ دمشق ۶۶/۳۲۷-سبل الہدی ۱۱/۴۳۱

☜ (۱۰) بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ فرمایا کرتے تھے کہ **ارقبوا محمداً فی اھل بیتہ** (اے مسلمانو! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے معاملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ واحترام ملحوظ رکھو) نیز فرمایا ''مجھے اپنی قرابت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت زیادہ عزیز ہے''۔

(بخاری ۳۴۳۶، ۳۴۶۸-مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲۸۰۳)

☜ (۱۱) ابن سعد میں اور تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین احمد ندوی میں تحریر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متعلقین کا پاس ولحاظ اپنی اولاد سے بھی زیادہ کرتے تھے، جب وظائف مقرر کرنا چاہا تو اکابر صحابہؓ کی رائے تھی کہ بحیثیت امیر المؤمنین آپ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب وبعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کئے، چنانچہ سب سے پہلے بنو ہاشم اور اس میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا، سب سے زیادہ تنخواہیں

بدری صحابہؓ کی تھیں، اگرچہ حسنین کریمینؓ ان میں سے نہ تھے، مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت کے تعلق سے ان کی تنخواہیں بھی بدری صحابہؓ کے برابر مقرر کیں۔

الطبقات الکبریٰ ابن سعد ۳/ ۲۹۸- حیاۃ الصحابہ ۳/ ۵۸

(۱۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت زیدؓ کے صاحبزادے اسامہ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ مقرر کی، حالانکہ لوگوں کی نظر میں وہ زیادہ ذی قدر تھے، ان ہر دو معاملات میں حضرت عبداللہ نے حکمت دریافت کی تو فرمایا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی والدہ جیسی والدہ انکے باپ جیسا باپ اور ان کے نانا جیسا نانا لاؤ اور پھر ہمسری کا دعوی کرو، حضرت اسامہؓ کے معاملے میں فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

(سنن الترمذی ۴۱۸۳- الشفا ۲/ ۵۱- سبل الہدی ۱۱/ ۴۴۶)

اکابر کی نظر میں سادات کا ادب واحترام

(۱) نورالابصار میں تحریر ہے کہ حضرت امام حسنؓ کے پوتے حضرت عبداللہؒ کسی کام سے خلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس گئے تو خلیفہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حضرات کو کوئی کام ہو تو مجھے رقعہ بھیجا کریں، مجھے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم آتی ہے کہ آپ میرے پاس کوئی حاجت لے کر آئیں۔

(الشفا ۲/ ۴۹- الصواعق المحرقۃ ۲/ ۵۲۳)

(۲) مدارج میں تحریر ہے کہ امام مالک بن انسؒ کو جب عباسی خلیفہ کے حکم پر کوڑے لگائے گئے تو انہوں نے ہوش میں آتے ہی فرمایا ''لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم کو معاف کیا، مجھے شرم آتی ہے کہ روز محشر میری وجہ سے نبی علیہ السلام کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد باز پرس کے لئے روکا جائے۔

(ترتیب المدارک ۱/ ۷۵- الصواعق المحرقۃ ۲/ ۵۲۳)

(۳) تاریخ الخلفاء اور سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ حضرت ابوحنیفہؒ کو خلیفہ منصور عباسی نے صرف اس وجہ سے قید میں ڈال کر زہر دلوایا تھا کہ انہوں نے سید محمد نفس زکیہ حسنیؒ کے حق میں عباسیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا تھا، پھر چار ہزار دینار بطور امداد روانہ فرما کر تحریر کیا تھا کہ اگر کچھ لوگوں کی امانتیں میرے پاس قابل واپسی نہ ہوتیں تو ضعیف العمر ہونے کے باوجود شہادت کی امید لے کر خود جہاد میں شریک ہوتا، اس وقت آپ کی عمر تقریباً اسی سال کی تھی، سید سلیمان ندویؒ نے حیات مالک میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے بھی اسی قسم کا فتویٰ دیا تھا، جبکہ حضرت امام شافعیؒ کے اہل بیت کے واقعات بہت مشہور ہیں۔

تاریخ الخلفاء ۱/۲۲۹

(۴) حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اہل بیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث بیان کی ہیں ''صواعق محرقہ'' میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کسی سید زادے کو دیکھ لیتے تو فوراً تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کو آگے بڑھا دیتے۔

الصواعق المحرقۃ ۲/۵۲۴

(۵) حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ''فتوحات مکیہ'' میں آیت تطہیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام سادات بنو فاطمہؓ ازواج مطہرات اور حضرت سلمان فارسیؓ کی طرح اور لوگ بھی جو اہل بیت میں شمار کئے جاتے ہیں، سب آیت تطہیر کے بموجب حکم مغفرت میں داخل ہیں، وہ طاہر و مطہر ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی عنایت کا نتیجہ ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل پر ہے، کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ ان حضرات کی مذمت کرے، جس کی پاکیزگی کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے یہ فضل و کرم ان کے کسی عمل خیر کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے نسب کی وجہ سے محض عنایت ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔

(۶) امام عبدالوہاب شعرانی ''لطائف المنن'' میں حضرت شیخ اکبرؒ کے فضائل اہل بیت سے متعلق دو اشعار نقل کرتے ہیں:

فلا تعدل باهل البيت خلقا
فاهل البيت هم اهل السيادة
فبغضهم من الانسان خسر
حقيقي وحبهم عبادة

(اہل بیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو مت سمجھ، اہل بیت ہی اہل سیادت ہیں، ان کا بغض انسان کیلئے حقیقی خسارہ ہے، اور ان کی محبت بڑی عبادت ہے)

پھر لکھتے ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب اور تعظیم وتکریم کو لازم سمجھتا ہوں، خواہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں، کیونکہ برے اعمال کی وجہ سے شرف نسب میں کمی نہیں آتی۔

(۷) حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتیؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بیوہ سیدہ کی شکایت پر انہوں نے مندرجہ ذیل رباعی سلطان علاؤالدین خلجی کو لکھ کر بھیجی تھی۔

سادات افضل اندو بود وصف شاں جلی
اولاد مرتضیٰ و جگر گوشہ نبی
برفعل شاں نظر مکن اے خرز جاہلی
الصالحون لله والطالحون لی

(سادات افضل ہیں اور افضل تھے ان کی شان بہت واضح ہے یہ حضرت علیؓ اور جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فاطمہؓ) کی اولاد ہیں، اے بے خبر ان کے کاموں پر نظر (تنقید) نہ کر نیک اللہ کے لئے ہیں اور گنہگار میرے لئے ہیں)

ایک اہم بات ذہن نشیں کر لینا چاہئے، عوام الناس کو سادات کے ادب کا خوب خیال رکھنا چاہئے، ان سے محبت کو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ایک شاخ سمجھنا چاہئے ان کو ہدیہ یا تحائف دینا انکی دیگر ضروریات کا از خود خیال کرنا چاہئے، یہ تصویر کا ایک رخ ہے اور دوسرا رخ یہ ہے کہ سادات کی نسبت رکھنے والے حضرات کو فسق و فجور سے دور رہنا چاہئے، ان کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری کی ہوتی ہے، پس ان کا حکم شریعت کی خلاف ورزی کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایذاء کا سبب ہوگا، روزِ محشر اپنے جد امجد کو کیا منہ دیکھائیں گے، اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزِ محشر فرما دیا کہ عوام الناس نے تو میری سنتوں کو چھوڑا تھا، میرے طریقوں سے منہ موڑا ہی تھا، تم تو میرے اپنے تھے، تم نے میری باتوں کو کیوں ٹھکرا دیا، تو سوچئے کہ کتنی ندامت و شرمندگی ہوگی، دنیا میں چار آدمیوں نے تعظیم و ادب کا مظاہرہ کر بھی دیا تو کیا فائدہ اگر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عزت نہ ملی، آخرت کی ذلت و رسوائی سے اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

* * *

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

والدین کی خدمت

والدہ کی اطاعت پرنور کی بارش

بنی اسرائیل کا ایک یتیم بچہ ہر کام اپنی والدہ سے پوچھ کر ان کی مرضی کے مطابق کیا کرتا تھا، اس نے ایک خوبصورت گائے پالی اور ہر وقت اس کی دیکھ بھال میں مصروف تھا، ایک مرتبہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں اس بچہ کے سامنے آیا اور گائے خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا، بچہ نے قیمت پوچھی تو فرشتے نے بہت تھوڑی قیمت بتائی، جب بچہ نے ماں کو اطلاع دی تو اس نے انکار کر دیا، فرشتہ ہر بار قیمت بڑھاتا رہا اور بچہ ہر بار اپنی ماں سے پوچھ کر جواب دیتا رہا، جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو بچہ نے محسوس کیا کہ میری والدہ گائے بیچنے پر راضی نہیں ہے، لہٰذا اس نے فرشتہ کو صاف انکار کر دیا کہ گائے کسی قیمت پر بھی نہیں بیچی جا سکتی، فرشتہ نے کہا کہ تم بڑے خوش بخت اور خوش نصیب ہو کہ ہر بات اپنی والدہ سے پوچھ کر کرتے ہو، عنقریب تمہارے پاس کچھ لوگ اس گائے کو خریدنے کے لئے آئیں گے، تو تم اس گائے کی خوب بھاری قیمت لگانا۔

دوسری طرف بنی اسرائیل میں ایک آدمی کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور انہیں جن گائے کی قربانی کا حکم ملا وہ اسی بچہ کی گائے تھی، چنانچہ بنی اسرائیل کے لوگ جب اس بچہ سے گائے خریدنے کے لئے آئے تو اس بچہ نے کہا کہ اس گائے کی قیمت اس کے وزن کے برابر سونا ادا کرنے کے برابر ہے، بنی اسرائیل کے لوگوں نے اتنی بھاری قیمت ادا کر کے گائے خرید لی۔

(تفسیر البغوی ۱/۱۰۶-تفسیر السراج المنیر ۱/۱۴۸)

تفسیرِ عزیزی اور تفسیرِ معالم القرآن فی دروس القرآن میں لکھا ہے کہ اس بچہ کو یہ دولت والدین کے ادب اور ان کی اطاعت کی وجہ سے ملی ہے، تفسیر طبری میں اسی طرح کا واقعہ منقول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی خدمت وادب کا کچھ صلہ اس دنیا میں بھی دے دیا جاتا ہے۔

خدمت کے وسیلہ سے چٹان کھسک گیا

بنی اسرائیل کے تین آدمی اکٹھا سفر کر رہے تھے کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی، تینوں نے بھاگ کر ایک قریبی پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی، اسی دوران ایک چٹان اوپر سے گری جس سے غار کا منہ بند ہوگیا، غار کے اندر اندھیرا ہوگیا، سانس گھٹنے لگی، حتی کہ تینوں کو موت سامنے کھڑی نظر آرہی تھی، انہوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ بارگاہِ الٰہی میں اپنے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا جائے، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے پروردگارِ عالم! تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے، میں سارا دن بکریاں چراتا تھا، شام کو گھر واپس آکر ان بکریوں کا دودھ اپنے والدین کو پلاتا تھا، ایک دن گھر واپس آنے میں تاخیر ہوگئی تو میں نے دیکھا کہ والدین سو چکے ہیں، اے اللہ! میں دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لیکر انتظار کرتا رہا کہ جب ان کی آنکھ کھلے گی تو پیش کرونگا، اسی حال میں میری ساری رات گزر گئی، رب کریم اگر میرا یہ عمل آپ کی نظر میں مقبول ہے، تو اس کی برکت سے چٹان کو دور فرما، چنانچہ چٹان اپنی جگہ سے سرک گئی اور غار کے منہ کا تیسرا حصہ کھل گیا، پھر دوسرے اور تیسرے نے دعا مانگی، حتی کہ چٹان ہٹ گئی اور ان لوگوں کی جان میں جان آئی۔

(بخاری شریف حدیث نمبر ۵۹۷۴)

والدین مسخ ہو گئے پھر بھی خدمت.....

ایک بزرگ رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے، ایک دفعہ ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ کے کسی دوست سے ملاقات کرنی چاہئے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نوجوان اپنی بکریوں کو چرا رہا ہے اور کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ یہ نوجوان اللہ کا دوست ہے، تم اس سے ملاقات کرلو، وہ بزرگ بیدار ہوئے، تو انہیں اس نوجوان سے ملاقات کی جستجو ہوئی، ایک دن انہوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان اپنی بکریوں کا ریوڑ لیکر راستہ

سے گزر رہا ہے، وہ بزرگ اس نوجوان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں چند دن آپ کے گھر مہمان بن کر رہنا چاہتا ہوں، نوجوان نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور اس بزرگ کو اپنے گھر لے آیا، رات کے وقت دونوں آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ اس بزرگ نے نوجوان سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا اور پوچھا کہ تمہارا کون سا عمل اللہ کو اتنا پسند آیا ہے کہ تمہیں پروردگار نے اپنے دوستوں میں شامل کر لیا ہے، یہ سن کر وہ نوجوان آب دیدہ ہو گیا، پھر اس نے قریب کا کمرہ کھول کر دیکھایا کہ اسمیں دو مسخ شدہ چہرے والے انسان بندھے ہوئے تھے، وہ بزرگ حیرت زدہ رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ نوجوان نے کہا یہ میرے غافل اور گنہگار والدین ہیں، ایک مرتبہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں ایسی گستاخی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے کو مسخ کر دیا، میں سارا دن بکریوں کا ریوڑ چراتا ہوں اور جب واپس گھر آتا ہوں تو پہلے والدین کو کھانا کھلاتا ہوں، بعد میں خود کھاتا ہوں، گو انہوں نے اپنے جرم کی سزا دنیا ہی میں پالی، مگر میرا فرض بنتا ہے کہ ان کی خدمت کروں، آخر میرے تو والدین ہیں، وہ بزرگ حیران ہوئے اور انہوں نے نوجوان کو سینے سے لگا کر کہا کہ ہم نے ساری ساری رات عبادت کی اور سارا سارا دن روزہ رکھا مگر اس مقام تک نہ پہنچ سکے، جس مقام پر آپ کو والدین کے ادب اور ان کی خدمت کی وجہ سے پہونچنا نصیب ہوا۔

حضرت خرقانیؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کے ایک بھائی نہایت عبادت گزار تھے اور رات دن عبادت میں مشغول رہتے تھے، جب کہ آپ کا بیشتر وقت والدین کی خدمت واطاعت میں گزرتا تھا، ایک رات جب آپ کے بھائی ذکر وعبادت میں مشغول تھے تو ایک ندا سنی کہ کسی کہنے والے نے کہا ہم نے تمہارے بھائی کی مغفرت کی اور اس کی برکت سے تمہیں بھی بخش دیا، یہ بھائی بڑے حیران ہوئے کہ ذکر وعبادت میں تو میں ہر وقت مشغول رہتا ہوں،

مگر مجھے ابوالحسن کے طفیل بخش دیا گیا، ندا آئی کہ ہمیں تیری عبادت کی حاجت نہیں، بلکہ محتاج ماں کی خدمت کرنے والے کی اطاعت ہمیں مطلوب ہے۔

تذکرۃ الاولیاء ۲۹۰

حِبّ رسولؐ حضرت اسامہؓ کا ادب

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں کھجور کی قیمت بہت بڑھ گئی، یہاں تک کہ ایک درخت ایک ہزار درہم یا دینار میں بکنے لگا، ایک دن اسامہ بن زیدؓ نے ایک درخت کاٹا، ایک درخت کا تنا کاٹ کر اس کا مغز نکالا، لوگوں نے حیران ہوکر پوچھا آپ اتنے قیمتی درخت کو کیوں ضائع کر رہے ہیں، حضرت اسامہ نے جواب دیا کہ میری والدہ نے اس کی فرمائش کی ہے اور وہ جس چیز کا حکم دیتی ہے اس کی تعمیل کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

طبقات ابن سعد ۴/۷۰

حضرت بایزیدؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟

حضرت سلطان بایزید بسطامیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو بھی مراتب عطا کئے وہ میری والدہ کی دعاؤں کے صدقہ عطا کئے، کسی نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ لڑکپن میں ایک مرتبہ والدہ نے پانی مانگا، جب میں لیکر گیا تو والدہ سو چکی تھیں، میں پیالہ ہاتھ میں لے کر ساری رات کھڑا رہا، سردی اتنی شدید تھی کہ جسم کپکپا رہا تھا، جب والدہ کی آنکھ کھلی اور انہوں نے مجھے یوں کھڑے انتظار کرتے دیکھا تو خوش ہوکر بہت دعائیں دیں، ان دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ولایت کے دروازے کھول دیئے۔

تذکرۃ الاولیاء ۹۰

احترام والدہ پر صاحب کشف ہو گئے

حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ صاحب کرامت بزرگ تھے، جب لڑکپن میں شاہ عبدالعزیزؒ سے پڑھنے آئے تو تھوڑے دن پڑھ کر جانے لگے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے پوچھا کہ بھائی اتنی جلدی کیوں؟ مولانا نے عرض کیا کہ والدہ کی اجازت اتنی ہے،.....والدہ کے ادب ہی نے مولانا کو صاحب کشف بزرگ بنا دیا۔

خدمت پر قطب بن گئے

ایک شخص نے جوانی غفلت کے کاموں میں ضائع کی، جب بڑھاپا آیا اور اعضاء نے جواب دینا شروع کر دیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا پیشہ اختیار کیا جائے، ساتھیوں نے بتلایا کہ پیری مریدی ایک ایسا پیشہ ہے کہ جس میں بغیر محنت مشقت خوب مزے ہوتے ہیں، چنانچہ اب وہ پیر بن بیٹھا، اس مصنوعی پیر کے یہاں ایک سچا طالب آ پہنچا، اس نے بہت ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا میں آپ سے اللہ کا راستہ سیکھنے کے لئے آیا ہوں، وہ سالک چوں کہ غلطی سے بے وقت پہنچ گیا تھا اسلئے وہ مصنوعی پیر اس کے بے وقت آنے پر بہت ناراض ہوا اور کہا کہ اللہ کا راستہ یوں نہیں آتا، یہ کہہ کر اس کو ایک پھاوڑا دیا اور کہا کہ فلاں باغ میں اس کی زمین میں گوڈی کرو، کیاریاں بناؤں اور پانی دو، وہ اسی وقت پھاوڑا لے کر اس باغ میں پہنچا اور اس کی مرمت شروع کر دی باغ والے مزاحم ہوئے کہ تو ہمارے باغ میں کیوں دخل دیتا ہے اس نے بہت منت خوشامد سے کہا کہ مجھے تمہارے باغ سے کچھ نہیں لینا نہیں، مجھے میرے پیر نے اس باغ کے صاف کرنے اور مرمت کرنے کو کہا ہے، اول اول تو وہ لوگ بہت ڈرتے رہے اس کو مارا پیٹا بھی، مگر یہ دیکھ کر کہ نہ یہ کھانے کو مانگتا ہے نہ اور کچھ، جو کچھ روکھی سوکھی ہوتی ہے وہ کھا لیتا ہے، تین مہینے اسی حال میں گزر گئے، اسی دوران ابدال میں سے کسی کا انتقال ہوا تو اولیاء وقت کی مجلس میں اس کے بدل کا

مشورہ ہوا، ابدال حضرات نے اپنی اپنی رائے سے لوگوں کے نام بتلائے قطب وقت نے سب کے نام سن کر کہا کہ ایک نام ہمارے ذہن میں بھی ہے اگر تم پسند کرو، سب نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں، حضرت نے فرمایا فلاں باغ کا فلاں مالی بڑا مخلص ہے، سچی طلب رکھتا ہے، بہت اخلاص سے مجاہدہ میں مشغول ہے، سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا، پھر سب نے اس پر توجہ ڈالی جس کی وجہ سے اسی وقت انکشافات ہوئے اور پھاوڑا باغ والوں سے یہ کہہ کر حوالہ کر دیا کہ یہ فلاں پیر صاحب کا ہے، جو فلاں گاؤں میں رہتے ہیں اور میں جارہا ہوں، ہر چند ان لوگوں نے خوشامد منت سماجت کی کہ ذرا اپنا حال تو بتلا دے مگر اس نے کچھ نہیں بتلایا، اور کہا سنا معاف کرا کر وہیں سے غائب ہو گیا۔

اکابر کا سلوک واحسان ص: ۴۷

اویس قرنیؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟

ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت اویس قرنیؒ، یہ تابعین میں سے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، اور یہ اکیلے اپنی والدہ کی خدمت کرنے والے تھے، ایک موقع پر والدہ سے انہوں نے اجازت مانگی کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کروں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی اجازت مل گئی مگر والدہ نے کہا بیٹا خدمت کرنے والا پیچھے کوئی دوسرا نہیں تم جلدی لوٹ آنا، مدینہ طیبہ آئے اللہ تعالی کی شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سفر پر تشریف لے گئے تھے، یہ وہاں نہ ٹھہرے اور واپس آ گئے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ اس طرح کا ایک بندہ آیا تھا ملاقات کرنا چاہتا تھا، زیارت کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ آپ نہیں تھے ان کو واپسی کی جلدی تھی وہ واپس چلا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو سن کر خوش ہوئے، چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک جبہ حضرت عمر اور حضرت علیؓ کے حوالے فرمایا اور کہا کہ اس بندے کا نام اویس ہے قرن قبیلہ کا ہے

میرے اس جبے کو لے جانا اور جب وہ پہنے تو اسے کہنا کہ میری امت کی بخشش کی وہ دعا کردے۔

یہ ماں کی خدمت کا اجر ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہدیہ بھیج رہے ہیں اپنے جبے کا اور ساتھ فرمائش فرماتے ہیں کہ آپ میری امت کی بخشش کی دعا فرمادیں۔

والدین کو دل دکھانے کا انجام

چنانچہ ایک صحابیؓ تھے علقمہؓ کسی بات پر ماں ان سے ناراض ہوگئی، ان کی وفات کا وقت آ گیا مگر ان کی روح نہیں نکل رہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بات پہنچائی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمارؓ کو لے کر حضرت صہیبؓ کو لے کر حضرت کو بلالؓ کو لے کر وہاں تشریف لے گئے آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو والدہ سے کہا کہ آپ بچے کو معاف کردیں، اس کا دل بہت دکھی تھا، اس نے کہا کہ میں نے اسے معاف نہیں کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو فرمایا کہ جاؤ لکڑیاں لے کر آؤ تو پوچھا گیا کہ کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لکڑیوں کو آگ لگاؤں گا اور علقمہ کو اس آگ کے اندر ڈال دوں گا، جب ماں نے یہ دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمادیا لکڑیاں لانے کا وہ سمجھ گئی کہ اللہ کے نبی ایسے ہی بات نہیں کررہے ہیں وہ ایسا ہی کردیں گے تو لگی منت سماجت کرنے میرے بیٹے کو آگ میں نہ ڈالیں، فرمایا اگر تو اسے معاف نہیں کریگی تو اللہ نے بھی تو اس کو جہنم کی آگ میں جلانا ہے، میں تیری آنکھوں کے سامنے ڈالتا ہوں تجھے پتہ چلے، ماں کا دل پسیج گیا کہنے لگی میں نے اپنی ناراضگی معاف کردی، آپ اللہ کے لئے میرے بیٹے کو آگ میں نہ ڈالیں، ماں نے معاف کردیا اور ان کی روح اسی وقت پرواز کرگئی۔

(شعب الایمان للبیہقی ۷۵۰۸، ج:۱۰/۲۹-الخصائص الکبریٰ ۲/۲۵۹-جمع الوسائل ۱/۱۸۳-الکبائر للذہبی ۱۶-الزواجر ۲/۳۹۷)

اللہ اللہ اللہ

خلافت و نسبت

خلافت ملنے پر اشکال

کسی جگہ پر ایک کامل بزرگ تھے جن کی خانقاہ پر بہت سے طالب علم اللہ اللہ سیکھنے کے لئے جمع رہتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص کہیں باہر سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میں اپنے نفس کی اصلاح کروانا چاہتا ہوں لہذا مجھے بھی اپنے خدام میں شامل فرمالیں اور یہاں قیام کی اجازت مرحمت فرمادیں، انہوں نے اسے بیعت کر کے وہاں رہنے کی اجازت دے دی اور کچھ ذکر واذکار اور معمولات اس کو بتادیئے، وہ شخص وہاں رہ کر اصلاح نفس کے کام میں مشغول ہوگیا اور جو کوئی حالت اس کو پیش آتی اس کی اطلاع اپنے شیخ کو کرتا اور جو کچھ وہ تعلیم کرتے اس پر عمل کرتا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان بزرگ نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ یہاں قیام سے جو تمہارا مقصود تھا وہ بفضلہٖ تعالیٰ تم کو حاصل ہوگیا ہے اب تم کو مزید قیام کی ضرورت باقی نہیں رہی، اسکے بعد اس کو خلعت خلافت سے نوازا اور وطن واپس رخصت کر دیا، اب جو دوسرے طالبین کافی عرصے سے وہاں حاضر تھے ان کے دل میں بڑا یہ احساس ہوا کہ ہم جو اتنے سالوں سے یہاں محنت کر رہے ہیں ہمیں تو اتنا فائدہ نہ ہوا اور اس شخص کو چند ہی روز میں اتنا کچھ مل گیا، معلوم یہ ہوتا ہے کہ شیخ کو ہماری طرف اتنی توجہ نہیں ہے۔

شیخ کو کشف سے ان کے وسوسے کی اطلاع ہوگئی اور اسکا جواب انہوں نے بڑے حکیمانہ انداز میں دیا، ایک دن انہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ جنگل سے کافی تعداد میں گیلی لکڑی اکٹھی کر کے ہمارے پاس لے آؤ، خدام نے حکم کی بجا آوری کی اور گیلی لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آئے، اب شیخ نے حکم دیا کہ ان کو آگ لگاؤ، مریدوں نے آگ لگانے کی کوشش کی، وہ چونکہ گیلی تھیں لہٰذا آگ پکڑتی ہی نہ تھیں، کافی دنوں کی محنت کے بعد ان میں کچھ آگ لگی، اس کے بعد شیخ نے کہا کہ اب خشک لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آؤ، خدام نے تعمیل کی، فرمایا اب ان کو آگ لگاؤ، چنانچہ ان کو بھی جلایا گیا، جیسے دیا سلائی جلا کر

رکھی فوراسب لکڑیوں نے آگ پکڑ لی اور ذراسی دیر میں سب لکڑیاں جل کر راکھ ہوگئیں، حضرت شیخ نے ان سے دریافت کیا کہ بھئی کیا بات ہے کہ پہلے جولکڑیاں لائی گئیں ان کو جلانے کے لئے تو انتی محبت کرنی پڑی اور یہ لکڑیاں ذراسی دیر میں ہی جل گئیں، مریدوں نے کہا حضرت پہلی لکڑیاں چونکہ گیلی تھیں اسلئے آگ نہ لگی اور دوسری چونکہ خشک تھیں اس لئے فوراجل گئیں، شیخ نے فرمایا درست ہے، اس تجربے سے ہمارا مقصد تم کو اصل حقیقت سے آشکار کرنا تھا، فلاں شخص جو کچھ دن ہمارے پاس رہ گیا ہے اللہ نے اس پر فضل فرمایا اور وہ جلد ہی کامیاب ہوکر لوٹ گیا اس پر تمہیں تعجب ہوا کہ وہ کیوں اتنی جلدی نوازا گیا اور ہم محروم ہیں، تمہیں یہ شبہ ہے کہ ہماری تمہارے اوپر پوری توجہ نہیں ہے، یادرکھیں تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے ہم کو جیسی توجہ اس کی طرف تھی ویسی ہی تمہاری طرف ہے، وہ جو جلد کامیاب ہوگیا تو اس وجہ سے کہ اس کا حال خشک لکڑی جیسا تھا اور تمہیں دیر لگ رہی ہے تو اس وجہ سے کہ تمہارا حال گیلی لکڑیوں جیسا ہے، وہ جب یہاں آیا تو آنے سے پہلے ہی اتنی محنت ومجاہدے کرچکا تھا کہ اس کے نفس کی رطوبات خشک ہوچکی تھیں اور ہماری تعلیمات پکڑنے کی استعداد اس میں پیدا ہوچکی تھی لہٰذا اس پر جلد اثر ہوگیا، تم کو چونکہ یہاں آنے سے قبل مجاہدات کی حرارت لگی ہی نہیں تھی لہٰذا تمہارے اندر رذائل نفس کی رطوبات موجود ہیں، لہٰذا ان رطوبات کو خشک کرنے کے لئے کچھ وقت اور محنت درکار ہے، جیسے ہی تمہارے اندر استعداد پیدا ہوگی وصول ہونے میں دیر نہ لگے گی، لہٰذا اطمینان سے محنت میں لگے رہیں ایک دن آئیگا تمہارے اوپر بھی اللہ کا ایسا ہی فضل ہوجائیگا جیسا کہ اس پر ہوا۔

امیر خسرو کی عقیدت پر خلافت

حضرت امیر خسرو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے سچے اور پکے مریدوں میں سے تھے، ان کو اپنے شیخ سے انتہاء درجے کا عشق تھا، ان کے اسی عشق ومحبت کی وجہ سے ان کو اپنے شیخ سے اس قدر اتحاد حاصل ہوچکا تھا کہ شیخ کے دل میں جو بات آتی تھی وہی امیر خسروؒ

کے دل میں آجاتی تھی، حتی کہ اگر خواجہ نظام الدین اولیاء بیمار پڑ جاتے تو اس بیماری کی تکلیف حضرت امیر خسروؒ بھی محسوس کیا کرتے تھے، ان کی شیخ سے محبت کا ایک عجیب واقعہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت امیر خسروؒ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ سے باہر کسی کام سے گئے ہوئے تھے، کہ ایک آدمی حضرت کی خدمت میں پہنچا اور ان سے اپنی کسی ضرورت کا سوال کیا، اللہ والے کسی کو انکار نہیں کیا کرتے، ان کے پاس اور تو کچھ نہیں تھا اسے اپنے جوتے ہی دے دیے وہ جوتے لے کر چل دیا، راستے میں امیر خسرو ملے جو کافی مال واسباب کے ساتھ واپس آرہے تھے، دیکھتے ہی پہچان گئے کہ جوتے شیخ کے ہیں، انہوں نے اس آدمی سے کہا کہ یہ جوتے مجھے دے دو اور ان کی قیمت لے لو، وہ بھی سمجھ گیا کہ کوئی دیوانہ ہے، اس نے اس کی قیمت اتنی لگائی کہ جتنا مال واسباب ان کے پاس تھا، امیر خسرو نے وہ سارا مال دے دیا اور جوتے لے لئے اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر شیخ کی خدمت میں پہنچ گئے، شیخ نے امیر خسرو کو اس حال میں دیکھا تو ان کی محبت نے بھی جوش مارا اور آپ کو سینے سے لگا دیا اور باطنی نسبت القاء کر دی۔

(تذکرۃ الاولیاء ہندو پاک ص:۱۱۸)

حضرت سید احمد شہیدؒ کی خلافت

حضرت سید احمد شہیدؒ پہلے شاہ عبدالعزیزؒ سے بیعت ہوئے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے ان کو قریب ہی مسجد میں جن میں شاہ صاحب اور طلبہ نماز پڑھتے تھے ٹھہرا دیا اور کہا کہ تعلیم حاصل کرو اور ہمیں آٹھویں روز ملا کرو، چھے ماہ تک وہ تعلیم حاصل کرتے رہے، چھے ماہ کے بعد حضرت شاہؒ کے خاندان میں کوئی شادی کی تقریب تھی، اس تقریب میں شاہ عبدالعزز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین تینوں بھائی موجود تھے اور شامیانہ لگایا جارہا تھا، اس جگہ نیم کا ایک درخت تھا جس کی رکاوٹ سے شامیانے میں جھول آجاتا تھا، اتنے میں سید احمد صاحب بھی تشریف لے آئے، آپ نے دیکھا تو کرتا کمر

سے باندھا اور نیم پر چڑھ گئے، اوپر پہنچ کر شامیانے کو کھینچا تو وہ بالکل صحیح تن گیا اور جھول نکل گیا، سید صاحب کی یہ دھج شاہ عبد القادر صاحب کو پسند آ گئی اور انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دے دیجئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ لے جاؤ اور سید صاحب سے کہہ دیا کہ میاں عبدالقادر کے ساتھ جاؤ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ ان کو اپنے پاس اکبری مسجد لے آئے اور ایک حجرہ دے دیا اور کچھ ذکر واذکار تعلیم کئے اور فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر ذکر کیا کرو، سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبد القادرؒ کے حکم کے مطابق ذکر وشغل کرنے میں لگ گئے، جو جگہ شاہ صاحب نے ان کو بتادی سید صاحب خواہ بارش ہو آندھی یا دھوپ برابر اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے اور جب تک شاہ صاحب نہ کہتے اس وقت تک نہ اٹھتے تھے، شاہ صاحبؒ نے سید صاحب کو ڈھائی برس تک اپنے پاس رکھا اور پھر ان کو لے کر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ یہ سید احمد صاحب ہیں ان کو پرکھ لیں، شاہ صاحب نے کہا میاں عبدالقادر تم جو کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو اب ان کو بیعت کی اجازت دے دو، شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت اجازت انہیں آپ ہی دیں گے اور ان سے آپ کا ہی سلسلہ چلے گا، شاہ صاحب نے ان کو اجازت دے دی۔

(ارواحِ ثلاثہ ۱۴۴)

حضرت عبدالمالکؒ کو نسبت وخلافت

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ شیخ کی طرف سے نسبت ملنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں چنی گوٹھ ریاست بہاولپور میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت اپنی جماعت کے ہمراہ شہر کے نواح میں تشریف لے گئے اچانک ان پر نہ جانے کیا کیفیت طاری ہوئی کہ دفعتاً اٹھے اور استغراق کی حالت میں جنگل کی طرف دوڑنے لگے اور ساتھ ہی مجھے آواز بھی دیتے جارہے تھے، میں چوں کہ آبادی میں تھا لہٰذا

حضرت کے خدام مجھے ڈھونڈھنے کے لئے نکلے، میرے ایک پیر بھائی حضرت مولانا عبد الغفار صاحب مجھے ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے مجھ تک پہنچے اور کہا کہ جلدی چلو شیخ کی تو یہ حالت ہے، میں جلدی سے شیخ کی خدمت میں پہنچا، حضرتؒ پر ابھی وہی کیفیت طاری تھی میں نے عرض کیا حضرت میں حاضر ہوں، حضرت شیخ نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ آ گئے! میں نے کہا جی حضرت، پھر حضرت نے وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی اور اپنے نعلین مبارک میری طرف بڑھائے کہ ان کو پہن لے، میں بے ادبی کے خوف سے ڈرا کہ گندا پاؤں حضرت کے نعلین میں کیسے ڈالوں، حضرت نے تین بار اصرار فرمایا، میں نے دل ہی دل میں دعا کی یا اللہ حضرت شیخ کے قلب میں القا فرمادے کہ میں ان کے فرمان پر گویا کہ عمل کر چکا لیکن عملاً یہ گستاخی نہیں کرسکتا، میری دعا قبول ہوئی، حضرت نے تیسری دفعہ کے بعد دوبارہ اصرار نہ فرمایا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: کہ تیرا پاؤں اور میرا پاؤں برابر ہے، یہ فرماتے ہوئے حضرت نے نعلین پہن لئے۔

حضرت عبد المالک صدیقیؒ فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ احمد پور رکنے کا تھا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ حضرت مجھے فقیر پور ساتھ لے جانا چاہتے ہیں، فرمایا کہ راستے میں بہت سا بوجھ اٹھانا ہے کون ہے جو میرے ساتھ چلے گا ؟ میں حیران تھا کہ کون سا ایسا بوجھ ہے جو اٹھانا ہے، بہر حال پوری جماعت میں سے میں نے حاجی کریم بخش اور مولانا عبد الغفار نے ساتھ چلنے کے لئے اپنے نام پیش کئے، راستے میں ایک مقام پر جب کہ حضرت گھوڑے پر سوار تھے اور میں حضرت کے دائیں جانب ساتھ ساتھ چل رہا تھا، حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ کون سا سبق کر رہے ہو میں نے عرض کیا ''مراقبہ معیت'' حضرت نے مراقبہ معیت کی کچھ تفصیلات بیان فرمائیں اور مزید فرمایا کہ ولی کی انتہا مراقبہ معیت تک ہے اس سے آگے انبیا کے مقامات شروع ہوتے ہیں، اور پھر دفعتاً مجھے نسبت القا فرمائی، میرے اوپر ایک کیفیت طاری ہوئی جیسے میرے سر پر اور وجود پر بوجھل سامان رکھ دیا گیا ہو، میں گرنے لگا کہ اچانک میرا ہاتھ گھوڑی کی خرجین پر پڑا اور میں لڑھکتا اور گھسیٹتا ہوا کافی دور تک چلا گیا، پھر میں سنبھل گیا

اور چلنے کے قابل ہوا، میرے بعد حضرت نے بائیں جانب مولانا عبد الغفار اور حاجی کریم بخش صاحب سے ان کے اسباق کے بارے میں پوچھا، ان کے اسباق مجھ سے پیچھے تھے، حضرت نے ان کو بھی نسبت القا فرمائی لیکن ان کی وہ حالت نہ ہوئی جیسے میری ہوئی تھی۔

علی پور سے گزر کر ہم حضرت کے مقام فقیر پور شریف پہنچ گئے، حضرت نے اپنے دولت خانے سے دو عمامے لائے اور حاجی کریم بخش صاحب سے فرمایا کہ یہ عمامہ جو میرے ہاتھ میں ہے یہ میرا استعمال شدہ ہے اور دوسرا نیا ہے تمہیں کون سا پسند ہے، حاجی کریم بخش صاحب نے مستعمل عمامے کو پسند کیا، حضرت نے وہ ان کو دے دیا اور نیا عمامہ مولانا عبد الغفار صاحب کو عطا کر دیا، میرے متعلق فرمایا کہ اس کو میں نے نعلین پہلے ہی دے چکا ہوں، اس وقت مجھ پر یہ راز کھلا کہ نعلین مبارک دینے اور جنگل میں دوڑنے کا کیا راز تھا، ایسی کیفیت اس سے قبل نہیں دیکھی تھی، مولوی نور بخش صاحب پر گریہ طاری ہو گیا، میں نے پوچھا: آپ کیوں روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہم تو جملہ خلفاء تو یوں ہی رہے حضرت نے تمہیں نعلین مبارک عطا فرما دئے اور قدم بقدم چلنے کی سعادت سے مشرف فرمایا۔

حضرت شاہ بھیکؒ کو خلافت

حضرت شاہ غلام بھیکؒ کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ وہ اپنے شیخ شاہ ابو المعالیؒ کے عاشق تھے، ایک مرتبہ حضرت شیخ قدس سرہ خدام کے اصرار پر ان کے گاؤں سہارنپور تشریف لائے اور شاہ غلام بھیکؒ بھی ساتھ تھے، ان کو معلوم تھا کہ شیخ تو دعوت کے کام پر نکلے ہوئے ہیں اور پیچھے گھر میں کچھ نہیں ہے، شیخ کی جہاں دعوت ہوتی شاہ غلام بھیکؒ دعوت کرنے والے سے یہ طے کر لیتے کہ دو آدمیوں کا مزید کھانا دینا پڑیگا اور روزانہ عشاء کی نماز حضرت کے ساتھ پڑھ کر حضرت کو لٹا کر دو آدمیوں کا کھانا لے کر پیدل امبہٹہ جو سہارنپور سے سولہ میل کے فاصلے پر ہے، تشریف لے جاتے اور اماں جی کو کھانا دے کر فوراً واپس ہوتے حتی کہ تہجد کے وقت حضرت کی خدمت میں آجاتے، چند روز بعد حضرت امبہٹہ پہنچے تو اہلیہ سے پوچھا کس طرح گزری تو ان

کواس سوال پر بڑا تعجب ہوا، انہوں نے عرض کیا کہ اس مرتبہ تو آپ روزانہ کھانا بھیجا کرتے تھے، پھر گزر کا سوال کیسا؟ مزید استفسار پر بتایا کہ دو گھڑی رات گزرنے پر شاہ بھیک روزانہ کھانا دے کر جایا کرتے تھے، شیخ یہ سن کر خاموش ہو گئے اور آ کر شاہ بھیکؒ سے پوچھا تو انہوں نے صورت حال عرض کر دی اور کہا کہ اماں جی اور صاحبزادے صاحب تو فاقہ کرے اور بھیک اپنا پیٹ بھرے اسکی غیرت نے گوارا نہ کیا، شیخ کو اس جواب پر مسرت ہوئی اور یہ فرمایا کہ تو نے میرے توکل میں تو ضرور فرق ڈالا مگر خدمت کا حق ادا کر دیا، اس کے بعد شاہ بھیکؒ کو اپنی چھاتی سے لگا لیا اور روحانی نعمت جو کچھ دینی تھی وہ عطا فرما دی۔

(اکابر کا سلوک واحسان ص: ۶۲- بڑوں کا بچپن ۴۷)

شاہ پھتو، فتح علی ہو گئے

حضرت مرشد عالمؒ سائیں فتح علی کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ سراج الدینؒ کی خانقاہ میں ایک آدمی پھتو نامی بالکل انپڑھ جاہل تھا، اسے قرآن پاک بھی پڑھنا نہیں آتا تھا مگر حضرت کے ساتھ جب بیعت کی تو گویا بک گیا، اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا، حضرت کی خدمت میں رہنے لگ گیا، حضرت کو وہاں پر کئی ایکڑ زمین ملی ہوئی تھی، پھتو کہنے لگا: حضرت! اگر پہاڑ کو فلاں جگہ سے کاٹ دیا جائے تو یہ پانی رخ بدل لے گا اور آپ کی زمین کارآمد بن جائیگی، حضرت نے فرمایا: یہ تو بہت مشکل کام ہے، کہنے لگا: حضرت! بس اجازت دے دیجئے، حضرتؒ نے جب پھتو کی طلب سچی دیکھی تو اجازت دے دی، چنانچہ پھتو نے کدال ہاتھ میں لیا اور وہاں جا کر چٹانوں کو توڑنا شروع کر دیا، لوگ آ کر پوچھتے: پھتو! کیا کر رہے ہو؟ وہ کہتا: پہاڑ کاٹ کر دریا کا رخ موڑنا چاہتا ہوں، لوگ ہنس کر چل دیتے اور کہتے کہ لوگ ایسے ہی کہتے ہیں کہ بے وقوف مر گئے ہیں، دیکھو وہ سامنے موجود ہے، پھتو کسی کی بات پر کان نہ دھرتا، بس اپنے کام میں لگا رہتا۔

میرے دوستو! پہاڑوں کو توڑنا آسان نہیں ہوتا، دریاؤں کا رخ موڑنا آسان

نہیں ہوتا، مگر جب عشق کا جذبہ ساتھ شامل ہوتا ہے تو پھر پہاڑ بھی موم بن جایا کرتے ہیں، پھر اللہ رب العزت راستے نکال دیا کرتے ہیں۔

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست

(تیشہ کی ہر ضرب ایسی ہوتی ہے جیسا کہ وہ دوست کے وصل کا جام پی رہا ہو)

وہ تیشہ مار رہا تھا اور محبت کی لذتیں اٹھا رہا تھا، ایک وقت آیا کہ پہاڑ کا حصہ کٹ گیا دریا کا رخ بدلا اور حضرت کی زمین قابل کاشت بن گئی۔

اس واقعے کے کچھ دن کے بعد حضرت نے مکانات بنوانے تھے، کیوں کہ خانقاہ پر مہمانوں کی آمد ورفت زیادہ تھی اور رہائش کا انتظام کم تھا، چنانچہ مستری کام پر لگا دئے گئے، مستری تو دوپہر کے وقت آرام کرتے تو پھتو سوچتا کہ مستری اٹھیں گے اور میں اس وقت گارا بناؤں گا تو اس سے تو وقت ضائع ہوجائیگا، مستری تو انتظار میں بیٹھے رہیں گے اور کام تو میرے حضرت کا ہے، چنانچہ جب مستری سوجاتے، تو اس وقت پھتو گارا بنایا کرتا تھا اور کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتا تھا، جی ہاں، محبت اظہار تو نہیں چاہتی، محبت تو اخفا چاہتی ہے۔

وہ جن کا عشق صادق ہے وہ کب فریاد کرتے ہیں

لبوں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

چنانچہ پھتو اسی طرح گارا بناتا رہا، حضرت خواجہ صاحبؒ ایک دن دوپہر کے وقت اٹھے، بال کنی سے باہر دیکھا، دھوپ کی وجہ سے سب لوگ سوئے ہوئے تھے، اکیلا عاشق گارا بنا رہا تھا، پسینے میں شرابور مگر عشق ومحبت کے ساتھ وہ اپنی کسّی چلا رہا تھا، حضرتؒ نے جب دیکھا تو آپ کو طلب صادق نظر آئی، چنانچہ ایک آدمی کو بھیجا کہ پھتو کو بلا کر لاؤ، اس آدمی نے جب جا کر کہا تو پھتو ڈر گیا کہ شاید مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے، کہنے لگا: اچھا میں ابھی ذرا بدن دھولوں اور کپڑے بدل لوں پھر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا ہوں، حضرت کو پتہ چلا تو فرمایا: نہیں! اسے کہو کہ اسی حالت میں میرے پاس آئے، چنانچہ پھتو

اسی حالت میں آپ کے پاس آیا، آپ نے اسی وقت سینے سے لگایا اور نسبت کو القا فرما دیا۔

اب پھتو رونے بیٹھ گیا، کہنے لگا: حضرت! میں تو جاہل مطلق ہوں، مجھے بالکل کچھ نہیں آتا، قرآن بھی پڑھا ہوا نہیں ہوں اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے خلافت دے دی مگر میں تو اس کا مستحق نہیں ہوں، حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا: نعمت دینا اللہ کا کام ہے اس نے دل میں ڈالا اس لئے ہم اسے روک نہیں سکتے تھے، ہم نے دیکھا کہ برتن صاف ہے لہذا ہم نے نعمت برتن میں ڈال دی، اب اللہ تعالی خود مہربانی فرمائیگا۔

خیر پھتو کو نسبت ملی تو نسبت نے اپنے پھل پھول نکالنے شروع کر دیئے، اس نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا، کچھ اور وقت گزرا تو سائیں فتح علی بن گیا، حتی کہ بڑے بڑے علماء اس سے بیعت ہونے لگ گئے، حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے حج کیا، اسی دوران میں سائیں فتح علی بھی مکہ مکرمہ میں تھے، مدرسہ صولتیہ میں علماء کا مجمع تھا، میں نے دیکھا کہ علماء تو زمین پر چٹائیاں بچھا کر سوئے ہوئے ہیں جب ان کے درمیان میں سائیں فتح علی کے لئے چارپائی بچھائی گئی تھی، یہ نعمت ایسی چیز ہے کہ یہ پھتو کو سائیں فتح علی بنا دیا کرتی ہے۔

بیک وقت سات علماء کو سند خلافت

حضرت مولانا عبد المالک صدیقیؒ جو ہمارے دادا پیر ہیں اور حضرت مولانا پیر فضل علی قریشیؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ''تجلیات'' میں بعض خلفاء کو اجازت دینے کے حالات درج کئے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دہلی کے سفر میں اپنے شیخؒ کے ساتھ تھا، ہم کوچہ پنڈت مین قاضی ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے، حضرت نے ارادہ فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور کچھ دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کو چلیں، میں چونکہ بیمار تھا سر میں درد تھا حضرت نے مجھے فرمایا کہ تم آرام کرو، مولانا عبد الغفور مدنیؒ مولانا قمر بابوؒ وغیرہ علماء موجود تھے وہ حضرت شیخ

کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت کچھ حضرات کو ماذون (اجازت عنایت) فرمادیں، ساتھ ہی بڑی عاجزی سے مولانا عبدالغفورؒ کی سفارش کی کہ انکی خدمت بہت ہے، اس دوران میرے کچھ آنسو بھی گرے، فرمایا بہت اچھا واپسی پر مشورہ کریں گے، حضرت جب واپس تشریف لائے تو آتے ہی سب کو کہا کہ آپ بڑے کمرے میں بیٹھیں اور مجھ سے تخلیہ میں آہستگی سے فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے مجھے خرقہ مبارک عطا فرمادیا اور میں نے تیری سفارش کی کہ اس کے لئے بھی خرقہ مبارک عطا کیا جائے، حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کو تو میں پہلے ہی دے چکا ہوں، پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا تیرا جو یہ حال تھا تو نے مجھے پہلے کیوں نے اپنی حالت بتائی، میں نے جواباً عرض کیا کہ حضرت بشارت تو مجھے پہلے دی گئی تھی لیکن عاجز نے محض اپنا تخیل سمجھتے ہوئے عرض نہیں کیا، اب آپ کو بھی اس امر کے بارے میں بتایا گیا ہے تو یقین ہوا ہے، فرمایا جو کوئی بھی واردات گزرے لکھ بھیجا کرو یہ تخیل نہیں ہوتا، پھر فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے تیرے متعلق مجھے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ جس کے متعلق اجازت دینے کا کہیں انکار نہ کرنا کیوں کہ ان کی خدمات ہمارے یہاں قبول ہو چکی ہیں۔

میں جب کمرے سے باہر نکلا تو مولانا قاضی عبدالرشید صاحب عرف قمر بابا بڑے کمرے سے جماعت صلحاء کے ساتھ نکل کر باہر آئے اور میرے کان میں کہا کہ آج فیاضی کا دن ہے بخل نہ کرنا، یہ انکی فراست تھی حالانکہ وہ ہمارے کمرے میں ہونے والی گفتگو سے بالکل ناواقف تھے، میں نے مولانا سید امیر علی صاحب کو کہا کہ ۱۹/اجازت نامے تیار کر لیں، پھر حضرت شیخؒ کے حکم پر اجازت نامے ان کی خدمت میں پیش کئے حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے دستخط سب پر کر دیتا ہوں، اس کا اظہار کر دینے میں ذرا صبر کرنا جب سلوک کی تکمیل کر لیں تو ان کو رفتہ رفتہ دیتے رہنا، چنانچہ اس وقت سات علمائے کرام کو بلا کر حضرت کے سامنے پیش کیا جن میں قاضی عبدالرشید عرف قمر باباؒ صاحب، مولانا سید امیر صاحبؒ،

مولانا عبدالغفور مدنیؒ صاحب شامل تھے باقی کے نام اب یاد نہیں، حضرت نے ان کو کلمات ماذونیت (کلمات خلافت) پڑھائے اور سند خلافت عطا فرمائی۔

حضرت صدیقؓ کو کیسی نسبت حاصل تھی؟

☐ (۱) صلح حدیبیہ جب لکھی گئی تو اس موقع پر سفیر قریش سہیل بن عمروؓ نے جو توہین آمیز رویہ اختیار کیا اس سے تمام صحابہؓ مضطرب اور بے قرار تھے، اس پر مستزاد یہ کہ صلح کی جو شرائط تھیں اس سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے دب کر صلح ہو رہی ہو، لہذا تمام صحابہ کرامؓ میں غم واضطراب کی لہر دوڑ گئی، حضرت عمرؓ تو وفور جوش سے از خود رفتہ ہو گئے اور اسی بے چینی میں دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درج ذیل مکالمہ ہوا۔

حضرت عمرؓ: کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ہاں! ہوں!!

حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ہاں! ہیں!

حضرت عمرؓ: پھر ہم دین میں ذلت کیوں گوارا کریں؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہی میرا ناصر ومددگار ہے۔

حضرت عمرؓ: کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ہاں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال کعبۃ اللہ جائیں گے؟

حضرت عمرؓ: نہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم: بس جب تم بیت اللہ جاؤ گے تو اس کا طواف بھی کرو گے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے ان کے

درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

حضرت عمرؓ: ابوبکرؓ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق نبی نہیں؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ: ہاں! ہیں!

حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ: ہاں! ہیں!

حضرت عمرؓ: پھر ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ: بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہی ان کا ناصر ومددگار رہے، پس تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں مضبوط وثابت قدم رہو، خدا کی قسم آپ حق پر ہیں۔

حضرت عمرؓ: کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور اسکا طواف کریں گے؟

حضرت ابوبکر صدیقؓ: ہاں لیکن کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اسی سال بیت اللہ جائیں گے؟

حضرت عمرؓ: نہیں!

حضرت ابوبکر صدیقؓ: پس جب تم بیت اللہ جاؤ گے تو اس کا طواف بھی کرو گے۔

سبحان اللہ! حضرت عمرؓ کے ہر دو حضرات کے ساتھ مکالمے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فکر اور سوچ کے ساتھ ساتھ کلمات والفاظ میں بھی کتنی یکسانیت پائی جاتی ہے۔

(سیرۃ مصطفی ۲/ ۶۰، ۳۵۹- سبل الہدیٰ والرشاد ۵/ ۵۳- السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۳/ ۳۳۴)

☐ (۲) ..... ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قلعہ طائف کے محاصرے کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا: کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ مجھے دیا گیا لیکن ایک مرغ نے آکر ٹھوکر

ماردی اور جو کچھ اس پیالے میں تھا سب گر گیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ آپ کا ارادہ جو اس قلعہ کے فتح کرنے کا ہے وہ ابھی حاصل نہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل میں بھی یہی بات ہے کہ یہ ابھی فتح نہیں ہوگا۔

(سیرت مصطفی ۳/ ۶۳-البدایہ والنہایہ ۴/ ۴۰۱-السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۵/ ۱۵۶-الروض الانف ۴/ ۲۵۶)

یہاں بھی ملاحظہ کریں کی دونوں حضرات کی سوچ میں کتنی ہم آہنگی ہے۔

☐ (۳) ..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں باغ فدک کی آمدنی کو بنی ہاشم پر خرچ کیا کرتے تھے، انکے بچوں کو بار بار عطا فرماتے تھے اور اس سے بے نکاحو ں کی شادیاں کیا کرتے تھے، حضرت سیدہ فاطمہؓ نے ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا کہ آپ فدک کو ان کے لئے (فاطمہ) کے لئے مخصوص فرمادیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے ایک قاصد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں بھیجا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ (خیبر، فدک اور اراضی مدینہ) میں سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ کے امور ومعمولات میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں کروں گا، اگر میں ایسا کروں تو مجھے خدشہ ہے کہ میں راہ راست سے بھٹک جاؤں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ مسلمانوں پر صدقہ ہوتا ہے، آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے فقط خرچ خوراک لیتے ہیں۔

(سیرۃ مصطفی ۳/ ۲۴۲-البدایہ والنہایہ ۵/ ۳۰۶-بخاری ۶۷۲۶)

جس طرح سیدہ فاطمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فدک کا مطالبہ کیا تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ سے بھی فدک کا مطالبہ کیا اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جواب میں انکار فرمادیا اسی طرح صدیق اکبرؓ نے بھی انکار فرمادیا، ہر دو حضرات کے عمل میں کس قدر مشابہت ہے۔

☐ (۴)..... طائف سے قبیلہ ثقیف کا ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبول اسلام کے لئے حاضر ہوا، لیکن ساتھ ہی ایک درخواست کی کہ انہیں نماز معاف کردی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا: اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں۔

(الکامل ۱/ ۳۴۴-المغازی للواقدی ۱/ ۹۶۸-تاریخ ابی الفداء ۱/ ۲۲۸

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ کے گردونواح کے قبائل نے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے اپنی فوجیں اکٹھی کیں اور مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے وفد مدینہ روانہ کئے کہ جنہوں نے وہاں پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ نماز ادا کرنے کو تو تیار ہیں البتہ زکوۃ ادا کرنے سے مستثنی کردیا جائے، آپؓ نے جواب میں فرمایا کہ ''واللہ! میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوۃ میں فرق کرتے ہیں''۔

عمل کی ہم آہنگی ملاحظہ کریں کہ دونوں حضرات کے سامنے کچھ لوگ دین کا ایک رکن معاف کروانا چاہتے تھے، لیکن آپ نے انکار فرمادیا۔

☐ (۵)..... مؤرخ ندویؒ رقم طراز ہیں: عامل وعہدداروں کے انتخاب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدداررہ چکے تھے، مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر عتابؓ بن اسید، طائف پر عثمانؓ بن ابی العاص، صنعاء میں مہاجر بن امیہ، حضرموت پر زیاد بن لبیدؓ اور بحرین پر علاءؓ بن الحضرمی مامور تھے اس لئے خلیفہ اول نے بھی ان مقامات پر انہیں لوگوں کو برقرار رکھا۔

بخاری ۶۹۲۵-مسلم ۱۳۳-مختصر تاریخ دمشق ۴/ ۲۹۲

☐ (۶)..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے عہد کا نظام حکومت بھی ایک تھا کوئی ایسا ٹیکس لگانے کی اجازت نہ تھی جو عہد رسالت میں نہ تھا اور جو ٹیکس عہد نبوت میں تھے انہیں بہرحال وصول کیا جاتا تھا۔

☐ (۷)۔۔۔بنوقضاعہ سے جنگ

{۱} عہد رسالت میں بنوقضاعہ کی شورش دبانے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کی اور غزوہ ذات السلاسل پیش آیا، عہد صدیقی میں بنوقضاعہ مرتد ہو گئے، لہذا ان کی سرکوبی کے لئے سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھی ان سے جنگ کی۔

{۲} حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی اسلامی فوج کے امیر حضرت عمرو بن العاصؓ تھے اور صدیق اکبرؓ کے وقت میں بھی حضرت عمرو بن العاصؓ ہی اسلامی لشکر کے امیر تھے۔

{۳} اسلامی فوج کے کوچ کا راستہ بھی ہر دو حضرات کے وقت میں ایک ہی تھا۔

{۴} حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی بنوقضاعہ کو شکست ہوئی تھی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، صدیق اکبرؓ کے وقت میں بھی بنوقضاعہ ہی کو شکست فاش ہوئی اور دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

{۵} نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عمرو بن العاصؓ کو بنوقضاعہ کی مہم کے بعد عمان کا والی بنا کر عمان بھیج دیا، صدیق اکبرؓ نے بھی ان کو قضاعہ کی جنگ کے بعد عمان کی ولایت پر واپس بھیج دیا۔

☐ (۸) ..... عہد رسالت میں ایک جنگ میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے بنی خزیمہ کے قیدیوں کو قتل کرنے میں جلد بازی دکھائی تھی، یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ کو افسوس ہوا اور آپ نے قیدیوں کی دیت خود ادا کی اور کتے کے پانی پلانے والا برتن تک واپس کر دیا، اللہ کے حضور حضرت خالدؓ کے اس فعل کے لئے برأت کی دعا کی لیکن ان کو قیادت سے معزول نہ فرمایا۔

عہد صدیقی میں بھی ایک جنگ میں بھی جب حضرت خالدؓ پر الزام آیا کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو بغیر کسی معقول وجہ کے قتل کر دیا، تو حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت

خالدؓ کو معزول کرنے کا مشورہ دیا، لیکن آپ نے ان کو اپنے منصب پر برقرار رکھا، جس سے آپ کے ہر فعل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی مشابہت کا پتہ چلتا ہے۔

البدایہ والنہایہ ۴/۳۶۰-اسد الغابۃ ۲/۴۶۹

☐ (۹) .....حج میں بھی یہاں تک موافقت ومطابقت ہے کہ پہلے سال نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امیر تھے اور نہ صدیق اکبرؓ، دوسرے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود امیر حج تھے اور دوسرے سال صدیق اکبرؓ بھی خود۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سال ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق کو امیر حج بنا کر بھیجا اور دوسرے سال دس ہجری میں خود تشریف لے گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی مسند خلافت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد پہلے سال حضرت عمرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور دوسرے سال خود تشریف لے گئے۔

مروج الذہب ۲/۲۰۹-انساب الاشراف ۳/۳۱۲

☐ (۱۰) .....وحضرات نے حضرت حسنؓ کو اپنے دوش مبارک پر اٹھایا۔

حضرت عقبہ بن حارثؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر جارہے تھے کہ حضرت حسنؓ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو کاندھے پر اٹھالیا اور فرمایا: میرا باپ قربان! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہو حضرت علیؓ کے مشابہ نہیں ہو، حضرت علیؓ ساتھ تھے سنا تو ہنس پڑے۔

بخاری ۲/۳۵۴۲-دلائل النبوۃ بیہقی ۱/۳۰۷

یوں صدیق اکبرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فعل کی متابعت حاصل کرلی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کو کاندھے پر اٹھایا کرتے تھے۔

☐ (۱۱) .....علامہ ندویؒ لکھتے ہیں: جن کے حال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص لطف وکرم رہتا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم وتوقیر کا خیال رکھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات کے لئے تشریف

لے جاتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اس سلسلے کو جاری رکھا۔

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۴/ ۵۴۶-موسوعۃ الدفاع ۲/ ۱۶۳)

☐ (۱۲) ..... حضرت جابرؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ نے محلہ بنوسلمہ میں پیدل تشریف لاکر میری عیادت فرمائی۔

(بخاری ۴۵۷۷-مسلم ۴۲۳۱)

کتنی حیرت انگیز مشابہت ہے کہ اہم ملی وملکی امور سے لے کر معمولی حالات، روزمرہ کے واقعات اور اعمال عام میں بھی توافق بلکہ وحدت موجود ہے۔

اللہ والوں کے وقت میں برکت کیوں؟

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے پاس شیخ ابوالعباس حریثیؒ تشریف لائے اور مغرب کی نماز میرے پاس پڑھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرنے بیٹھ گئے اور عشاء کی اذان تک پانچ قرآن ختم کرلئے، میں نے سیدی علی مرصفیؒ کو اس واقعے سے مطلع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک دن رات میں تین لاکھ ساٹھ ہزار دفع قرآن پاک ختم کیا ہے میں نے پوچھا کہ آپ نے حروف کے ساتھ اتنے قرآن ختم کئے یا بغیر حروف کے؟ فرمایا حروف کے ساتھ ختم کئے ہیں، میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسے ہوجاتا ہے، فرمایا روح جسم کثیف سے مجرد ہوجاتی ہے تو ایسا کرلیتی ہے، میں نے عرض کیا کہ اولیاء کرام کے لئے ان واقعات کے پیش آنے میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالی ان کے درجات بڑھانا چاہتے ہیں، کیوں کہ اس امت کی عمریں دوسری امتوں کی عمروں سے کم ہے، تو اللہ تعالی نے اس امت کے خاص لوگوں کو ایسی ایسی کرامتیں عطا فرمادی ہیں تاکہ یہ لوگ اعمال میں بھی پہلی امتوں کے عابدوں سے بڑھ جائیں جن کی عمریں پانچ سو برس یا اس سے زیادہ ہوتی تھیں۔

(الطبقات الکبریٰ ۹۵۴-فی تذکرۃ الشیخ علی المرصفی-الکوکب السائرۃ باعیان المائۃ ۱/ ۱۶۹-شذرات الذہب ۷/ ۱۷۵)

اللہ اللہ اللہ

ایمان ویقین
اور
استقامت

ایمان کامل پر ہر چیز مسخر

جب اللہ تعالیٰ پر ایمان پکا ہو، یقین کامل ہو تو یہ مؤمن خلیفۃ اللہ فی الارض ہوتا ہے، ذرا غور کیجئے سیدنا عمرؓ خلیفۂ وقت تھے، اللہ نے وہ شان عطا فرمائی کے زمین پر ان کا حکم چلتا تھا، دیکھیں! اللہ تعالیٰ کی مخلوق چار چیزوں سے بنی، آگ، ہوا، پانی اور مٹی چاروں پر ان کا حکم لاگو ہوتا تھا۔

(۱) ایک مرتبہ زمین پر زلزلہ آیا، عمرؓ نے زمین پر ایڑی ماری اور فرمایا کہ اے زمین! تو کیوں ہلتی ہے کیا عمرؓ نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ ان کی یہ بات سن کر زمین کا زلزلہ رک گیا، زمین پر حکم چل رہا ہے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲/ ۳۲۴)

(۲) خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، فرمایا: **یا ساریۃ الجبل!** ہوا ان کے پیغام کو سیکڑوں میل دور پہنچا دیتی ہے، ہوا پر حکم چل رہا ہے۔

(شرح صحیح البخاری للسفیری ۴/ ۱۶- اسد الغابۃ ۱/ ۱۰۸)

(۳) دریائے نیل کا پانی نہیں چلتا، دریائے نیل کو رقعہ لکھتے ہیں، دریائے نیل! اگر اپنی مرضی سے چلتا ہے تو نہ چل اور اگر اللہ رب العزت کے حکم سے چلتا ہے تو امیر المومنین تجھے حکم دیتے ہیں کہ چل! دریائے نیل چلنا شروع کر دیتا ہے، آج تک دریائے نیل کا پانی چل رہا ہے، عمر بن خطابؓ کی عظمتوں کے پھریرے لہرا رہا ہے، پانی پر حکم چل رہا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۱۵- مختصر تاریخ دمشق ۶/ ۳۸)

(۴) مدینہ طیبہ کی ایک طرف سے آگ نکلتی ہے، جس کو ''حرہ شرقیہ'' کہتے ہیں اور وہ بڑھنا شروع ہو جاتی ہے، حضرت عمرؓ دحیہ کلبیؓ کو فرماتے ہیں کہ جائیں اور اس آگ

کو واپس دھکیلیں، تمیمی داریؓ نے دو رکعت نفل پڑھی اور آگ کے پاس جا کر چادر کو چابک کی طرح استعمال کیا، جیسے انسان کسی حیوان کو واپس اپنی جگہ دھکیلتا ہے، وہ چادر کے ذریعہ آگ کو چابک مارتے گئے اور آگ کو واپس دھکیلتے گئے حتی کہ جہاں سے آگ نکلی تھی وہی واپس چلی گئی، تو دیکھئے! ایمان کے بنانے کی وجہ سے ہوا پر حکم چلتا ہے، پانی پر حکم چلتا ہے، زمین پر حکم چلتا ہے، آگ پر حکم چلتا ہے، صحیح شہنشاہی تو یہی ہے، اسی لئے کہنے والے نے کہا:

ہم فقیروں سے دوستی کرلو
گر سکھائیں گے بادشاہی کا

(بالبدایہ والنہایہ ۶/۱۶۹-تاریخ الاسلام ۳/۶۱۵)

یہ روٹی تو میری نہیں

رابعہ بصریہؒ کے پاس ایک مرتبہ مہمان آگئے، کھانے کا وقت ہوگیا، خادمہ سے پوچھا: کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا: نہیں، کہنے لگیں: اچھا! اللہ نے مہمان بھیجے ہیں تو کھانا بھی وہی بھیجے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی، باہر سے ایک آدمی نے کہا: کھانا لایا ہوں، خادمہ نے جا کر کھانا پکڑا اور لے آئی، پوچھا: کتنی روٹیاں ہیں؟ اس نے کہا: جی! نو روٹیاں ہیں، کہنے لگیں: مہمان دس ہیں اور روٹیاں نو ہیں، یہ میری نہیں ہے، کسی اور کی ہے، واپس لے جاؤ، خادمہ نے واپس کردیں، لیکن تھوڑی دیر کے بعد کسی نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا، پوچھا تو پتہ چلا کہ کوئی کھانا لایا ہے، فرمایا: روٹیاں گنو! بتایا: جی! نو ہیں، فرمایا: میری نہیں ہے، واپس لے جاؤ، تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، کہا: روٹیاں گنو! اس نے بتایا: نو ہیں۔

اب خادمہ نے کہا: جی! اب تیسری مرتبہ وہ لے کر آیا ہے، آپ ہر دفعہ واپس کر رہی ہیں اب تو لے ہی لیں، تو انہوں نے فرمایا:

''سن! میں نے آج صبح اللہ کے راستے میں سائل کو ایک روٹی دی تھی، اور میرے

اللہ کا وعدہ ہے: {من جاء بالحسنة فله عشر امثالها}

''جو ایک نیکی لائیگا اسکو اس کا دس گنا بدلہ ملے گا''

اس لئے میری دس روٹیاں ہونی چاہئے۔

''خادمہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا: جی! وہ دس ہی لے کر آیا تھا، ایک روٹی میں نے اپنے کھانے کے لئے رکھ لی تھی۔

اللہ کی ذات پر ان کا اتنا یقین بنا ہوا تھا کہ فرمایا: میری دس ہی روٹیاں ہوسکتی ہیں، کم نہیں ہوسکتیں۔

(تذکرۃ الاولیاء ۴۵-۴۶-ایمان کی اہمیت ۴۷)

دریا نے پیالہ واپس کردیا

صحابہ میں سے سعد بن وقاصؓ اپنی فوج کے ساتھ جارہے تھے، آگے دشمن کی فوج ہے اور درمیان میں دریا، اللہ کی شان، انہوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دئے اور گھوڑے چلتے چلتے بالآخر دریا کے دوسرے کنارے تک پہنچ گئے، اللہ اکبر کبیرا! اور آگے جاکر انہوں نے پوچھا کسی کی کوئی چیز دریا میں گری تو نہیں؟ ایک صحابی نے کہا میرا لکڑی کا پیالہ تھا، وہ دریا میں گر گیا ہے، دریا کو حکم دیتے ہیں کہ لکڑی کا پیالہ واپس کر! ایک پانی کی لہر آتی ہے اور لکڑی کے اس پیالے کو بھی کنارے پر ڈال جاتی ہے۔

لگاتا تھا تو جب نعرہ تو خیبر توڑ دیتا تھا
حکم دیتا تھا دریا کو، رستہ چھوڑ دیتا تھا

تو ایمان بنانے پر اللہ رب العزت بندے کو دنیا میں بھی ایسی کامیابی عطا فرمادیتے ہیں۔

(جمال الاولیاء ۴۸)

جنگل کے جانور بھی ہو گئے رواں دواں.....

افریقہ کے جنگل میں صحابہؓ کو رات آ گئی تو ایک صحابیؓ نے درخت پر چڑھ کر اعلان کیا: ''اے جنگل کے جانورو! آج یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا بسیرہ ہے، جنگل خالی کر دو''۔

یہ اعلان سن کر شیر بھی جا رہا ہے، ہاتھی بھی جا رہا ہے، چیتا بھی جا رہا ہے، لوگ حیران ہو کر پوچھنے لگے: آپ کو یہ بات کس نے سکھائی؟ انہوں نے کہا: ہمیں یہ بات ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی، یہ سن کر وہ کہنے لگے: اچھا! ہمیں بھی تم اپنے جیسا بنالو، چنانچہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں، جنگل کے جانور بھی بات مانتے تھے۔

(تاریخ اسلام للذہبی ۵ / ۱۸۹-مختصر تاریخ دمشق ۱ / ۲۱۳-ایمان کی اہمیت ۴۱)

زکوۃ سے مال محفوظ ہونے کا یقین

دارالعلوم دیوبند کے خازن ایک نواب صاحب تھے، وہ تہجد گزار تھے، ان کے پاس دارالعلوم کے پیسے ہوتے تھے، وہ جس جگہ پر دارالعلوم کے پیسے رکھتے تھے اسی جگہ انکے اپنے پیسے بھی ہوتے تھے، اس الماری کو انہوں نے چھوٹا سا تالا لگایا ہوا تھا، ایک دن تہجد کے لئے اٹھے تو دیکھا کہ چور آیا ہوا ہے اور وہ اس تالے کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے، جب کہ یہ اللہ کے ایسے بندے تھے کہ وضو کر کے نفل پڑھنے میں لگ گئے اور وہ تالا توڑنے کی کوشش میں لگا رہا، اس سے تالا ہی نہ ٹوٹا، حتی کہ جب فجر کی نماز کا وقت قریب ہوا تو وہ مصلے سے اٹھ کر آئے اور کہنے لگے، اے بھائی! اگر ساری رات میں یہ تالا تجھ سے نہیں ٹوٹا تو اب کہاں سے ٹوٹے گا، یہ سن کر چور نے سمجھا کہ اب گھر والے جاگ گئے ہیں، چنانچہ وہ بھاگ

گیا، اسکے بعد انہوں نے مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھی ۔۔۔۔ان کا تکیہ کلام تھا: اللہ کے فضل سے یعنی جب وہ کوئی بات کرتے تو وہ کہتے، اللہ کے فضل سے، اللہ کے فضل سے ۔۔۔۔وہ نماز پڑھ کر امام صاحب سے کہنے لگے، حضرت! آج تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا، امام صاحب ان کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے، کیا کہہ رہے ہو؟ کہا، آج تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا، انہوں نے کہا، کیا مطلب؟ پھر انہوں نے رات کو پیش آنے والا واقعہ سنایا، امام صاحب نے واقعہ سن کر کہا کہ جب تم اٹھ گئے تھے تو تمہیں چاہیے تھا کہ پہلے ہی چور کو بھگا دیتے، تم نے اسے اسی وقت کیوں نہ بھگا دیا، یہ اس کی بات سن کر ناراض ہو کر کہنے لگے،، میں اپنے مال کی پوری پوری زکوۃ دیتا ہوں، ممکن ہی نہیں تھا کہ چور میرے تالے کو توڑ کر چوری کر سکتا، میرا مال میرے اللہ کی حفاظت میں ہے..... یہ ہے خدائی وعدہ پر ایمان ویقین کی اعلیٰ مثال، ہمیں بھی یقین کامل کے ساتھ عمل کرنا چاہئے۔

میرا بیٹا پیٹھ پھیر نہیں سکتا

ایک امیر والئی کابل گزرے ہیں جن کا نام تھا دوست محمد ان کے بارے میں آتا ہے ایک دفعہ دشمن نے حملہ کیا انہوں نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ اپنی فوج لے کر جاؤ، اور جا کر انکے ساتھ جنگ کرو، اب جب وہ جنگ ہوئی کچھ دنوں کے بعد ان کی ایجنسی نے ان کو آ کر اطلاع دی کہ شہزادہ بھاگا اور دشمن نے اس پر وار کیا اس کی پیٹھ پہ زخم بھی آئے مگر وہ بچ نکلا اور کہیں روپوش ہو گیا اور اس کو شکست ہو گئی، اب یہ سن کر والئی کابل کا دل بڑا مغموم ہوا بڑا پریشان ہوا، گھر آیا بیوی نیک تھی، پہچان گئی خاوند کو کوئی صدمہ ہے۔

نیک بیویاں ایسے وقت میں اللہ کی نیک بندیاں رحمت کی پیامبر بن کر آتی ہیں اور اپنے خاوند کے دکھ بانٹ لیتی ہیں، اس نے پیار سے پوچھا آج میں آپ کو غمزدہ پاتی ہوں کیا بات ہے؟ خاوند نے بتایا کہ اطلاع آئی ہے کہ میرے بیٹے نے شکست کھائی اس کی

پیٹھ پر زخم آئے زخمی حالت میں بچ نکلا، روپوش ہے، میری ایجنسیوں نے اطلاع دی، جب اس نے یہ سنی تو کہنے لگی: آپ کی بات ٹھیک ہوگی مگر میرے نزدیک یہ بات غلط ہے، کبھی یہ بات ٹھیک نہیں ہوسکتی، خاوند نے کہا وہ کیوں؟ کہنے لگی بس میں کہہ رہی ہوں میں اس کی ماں ہوں میں اس بیٹے کو جانتی ہوں یہ خبر بالکل غلط ہے، آپ تسلی رکھئے غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں، ہمارا بیٹا ایسا کبھی نہیں کرسکتا، والئی کابل حیران ہے وہ کہنے لگے تجھے کیوں نہیں سمجھ آرہی مجھے کتنے لوگوں نے اطلاع دی یہ کہنے لگی ہرگز نہیں یہ بات بالکل غلط ہے، چاہے سینکڑوں لوگ آکر کہیں، مگر پھر بھی یہ بات غلط ہے، اس خاوند نے سوچا عورتوں کی عادت ہوتی ہے، مرغے کی ایک ٹانگ ہانکتی رہتی ہیں، اور یہ بات مانتی نہیں ضد کر کے رہ جاتی ہیں، میری بیوی بھی شاید یہی کررہی ہے، مگر تیسرے دن اطلاع ملی کہ بات تو بالکل غلط تھی، شہزادے کو اللہ نے فتح عطا فرمادی اور وہ فاتح بن کر واپس لوٹا، جب والئی کابل کو اطلاع ملی، اس نے گھر آکر بتایا کہ وہ تو بات واقعی غلط نکلی، میری ایجنسیوں کی بات ٹھیک نہیں تھی مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہارا معاملہ کیا ہے، تم نے کیسے کہہ دیا کہ یہ بات غلط ہے کیسے پتہ چل گیا، وہ کہنے لگی یہ ایک راز ہے، میں نے اپنے اور اللہ کے درمیان رکھا تھا، سوچا تھا کسی کو نہیں بتاؤں گی، کہنے لگا میں خاوند ہوں مجھے ضرور بتادو، کہنے لگی راز یہ ہے جب یہ بچہ میرے پیٹ میں آیا میں نے اس وقت سے کوئی مشتبہ لقمہ اپنے منہ میں نہیں ڈالا اور جب بچے کی ولادت ہوئی میں نے نیت کرلی میں اس بچے کو ہمیشہ باوضو دودھ پلاؤں گی، جب بھی میں نے بچے کو دودھ پلایا ہمیشہ باوضو ہوکر پلایا، میں نے کبھی بے وضو دودھ نہیں پلایا، اس کی برکت تھی جس کی وجہ سے بچے کے اندر بہادری آئی، اچھے اخلاق آئے، یہ کیسے ممکن ہے میرا بچہ شکست کھاتا، یہ شہید ہوسکتا تھا، یہ دشمن کے سامنے کٹ سکتا تھا مگر پیٹھ پھیر کے نہیں بھاگ سکتا تھا، یہ تو بزدلوں کا کام ہوتا ہے، اللہ نے میرے گمان کو سچا کردیا۔

تو پہلے وقت کی ملکہ بھی ایسی نیک ہوتی تھیں، اپنے بیٹوں کو باوضو دودھ پلاتی تھیں

اور آج کل کی بچیوں کا تو یہ حال ہے سینے سے لگا کر بچوں کو Feed دے رہی ہوتی ہیں سامنے، ٹی وی پر بیٹھ کر ڈرامے دیکھ رہی ہوتی ہیں، گانے سن رہی ہوتی ہیں، تھرکتے جسموں کو دیکھ رہی ہوتی ہے.....تو کیا اس کے اثرات بد بچوں پر نہیں پڑیں گے، ہمیں تو ایسی تربیت کرنی چاہئے کہ بچہ جاں باز بھی ہو اور ایمان ویقین میں پختہ بھی۔

(لطائف الاولیاء ۷ ۱۴ بحوالہ خطبات طیب-حضرت حکیم الاسلام کے پسندیدہ واقعات ۱۰۵ تا ۱۰۸)

جنگ یرموک میں خواتین کا کردار

جنگ یرموک میں رومی لاکھوں کی تعداد میں تھے اور ان کے مقابلے میں مسلمان بہت تھوڑے تھے، کتابوں میں لکھا ہے کہ جیسے ایک سفید گھوڑے کے ماتھے پر کالا داغ ہوتا ہے، ایسے ہی رومیوں کے لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تھی، جو رومی تھک جاتے تھے وہ پیچھے ہٹ جاتے اور تازہ دم لوگ آجاتے تھے، مسلمان کئی گھنٹے ان کے ساتھ لڑتے رہے، بالآخر جب وہ تھک گئے تو ان کا میمنہ یعنی دائیں طرف کا لشکر ذرا پیچھے کو ہٹنے لگا، مسلمان خواتین خیموں میں موجود تھیں، جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان پیچھے ہٹ رہے ہیں تو ایک صحابیہ سودا بنت عاصمؓ ایک ٹیلے پر چڑھ گئیں اور دوسری عورتوں سے کہنے لگیں:

''اری! تم کب تک خیموں میں بیٹھی رہو گی، تمہارے خاوند اور تمہارے مرد تو پیچھے ہٹ کے آرہے ہیں۔''

یہ بات سنتے ہی سب عورتیں خیموں سے باہر نکل آئیں، اس وقت لبنی بنت جریرؓ کہنے لگیں: ''اے عرب کی عورتو! تم اپنے اپنے آدمیوں کے ساتھ کھڑی ہو جاؤ اور اپنے معصوم بیٹوں کو اپنے ہاتھوں میں اٹھالو اور اپنے خاوندوں سے کہو کہ ہمیں اور ہمارے معصوم بچوں کو عجمی کافروں کے حوالے کر کے تم کہاں جارہے ہو؟''

چنانچہ مسلمان عورتوں نے عجیب بہادری کا مظاہرہ کیا اور اپنے معصوم بیٹے ہاتھوں میں اٹھائے اور اپنے خاوندوں کو دکھا کر کہنے لگیں کہ ہمیں اور ہمارے ان معصوم بچوں کو تم کافروں کے حوالے کر کے کہاں جاؤ گے؟ جب مسلمانوں نے اپنے معصوم بیٹوں کو دیکھا تو واپس پلٹے اور انہوں نے رومیوں پر حملہ کیا۔

اس موقع پر ہندہؓ بنت عتبہ بھی موجود تھیں، وہ اسلام لا چکی تھیں، وہ کہنے لگیں:

نحن بنات الطارق نمشی علی النمارق

ان تقبلوا نعانق او تدبروا نفارق

(ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں اور نرم گدوں پر چلنے والی ہیں، اور تم لڑائی میں بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگا لیں گی اور اگر لڑائی میں پشت دکھاؤ گے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی، ایسی جدائی جو کبھی ختم نہ ہوگی)

یہ اشعار کہہ کر کہنے لگیں:

''اے ہمارے خاوندو! اگر تم آگے جا کر کامیاب ہو جاؤ گے تو ہم تمہارے لئے بستر بچھائیں گی اور تمہارا استقبال کریں گی اور اگر تم بھاگ جاؤ گے تو پھر یاد رکھنا کہ پھر ہمیں کافر اپنے قبضے میں لے لیں گے اور تمہاری غیرتوں کا جنازہ نکل جائیگا''

اس کے بعد انہوں نے اپنے خاوند ابوسفیانؓ کو دیکھا اور فرمانے لگیں:

''اے ابن حرب! دیکھو، تم نے اپنے زمانہ کفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں، آج ان تکلیفوں کی مکافات کرنے کا وقت ہے، آگے بڑھو اور اپنی جان دے کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کامیاب ہو جاؤ''

انہوں نے ایسی اچھی باتیں کیں کہ مسلمان یہ باتیں سن کر لوٹے اور ایسا حملہ کیا کہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگ یرموک میں فتح عطا فرما دی، مؤرخین نے لکھا ہے کہ مسلمان عورتوں کا ایمان ویقین پر مشتمل یہ ایسا کارنامہ تھا کہ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے

سے قاصر ہے۔

(فتوح الشام ۱/ ۱۹۶)

حضرت ابوطلحہؓ مسلمان کیسے ہوئے؟

مالک بن نضر فوت ہو گئے تو حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم بیوہ ہو گئیں، مدینہ منورہ کے ایک شخص ابوطلحہ نوجوان بھی تھے، خوبصورت بھی تھے، ان کے پاس مال و دولت کی بھی بہتات تھی اور ان کی اتنی عزت تھی کہ ان کی رائے کا بہت ہی احترام کیا جاتا تھا، انہوں نے ام سلیم کی طرف رشتہ کا پیغام بھیجا۔۔۔۔ چونکہ وہ قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اس لئے انہوں نے ڈائریکٹ پیغام بھیجا کہ میں آپ سے رشتہ کرنا چاہتا ہوں، اب یہ رشتہ ایسا تھا کہ اس کو کوئی ٹھکرا بھی نہیں سکتا تھا۔۔۔۔ حضرت ام سلیمؓ جانتی تھیں کہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے ہیں، چنانچہ انہوں نے ان سے دین کی بات چلائیں اور فرمانے لگیں:

''ابوطلحہ! تم ایک ایسے شخص ہو کہ اگر تم کسی بھی عورت کی طرف پیغام نکاح بھیجو تو تمہارے پیغام کو کبھی رد نہیں کیا جائیگا، مگر تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں، تم لکڑی کے بنے ہوئے بت کو پوجتے ہو اور میں علیم وخبیر ذات کو پوجتی ہوں، بھلا میرے ساتھ تمہارا جوڑا کیسے ہو سکتا ہے؟''

حضرت ام سلیمؓ نے اتنے پیارے انداز میں دین کی بات کہی کہ بالآخر ابوطلحہ نرم پڑ گئے، جب انہوں نے دیکھا کہ نرم ہو چکے ہیں تو فرمانے لگیں:

''میں تمہارے نکاح کے پیغام کو قبول کرتی ہوں اس شرط پر کہ میرے نکاح کا مہر تمہیں دینا ہوگا اور میرا مہر یہ ہوگا کہ تم دین اسلام کو قبول کر لو۔''

یہ بات سن کر ابوطلحہؓ نے کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور پھر اسکے بعد ان کا آپس میں نکاح ہوا، صحابہ کرام فرماتے تھے کہ دنیا میں کسی کا حق مہر ام سلیم کے حق مہر سے بہتر نہیں

کہ انہوں نے اپنے حق مہر میں اپنے خاوند سے کہا کہ تم مسلمان بن جاؤ، یہی میرا حق مہر ہے، یہ ہے اس زمانہ کی خواتین کا ایمانی جذبہ کہ ایمان پر جمنے کے ساتھ ایمان کی دعوت بھی دیا کرتی تھیں۔

(سنن نسائی ۴۱۰۳-۳۳-سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۲۵۷)

حضرت عکرمہؓ کا قبول اسلام

حضرت عکرمہؓ ابوجہل کے بیٹے تھے، انہوں نے فتح مکہ تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو ان کو ڈر ہوا کہ کہیں مسلمانوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میرے قتل کا حکم نہ دے دیں، لہٰذا وہ مکہ سے بھاگ کر کہیں دور چلے گئے، ان کی اہلیہ ام حکیمؓ بڑی دانا اور سمجھدار عورت تھیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئیں، اس کے بعد کہنے لگیں:

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بڑے نرم دل ہے اور اچھے اخلاق والے ہیں، میں آپ سے اپنے خاوند کی جان کی امان مانگتی ہوں''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں میں نے تیرے خاوند کو امان دے دی۔''

وہ بڑی خوش ہوئیں اور اپنے خاوند کو تلاش کرنے نکلیں، جب لمبا سفر کر کے ایک جگہ پہنچی تو پتہ چلا کہ ان کا خاوند دریا پار کر کے دوسری طرف جا رہا ہے، چنانچہ انہوں نے بھی ایک کشتی کرائے پر لی اور تیزی کے ساتھ چلیں اور دریا کے درمیان میں جا کر انہوں نے اس کی کشتی کے ساتھ اپنی کشتی ملائی اور اپنے خاوند کو پکار کر کہا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے تمہارے لئے جان کی امان مانگ لی ہے، آؤ واپس چلیں اور اب ہم اپنی زندگی مکہ میں گزاریں گے، چنانچہ ان کے خاوند ان کی کشتی میں آ گئے، جب کنارے پر واپس آئے تو انہوں نے مکہ کی طرف چلنا شروع کر دیا، ان کو راستے میں ایک جگہ رات آ گئی تو میاں بیوی

نے وہ رات وہاں گزاری، وہ کئی دنوں کی جدائی کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے اسلئے اس تنہائی میں ان کے خاوند نے ان سے مطالبہ کیا کہ میں آپ سے میاں بیوی والے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہوں، ام حکیمؓ اتنی دانا تھیں کہ فرمانے لگیں:

''دیکھیں! میں مسلمان ہوں اور آپ ابھی کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوئے، لہذا میں آپ کی بیوی ہونے کے باوجود اس وقت آپ پر حلال نہیں ہوں، مگر انتظار کریں جب تک کہ آپ کلمہ نہیں پڑھ لیتے۔''

چنانچہ انہوں نے بات نہ مانی اور بالآخر اپنے خاوند کو لے کر مکہ آئیں، جب خاوند نے کلمہ پڑھا تو اس کے بعد میاں بیوی کی ملاقات ہوئی، اس سے اندازہ لگائیے کہ اس دور کی بیویاں دین کے معاملے میں کتنی پکی ہوتی تھیں۔

(السیرۃ الحلبیۃ ۳/۳۳-۴۰-سبل الہدی والرشاد ۵/۲۵)

ایک دہریہ لاجواب ہوگیا

ایک مرتبہ مجھے (حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی) ٹبہ سلطان پور جانے کا موقع ملا، وہاں بیان کے بعد ایک صاحب اپنے جوان بیٹے کو لے کر میرے پاس آئے، ان کا بیٹا وکیل تھا اور وہ دہریہ بنا ہوا تھا، اس نے ماں باپ کو بہت پریشان کیا ہوا تھا، باپ نے مجھے بتایا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس نے سائنس پڑھی ہے، پتہ نہیں کہ اس کا دماغ کیسے خراب ہوا کہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالی کے وجود کو نہیں مانتا، میں نے وکیل صاحب سے بات کی تو وہ کہنے لگا، جی میں سائنس پڑھا ہوا ہوں، میں جب کسی چیز کا مشاہدہ کرتا ہوں تو مانتا ہوں، فقط سنی سنائی بات نہیں مانتا، میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا، جب کوئی بندہ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہ ہو تو اسے سمجھانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے، مجھے بھی اندازہ ہوگیا کہ اب گھی ٹیڑھی انگلی سے ہی نکلے گا، سیدھی انگلی سے نہیں نکلے گا، چنانچہ میں نے

اس سے پوچھا، کہ واقعی آپ سنی سنائی بات کو نہیں مانتے ؟ کہنے لگا، نہیں، میں سائنس پڑھا ہوا ہوں، اگر چیز مشاہدے سے دیکھتا ہوں تو مانتا ہوں، ورنہ نہیں مانتا، میں نے اس کو پکا کرلیا، جب اچھی طرح پکا ہوگیا تو میں نے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس سے پوچھا، وکیل ! آپ کا نام کیا ہے اس نے اپنا نام بتادیا، میں نے پھر پوچھا، آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ اس نے وہ بھی بتادیا، میں نے کہا کہ جو آپ نے اپنے والد کا نام بتایا، آپ یہ کیوں مانتے ہیں کہ یہ میرے والد ہے، دیکھ کر مانا ہے یا سن کر مانا ہے؟ کہنے لگا، سن کر مانا ہے، میں نے کہا کہ پھر آپ یہ کہیں کہ مجھے اپنے باپ کا پتہ ہی نہیں ۔۔۔۔اب تو اس کا باپ اس پر غضبناک ہونے لگا اور کہنے کہ ہاں بالکل ٹھیک ہے، اب تو کہہ دے کہ مجھے نہیں پتہ کہ میرا باپ کون ہے، چنانچہ اب وہ پریشان ہوگیا کہ اگر یہ بات سارے شہر میں پھیل گئی تو میرا کیا بنے گا ۔۔۔وہ اسی اضطراب میں کہنے لگا، جی میری امی نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تمہارا باپ ہے، میں نے کہا، تمہاری امی تو پھر بھی جھوٹ بول سکتی ہے، اگر تم ماں کے کہنے پر باپ کو باپ مان لیتے ہو تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر اللہ تعالی کے وجود کو نہیں مان سکتے۔

تمنائے شہادت

سیدنا عمر فاروقؓ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف آرہے تھے، راستے میں رات کے وقت قیام فرمایا، رات کو جب سوئے اور تہجد کے وقت آنکھ کھلی، دیکھا کہ آسمان پر چودھویں کا چاند نور برسا رہا ہے، ماحول میں بھی ٹھنڈک تھی، ہر طرف چاندنی ہی چاندنی ہے، حضرت عمرؓ کو محسوس ہوا کہ قبولیت دعا کا وقت ہے، یہ رحمتوں کے نزول کا وقت ہے، اسی وقت آپؓ نے اللہ تعالی سے دعا مانگی اور دل کی تمنا پیش کی، اے اللہ میرے دل کی تمنا یہ ہے:

اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک و اجعل قبری فی بلد حبیبک

''اے اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور مجھے اپنے محبوب صلی اللہ

علیہ وسلم کے شہر میں دفن ہونے کی سعادت نصیب فرما''۔

اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے دل میں کتنی تڑپ ہوا کرتی تھی، اللہ رب العزت کی محبت کا یہ اثر ہوتا تھا کہ وہ اللہ کے نام پر جان بھی قربان کر دیتے تھے، اور احسان بھی اللہ تعالی کا مانتے تھے، گویا زبان حال سے یہ کہتے تھے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(شرح ابوداؤد ۱۵ / ۳۱۵-صحیح بخاری ۱۸۹)

معذور صحابی کا شوقِ شہادت

اللہ رب العزت کی محبت کا راستہ بھی عجیب ہے، صحابہ کرام میں سے ایک معذور صحابی تھے، حضرت عمرو بن جموح ؓ، وہ اپنی ٹانگوں سے معذور تھے اور اپنا توازن بھی قائم نہیں رکھ سکتے تھے، ان کے چار بیٹے جہاد میں شریک تھے، ان کے دل میں تمنا اٹھی کہ میں بھی جہاد میں شریک ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر اجازت مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے تو چار بیٹے جہاد میں شریک ہیں، آپ گھر میں ہی رہیں تو ٹھیک ہے، عرض کی کہ اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے لنگڑے پن کے باوجود میں جنت میں چلا جاؤں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عنایت فرما دی، گھر آئے اور اہل خانہ سے کہا کہ میرے جہاد کے سفر کی تیاری کرو، چنانچہ گھر میں تیاریاں ہونے لگیں، بیوی کا خاوند کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہوتا ہے، ان کی بیوی نے دل لگی کے طور پر ہمت باندھنے کے لئے کہہ دیا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ آپ میدان جہاد سے بھاگ کر واپس آجائینگے، جیسے ہی یہ سنا دعا مانگی، اللھم لاترد نی الی اھلی، ترجمہ: اے اللہ! مجھے میرے اہل خانہ کی طرف نہ لوٹانا'' چنانچہ جہاد میں گئے، فقتل و قتل حتی قتل'' انہوں نے قتال در قتال کیا حتی کہ شہید ہو گئے''۔

ان کی اہلیہ جب لاش لینے کے لئے گئی تو سواری واپس چلتی ہی نہ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ جانے سے پہلے گھر میں کوئی بات ہوئی؟ انہوں نے سارا واقعہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اسکی لاش بھی گھر کی طرف واپس نہیں جائیگی، جس قوم کے معذوروں کا یہ حال ہے تو اس کے صحت مندوں کا کیا حال ہوگا؟.....خدائی وعدوں، بشارتوں پر اس قدر یقین تھا اور راہِ خدا میں جان نچھاور کرنے کا وہ جذبہ تھا جس کی مثال دنیا پیش نہیں کرسکتی۔

(معازی الواقدی ۱/ ۲۶۶-الروض الانف ۳/ ۲۷۶-سبل الہدی والرشاد ۴/ ۲۱۴)

جس قوم کے بچوں کا یہ جذبہ ہو

جنگ بدر کے موقع پر دو چھوٹے چھوٹے بچے معاذ اور معوِّذ ؓ میدان میں کھڑے ہیں، تلوار بڑی ہے اور ان میں سے ایک کا قد اپنی تلوار سے بھی چھوٹا ہے، حضرت عبدالرحمن ؓ ایک صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کہ میرے ساتھ کون ہیں تا کہ ہم مل کر کفار سے جہاد کریں، مجھے دو چھوٹے چھوٹے بچے نظر آئے، مجھے خیال آیا کہ اگر کوئی بڑا جوان ہوتا تو اچھا تھا، اتنے میں وہ بچے میرے قریب آئے اور پوچھنے لگے کہ چچا! آپ کو پتہ ہے کہ ابوجہل کہاں ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ اتنے چھوٹے بچے اور وہ کفار کے سرغنے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، میں نے کہا کہ بچو! آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ وہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے، ہم نے عہد کرلیا ہے کہ وہ زندہ لوٹ کر گھر واپس نہیں جائیگا یا ہم اپنے گھروں کو واپس نہیں جائیں گے، جس قوم کے بچوں کا یہ عالم ہو اس قوم کے جوانوں کا کیا عالم ہوگا! اور واقعی ان دو بچوں نے بالآخر ابوجہل کو مارا، جب جہاد شروع ہوا تو وہ اتنے چھوٹے تھے کہ کسی نے ان کا نوٹس ہی نہیں لیا، اور یہ اندر سے سب گھوڑوں کے درمیان سے پیدل بھاگتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے، انہوں نے اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر وار کیا تو گھوڑا

گرا اور گھوڑے کے گرنے سے ابوجہل بھی گرا، انہوں نے اس پر وار کر کے اسے زخمی تو کر دیا مگر یہ اتنے چھوٹے تھے کہ اس کا گلا بھی کاٹ نہیں سکتے تھے، عبداللہ بن مسعودؓ کو اللہ نے یہ سعادت عطا فرمائی، وہ آگے بڑھے اور انہوں نے ابوجہل کا گلا کاٹ دیا۔

(عیون الاثر ۲ ۳۴۲-السیرۃ لابن حبان ۱۵۷-دلائل النبوۃ لابن نعیم ۱/۴۹۶)

حسین احمدؒ مدنی کفن بردوش جا پہنچے

ایک مرتبہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ پر غداری کا مقدمہ چلا اور فرنگی کی عدالت (جناح) ہال کراچی میں ان کی پیشی ہوئی، مولانا محمد علی جوہر اور بہت سارے دوسرے اکابرین بھی وہاں جمع تھے، فرنگی نے بلایا اور کہا کہ حسین احمد! یہ جو تم نے فتوی دیا ہے کہ انگریز کی فوج میں شامل ہونا حرام ہے، اسکی اجازت نہیں، تمہیں پتہ ہے کا اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ ہاں مجھے پتہ ہے اس کا نتیجہ کیا ہے، اس نے پوچھا کہ کیا نتیجہ ہے؟ حضرت کے کندھے پر ایک سفید چادر تھی، حضرت نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ اس کا نتیجہ ہے، فرنگی نے کہا کہ کیا مطلب؟ فرمایا کہ کفن ہے، میں اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں تا کہ تم اگر مجھے پھانسی بھی دے دو گے تو کفن میرے پاس ہوگا، مولانا محمد علی جوہر نے حضرت کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا کہ حضرت! تھوڑا سا ذو معنی سا جواب دے دیں جس سے آپ بچ جائیں، کیونکہ ہمیں آپ کی بڑی ضرورت ہے، آپ ہمارے سر کا تاج ہیں، آپ جیسے اکابر ہمیں پھر نہیں ملیں گے، مگر حضرت مدنیؒ کی اس وقت عجیب شان تھی۔ سبحان اللہ!

فرنگی کہنے لگا: حسین احمد! تمہیں کفن لانے کی کیا ضرورت تھی؟ جس کو حکومت پھانسی دے اس کو کفن بھی حکومت دیتی ہے، حضرت مدنیؒ نے فرمایا: اگر چہ کفن حکومت دیتی ہے، لیکن میں اپنا کفن اس لئے لایا ہوں کہ فرنگی کے دیئے ہوئے کفن میں مجھے اللہ کے حضور جاتے ہوئے شرم آتی ہے، میں قبر میں تمہارا کفن بھی لے کر جانا نہیں چاہتا۔

ہمارے اکابر کیا استقامت کے پہاڑ تھے.....! اللہ اکبر کبیرا

حضرت عبداللہ بن حذافہ کی استقامت

سیدنا عمر بن خطابؓ کے دور خلافت میں ایک جنگ میں اسی (۸۰) مسلمان گرفتار ہو گئے، ان میں سے ایک حضرت عبداللہ بن حذافہؓ بھی تھے انہیں ہرقل بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، اس نے چاہا کہ میں ان کو قتل کروادوں چنانچہ اسنے ان کو خوفزدہ کرنے کیلئے ایک دو اور بندوں کو قتل کروادیا، پھر اس نے ان سے کہا کہ تم ہمارے دین کو قبول کرلو، ہم تمہیں چھوڑ دینگے، انہوں نے فرمایا نہیں۔۔۔۔ فاقض ما انت قاض (تو جو کرنا چاہتا ہے کرلے)..... میں اپنے دین سے پیچھے نہیں ہٹوں گا، بالآخر ہرقل نے عبداللہ بن حذافہؓ کے بارے میں کہا کہ ان کو لے جا کر قتل کر دیا جائے، جب ان کو جلاد پکڑ کر لے جانے لگے تو ان کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے، ہرقل بادشاہ کو بتایا گیا کہ یہ بندہ تو رو رہا ہے لگتا ہے یہ موت سے ڈر رہا ہے، آپ اس سے بات کریں، یہ آپ کے دین پر آجائیگا، چنانچہ جب ہرقل نے بات کی تو جواب میں حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نے فرمایا، اے بدبخت! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں، نہیں، میرے ذہن میں ایک بات آئی جس نے میری آنکھوں سے آنسو ٹپکا دئے، اس نے پوچھا، آپ کے ذہن میں کیا بات آئی ہے؟ عبد اللہ بن حذافہؓ نے جواب میں فرمایا کہ میری ایک جان ہے، تو مجھے ایک مرتبہ قتل کروائیگا اور یہ جان چلی جائیگی، اے کاش! میرے بدن پر جتنے بال ہیں اتنی جانیں میرے پاس ہوتیں، تو اتنی ہی مرتبہ مجھے قتل کرواتا اور میں اتنی جانیں اللہ کے نام پر قربان کر دیتا..... بادشاہ ان کا جواب سن کر بڑا حیران ہوا، ادھر سے اس کو حضرت عمرؓ کا خط بھی پہنچ گیا، اس خط میں لکھا تھا کہ تم ان مسلمانوں کو چھوڑ دو، ورنہ ہم بھی تم سے نمٹنے کیلئے آرہے ہیں، یہ خط پڑھتے ہی وہ اندر سے خوفزدہ ہو گیا، چنانچہ اس نے سوچا کہ میں ان کو کسی بہانے سے چھوڑ دوں گا، لہٰذا عبداللہ بن حذافہ کو پھر بھرے بازار میں لایا گیا، ہرقل انہیں کہنے لگا، تم ہمارے دین پر آجاؤ، انہوں نے جرات کے ساتھ فرمایا، میں تمہارے دین پر نہیں آتا پھر ہرقل نے کہا، تم

میری پیشانی کو بوسہ دو، انہوں نے فرمایا کہ اے بد بخت! تو اللہ کا باغی اور نافرمان ہے، میں تیری پیشانی پر بوسہ کیسے دوں؟ میں ہرگز ایسا نہیں کرسکتا، پھر وہ کہنے لگا، اگر تم میری پیشانی کو بوسہ دو گے تو میں تمہیں بھی چھوڑ دوں گا اور تمہارے ساتھ اسّی (۸۰) آدمیوں کو بھی چھوڑ دوں گا، چنانچہ جب اسّی (۸۰) ایمان والوں کی جان کا معاملہ آیا تو عبداللہ بن حذافہؓ آگے بڑھے اور انہوں نے ہرقل کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس کے بعد بادشاہ نے ان سب حضرات کو رہا کر دیا، ان کا یہ عمل سیدنا عمر بن الخطابؓ کو اتنا پسند آیا کہ جب یہ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے عبداللہ بن حذافہ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ جب تمہاری اپنی جان کا مسئلہ تھا تو تم ڈٹ گئے تھے اور کہا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا، لیکن اسی (۸۰) ایمان والوں کا مسئلہ آیا تو تم نے اسی (۸۰) ایمان والوں کی جان بچالی، تمہارا یہ عمل اللہ تعالی کو بڑا پسند آیا.... بعد میں صحابہ کرامؓ انکو چھیڑا کرتے تھے، وہ کہتے تھے ذرا اسکو دیکھو، یہ کافر کی پیشانی کو بوسہ دینے والا ہے، اور وہ سن کر جواب میں کہتے تھے، ہاں بوسہ تو دیا تھا لیکن اسی (۸۰) ایمان والوں کو بھی تو بچایا تھا.... اللہ اکبر! ان کے ایک بوسے میں اتنی طاقت تھی کہ اسی (۸۰) ایمان والوں کو بچایا۔

(سیر اعلام النبلاء ۲/ ۱۴-مختصر تاریخ دمشق ۴/ ۱۵۸)

درخت سے سری سقطیؒ کی گفتگو

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سفر پر جارہا تھا، راستے میں تھک گیا اور ایک درخت کے سایے میں آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا، جب میری آنکھ کھلی تو میں نے درخت سے آواز آتے سنی.... یہ جو اللہ والے ہوتے ہیں، ان کو بعض اوقات اللہ تعالی سمعی یا بصری کشف عطا فرمادیتے ہیں، وہ عجیب سی آوازیں سنتے ہیں جو ہم نہیں سن پاتے... تو فرماتے ہیں کہ وہ درخت مجھ سے گفتگو کررہا تھا اور کہہ رہا تھا: **یاسری کن مثلی** ''اے سری! تو میرے جیسا ہوجا''

فرماتے ہیں کہ میں بڑا حیران ہوا کہ یہ درخت مجھے کہہ رہا ہے کہ اے سری! تو میرے جیسا ہوجا، تو میں نے اس درخت سے مخاطب ہوکر کہا: **کیف اکون مثلک؟** میں تیرے جیسا کیسے بن سکتا ہوں ؟ تو درخت نے جواب میں کہا :**ان الذین یرموننی بالاحجار فارمیھم بالاثمار** جولوگ میری طرف پتھر پھینکتے ہیں میں ان لوگوں کی طرف اپنے پھل لوٹاتا ہوں،، تو بھی میرے جیسا ہوجا، تجھے بھی لوگ پتھر ماریں گے اور تو بھی ان پتھروں کے جواب میں اپنا پھل لوٹا دینا، ان کے ساتھ حسن خلق سے پیش آنا، فرماتے ہیں کہ میں درخت کا جواب سن کر بڑا حیران ہوا کہ درخت نے کیا عجیب بات کہی ! لیکن فورا میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اگر یہ درخت اتنا اچھا ہے کہ پتھر مارنے والوں کو بھی اپنا پھل کھلاتا ہے تو پھر اس درخت کو اللہ نے آگ کی غذا کیوں بنایا ؟ فرماتے ہیں کہ جب میرے ذہن میں یہ خیال آیا تو میں نے درخت سے یہ سوال پوچھا، "**فکیف مصیرک الی النار**" اے درخت ! پھر یہ بتا کہ اللہ نے تجھے آگ کی غذا کیوں بنادیا؟ یعنی اگر تم اتنے ہی اچھے تھے تو تم آگ کی غذا کیوں بن گئے؟ کہتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں گویا ٹھنڈی سانس لے کر کہا کہ سری! میرے اندر خوبی بھی بڑی اچھی ہے کہ لوگ مجھے پتھر مارتے ہیں اور میں انہیں پھل دیتا ہوں، لیکن میرے اندر ایک خامی بھی بہت بری ہے جس نے میری تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا، پوچھا: کون سی خامی ہے؟ درخت کہنے لگا: **فاملیت بالھواء ھکذاھکذا** جدھر کی ہوا چلتی ہے میں ادھر کو ڈول جاتا ہوں، سری! میرے اندر استقامت نہیں ہے اور یہ بات میرے اللہ کو اتنی ناپسند ہے کہ میری خوبیوں کے باوجود اللہ نے مجھے آگ کی غذا بنادیا.....لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہر اچھے اعمال میں استقامت اختیار کریں، تلاوت وذکر اور مراقبہ میں استقامت ومداومت کے بغیر انسان کا معاملہ ترقی کے سلسلہ میں ڈانواڈول ہی رہتا ہے۔

کینسر کے مریض کی قوت ارادی

اٹلی کا رہنے والا ایک آدمی تھا، اس نے عربی زبان سیکھی، اس کو ہربل میڈیسن کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا، عربی سیکھنے کے بعد وہ ایک لائبریری میں گیا، اسے وہاں پر عربوں کی یونانی حکمت کی کتابیں مل گئیں، اس نے چند کتابوں کا اطالوی زبان میں ترجمہ کر دیا، جب ترجمہ ہوا تو لوگوں نے اس کی کتاب ہاتھوں ہاتھ خرید لی، پورے ملک میں اس کی شہرت ہوگئی کہ اس نے کتنا اچھا کام کیا کہ اس نے ایسا علم ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کر دیا۔

جب ہر طرف اسکی تعریفیں ہو رہی تھیں تو اس بندے کی طبیعت خراب ہوگئی، ڈاکٹر کے پاس تشخیص کے لئے گیا تو ڈاکٹر نے تشخیص کی کہ آپ کو کینسر ہے اور یہ کینسر اتنا پھیل چکا ہے کہ ہمارے خیال میں دوسال کے اندر آپ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک پہونچ جائینگے، اس سے زیادہ آپ زندہ نہیں رہ سکتے۔

جب ڈاکٹر نے کہا کہ آپ کی زندگی اب دوسال باقی ہے، بیماری بڑھ جائیگی اور علاج نہیں ہوسکے گا تو اس بندے نے سوچا کہ مجھے اتنے تھوڑے وقت میں بہت سارے کام کرنے ہیں، لہٰذا مجھے پریشان ہونے کے بجائے زیادہ کام کرنا چاہیے۔

چنانچہ وہ کینسر کا مریض لائبریریوں میں گیا اور اس نے یونانی حکمت کی عربی کتابیں ڈھونڈھنا شروع کر دیں، بالآخر اس نے اسی (۸۰) کتابیں ڈھونڈھ نکالیں، جو عربی زبان میں تھیں اور اطالوی زبان میں ان کا ترجمہ کیا جانا بہتر تھا، پھر اس نے اپنے ساتھ ترجمہ کرنے والوں کی ایک ٹیم بنالی، ان سے اس نے کہا کہ جو اصطلاحات ہیں ان کا ترجمہ میں کروں گا اور جو سیدھے سیدھے فقرے ہیں ان کا ترجمہ آپ کرتے جائیں، اس طرح اس کا کام تیز ہوگیا، اندازہ لگائے کے اس بندے نے دوسالوں میں اسی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان سے اطالوی زبان میں کر دیا اور ورلڈ بک آف ریکارڈ میں اس بندے کا نام لکھا گیا۔

پھانسی کا پھندا اور حضرت سعیدؒ

حضرت سعید بن جبیرؒ بڑے تابعین میں سے ہیں، ان کو حجاج بن یوسف نے گرفتار کرالیا، اس کو آپ سے مخالفت تھی، اس لئے وہ چاہتا تھا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔

اس نے آپ کو اپنے سامنے بلایا اور پوچھا: تمہارا نام؟

آپ نے فرمایا: سعید بن جبیرؒ

اس نے کہا: مجھے تم شقی بن کسیر لگتے ہو۔

سعید کے بالمقابل شقی جس کا معنی ہے ''بد بخت'' اور جبیر کہتے ہیں ''اصلاح کی ہوئی چیز'' اور کسیر کسر سے ہے جس کا معنی ہے ٹوٹی ہوئی چیز۔

انہوں نے جواب دیا: جس ماں نے میرا نام رکھا وہ مجھے تم سے بہتر جانتی تھی۔

حجاج نے کہا: تو بھی بد بخت، تیری ماں بھی بد بخت۔

انہوں نے آگے سے جواب دیا: غائب کا علم اللہ کے پاس ہے۔

اس نے غصے میں آ کر کہا: میں ابھی تجھے جہنم رسید کرتا ہوں۔

تو جواب میں فرمانے لگے: اگر میں تجھے اتنے اختیار والا سمجھتا کہ تو مجھے جہنم میں بھیجنے کے قابل ہے تو میں تجھے سجدہ کرنا شروع کر دیتا۔

اس جواب پر وہ بڑا زچ ہوا، حالانکہ موت کے وقت تو بندے کا گلا ہی خشک ہو جاتا ہے، آواز ہی نہیں نکلتی اور ان کو دیکھیں کہ شیر کی طرح آگے سے گرج کر جواب دے رہے ہیں۔

حجاج کہنے لگا: اچھا تو تم کیسے قتل ہونا پسند کرو گے؟

جواب میں فرمانے لگے: جیسا آپ خود قتل ہونا پسند کریں، میں بھی ویسے ہی پسند کروں گا۔

بڑا پریشان ہوا، کہنے لگا: اچھا میں جلاد کو بلاتا ہوں، اس نے جلاد کو بلایا اور کہا کہ

اس کو قتل کر دو! تو جیسے انہوں نے سنا تو وہ تیار ہونے لگے۔

حجاج نے پوچھا: تمہاری کوئی آخری خواہش اور تمنا؟

فرمایا: ہاں! دو رکعت نفل پڑھنا چاہتا ہوں۔

کہنے لگا: ٹھیک ہے پڑھ لو۔

انہوں نے دو رکعت تو پڑھیں مگر بڑی خفیف اور ہلکی، جلدی جلدی مکمل کر لیں۔

اس پر حجاج بڑا حیران ہوا اور کہا: مشہور تو ہے کہ تم بڑی لمبی نماز پڑھتے ہو اور آج تو دو رکعت تم نے بڑی ہلکی پڑھیں، اس کی کیا وجہ؟

جواب میں فرمایا: میں نے آج نماز ہلکی اس لئے پڑھی کہ تمہارے دل میں یہ گمان نہ ہو کہ موت کے ڈر کی وجہ سے یہ اپنی نماز لمبی کر رہا ہے، اس لئے مختصر نماز پڑھی۔

اس نے کہا: اچھا اس کو لٹاؤ!

جب انہوں نے آپ کو لٹایا تو انہوں نے فوراً اپنا چہرہ قبلے کی طرف کیا اور یہ پڑھا:

انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض (انعام ۷۹)

''سب سے یکسو ہو کر میں نے اپنے منہ کو اسی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائی''

اس پر اس کو غصہ آیا اور اس نے کہا کہ اس کا چہرہ قبلے کی طرف سے پھیر دو، تو لوگوں نے ان کا چہرہ قبلے کی طرف سے پھیر کر رخ بدل دیا، تو وہ پڑھنے لگے:

فاینما تولوا فثم وجه الله (البقرة ۱۱۵)

''پس تم جس طرف بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے''

اس نے کہا کہ اس کا چہرہ زمین کی طرف کر کے اوندھا لٹا دو، جب ان کو اوندھا لٹایا تو زمین پر لیٹ کر پڑھنے لگے:

منها خلقنا کم وفیها نعید کم ومنها نخرجکم تارة اخری (طٰہٰ ۵۵)

''اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے اور دوبارہ اسی سے نکالیں گے،

جب انہیں شہید کیا گیا تو اتنا خون نکلا اتنا خون نکلا کہ جگہ ہی ساری خون سے بھر گئی، لوگ بھی حیران اور حجاج بن یوسف بھی حیران تھا، اس نے اطباء سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بڑے لوگوں کو قتل کیا گیا مگر بس تھوڑا سا خون نکلتا تھا، لیکن آج تو اتنا خون نکلا کہ حیران ہیں، اطباء نے جواب دیا کہ علم طب کی رو سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ پہلے لوگوں کو جو قتل کیا جاتا تھا، ان کے دل میں موت کا خوف سوار ہوتا تھا، اس خوف کی وجہ سے ان کا خون خشک ہوجاتا تھا، تو قتل کرنے کے باوجود تھوڑا سا خون نکلتا تھا، اس بندے کو جو قتل کیا گیا تو لگتا ہے کہ موت کا خوف تھا ہی نہیں، لہٰذا جتنا خون تھا اصل حالت میں باقی رہا اور ان کی شہادت کے بعد سارا خون جسم سے باہر نکلا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ موت کا خوف ان کے دلوں میں تھا ہی نہیں، کیسے لوگ تھے!

(حلیۃ الاولیاء ۴/ ۲۹۰-سیر اعلام النبلاء ۴/ ۳۳۰-سیر السلف ۳۷۸)

میرے مالک کے ہر کام میں خیر ہی خیر.....

ایک بندہ کا یہ یقین تھا کہ اللہ جو بھی کرتا ہے اس میں خیر ہوتی ہے، اب اللہ کی شان دیکھیں کہ یہ ایک دن اس کا گدھا مر گیا، بیوی بڑی پریشان ہوئی، اس نے بیوی کو تسلی دی کہ فکر نہ کرو اللہ جو بھی کرتا ہے اسی میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے، وہ بیچاری چپ کر گئی، اب اگلا دن ہوا تو ان کا کتا مر گیا، بیوی نے کہا کہ دیکھو کسی نے کچھ کر دیا ہے، کوئی دشمن ہے جس نے کوئی جادو ٹونا کر دیا ہے، آج کل کی عورتیں ایسے ہی کہتی ہیں، اس نے کہا فکر نہ کرو اسی میں ہمارے لئے خیر ہے، پھر دو تین دن گزرے ان کا مرغا بھی مر گیا، اب تو بیوی کو بڑا غصہ آیا، کہتے ہو اس میں خیر ہوگی، ہماری ہر چیز مرنے میں خیر ہے، گدھا مر گیا خیر ہے، کتا مر گیا خیر ہے، لو آج یہ بھی مر گیا، اب پھر تیری باری ہے یا میری باری ہے، اس نے کہا: اللہ کی بندی اس میں بھی خیر ہوگی (خیر وہ چیخی چلائی تو بہت مگر کبھی بیویوں کا چیخنا چلانا برداشت بھی کرنا پڑتا ہے، بچے بھی تو چیختے چلاتے ہیں، جب عقل پختہ نہیں

ہوتی تو بیویاں بھی چیختی چلاتی ہیں، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ''ناقصات العقل'' فرمایا: تو ہمیں قطعاً غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے شور کو برداشت کر لینا چاہئے) دو تین دن گزرے رات کو یہ میاں بیوی سوئے تو اس گاؤں کا کچھ قبیلہ والوں کے ساتھ دشمنی کا معاملہ تھا، تو ان دشمنوں نے ان پر ہلہ بولا اور ان کے تمام گھر لوٹ کے لے گئے، مردوں کو قتل کر دیا، جوانوں کو قتل کر دیا، عورتوں کی عزتیں لوٹیں، تباہ و برباد کر دیا پوری بستی کو، مگر اللہ کی شان دیکھیں کہ یہ میاں بیوی سوئے رہے، انہیں پتہ ہی نہیں چلا، صبح وہ اٹھے ساری بستی کو اجڑا دیکھا حیران پریشان کہ کیا ہوا؟ پتہ چلا کہ دشمنوں نے یہ کاروائی کی، کچھ دن کے بعد کسی نے دشمنوں کو بات پہنچائی کہ تم نے پورے گاؤں والوں کو مار ڈالا، گھر لوٹ لئے، عزتیں لوٹ لیں، لیکن دو میاں بیوی تو بچ گئے، انہوں نے کہا اصل وجہ یہ تھی کہ ہم نے جب ادھر حملہ کیا تو کسی گھر میں سے گدھا بولا کسی میں سے کتا بولا، کسی میں سے مرغا بولا، تو جدھر سے کوئی بولتا رہا ہم سمجھتے رہے ادھر گھر والے ہیں، ہم ان کو ختم کرتے گئے، ادھر سے کوئی آواز ہی نہیں آئی ہم نے سمجھا گھر والے بھاگ گئے ہیں اسی طرح ان لوگوں کی جان بچ گئی..... اس سے اندازہ لگایئے اللہ پاک جو کرتے ہیں اس میں کوئی نہ کوئی خیر ضرور پوشیدہ ہوتا ہے، خواہ بندے کی عقل وہاں تک پہنچ پائے یا نہیں۔

(نزہۃ المجالس ۱/۱۴۹)

میں جانور کی بولی سمجھنے لگوں

حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں ایک بندہ تھا، اس کو پتہ چلا کہ موسیٰؑ کوہ طور پر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کرتے ہیں، اب اس کو شوق تھا پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا، جیسے کچھ لوگوں کو جن دیکھنے کا شوق ہوتا ہے، اللہ کی شان دیکھو، اس نے حضرت موسیٰؑ سے کہا: حضرت اب جب کوہ طور پر جائیں نا تو میرے لئے دعا کرنا مجھے جانور کی بولیاں سمجھ میں آجائیں **علمناہ منطق الطیر** کا معاملہ میرے ساتھ بھی ہوجائے، حضرت موسیٰؑ نے دعا

کردی چلو جی اس کو بولیوں کا علم مل گیا، اب اگلے دن وہ اٹھا صبح سویرے اس نے ناشتہ کیا، کچھ ٹکڑے کھانے کے بچے ہوئے تھے، اس نے جو باہر صحن میں پھینکے، تو مرغا اڑ کے آیا اور آ کے اس نے روٹی کے ٹکڑے کو اچک لیا، ادھر سے کتا بھی بھاگا مگر کتے سے پہلے مرغا لے گیا، کتے نے اسے کہا یار! کچھ احساس تو کرو میں ساری رات کا جاگا ہوا ہوں، میں یہاں کا سیکورٹی گارڈ ہوں، میری نائٹ شفٹ تھی، اب میرے سونے کا وقت تھا، تم مجھے کھا کر سونے دیتے، تمہیں تو دن میں کچھ اور بھی مل جائیگا، مرغے نے کہا فکر نہ کر انکے پاس ایک گھوڑا ہے آج وہ مریگا، تجھے بڑا گوشت مل جائیگا، تو فکر کیوں کرتا ہے؟ اسنے کہا بہت اچھا اب جب اس نے بات سن لی تو بڑا فکرمند ہوا کہ میرے گھوڑے نے مرجانا ہے، یہ گیا اور گھوڑے کو جا کر بیچ آیا، کہنے لگا دیکھو مجھے کتنا فائدہ ہوا میں نقصان سے بچ گیا، اگلا دن ہوا، پھر اسی طرح کا واقعہ پیش آیا کہ اس نے ناشتہ کر کے کچھ ٹکڑے باہر پھینکے، ادھر سے کتا ادھر سے مرغے نے جھپٹا لگایا اور لے گیا، تو کتے نے کہا کہ یار تم بہت ہی غیر ذمہ دار بندے ہو، کل بھی میں بھوکا رہا، آج تو مجھے کھانے دیتا، اس نے کہا فکر نہ کر اب ان کے گھر میں ایک گدھا ہے وہ مریگا اور تیرے مزے ہونگے، مالک نے سنا اچھا گدھا بھی مرجائیگا، چنانچہ وہ جناب گدھے کو بھی لے کر گیا اور جا کے بازار میں بیچ آیا، بیوی کو آ کر کہا دیکھو کتنا فائدہ ہے مجھے بولیاں سمجھنے کا ہم کتنے نقصان سے بچ گئے، بیوی نے کہا واہ بھئی واہ کیا بات ہے، اب تیسرا دن آیا، تیسرے دن جب اس نے ٹکڑا پھینکا تو کتے نے بھی جھپٹا مارا مگر مرغا تیز تھا وہ نکال کر لے گیا، اس نے کہا یار بڑے جھوٹے ہو، ویسے تم اذانیں دیتے ہو اور حال تمہارا یہ ہے کہ جھوٹ بولتے ہو، دو دن جھوٹ بولا تم نے، مرغے نے آگے سے جواب دیا کہ میں جانوروں کی دنیا کا موذن ہوں، مجھے جھوٹ بولنا زیب نہیں دیتا، یاد رکھنا موت آج اس مالک کو آنی ہے، یہ مریگا اور پھر کھانے بنیں گے اور پھر بہت ساری ہڈیاں بھی ہونگی، آج تیرا سارا دن مزے کا ہوگا اس نے جب سنا کہ میری باری ہے بڑا پریشان ہوا، حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا، حضرت! آج تو مرغے نے یہ کہہ دیا، موسیٰؑ نے بھی ملک

الموت کو آتے دیکھ لیا، انہوں نے فرمایا دیکھ تیرے مقدر میں لکھا ہوا تھا کہ تیرے گھر میں موت آنی تھی، مخصوص نہیں تھا کہ کس کو آنی تھی، اللہ تعالی نے تیرے گھوڑے پر موت ڈال دی، اب تو بڑا سمارٹ بنا گھوڑے کو بیچ آیا، اس موت کو اللہ نے گدھے پر شفٹ کر دیا تو پھر سمارٹ بنا گدھے کو بیچ آیا، اللہ نے اس کو تجھ پر منتقل کر دیا، اب ملک الموت صاحب آئے اور اسکی جان نکال کر لے گئے۔

تو ایک سبق ملا کہ اللہ جو کرتا ہے، اس میں بندے کی خیر ہوتی ہے، تو معلوم ہوا کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی تقدیر پر راضی رہے، اس یقین کو مضبوط بنا لیجئے۔

حکایات کا انسائیکلو پیڈیا حکایات رومی ۱۴۹

دلِ پُرنور میں کہیں غیر کا خوف

ایک بزرگ تھے، جن کا نام بنان حمال (متوفی ۳۱۶ھ) ہے، ان کو ابن طولون بادشاہ نے بلوایا اور غصے میں ان کو بھوکے شیر کے آگے ڈال دیا، اور کہا کہ میں خود بھی تماشا دیکھوں گا، جب انہیں شیر کے پنجرے میں ڈال دیا گیا تو شیر آیا اور ان کے قدموں میں اس طرح بیٹھ گیا جیسے کتا اپنے مالک کے پاؤں چاٹنے لگ جاتا ہے، وزیر بڑا سمجھدار تھا، اس نے بادشاہ سے کہا کہ دیکھو! یہ کوئی اللہ کا مقبول بندہ ہے، اس سے ابھی معافی مانگ لو، ورنہ اگر انہوں نے بددعا کر دی تو تمہاری آئندہ نسل ہی برباد ہو جائیگی، بادشاہ نے اسی وقت ان بزرگ کو بلوایا اور اپنی پگڑی ان کے قدموں میں رکھ دی اور معافی مانگی اور ان سے کہا کہ میں آپ کو واپس گھر بھیج رہا ہوں، چنانچہ وہ گھر پہنچ گئے، اب بیوی تو سمجھ رہی تھی کہ میرے خاوند کو آج شہید کر دیا گیا، لیکن جب اچانک اس نے اپنے خاوند کو دیکھا تو بڑی حیران ہوئی، اور پوچھا کہ آپ زندہ سلامت کیسے واپس آ گئے؟ انہوں نے سارا واقعہ سنایا کہ یہ واقعہ پیش آیا اور بادشاہ نے مجھے گھر بھیج دیا۔

اب بیویاں تو پھر بیویاں ہوتی ہیں، اس کے ذہن میں ایک بات آئی اور خاوند

سے کہنے لگی کہ اچھا! ایک بات ذرا سچ سچ بتانا، انہوں نے کہا کہ کیا بات؟ کہنے لگی کہ جب بھوکا شیر تمہاری طرف آیا تھا تمہیں ڈر تو بہت لگا ہوگا، تو بتاؤ کہ اس وقت کیا سوچ رہے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب شیر میری طرف آرہا تھا تو میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں کہ شیر کا لعاب پاک ہوتا ہے یا ناپاک ہوتا ہے، یعنی ذرا برابر بھی ان کے دلوں میں خوف نہیں تھا، یہ تھے ہمارے اکابر۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ۲۳/ ۵۰۹-طبقات الاولیاء ۱۹-سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۴۸۹)

حضرت فاروقؓ کے سامنے دیہاتی کی بیباکی

حضرت عمرؓ کے پاس یمن سے چادریں آئیں، آپؓ نے صحابہ کرامؓ پر ایک ایک چادر کر کے تقسیم فرما دیں، پھر جمعہ کے روز منبر پر چڑھ کر لوگوں کو خطبہ دیا، آپؓ نے دو چادریں زیب تن کی ہوئی تھیں، فرمایا: خبردار سنو! خبردار سنو!! پھر نصیحت فرمائی: حضرت سلمانؓ اٹھے اور کہا: واللہ ہم نہیں سنیں گے، پوچھا: کیوں؟ کہا: اسلئے کہ آپ نے ہمیں ایک ایک چادر دی اور خود دو چادریں لیں، حضرت عمرؓ مسکرائے اور کہا: اے ابوعبداللہ! تو نے جلدی کی، اللہ تجھ پر رحم فرمائے، میں نے اپنے کپڑے دھوئے تھے، اسلئے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کی چادر مستعار لی اور اپنی چادر کے ساتھ اسے بھی اوڑھ لیا، حضرت سلمانؓ نے کہا: آپ کہئے اب ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

(عیون الاخبار ۱/ ۲۳-صفۃ الصفوۃ ۱/ ۵۳۵-محض الصواب فی فضائل عمر ۲/ ۵۷۹)

عمرو بن ہشام کی ایمان سے محرومی

عمرو بن ہشام کا شمار مکہ کے انتہائی دانا لوگوں میں ہوتا تھا، اس کو اپنے آپ پر اتنا ناز تھا کہ سیدنا عمر فاروقؓ کا نام بھی عمر تھا، مگر وہ کہتا تھا کہ مجھے عمر کہنا چاہیے اور آپ کو اسم تصغیر کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے، چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کو ایمان لانے سے

پہلے عمیر کہا جاتا تھا، وہ انہیں عمر نہیں کہلوانے دیتا تھا، وہ کہتا تھا کہ عمر میں ہوں، وہ اتنا دانا تھا کہ جو معاملات لوگوں سے نہیں سمٹتے تھے وہ اکیلا سمیٹ دیتا تھا، اس لئے لوگوں نے اس کا نام ''ابا الحکم'' (داناؤں کا باپ) رکھا اور جب اس نے دین کو قبول نہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابوجہل رکھ دیا، یعنی تو جاہلوں کا باپ ہے۔

دیکھیں کہ قابلیت اتنی کی وہ قریش کا سردار ہے اس کی پرسنیلٹی (شخصیت) کتنی خوبصورت ہے، اس کے مال و دولت ہے، لوگ اس کے اشارے پر ناچنے کو تیار ہیں مگر اللہ رب العزت کے یہاں قبولیت حاصل نہ ہوئی اور وہ اس دنیا سے ایمان کے بغیر رخصت ہو گیا۔

(المفصل فی تاریخ العرب ۷ / ۱۰۵)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

علـــــم

اللہ اللہ اللہ

علوم دینیہ

علم کے متلاشی کے لئے احتیاط

☜ عبدالرحمن بن قاسمؒ فرماتے تھے کہ میں امام مالکؒ کی خدمت میں بیس سال تک رہا، ان میں سے اٹھارہ سال ادب واخلاق کی تعلیم میں خرچ ہوئے اور دوسال علم کی تحصیل میں، حضرت شعبیؒ فرماتے تھے کہ علم حاصل کرتے ہوئے روتے رہا کرو، کیونکہ تم فقط علم حاصل نہیں کررہے، بلکہ اپنے اوپر حجت الٰہی کو اچھی طرح قائم کررہے ہو۔

(آداب المتعلمین ۲۱)

☜ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کے حالات میں ہے کہ طالبِ علمی کے زمانہ میں بازار سے صرف روٹی خریدتے اور سالن اس وجہ سے نہ لیتے تھے کہ دوکانوں میں جو سالن پکتا تھا اس میں امچور کا ڈالنا لازم تھا اور آموں کے باغات کی بیع کا جو رواج تھا وہ شرعاً ناجائز تھا، اسلئے سالن کے بغیر ہی روٹی کھالیتے تھے۔

(آداب المتعلمین ۲۲)

☜ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ مدرسہ کے کسی کام کی وجہ سے کلکتہ گئے، احتیاط کا یہ عالم کہ وہاں کسی عزیز سے ملنے گئے تو رکشتہ کے پیسے اپنے پاس سے دیئے، حالانکہ ان سے ملنے میں مدرسہ کا بھی فائدہ تھا۔

(آداب المتعلمین ۲۲-اساتذہ کے لئے تربیتی واقعات ۲۵۰-
اکابر علماء دیوبند ۳۵)

☜ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مدرسہ کی کوئی چیز اپنے اوپر استعمال نہیں کرتے تھے، حتی کہ مدرسہ کے فرش پر بھی مدرسہ کے کام کے علاوہ نہیں بیٹھتے تھے۔

(آداب المتعلمین ۲۲)

بعض حضرات کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ناظم مطبخ بنتے مگر کھانا گھر سے منگا کر کھاتے۔

(اساتذہ کے لئے تربیتی واقعات ۲۵۲)

☜ ایک طالب علم نے نماز عشاء سے تھوڑی دیر بعد ایک چراغ بجھا کر دوسرا چراغ جلایا اور مطالعہ کے لئے بیٹھ گیا، اتفاق سے ایک شخص وہاں موجود تھے، انہوں نے وجہ دریافت کی تو طالب علم نے کہا کہ یہ مسجد کا چراغ ہے، جتنی دیر اس کے جلنے کی اجازت ہے اتنی دیر اس کو جلاتا ہوں، بعد میں اپنا تیل جلا کر مطالعہ کرتا ہوں۔

(آداب المتعلمین ۲۵)

☜ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم طالب علمی کے زمانہ میں صاحب نسبت نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا، طالب علم کو چاہئے کہ اتباعِ سنت کا بہت التزام کرے، دو طالب علموں نے تحصیل علم کے لئے سفر کیا، جب دو سال کے بعد واپس آئے تو ایک فقیہ کامل تھا اور دوسرا علم وکمال سے خالی تھا، شہر کے علماء نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جو فقیہ کامل بنا وہ اتباع سنت کا زیادہ اہتمام کرتا تھا۔

(آداب المتعلمین ۲۵، ۲۶)

امام بخاریؒ نے تھیلی دریا میں ڈال دی

امام بخاری کا مشہور واقعہ ہے، ایک مرتبہ کشتی میں سفر کر رہے تھے، اس وقت ان کے پاس ایک ہزار اشرفی تھے، راستے میں ایک بندے نے ان کے ساتھ

بات چیت کرنا شروع کر دی، باتوں باتوں میں انہوں نے تذکرہ کر دیا کہ میرے پاس اتنی رقم ہے، بس ایسے ہی بر سبیل تذکرہ بات کر دی، وہ کوئی بڑا شاطر انسان تھا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے شور مچا دیا کہ میرے پاس ایک تھیلی تھی وہ کسی نے چوری کر لی ہے، اس میں میرے چھ ہزار دینار تھے، لوگوں نے پوچھا کہ وہ تھیلی کس رنگ کی تھی؟ اس نے کہا: وہ اس رنگ کی تھی، کیونکہ اسے پتہ تھا کہ ان کے پاس اس رنگ کی تھیلی میں اتنے ہزار دینار ہیں، جب اس نے شور مچایا تو کشتی کے سب لوگ کہنے لگے کہ سب کی تلاشی لو تا کہ پتہ چلے کہ وہ کہاں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے، انہوں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اگر لوگ تلاشی لیں گے اور انہیں میرے پاس سے تھیلی مل جائے گی، تو مجھے سب لوگ چور سمجھیں گے، اس بندے کو پکا پتہ تھا کہ میرے رشتہ دار بھی میرے ساتھ ہیں، جب ان کی تلاشی لی جائے گی اور ان کے پاس اسے پائیں گے تو لے لیں گے، چنانچہ انہوں نے تلاشی لینا شروع کر دی، جب تلاشی لیتے لیتے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور ان کی تلاشی لی تو ان کے پاس بھی تھیلی نہیں تھی، پوری کشتی میں سے تھیلی کہیں سے نہ ملی، اس نے اپنی جھوٹی اور بناوٹی پریشانی کا مزید اظہار کیا۔

جب کشتی کنارے پر لگی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آگے چلے تو وہ آدمی آپ کے قریب آیا، اس نے حضرت سے معافی مانگی اور کہا: جی میں بہت شرمندہ ہوں، میں نے آپ کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے، آپ اچھے بندے ہیں لہٰذا مجھے معاف کر دیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کر دیا، پھر اس نے سوال کیا: حضرت رحمۃ اللہ علیہ! آپ نے مجھے معاف تو کر دیا مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ آپ نے وہ تھیلی چھپائی کہاں تھی؟ فرمایا! جب میں نے اعلان سنا کہ تھیلی چوری ہو گئی ہے تو میں سمجھ گیا تھا میں چونکہ کنارے پر بیٹھا تھا اس لئے میں نے وہ تھیلی چپکے سے دریا میں گرا دی، اس نے حیران ہو کر پوچھا: چھ ہزار دینار کی تھیلی دریا میں پھینک دی؟ فرمایا: ہاں اگر

میں اسے اپنے پاس رکھتا تو لوگ مجھے چور سمجھتے، کیا مجھ سے کوئی حدیث کی روایت کرتا؟ اگر میں ایسا نہ کرتا اور چوری کا الزام مجھ پر ثابت ہو جاتا تو میں حدیث پاک کی روایت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا، میں نے روایت حدیث والی نعمت کو بچانے کی خاطر اس مال کو قربان کر دیا۔

(امداد الباری ۱/ ۴۶۱)

تکرار علم

☜ عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم ام درداءؓ کی خدمت میں پہنچے اور دیر تک علمی باتیں دریافت کرتے رہے، پھر عرض کیا کہ شاید آپ اکتا گئی ہونگی؟ فرمانے لگیں، کیا کہتے ہو، ہر کام میں میری نیت عبادت کی ہوتی ہے، علمی مذاکرہ سے زیادہ مجھے کسی کام میں لذت نہیں ملتی۔

(آداب المتعلمین ۶۹)

☜ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ علم میں گفتگو کرتے رہا کرو، تاکہ تمہارے رتبے ظاہر ہوں۔

(آداب المتعلمین ۶۹)

☜ میر سید شریف جرجانیؒ علامہ قطب الدین رازیؒ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب وہ سن رسیدہ ہو چکے تھے، انہوں نے آپ کو اپنے شاگرد عزیز مبارک شاہؒ کے پاس بھیج دیا، عام طور پر لوگ ان کو مبارک شاہ منطقی کہا کرتے تھے، انہوں نے میر صاحب کو اپنے حلقۂ درس میں صرف سماع کی اجازت دی، پوچھنے اور قرأت کرنے کی اجازت نہ دی، ایک دن مبارک شاہ رات یہ دیکھنے چپ چاپ نکلے کہ طلبہ کیا کر رہے ہیں؟ جس حجرے میں میر صاحب رہتے تھے وہاں سے آواز آرہی تھی کہ کتاب کے مصنف نے تو یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے، استاذ نے اس طرح بیان کیا ہے اور میں اس مسئلہ کی تقریر یوں کرتا

ہوں، مبارک شاہؒ کان لگا کر کافی دیر تک سنتے رہے اور محظوظ ہوتے رہے۔

(آداب المتعلمین ۷۱)

غلاموں کے سروں پر علم کا تاج

ایک مرتبہ ابن شہاب زہری عبدالملک کے دربار میں پہنچے، عبدالملک نے پوچھا: زہری! کیا تم بتا سکتے ہو کہ مسلمانوں کے مختلف شہروں میں کون لوگ مرجع انام ہیں؟ یعنی لوگ اپنے مسائل میں کن کی طرف رجوع کرتے ہیں؟ مرکزیت کن کو حاصل ہے؟..... صاف ظاہر ہے کہ جو مرجع خلائق ہوگا اس کو معاشرے میں عزت نصیب ہوگی اور لوگ انکے پاؤں کے نیچے پلکیں بچھائیں گے..... تو ان لوگوں کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ زہری نے کہا: ہاں! آپ پوچھئے میں بتاتا ہوں۔

عبدالملک: تم اس وقت کہاں سے آرہے ہو؟

زہری: مکہ مکرمہ سے۔

عبدالملک: مکہ مکرمہ میں کون مرجع خلائق ہے؟

زہری: عطا بن رباح۔

عبدالملک: عرب خاندان کے آدمی ہیں یا غلام؟

زہری: غلام ہے۔

عبدالملک: عطا کو یہ مقام کہاں سے ملا؟

زہری: علم دین اور احادیث کی روایت سے۔

عبدالملک: ہاں! یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو عزت بخشتی ہیں، اچھا! اب بتاؤ کہ یمن میں کون ہے؟

زہری: طاؤس بن کیسان۔

عبدالملک: عرب ہے یا کوئی غلام؟

زہری: غلام۔

عبدالملک: اچھا! یہ بتاؤ کہ مصر میں کون ہے؟

زہری: یزید بن حسیب۔

عبدالملک: عرب ہے یا کوئی غلام؟

زہری: وہ بھی غلام ہے۔

عبدالملک: اچھا! شام میں کون ہے؟

زہری: مکحول۔

عبدالملک: عرب ہیں یا غلام؟

زہری: وہ بھی غلاموں میں سے ہے۔

(اب عبدالملک کچھ پریشان سا ہو گیا اور اس کا لہجہ بدلنے لگا، چنانچہ کہنے لگا:)

عبدالملک: جزیرہ یعنی دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقوں میں کون ہے؟

زہری: میمون بن مہران۔

عبدالملک: عربی ہے یا غلام؟

زہری: غلام۔

عبدالملک: اچھا! پورے عراق کا فقیہ کون ہے؟

زہری: حسن بن ابی الحسن اور محمد بن سیرین۔

عبدالملک: دونوں کی حیثیت کیا ہے، عرب ہے یا غلام؟

زہری: غلام ہیں۔

عبدالملک: مدینہ منورہ کے فقیہ کون ہے؟

زہری: زید بن اسلم، محمد بن المنکدر اور نافع بن ابی نجیح۔

عبدالملک: ان کی حیثیت اور نسبت کیا ہے؟

زہری: یہ بھی غلام ہیں۔

(یہ باتیں سن کر عبدالملک کے لئے ہضم کرنا مشکل ہوگیا، اس کا سانس پھولنے لگا، آنکھیں کھل گئیں اور سرد آہیں بھرنے لگا، کہنے لگا: کیا مسئلہ ہے، پھر کہنے لگا)

عبدالملک: اچھا بتاؤ خراسان میں مرجع خلائق کون ہے؟

زہری: اسحاق بن مزاحم اور عطا بن عبداللہ خراسانی۔

عبدالملک: یہ کون لوگ ہیں؟

زہری: یہ بھی غلام ہیں۔

عبدالملک: ویلک، تجھ پر افسوس ہو، تیری کم بختی، تیرا ناس ہو، کوئی تو ہوتا جو عرب ہوتا، ملک کے اتنے صوبے ہیں اور ہر صوبے میں مرجع خلائق غلام ہیں۔

(عبدالملک خود بھی عرب تھا اور ترس گیا کہ کوئی تو عربی ہوتا، اب اسکے چہرے پر ایسی سیاہی چھا رہی تھی کہ دیکھنے والے کو ڈر لگتا تھا)

خیر اس نے پوچھا: اچھا بتاؤ کہ کوفہ میں مسلمانوں میں مرکزی حیثیت رکھنے والا کون ہے؟

زہری: ابراہیم النخعی اور شعبی۔

(ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ اگر چہ اب بھی کسی غلام کا نام لیتا تو مجھے سزا ملتی، اگر اس وقت کوفہ کے اندر حماد بن ابی سلیمان اور حکم بن عتبہ، دونوں غلام تھے، مگر ان کے ساتھ یہ دو حضرات عربی تھے، مجھے اس وقت غلاموں کے نام لینے میں شر کے آثار نظر آرہے تھے، چنانچہ جب میں نے کہا: ابراہیم نخعی اور امام شعبی ہیں، اور یہ عربی تھے، چنانچہ جب میں نے ابراہیم نخعی کا نام لیا تو عبدالملک نے بے ساختہ نعرہ لگایا اور اسے اطمینان کا سانس نصیب ہوا)۔

عبدالملک: زہری! تو نے تو مجھے مار ہی دیا تھا کہ آج ہمارے اتنے بڑے ملک میں اس وقت کوئی ایک قاضی بھی عربی نہیں ہے، اب جا کر تم نے ایک بات سنائی جس سے غم کا بادل

میرے دل سے ہٹ گیا، اگر تم یہ آخری جواب نہ سناتے تو قریب تھا کہ میرا کلیجہ پھٹ جاتا۔

(تحفۃ الاحوذی ۱/ ۱۹ و ۷/ ۲۶۱-معرفۃ علوم الحدیث ۱/ ۲۷۷)

غلامی کے پنجڑے سے امامت کے مصلے تک

بنوقریظہ کا ایک یہودی تاجر تھا، اس کا نام سلام بن جبیر تھا، وہ شام گیا اور وہاں سے اس نے مال تجارت خریدا، وہاں ایک غلام بھی بک رہا تھا، نہ تو اسکی شکل اچھی تھی اور نہ اس میں کوئی ہنر نظر آتا تھا اور بیچنے والا بھی جان چھڑا رہا تھا، گلوخلاصی کرنا چاہتا تھا، چنانچہ وہ سستا بہت بک رہا تھا، وہ کہتے ہیں کہ سستا ہونے کی وجہ سے میں نے کہا: چلو! یہ بھی خرید لیتے ہیں، کوئی تو لے لیگا، ہوسکتا گھر میں کسی کو غلام کی اور نوکر کی ضرورت ہو۔

اس غلام کا نام سالم تھا، اسے سلام بن جبیر مدینہ منورہ لے آیا، اس کا مال تجارت تو ہاتھوں ہاتھ بک گیا، اب وہ چاہتا تھا کہ میں کام سمیٹوں اور قبیلے میں جاؤں، لیکن غلام کو کوئی نہیں خریدتا، جو آتا ہے وہ دیکھ کر کہتا ہے: نہ عقل نظر آتی ہے اور نہ شکل نظر آتی ہے، کیوں خریدیں؟ وہ اس کے لئے گلے کا کانٹا بن گیا، ایک ہفتہ دس دن وہ روز مارکیٹ جاتا اور غلام کو کوئی نہ خریدتا، وہ بڑا پریشان ہوا، حتی کہ اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ جب یہ اتنا ہی نکما ہے تو اس کو اونی پونی قیمت پہ بیچ دوں گا، جس دن اس نے یہ ارادہ کیا، اس دن مدینہ کی ایک کنواری لڑکی جس کا نام ثبیتہ (باوقار) تھا، وہاں سے گزری، اس نے پہلے بھی کئی مرتبہ اس غلام کو دھوپ کے اندر بازار میں کھڑے دیکھا تھا، .....وہ نوجوان بچی تھی، عورت ذات تھی، دل نرم تھا، اسے اس پر رحم آ گیا، .....اس نے سلام سے پوچھا: کیا تم اس لڑکے کو بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! میں اسے بیچنا ہی نہیں چاہتا بلکہ اس سے جان چھڑانا چاہتا ہوں، پوچھا: کتنے پیسے لوگے؟ اس نے کہا: جتنے میں، میں نے خریدا ہے اور راستے میں جو اس پر خرچ کیا ہے بس خرچہ دو اور لے جاؤ، لو جی! اس نے تھوڑی سی قیمت مانگی، ثبیتہ نے وہ رقم دیدی اور اس لڑکے کو لے کر آ گئی۔

خریدتے وقت اس نے پوچھا تھا کہ یہ لڑکا ملا کہاں سے تھا؟ اس نے کہا: یہ ماں باپ کا اکیلا بیٹا تھا، شام میں بک رہا تھا اور میں اسے لے آیا تھا، وہ نرم دل لڑکی تھی، وہ سوچتی رہی کہ کتنے بچے ایسے ہوں گے جو اپنی ماؤں سے جدا کر دیے جاتے ہیں، یہ بھی تو کسی ماں کا بیٹا ہوگا، پتہ نہیں اس کی ماں اسکے لئے کتنا ترستی ہوگی، روتی ہوگی، میں دیکھتی ہوں کہ بے چارہ سارا دن دھوپ میں کھڑا ہوتا ہے، اچھا! میں اس کو گھر لے جاتی ہوں اور میں اس کو اپنا بیٹا بنالوں گی، لیکن میں اس سے شادی نہیں کروں گی، ایسا نہ ہو کہ میری اولاد کے ساتھ بھی کل یہی معاملہ پیش آجائے۔

شبیتہ نے اس لڑکے کو اپنے گھر میں بیٹے کی طرح پالنا شروع کر دیا، جب لڑکے کو اچھی غذا ملی اور محبت ملی..... وہ تو بھوکا تھا محبت کا..... چنانچہ اب اس کے اندر خود اعتمادی آگئی اور اس کی صحیح نشو ونما اور گروتھ ہونا شروع ہوگئی، اس کی صحت بھی اچھی ہوتی گئی اور صلاحیتیں بھی کھل گئیں، یوں وہ ڈپریشن میں سے نکل آیا اور اس کا چہرہ تر وتازہ ہوگیا۔

ان دنوں مکہ مکرمہ کا ایک قبیلہ شام میں تجارت کے لئے گیا ہوا تھا، اس میں ابو حذیفہ نامی ایک تاجر تھے جو مکہ کے رہنے والے تھے، انہوں نے راستے میں مدینہ منورہ میں پڑاؤ ڈالا، اللہ کی شان ان کے سامنے شبیتہ کا یہ واقعہ کسی نے بیان کیا تو حذیفہ کو شبیتہ کی طبیعت اچھی لگی، کہ وہ ایک رحم دل لڑکی ہے اور اس نے احساس کیا، انسانیت کی ہمدردی کی، ایسے اچھے اخلاق والی لڑکی کہاں ملتی ہے؟ چنانچہ انہوں نے بن دیکھے شبیتہ کے والدین کو نکاح کا پیغام بھیج دیا، ادھر شبیتہ کے والدین نے سوچا: لو! قریش میں سے ہیں تاجر ہے خود پیغام بھیج رہا ہے، یہ تو کوئی اچھا آدمی لگ رہا ہے، لہٰذا انہوں نے اس پیغام کو قبول کر لیا اور شبیتہ کا نکاح ہوگیا۔

نکاح کے بعد ابو حذیفہ کچھ دن مدینہ میں رہے، وہ غلام بھی ان کے ساتھ رہا جو ان کی بیوی کے پاس تھا، پھر ابو حذیفہ مکہ مکرمہ چلے گئے تو شبیتہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ مکہ مکرمہ گئی اور وہ غلام بھی ان کے ساتھ جہیز میں آگیا۔

ابو حذیفہ، حضرت عثمان غنیؓ کے دوست تھے، یہ بھی تاجر تھے بزنس مین ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، ابوحذیفہ نے محسوس کیا کہ میرے یہ تاجر دوست (حضرت عثمان غنیؓ) مجھ سے ملتے نہیں، کنی کترا جاتے ہیں، چونکہ دوستی کا ایک تعلق ہوتا ہے اس لئے ابوحذیفہ نے سوچ لیا کہ اگر عثمان اب مجھ سے نہ ملے تو میں ان کے گھر جا کر ان کو مناؤں گا اور پوچھوں گا کہ ناراض کیوں ہیں؟

لو جی! وہ عثمان غنیؓ کے گھر آ گئے اور ان کے مابین بات چیت شروع ہوگئی۔

ابوحذیفہ: جی! میں آپ میں کچھ ناراضگی کے آثار دیکھ رہا ہوں ..... بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔

عثمان غنیؓ: اس لئے کہ، تیرا اور میرا راستہ مختلف ہے، میں کیا دوستی بڑھاؤں تیرے ساتھ؟

ابوحذیفہ: کیا مطلب؟

عثمان غنیؓ: دیکھ! تو لات ومنات کی پوجا کرنے والا ہے اور میں ایک خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔

(یہ سن کر ابوحذیفہ کانپ گئے اور کہنے لگے)

ابوحذیفہ: عثمان کیا بتوں کے خلاف بات کر رہے ہو؟

عثمان غنیؓ: ہاں! اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور میں نے اپنے اس آقا کے پیغام پر لبیک کہی ہے اور اب میں مسلمان ہو چکا ہوں۔

(اب ابوحذیفہ کو محسوس ہوا کہ میرا جگری یار مجھ سے جدا ہو گیا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا)

ابوحذیفہ: اچھا! بھئی! اگر وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تیری زندگی کو بدل دیا ہے تو مجھے بھی ملاؤ۔

عثمان غنیؓ: بہت اچھا۔

چنانچہ عثمان غنیؓ کی دعوت پر ابوحذیفہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اللہ کا قرآن پڑھا اور قرآن نے دل کی دنیا کو بدل کے رکھ دیا، ابوحذیفہ مسلمان ہو گئے۔

جب ابوحذیفہ گھر گئے تو ثبیتہ نے دیکھ کر کہا: میں جو سکون آپ کے چہرے پر آج دیکھ رہی ہوں، وہ پہلے کبھی نہیں دیکھا، کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے: میں مسلمان ہو گیا ہوں، وہ نیک دل لڑکی تھی، اس نے کہا: اچھا! پھر میں بھی مسلمان ہوتی ہوں، چنانچہ ثبیتہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

اللہ کی شان دیکھیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سننا شروع کیں، ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو غلام آزاد کریگا اس کو یہ ثواب ملے گا، پھر جب ثبیتہ گھر آئی تو اس نے اپنے غلام سالم کو کہا: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت بتائی ہے، لہذا میں تمہیں اللہ کے راستے میں آزاد کرتی ہوں، اب جہاں جانا چاہے تو چلا جا۔

یہ سن کر سالم پریشان ہو گیا کہ میں کہاں جاؤں، میرا تو کوئی ہے ہی نہیں، اس وقت ابوحذیفہ کے دل میں بات آئی کہ پہلے بیوی نے رحم کیا تھا اور اس کو خرید لیا تھا، اب اس نے آزاد کیا ہے تو میں اسے کیوں دور جانے دوں، چنانچہ ابوحذیفہؓ کہنے لگے: میں آج سے آپ کو اپنا منہ بولا بیٹا بناتا ہوں، اب اس کا نام سالم بن حذیفہ پڑ گیا، اس نے کلمہ بھی پڑھ لیا، اس کے بعد اس کا اکثر و بیشتر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرتا، وہاں رہتے ہوئے اس نے قرآن مجید کا علم سیکھنا شروع کر دیا، سالم بن حذیفہؓ نے اتنا علم سیکھا کہ جب مہاجرین نے مدینہ طیبہ ہجرت کی تو مدینہ کے لوگوں کو امامت کے لئے اپنے سے بہتر قرآن پڑھنے والا اس سالم بن حذیفہ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا، کتابوں میں لکھا ہے کہ عمر بن خطابؓ بھی موجود ہوتے تھے اور ان کی موجودگی میں ان کو مصلے کے اوپر امامت کے لئے

کھڑا کیا گیا۔

اور جب یہودی سالم بن حذیفہ کو مصلے پر کھڑا دیکھتے تو حیران ہو جاتے، سلام بن جبیر بھی ادھر آ نکلا، جب اس کی نظر سالم بن حذیفہ پر پڑی تو فوراً پہچان گیا کہ یہ تو وہی بچہ ہے جس کو کوئی خریدتا نہیں تھا، میں نے شام سے اتنے تھوڑے داموں میں اسے خریدا، مدینے میں آ کر مصیبت میں پھنس گیا، کوئی لیتا نہیں تھا، اسے تو کوئی منہ بھی نہیں لگاتا تھا، گری پڑی چیز کے مانند تھا، کوئی اس کی قیمت نہیں تھی، یہ بچہ اب مسلمانوں کا امام ہے!!!

جب اس نے پوچھا کہ تم نے اس کو اپنا امام کیوں بنایا؟ تو جواب ملا:

''ہم میں سے اس نے اللہ کے قرآن کو زیادہ بہتر سیکھا ہے''

یوں علم انسان کو غلامی کے گھڑے سے نکال کر امامت کے مصلے پر کھڑا کر دیا کرتا ہے۔

(انساب الاشراف ۳/ ۲۶۲-الاستیعاب ۱/ ۱۶۹-الاصابۃ ۳/ ۱۴)

استاذ سے بھرپور مناسبت پیدا کیجئے

سیدنا عمر بن خطابؓ نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر بارش ہو رہی ہے، آپ ﷺ کے جہاں قدم مبارک ہیں وہاں ابو بکر صدیقؓ کا سر ہے، بارش کا جو پانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آ رہا ہے وہ سارا کا سارا ابو بکر صدیقؓ پر آ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے بھی اپنے آپ کو قریب کھڑے دیکھا، عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ سے چھینٹیں اڑ کر میرے اوپر پڑ رہے ہیں اور میں بھی بھیگا چلا جا رہا ہوں، صبح اٹھے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے رات خواب میں یہ چیزیں دیکھی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: عمر! یہ علوم نبوت تھے جو بارش کی طرح میرے اوپر برس رہے تھے، صدیقؓ کو چونکہ میرے ساتھ کمال مناسبت

نصیب ہے اس لئے وہ مجھ سے سب سے زیادہ کمالات پا رہے ہیں اور اس کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے تم بھی ان علوم کو حاصل کر رہے ہو۔

بے ادبی پر علم سے محرومی

حضرت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میری بڑی گھر والی کہیں جانے لگیں اور مجھے کہہ گئیں کہ گھر میں مرغیاں پالی ہوئی ہے تو ان کو اپنے وقت پر دانا پانی ڈال دیجئے گا، میں نے کہا بہت اچھا، فرماتے ہیں کہ میں وہ بات ہی بھول گیا، اب میں تفسیر (بیان القرآن) لکھنے جو بیٹھا تو کوئی مضمون وارد نہیں ہو رہا، اللہ سے توبہ کی بڑی دعائیں مانگیں مگر طبیعت میں کوئی انشراح ہی نہیں ہو رہا، آمد کا سلسلہ بالکل بند تھا، کافی دیر کے بعد فرمانے لگے کہ ہو نہ ہو، کوئی مجھ سے ایسی کوتاہی ہوئی، گناہ ہوا جس کی وجہ سے روز مجھ پر علم آتا تھا، اللہ نے مجھے اس معرفت سے آج محروم کر دیا، کہنے لگے: میں بیٹھ کر سوچنے لگا تو اچانک مجھے خیال آیا کہ اوہو! میں نے مرغیوں کو آج دانا بھی نہیں ڈالا، فرماتے ہیں: میں اٹھ کر فوراً گھر گیا، مرغیاں بھوکی پیاسی تھیں، میں نے دانا ڈالا، ان کو پانی دیا، جب مرغیوں نے وہ پانی پیا اور دانا کھایا، اللہ نے مضامین پھر وارد کرنے شروع کر دیے اور پھر میں نے آ کے اللہ کے قرآن کی تفسیر لکھی، اگر مرغیوں کو تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کے علم کو روک لیتے ہیں، جو اپنی بیوی کا دل دکھائیگا وہ اللہ کی معرفت کیسے پائیگا؟

(برکات دعا ۱۷۰)

طلب علم کے ساتھ گھر والوں کا خیال

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنی بستی سے جب دار العلوم میں پڑھنے کے لئے آتا تو سردی کی راتوں میں امتحان کے قریب ذرا دیر تک پڑھنا ہوتا تھا، تیاری کرنی ہوتی تھی، جب میں واپس لوٹ کر آتا تو گھر کے سارے لوگ سوئے ہوئے ہوتے تھے، امی

اٹھتی اوراس وقت مجھے کھانا گرم کرکے دیتی تو میں امی کی منت سماجت کرتا کہ آپ کیوں سردیوں میں اٹھتی ہیں؟بس آپ کھانا رکھ دیا کریں، میں خود ہی آکے کھالیا کروں گا، بڑی مشکل سے امی کو میں نے منایا،فرماتے ہیں کہ جب میں آتا تو سالن جمع ہوا ہوتا، میں اس کے اوپر سے جمی ہوئی تہہ ہٹادیا کرتا تھا اور ٹھنڈا کھانا کھا کر گزارا کرلیتا،لیکن میں اپنی تعلیم میں حرج نہیں آنے دیتا،اب دیکھو!جن بچوں کے اندر بچپن،لڑکپن سے یوں علم کا شغف ہو، شوق ہو،طلب ہو، احساس ذمہ داری ہو اور وہ علم کے خاطر اس طرح اپنی ضرورتوں کو بھی قربان کریں، یہ وہ بچے ہوتے ہیں جو اپنی جوانی میں آسمان علم پر ستارے بن کر چمکا کرتے ہیں، پھر ایک وقت آیا،اللہ رب العزت نے اس بچے کو مفتی اعظم پاکستان بنادیا۔

(متاع وقت اور کاروان علم ۲۴۷)

طلبۂ حدیث پرنور کی کرنیں

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر،مواجہ شریف پر سلام کے لئے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہاں حدیث مبارکہ کا کوئی بھی طالب علم جب سلام پیش کرنے کے لئے پہنچتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے سورج کی کرنوں کی طرح نور کی شعائیں نکلتی ہیں اور اس حدیث کے طالب علم کے دل کو منور کردیتی ہیں۔

طلبہ کے لئے دو تحفے

اس عاجز کی طرف سے دو بات طلبہ بطور تحفہ سمجھیں۔

(۱).....اس عاجز نے بعض بزرگوں کا معمول پڑھا اور پھر اس کو آزما کر دیکھا کہ جس آدمی کو علم کے بارے میں شرح صدر نہ ہو رہا ہو، یعنی وہ پڑھتا ہو اور بھول جاتا ہو، اس کے لئے یاد رکھنا مشکل ہوتا ہو اور اس کی علم کے ساتھ مناسبت پیدا نہ ہو رہی ہو اور وہ اس امر

کو کرلے تو انشاء اللہ اسے شرح صدر نصیب ہوجائیگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ پوری رات یہ آیت پڑھتے گزار دی.... قل رب زدنی علما..... وہ اس آیت کو پوری رات دہراتے رہے، اسی مناسبت سے وہ عمل یہ ہے کہ جب طالب علم رات کو تہجد پڑھے اور اسے اس آیت سے آگے پیچھے کی اتنی آیت یاد ہو جس سے نماز کے اندر مسنون قرأت ہو سکے، پڑھ لے اور ہر رکعت میں اس آیت کو اپنے ذوق کے مطابق جتنی مرتبہ پڑھنا چاہے پڑھے، اس میں تعداد کی تعیین نہیں ہے، اگر وہ اس طرح تہجد میں اس آیت کا چند دنوں تک بار بار ورد کرے گا تو اسکی برکت سے اللہ تعالی اسے شرح صدر عطا فرمادیں گے اور اس کا سینہ علم کے لئے کھل جائیگا۔

(۲).....ایک دوسرا عمل بھی ہے کسی بزرگ نے اس عاجز کو اسکی اجازت دی تھی اور آج آپ لوگوں کو اس کی اجازت دے دیتے ہیں، فائدہ اٹھائیں۔

اکثر طلبہ اور طالبات کو حافظے کے کمزوری کی وجہ سے اسباق میں مشکل پیش آتی ہے، وہ خود یا ان کے ماں باپ روزانہ ہر نماز کے بعد سورۂ الم نشرح پڑھ کر ان کے سینے پر پھونک مار دیا کریں، اول آخر ایک ایک مرتبہ درود شریف بھی پڑھیں، اگر بچے سمجھدار اور بڑے ہوں تو جب بھی پڑھنے بیٹھیں، پیپر دینے بیٹھیں، لیکچر سننے بیٹھیں یا استاذ کا درس سننے بیٹھیں تو یہ پوری سورۃ پڑھ کر اپنے سینے پر پھونک مار دیں، جو آدمی اس کو اپنا معمول بنالے گا اللہ تعالی اس کا حافظہ قوی فرمادیں گے، اس عاجز نے اس عمل کو ہزاروں دوستوں پر آزمایا ہے۔

☐ ایک اسٹوڈنٹ نے بتایا کہ وہ ایک سال میٹرک میں فیل ہوگیا، پھر اس نے یہ عمل کسی محفل میں اس عاجز سے سنا اور اس نے باقاعدگی کے ساتھ اس پر عمل کرنا شروع کردیا، اگلے سال وہ پورے اسکول میں فرسٹ آیا، اسی طرح کسی محفل میں اس عاجز نے یہ عمل بتایا، کافی عرصہ کے بعد ایک طالبہ نے خط لکھ کر اپنے حالات بتائے اس نے لکھا کہ میں تو بڑی مشکل سے پاس ہوتی تھی میرے دل کی تمنا تھی کہ میں لیڈی ڈاکٹر بنوں، آپ سے

میں نے یہ عمل کسی محفل میں سنا اور عمل کرنا شروع کر دیا، کبھی بھی ناغہ نہیں ہوا، اب الحمدللہ میں نے امتحان دیا اور اب میں میڈیکل کالج میں پہنچ چکی ہوں۔

حدیث سے محبت کا مثالی انداز

یحییٰ بن معینؒ ایک محدث ہیں، جرح اور تعدیل کے یہ امام گنے جاتے ہیں، یعنی حدیث کے جو راوی ہوتے ہیں ان کی پرکھ کرنے میں اللہ نے ان کو خصوصی انعام دیا تھا، چنانچہ ایک دفعہ ان کو پتہ چلا کہ ایک محدث محمد بن فضل ہیں، ان کے پاس ایک حدیث ہے جو انہوں نے پہلے نہیں سنی ہوئی تھی، یہ ان کے پاس گئے دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے دروازہ کھولا تو دروازے میں کھڑے کھڑے انہوں نے ان سے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگے کہ میں آپ سے فلاں حدیث مبارکہ سننے کے لئے آیا ہوں، انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے زبانی بھی یاد ہے اور میں نے کتاب میں بھی لکھی ہوئی ہے، تو میں ابھی آپ کو کتاب لا کر سنائے دیتا ہوں تو جب وہ واپس لوٹنے لگے تو یحی بن معینؒ نے ان کا قمیص پکڑ لیا کہ حضرت! ایسا نہ ہو کہ آپ لینے جائیں اور اس دوران مجھے موت آجائے یا آپ کو آجائے، حدیث پہلے سنا دیں اسکے بعد پھر جا کے کتاب لے آنا میں حدیث دوبارہ پھر سن لوں گا۔

(شمائل ترمذی باب فی لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - امتاع الاسماع ۶/ ۲۸۱ - جمع الوسائل ۱/ ۱۱۲)

حضرت امام محمد بن سحنونؒ کا استغراق

محمد بن سحنون مالکیہ مذہب کے بڑے امام گزرے ہیں، ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، کھانا نہیں کھایا اپنے مطالعہ میں لگے ہوئے تھے، باندی تھی اس کا نام تھا ام مدام، وہ بار بار آ کے پوچھتی میں کھانا لے آؤں، میں کھانا لے آؤں، اور یہ کہتے تھوڑا صبر کرلو، صبر کرلو میں اور مطالعہ کرلوں، تو ایک مرتبہ پھر اس نے کہا کہ اگر آپ کے پاس کھانے کی فرصت نہیں

تو میں لقمے آپ کے منہ میں ڈال دیتی ہوں، کہنے لگے بہت اچھا، وہ لقمہ منہ میں ڈال دیتی چبا لیتے مگر مطالعہ کرتے رہتے، اس قدر مطالعے کے اندر (obsorve) تھے کہ جب صبح کے وقت مطالعہ ختم کیا اور ام مدام کو کہا کہ کھانا لاؤ تو اس نے کہا جناب کھانا تو میں آپ کو کھلا چکی کہنے لگے مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔

(قیمۃ الزمن ۴۰-ترتیب المدارک وتقریب السالک ۱/ ۲۸۴)

طلبہ کے لئے رہنماء مثال

امام ثعلبؒ کے بارے میں آتا ہے کہ یہ راستہ چلتے ہوئے بھی مطالعہ کیا کرتے تھے، سڑک کے کنارے چلتے تھے اور کتاب ہاتھ میں ہوتی تھی اور پڑھتے ہوئے چلتے تھے، ان کو ارد گرد کی ٹرافک کا اور لوگوں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا، ان کی وفات بھی ایسے ہوئی کہ مطالعہ کرتے کرتے جا رہے تھے، گھوڑے نے ٹکر مارا، آگے گڑھا تھا پتہ نہ چلا اور گڑھے کے اندر جا گرے اور بیہوش ہو گئے، اسی حال میں ان کو گھر لے گئے اور گھر پہونچ کر وفات ہوئی۔

(شذرات الذہب ۲/ ۲۰۷)

ابن جریر طبریؒ کا تصنیفی کارنامہ

امام ابن جریر طبریؒ ان کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اتنی کتابیں لکھیں کہ ان کے صفحات کی تعداد تین لاکھ اٹھاون ہزار تھی، تین لاکھ اٹھاون ہزار صفحے لکھ لینا آسان بات نہیں۔ اللہ اکبر کبیرا

ان کی ٹوٹل زندگی پر جب اس کا (divide) کیا گیا تو (per day) کی (eighteen Pages Average) بنے، اور اگر ابتدا کے پندرہ سولہ سال جو علم حاصل کرنے کے ہیں وہ نکال دیئے جائیں تو یہ (Averge Forty) سے اوپر چلی جاتی

ہے، اب ہم روزانہ ایک نئی کتب کے چالیس صفحے نہیں پڑھ سکتے وہ نئی کتاب کے چالیس صفحے لکھ دیا کرتے تھے، اب ذرا اسکو بیٹھ کے سوچیں تو پھر اندازہ ہوگا، آج تو دیکھئے لکھنے کے لئے ہمارے پاس ایسے پین ہیں کہ آپ صفحے کے اوپر سے شروع کریں تو نیچے تک اس کے مکمل ہونے تک اس کے اندر کوئی (Ink) ڈالنے کی ضرورت پیش نہیں آتی پین کو اٹھانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، اور ان کے پاس تو قلم اور دوات ہوتی تھی، ہر لفظ کیلئے ان کو دوات میں سے سیاہی لینی پڑتی تھی، پھر قلم خراب ہوجاتی تھی سیاہی کم ہوجاتی تھی، آج ہمارے پاس تو Air Condition Envirement) ہے ان کو تو گرمیوں کے اندر دھوپ کے اندر پسینے کی حالت میں بیٹھ کر لکھنا پڑتا تھا، آج ہمارے پاس بجلی کی نعمت ہے، ان کے پاس چراغون کی روشنی بھی مشکل ہوتی تھی، تو ان حالات میں ان (Resavrses) میں ان کا اتنے صفحات لکھ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی ہی انہوں نے زندگی کے ایک ایک منٹ کو صحیح طریقے سے گزارا ہوگا۔

(البدایہ والنہایہ)

(۲) شاگردوں نے کہا حضرت تفسیر لکھ دیں، فرمایا بہت اچھا اب انہوں نے تفسیر بیان کرنی شروع کردی، شاگردوں نے لکھنی شروع کردی، انہوں نے محسوس کیا کہ ایک ایک لفظ پر علم کے خزانے ہی کھلتے جارہے ہیں، اور وہ تو لکھ لکھ کے تھک جاتے تھے تو انہوں نے پوچھا کہ حضرت کتنی بڑی تفسیر ہوگی؟ فرمایا تیس ہزار صفحات کی، تو جب دو چار مہینے انہوں نے لکھا تو شاگردوں نے ہاتھ جوڑے کہ تیس ہزار صفحات نہیں لکھے جاتے، چنانچہ (Negotiate) کریں انہوں نے کہا کہ اچھا میں اس کو بہت مختصر کرتا ہوں، چنانچہ انہوں نے سات ہزار صفحات کی تفسیر لکھوائی اور اس کو لکھنے میں ان کو سات سال لگ گئے۔

(البدیہ والنہایہ ۱۱/ ۱۶۵-المنتظم ۲/ ۱۷۱-تاریخ بغداد ۲/ ۱۶۳-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۳/ ۱۲۲)

ابن جوزیؒ کے حالات

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا، اور اپنی انگلیاں دکھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان انگلیوں سے میں نے دین کے اوپر دو ہزار کتابیں لکھی ہیں، ان کی دو باتیں بڑی عجیب ہیں، ایک تو یہ کہ لکھتے رہتے تھے اور جیسے ہی قلم خراب ہوتی تھی اور اسکو بنانے کا وقت آتا تھا، تو اس وقت میں ذکر شروع کر دیتے تھے کہ میرا قلم بنانے کا وقت بھی غفلت میں نہ گزرے، اب سوچیئے کہ یا تو لکھنے میں مصروف ہے اور جیسے ہی قلم بنانے لگتے تو ذکر میں مشغول ہوجاتے کہ میرے اس وقت میں بھی میرے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جائے، اور جو قلموں کا چورا تھا اس کو جمع کرتے رہتے تھے کئی من چورا بن گیا تھا تو وصیت فرمائی کہ جب مجھے موت آئے تو میرے غسل کا پانی اس سے گرم کیا جائے۔

(سیر اعلام النبلاء ۲۱/ ۳۷۰-مطالعہ کی اہمیت ۴۰۳)

ایک وقت میں دو کام

حاکم شہید صاحب حنفی (المتوفی ۳۳۴ھ) کے پاس لوگ ملنے کے لئے آتے تھے تو وہ اپنی لکھائی جاری رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ بھئی آپ بات کرتے رہو میں آپ کی بات بھی سنتا رہوں گا، ایک وقت میں دو کام کیا کرتے تھے۔

الانساب للسمعانی ۳/ ۴۷۷

علامہ ابن عقیلؒ کا علمی ولولہ

علامہ ابن عقیلؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ اسی سال کی عمر میں ان کو علم حاصل کرنے کا اتنا شوق تھا کہ بیس سال کے نوجوان ان کے پاس بیٹھ کر شرمندہ ہوا کرتے تھے،

وہ کتاب کا مطالعہ کرتے تھے اور روٹی جو آتی تھی اسکو پانی میں بھگو کر رکھ دیتے تھے، تو شاگرد نے پوچھا کہ حضرت! یہ روٹی بھگو کر کیوں کھاتے ہیں، فرمانے لگے کہ چبانے میں وقت کم لگتا ہے جلدی کھا لیتا ہوں اور کھانے کا وقت بچا کر اسکو بھی مطالعے میں لگا لیتا ہوں، انہوں نے ایک کتاب لکھی الفنون جسکی آٹھ سو جلدیں بنیں، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو قریب طلبہ تھے تو فرمانے لگے کہ میں نے پوری زندگی وعظ ونصیحت میں گزار دی، اب مجھے میرے اللہ کے ساتھ تخلیہ دے دو چنانچہ ان کو بھیج دیا اور وہ ذکر کرتے کرتے اپنے پروردگار کے پاس پہنچ گئے۔

(طبقات الحنابلہ ۱/۵۸-مطالعہ کی اہمیت ۲۶۷)

فضیل بن عیاض کا محاسبہ

فضیل بن عیاضؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر ہفتے میں جتنی گفتگو کرتے تھے وہ لکھتے تھے اور پھر جمعہ کے دن اس کا حساب لگاتے تھے اس ہفتے میں میرا نامۂ اعمال کیسا اللہ رب العزت کے حضور میں پہنچا ہوگا، ہم تو ایک دن کی گفتگو نہیں لکھ سکتے اتنا بولتے ہیں، وہ کتنا کم بولتے ہوں گے کہ ہفتے بھر کی گفتگو لکھتے تھے، یہی نہیں وہ پھر اسی مطالعے میں ہی وقت گزار دیتے تھے۔

علامہ ضیاء المقدسیؒ کا قیام لیل

ضیاء المقدسیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ درس حدیث بھی دیتے تھے اور جب رات آتی تھی تو تین سو رکعت نفل تہجد کی بھی پڑھا کرتے تھے، تین سو رکعت آج ہمارے لئے چار رکعت پڑھنی مشکل ہوتی ہے، رمضان المبارک میں اگر دس بیس رکعت کبھی کوئی پڑھ لے تو پھر اسے اپنے گھٹنوں کا احساس ہوتا ہے کہ اس میں کتنی جان ہے، میں اپنے

دوستوں سے کہتا ہوں کہ بیس رکعت نفل پڑھ لوتو پھر آخری رکعت میں سمع اللہ کے بجائے اوی اللہ نکل رہا ہوتا ہے، اتنا مطالعہ اور اس کے ساتھ تین سو رکعت نفل رات کو پڑھا کرتے تھے۔

(اکابر کا مقام عبادت ۳۱۱)

سبق کی اہمیت

امام ابو یوسفؒ کا چھوٹا بیٹا فوت ہوگیا تھا اللہ کی شان کہ عین یہی وقت تھا کہ جب وہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا فقہ کے اوپر درس سنا کرتے تھے اور لکھا کرتے تھے، اب ان کو فکر لاحق ہوئی چنانچہ انہوں نے اپنے بھائیوں سے منت سماجت کر کے کہا کہ بھئی جنازہ یہاں پڑھ لو اور تدفین آپ لوگ جا کے کر دینا میں نہیں چاہتا کہ میرے استاذ کے سبق کا میرا ناغہ ہو جائے۔

(آداب المتعلمین ۶۴-طلبہ کے لئے تربیتی واقعات ۱۲۴)

علامہ منذریؒ کی حدیث سے محبت

ابن شاہین، حافظ منذریؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے بیٹے کی وفات ہوگئی، حدیث کا درس دیتے تھے، فرمایا کہ بھئی جنازہ یہاں پڑھ لیتے ہیں اور اسکے بعد میں حدیث کا درس دوں گا، چنانچہ مدرسے کے دروازے تک جنازے کے ساتھ گئے سنت کی نیت سے، رخصت کیا اور رخصت کرتے وقت آنکھوں میں سے آنسو آ گئے، کہنے لگے حدیث کا درس مجھے روک رہا ہے کہ میرے معمول میں کہیں فرق نہ آجائے، آج تو پڑھانے والے حضرات اگر تین اسباق پڑھائیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا تیر مار لیا۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۸/ ۲۶۰)

امام آلوسیؒ ایک مثالی مدرس

علامہ آلوسیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ روزانہ تیرہ اسباق پڑھاتے تھے، اوران کی زندگی کے دن بعض ایسے بھی گزرے کہ انہوں نے چوبیس اسباق روزانہ پڑھائے۔

(مطالعہ کی اہمیت ۳۸۲-قیمۃ الزمن ۸۱)

مجدالدین ابن تیمیہ کا زمانۂ طالب علمی

علامہ ابن تیمیہؒ اپنے زمانۂ طالب علمی میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر تکرار کرتے تھے علم پڑھتے تھے تو اگر انہیں بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آتی تو اپنے دوستوں سے (Request) کرتے کہ آپ ذرا اونچے آواز سے تکرار کریں کہ میں بیت الخلاء جا کر اپنی زبان سے کچھ بول تو نہیں سکتا مگر کم از کم میں آپ کی آواز سنتا ہی رہوں گا مجھے بھی تکرار میں حصہ مل جائیگا، بیت الخلاء کے وقت میں بھی مجھے مطالعے کے لئے وقت مل جائے۔ اللہ اکبر

(ذیل طبقات الحنابلہ ۱/ ۲۸۵-الترجمۃ الذہبیۃ لاعلام آل تیمیۃ ۱۵)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

راہِ علم میں ادب کے فوائد

اساتذہ کے ادب کی عجیب مثالیں

(۱) ''شرح الطریقة المحمدیة'' میں لکھا ہے کہ جس وقت امام حلوانیؒ بخارا سے دوسری جگہ تشریف لے گئے تو امام زرنوجیؒ کے علاوہ اس علاقہ کے تمام شاگرد سفر کر کے ان کی زیارت کو گئے، مدت کے بعد امام زرنوجیؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے غیر حاضری پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے معذرت پیش کی کہ ماں کی خدمت کی وجہ سے نہیں آسکا، اس وقت امام حلوانیؒ نے فرمایا کہ آپ کو عمر لمبی نصیب ہوگی، مگر درس نصیب نہیں ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(تعلیم المتعلم ۲۴ مطبوعہ دیوبند)

(۲) شاہ عبدالرحمن محدث پانی پتیؒ اپنے زمانۂ طالب علمی میں پانی پت سے سہارنپور پہنچے، رخصت ہوتے وقت سب اساتذہ سے اچھی طرح ملے، مگر ایک استاذ جن سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ان سے نہ مل سکے، جب سہارنپور پہنچ کر کتابیں شروع کیں تو سبق یاد کرنے میں مشکل پیش آئی، کئی دن اسی پریشانی میں گزر گئے، ایک دن خیال آیا تو انہوں نے فوراً اپنے استاذ کو معذرت نامہ لکھ بھیجا، استاذ نے جواب میں لکھا کہ جب آپ دوسرے سب اساتذہ سے مل کر گئے اور مجھے نہ ملے تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید

آپ مجھے چھوٹا سمجھتے ہوئے نظر انداز کر گئے ہوں، اب آپ کے معذرت نامہ سے مجھے شرح صدر حاصل ہوا، میں آپ کے لئے دعا گو ہوں، جیسے ہی یہ خط آپ کو ملا آپ کو ذہنی سکون نصیب ہوا، اس کے بعد آپ کو سبق یاد کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

آداب المتعلمین ۳۱

(۳) حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے علم حدیث کی سند حضرت حاجی محمد افضل صاحبؒ سے حاصل کی تھی، مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ تحصیل علم سے فراغت کے بعد حاجی صاحب نے اپنی کلاہ جو پندرہ برس تک آپ کے عمامہ کے نیچے رہ چکی تھی، مجھے عنایت فرمائی، میں نے رات گرم پانی میں وہ ٹوپی بھگو دی، صبح تک وہ پانی جو املتاس کے شربت سے زیادہ سیاہ ہو گیا تھا، میں اس کو پی گیا، اس پانی کی برکت سے میرا دل ایسا روشن ہو گیا کہ کوئی کتاب مشکل نہ رہی۔

آداب المتعلمین ۳۶

(۴) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ایک مرتبہ درسِ حدیث دے رہے تھے کہ ایک مقام کو حل کرنے میں مشکل پیش آئی، کافی دیر غور وخوض کرنے کے بعد کوئی نکتہ یاد نہ آیا، طلبہ انتظار میں تھے، حضرت نے فرمایا کہ عزیز طلبہ مجھے اس مقام کو حل کرنے میں دقت پیش آ رہی ہے، آپ تھوڑی دیر انتظار کریں، میں فلاں استاذ (جو حضرت کے شاگرد رہ چکے تھے) سے پوچھ کر آتا ہوں، طلبہ حیران تھے کہ اتنے جلیل القدر استاذ کی بے نفسی کا یہ عالم.....! حالانکہ چاہتے تو اس بات کو اگلے دن پر بھی مؤخر کر سکتے تھے، مگر خلوص وللّٰہیت بھی عجیب نعمت ہے، جب حضرت کمرہ سے نکل کر دوسرے استاذ کے دروازہ پر پہنچے تو وہ دیکھتے ہی باہر آ گئے اور پوچھا کہ حضرت آپ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا مولانا مجھے ایک مقام پر بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، میں نے سوچا کہ آپ سے پوچھ لوں، وہ بھی آپ کے صحبت یافتہ تھے، انہوں نے کتاب ہاتھ میں لے کر بات یوں شروع کی، حضرت! جب میں نے یہ

کتاب آپ سے پڑھی تھی تو اس وقت آپ نے اس سوال کا جواب یوں دیا تھا، یہ الفاظ کہہ کر مشکل مقام کا حل تفصیل سے بیان کر دیا۔

خدمت استاذ کی برکتیں

حضرت حماد بن سلمہؒ کی ہمشیرہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ہمارے گھر کی روئی دھنتے تھے اور ہمارا دودھ، ترکاری خرید کر لاتے تھے اور اس طرح کے بہت سے کام کیا کرتے تھے، حضرت حمادؒ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ تھے، اس وقت کیا کوئی سمجھ سکتا تھا کہ حماد بن سلمہؒ کے گھر کا یہ خدمت گار شاگرد تمام عالم کا مخدوم بنے گا۔

(آداب المتعلمین ۳۹)

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے بیٹے کو حضرت اصمعیؒ کی خدمت میں تربیت کے لئے بھیجا، ایک دن جب ملنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ شہزادہ پانی ڈال رہا ہے اور حضرت اصمعیؒ وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں دھو رہے ہیں، ہارون رشید نے اصمعیؒ سے کہا کہ میں نے تو بیٹے کو تربیت کے لئے بھیجا تھا، اگر آپ اس کو ادب سکھاتے تو کتنا اچھا ہوتا، حضرت اصمعیؒ نے کہا کہ یہ پانی تو ڈال رہا ہے، ہارون رشید نے کہا کہ حضرت آپ اسے حکم فرماتے کہ یہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے پاؤں دھوتا۔

(تعلیم المتعلم ۲۴-آداب المتعلمین ۳۹)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ ان کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں مہمان زیادہ آ گئے، بیت الخلاء ایک ہی تھا، مہمانوں کا کئی دن قیام رہا، حضرت مدنیؒ روزانہ رات میں آ کر بیت الخلاء صاف کر جاتے اور صبح کے وقت مہمانوں کو بیت الخلاء بالکل صاف ملتا۔

(آداب المتعلمین ۴۰)

ان ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت مدنیؒ اپنے شیخ محمود الحسنؒ کے ساتھ مالٹا کی جیل

میں تھے کہ سردیوں کا موسم شروع ہوگیا، حضرت شیخ الہندؒ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو پانی بہت زیادہ ٹھنڈا ہوتا، حضرت مدنیؒ نے یہ طریقہ سوچا کہ رات کو سوتے وقت برتن میں پانی بھر لیتے اور سجدہ کی حالت میں سو جاتے، جب کہ برتن کو اپنے پیٹ اور بازوں کے درمیان رکھ لیتے، پانی چونکہ ہر طرف سے ڈھانپ لیتے، لہٰذا جب تہجد کا وقت ہوتا تو وہ پانی نیم گرم حالت میں ہوتا، یہ پانی وضو کیلئے اپنے استاذ کو پیش کرتے، کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا، ایک دن تھکاوٹ ایسی تھی کہ حضرت مدنیؒ پر نیند غالب آ گئی، جب تہجد کے لئے اٹھے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کروانا پڑا، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ کیا پانی وہیں سے لائے ہو، جہاں سے پہلے لاتے تھے، حضرت مدنیؒ نے عرض کیا کہ آج مجھ سے غفلت ہوئی، رات کو بھر کر نہیں رکھ سکا، تب شیخ الہندؒ کو یہ راز معلوم ہوا کہ شاگرد اپنے استاذ کو گرم پانی مہیا کرنے کی خاطر ساری رات سجدہ کی حالت میں گزار دیا کرتا تھا۔

قاضی امام فخر الدین ارسابندیؒ شہر ''مرو'' کے امام الائمہ تھے، بادشاہ ان کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا، قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے استاذ قاضی امام ابو یزید دبوسیؒ کی بہت خدمت کرتا تھا، میں نے تیس برس ان کا کھانا پکایا اور اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا، استاذ کی اس خدمت کی وجہ سے مجھے یہ رتبہ ملا کہ بادشاہ میرے ساتھ ادب و تعظیم سے پیش آتا ہے۔

(آداب المتعلمین ۳۹-تعلیم المتعلم ۲۳)

کتابوں کا ادب

ایک عالم نے دو طالب علم کو دو حال میں پایا، ایک تکیہ کا سہارا لیکر مطالعہ کر رہا تھا اور دوسرا دو زانوں مستعد بیٹھا کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور کچھ کاغذ پر لکھتا جا رہا تھا، استاذ نے یہ ماجرا دیکھ کر اول کی نسبت فرمایا: **انه لا یبلغ درجة الفضل** (یہ فضیلت کے درجہ کو نہیں پہنچے گا) اور دوسرے کے متعلق فرمایا: **سیحصل الفضل و یکون له شأن فی العلم** (یہ

عنقریب فضل حاصل کریگا اور اسکے علم میں بڑی شان ہوگی) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(آداب المتعلمین ۴۳)

امام حلوانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس علم کو تعظیم کے ذریعہ حاصل کیا، حتی کہ سادہ کاغذ بھی بغیر وضو کے ہاتھ میں نہیں لیا کرتے تھے۔

(آداب المتعلمین ۴۳-تعلیم المتعلم ۲۴)

ساتھیوں کا ادب

حضرت ابوالحسن نوریؒ اور ان کے دو ساتھیوں کو حکومت وقت نے قید کرلیا اور ان کے قتل کا فیصلہ کردیا، جب تینوں حضرات کو جلاد کے سامنے پیش کیا گیا، تو ابوالحسن نوریؒ آگے بڑھے اور جلاد کے قریب ہوگئے، حاکم نے پوچھا کہ آپ نے جلد بازی کیوں کی؟ فرمایا: میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ جلاد جتنی دیر میں مجھے قتل کرے گا اتنے لمحے میرے ساتھیوں کو زندہ رہنے کا موقع مل جائیگا، حاکم یہ سن کے حیران ہوا اور اس نے تینوں کو رہا کردیا۔

(ایقاظ الہمم شرح متن الحکم ۱/ ۲۳۲-ترتیب المدارک وتقریب المسالک ۱/ ۳۰۸)

طلبہ کی برکت

حضرت مولانا عبدالرحمن پانی پتیؒ کے متعلق ان کے استاذ مولانا شاہ محمد مہاجر مکیؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کے الفاظ تو میں ان کو پڑھاتا ہوں مگر حدیث کی روح مجھے خود ان سے حاصل ہوتی ہے۔

آداب المتعلمین ۶۵

ہدیہ لینے میں احتیاط کرنا چاہئے

(۱) خطیبؒ نے کفایہ میں نقل کیا ہے کہ مشہور حافظ حدیث حماد بن سلمہ کا

ایک شاگرد کافی امیر تھا، اس نے ایک مرتبہ آپ کو کافی چیزیں بطور ہدیہ پیش کیں، حضرت حمادؒ نے فرمایا دو باتوں میں سے ایک کو قبول کرلو، چاہو تو آپ کے یہ تحائف قبول کرلوں، مگر آج کے بعد تمہیں حدیث نہیں پڑھاؤنگا، اور اگر چاہتے ہو کہ تمہیں حدیث پڑھاؤں، تو پھر یہ ہدیہ قبول نہ کرونگا۔

(الکفایہ ۱۵۳)

☜ (۲) ابوعبدالرحمن سلمیؒ کی خدمت میں عمر بن حریثؒ نے کچھ اونٹ بطور ہدیہ پیش کئے، انہوں نے یہ کہہ کر واپس کردئے کہ ہم نے تمہارے لڑکے کو قرآن پڑھایا ہے، کتاب اللہ پر اجرت لینا مناسب نہیں۔

(آداب المتعلمین ۳۹-تعلیم المتعلم ۲۳)

☜ (۳) حدیث کے مشہور راوی زکریا عدیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ ان کی آنکھیں دکھنے لگیں، ایک شخص سرمہ لے کر حاضر ہوا، پوچھا کیا تم مجھ سے حدیث پڑھتے ہو، اس نے کہا جی ہاں! فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں حدیث پڑھانے پر اجرت لوں؟

(سیر اعلام النبلاء (مشکول) ۱۹/ ۴۳۸)

☜ (۴) ایک مرتبہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ نے حضرت حکیم الامت سے عرض کیا کہ حضرت تنخواہ لینے میں میری طبیعت کو الجھن ہوتی ہے، یہ تو صاف دین فروشی ہے، حکیم الامتؒ نے جواب دیا کہ تنخواہ لینی چاہئے، کیونکہ اس سے طبیعت پر بوجھ رہے گا کہ کام اچھی طرح کرنا چاہئے، مولانا نے عرض کیا، یہ تو ہوئی مصلحت، مگر اس ضرر کا کیا علاج ہے کہ اسمیں دین فروشی ہے، حکیم الامتؒ نے جواب دیا کہ تنخواہ میں دین فروشی ہے یا نہیں، اس کی بہترین پہچان یہ ہے کہ اگر کسی جگہ گزارہ کی تنخواہ ملتی ہے مگر کسی جگہ زیادہ کی صورت نظر آئی، مگر دینی خدمت کا موقع زیادہ نہیں، تو اگر پہلی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائیگا تو دین فروشی ہوگی۔

(۵) حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ ریاست بھاولپور میں بہت زیادہ مشاہرہ پر کام کر رہے تھے، حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ بانیٔ جامعہ اشرفیہ نے خط لکھا کہ حضرت آپ امیروں کی بریانی تو کھاتے رہتے ہیں، ہم فقیروں کی دال قبول فرمایئے، حضرت کاندھلویؒ نے بغیر کسی تفصیل معلوم کئے وہاں استعفیٰ پیش کیا اور بقیہ زندگی جامعہ اشرفیہ میں دینی خدمت کرتے کرتے گزار دی۔

(۶) ریاست بہاولپور میں جب جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو نواب صاحب نے علماء کرام سے پوچھا کہ اس مدرسے کی آبادی کی کیا صورت ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کو ایک عالم باعمل کا نام بتادیں گے، آپ انہیں کام کے لئے یہاں لے آنا تو مدرسہ خود بخود آباد ہو جائے گا، نواب صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے، ہیرا آپ چنیں قیمت میں لگادوں گا، جب عمارت مکمل ہوگئی تو نواب صاحب نے پوچھا کہ کس عالم کو یہاں کا انتظام وانصرام سپرد کرنا ہے، علمائے کرام نے حضرت مولانا نانوتوی کا نام پیش کیا، نواب صاحب نے پوچھا کہ دیوبند میں کیا مشاہرہ لے رہے ہوں گے؟ جواب ملا دو یا تین روپے ماہانہ، نواب صاحب نے کہا کہ آپ وفد کی صورت میں جاکر انہیں دعوت دیں اور بتائیں کہ انہیں یہاں تعلم وتدریس کی ہر آسانی ہوگی، مزید برآں انہیں سو روپے ماہانہ مشاہرہ بھی پیش کیا جائے گا، علمائے کرام نواب صاحب کی اس فراخدلی پر بہت خوش ہوئے اور کچھ عرصہ کے بعد ایک وفد کی صورت میں دیوبند حاضر ہوئے، حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی خصوصیات نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیں، نواب صاحب کی دیندارانہ اور فیاضانہ طبیعت کا نقشہ بھی خوب کھینچا اور یہ بھی بتایا کہ وہاں جانے کی صورت میں آپ کو سو روپے ماہانہ مشاہرہ عطا کیا جائے گا، حضرت نانوتویؒ نے یہ سن کر جواب دیا کہ یہاں میرا مشاہرہ تین روپے ماہانہ ہے، دو روپے میرے گھر کا خرچہ ہے اور تیسرا روپیہ میں فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیتا ہوں، اگر میں بہاولپور چلا گیا اور مجھے سو روپے ماہانہ ملے تو دو روپے تو میرے گھر کے خرچہ کے ہوں گے اور بقیہ اٹھا

نوے روپے مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے کے لئے سارا دن اسی کام میں مشغول رہنا پڑے گا، پھر میں تعلیم وتدریس کا کام کیسے کروں گا؟ لہٰذا میں وہاں جانے سے معذور ہوں، علمائے کرام جواب سن کر لاجواب ہو گئے۔

مجالس حکیم الامت ص:۳۵۲-معارف الاکابر ص:۳۵۸

(۷) حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں ایک شخص نے ہدیہ پیش کیا آپ نے معذرت کر دی، اس نے بہت اصرار کیا لیکن حضرت نانوتویؒ بھی انکار کرتے رہے، جب اس نے دیکھا کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی تو واپس گھر جانے لگا، جب مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر حضرت نانوتویؒ کے جوتوں پر پڑی اس نے وہ تمام رقم حضرت کے جوتوں میں چھپا دی، دل میں یہ خیال تھا کہ جب حضرت گھر جانے کے لئے جوتے پہنیں گے تو رقم خواہ مخواہ قبول کرنا پڑے گا، جب حضرتؒ مسجد سے باہر نکلے اور رقم جوتے میں پڑی دیکھی تو حضرت مسکرائے اور فرمایا کہ جو آدمی دنیا کو دور دھکیلتا ہے دنیا اس کے جوتوں میں ذلیل وخوار ہو کر آتی ہے، پہلے یہ بات کتابوں میں پڑھتے تھے آج الحمدللہ آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔

ارواح ثلثہ ۲۸۳

اساتذہ کی شفقت کے واقعات

امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ دوسرا دیکھے تو سمجھے کہ یہ تمہاری اولاد ہیں، ایک عالم دین کے بیٹے نے ان کے کسی شاگرد کے ساتھ بدتمیزی کی تو انہوں نے غصے میں آکر فرمایا ''دیکھو! یہ میرے سینے کی اولاد ہے، جبکہ تم میرے پیشاب کی اولاد ہو''۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلباء سے بہت محبت والفت سے پیش آتے، ایک دفعہ مسجد کے صحن میں بیٹھے درس دے رہے تھے کہ اچانک زوردار بارش شروع ہو گئی، طلباء اپنی کتابوں کو پانی میں بھیگنے سے بچانے کیلئے جوتے وہیں چھوڑ کر گھروں کی طرف

بھاگ گئے، حضرت گنگوہیؒ نے اپنا رومال بچھایا اور تمام جوتوں کو اس میں رکھ کر گٹھڑی باندھی اور سر پر اٹھا کر اندر لے آئے، طلباء نے دیکھا تو ان کی چیخیں نکل گئیں کہ حضرت ہم خود ہی جوتے اٹھا لیتے آپ نے کیوں ایسا کیا؟ حضرت نے جواب دیا کہ جو لوگ **قال اللہ** اور **قال الرسول** پڑھتے ہوں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے۔

ارواح ثلاثہ ۳۲۱

☜ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علیؒ کا یہ حال تھا کہ جب طالب علم بیمار ہوتا تو اس کی قیام گاہ پر جا کر اس کی عیادت کرتے، مختلف طریقوں سے اس کی دلجوئی کرتے، اس زمانے میں دارالاقامہ نہیں بنا تھا اور طلباء مختلف مساجد اور مکانوں میں رہتے تھے۔

طلبہ کا مالی تعاون

☜ (۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کو ان کی والدہ نے کسب معاش کے لئے بھیجا، یہ حصول رزق کے لئے مختلف کام کرتے رہے، والدہ کا مشورہ یہ تھا کہ اگر کپڑے دھونے کا فن سیکھ لیں، تو کچھ گزر اوقات کے لئے بند وبست ہو جائیگا، ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے درس میں شریک ہوئے تو انہیں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا، والدہ صاحبہ کی طرف سے اصرار تھا کہ محنت مزدوری کر کے پیسہ کمائیں اور ان کا جی چاہتا تھا کہ علم حاصل کر کے عالم بنوں، انہوں نے سارا حال امام ابوحنیفہؒ کے گوش گزار کر دیا، امام صاحبؒ نے شاگرد رشید میں سعادت کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ آپ اس میں باقاعدگی سے آتے رہیں، ہم آپ کو کچھ ماہانہ وظیفہ دے دیا کریں گے وہ آپ اپنی والدہ کو دے دیا کریں، چنانچہ امام ابو یوسفؒ سارا مہینہ امام صاحبؒ کی مجلس درس میں شریک رہتے اور امام صاحبؒ اپنی گرہ سے کچھ وظیفہ کے طور پر پیسے دے دیتے جو امام ابو یوسفؒ اپنی والدہ کے سپرد کر دیتے، کافی عرصہ یہ سلسلہ

اسی طرح چلتا رہا، ایک دن امام ابو یوسفؒ کی والدہ کو پتہ چلا کہ بیٹا محنت مزدوری کی بجائے تحصیل علم میں مشغول ہے، تو وہ برافروختہ ہوئیں، بیٹے کو سمجھایا کہ تمہارے والد فوت ہو گئے ہیں، گھر میں کوئی دوسرا مرد نہیں جو کما سکے، لہٰذا تم اگر کوئی کام کاج کرتے تو اچھا ہوتا، بہتر تھا کہ کوئی فن سیکھ لیتے، امام ابو یوسفؒ نے یہ سب ماجرا امام صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیا، امام صاحبؒ نے کہا کہ اپنی والدہ سے کہنا کہ کسی وقت آ کر میری بات سنیں، چنانچہ امام صاحبؒ اپنی والدہ کو لے کر حاضر خدمت ہوئے، والدہ نے امام صاحبؒ کی خدمت میں وہی صورتحال پیش کی جو آپ پہلے سن چکے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں آپ کے بیٹے کو ایک فن سکھا رہا ہوں کہ جس سے یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ کھایا کرے گا، امام ابو یوسفؒ کی والدہ سمجھیں کہ شاید امام صاحبؒ خوش طبعی فرما رہے ہیں، تاہم خاموش ہو گئیں کیونکہ گھر کا خرچ تو وظیفہ کی وجہ سے چل ہی رہا تھا۔

(تاریخ بغداد ۱۴/ ۲۴۴-وفیات الاعیان ۶/ ۳۸۰)

(۲) جب امام ابو یوسفؒ نے تکمیل علم سے فراغت حاصل کر لی اور ابو یوسف امام بن گئے تو ان کے علم کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا، حکومت وقت نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا، تو انہوں نے علمی مشغولیات کی وجہ سے معذرت کر دی، البتہ امام ابو یوسفؒ کو فرمایا کہ وہ یہ عہدہ قبول کر لیں، امام ابو یوسفؒ وقت کے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) بن گئے، پورے ملک میں ان کی قبولیت عام ہو گئی، حکومت وقت نے یہ ذمہ لیا کہ کام کے دوران کھانے کا بندوبست حکومت کی طرف سے ہوگا، ایک دفعہ خلیفۂ وقت ان کو ملنے کے لئے آیا اور اپنے ہمراہ پیالے میں فالودہ لایا، جب امام ابو یوسفؒ کو پیش کیا تو کہا: حضرت! یہ قبول فرمائیں، یہ وہ نعمت ہے جو ہمیں کبھی کبھی ملتی ہے، مگر آپ کو روزانہ ملا کرے گی، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا یہ پستے کا بنا ہوا فالودہ ہے، امام ابو یوسفؒ حیران ہوئے کہ استاذ مکرم کی زبان سے نکلی ہوئی بات

من وعن پوری ہوگئی۔

(تاریخ بغداد ۱۴/ ۲۴۵-وفیات الاعیان ۶/ ۳۸۱)

(۳) محمد بن عیسیٰؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن مبارکؒ نے طرطوس سے شام کا سفر کیا تو راستے میں رقہ کی سرائے میں قیام فرمایا، وہاں آپ کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی، جس کی نیکی اور پرہیزگاری آپ کو پسند آئی، چنانچہ آپ نے معمول بنالیا کہ جب کبھی اس سرائے میں قیام پذیر ہوتے تو اس نوجوان سے ملاقات کرتے، ایک مرتبہ آپ رقہ میں قیام پذیر ہوئے تو نوجوان کو غیر حاضر پایا، جب لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ وہ کسی وجہ سے دس ہزار درہم کا مقروض ہوگیا تھا اور قرض خواہوں نے مل کر اسے جیل بھجوا دیا، آپ کو بہت افسوس ہوا، آپ نے قرض خواہوں کو بلایا اور دس ہزار روپے اپنی گرہ سے ادا کر دیئے اور یہ وعدہ لیا کہ وہ نوجوان کو یہ نہیں بتائیں گے کہ قرض کی رقم کس نے ادا کی ہے، جب نوجوان کو رہا کیا گیا اور بتایا گیا کہ کسی مسافر نے اس کا قرض ادا کر دیا ہے تو وہ بڑا حیران ہوا، جیل سے باہر نکلنے پر اسے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ شام کی طرف جارہے ہیں اور ابھی چند ہی دن پہلے اپنی اگلی منزل پر روانہ ہوئے ہیں، اس نوجوان کے دل میں ملاقات کا شوق موجزن ہوا، اس نے بھی کوشش کی اور اگلی منزل پر جا پہنچا، عبداللہ بن مبارکؒ سے ملاقات ہوئی، آپ نے خوشی خوشی اس سے پوچھا کہ رہائی کیسے ہوئی؟ اس نے بتایا کہ کسی نامعلوم آدمی نے اس کا قرض اتار دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اس نے تمہیں مصیبت سے نجات عطا فرمائی، عبداللہ بن مبارکؒ کی زندگی میں یہ واقعہ مخفی رہا، جب ان کی وفات ہوئی تو قرض خواہ نے پورا قصہ سنایا تب لوگ حیران ہوئے کہ عالم باعمل نے کس طرح اپنے شاگرد پر احسان کیا اور کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دیا۔

(تاریخ بغداد ۱۰/ ۱۵۹)

(۴) امام محمدؒ کے حالات زندگی میں ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ امام شافعیؒ کی مالی امداد کی اور فرمایا کہ اس میں عار محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، عراق کے زمانۂ قیام میں ایک بار امام شافعیؒ قرض کے سلسلے میں نظر بند کر دیے گئے، امام محمدؒ نے قرض خواہوں کا قرض ادا کر کے انہیں رہا کروایا۔

تاریخ الاسلام للذہبی ۱۴ / ۳۱۳-مناقب کردری مترجم ۵۲۴-الجواہر المضیئۃ

استاذ ناغہ نہ کریں

(۱) ربیع بن سلمانؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام شافعیؒ نے مجھ سے کہا کہ اگر میں تمہیں علم گھول کر پلا سکتا تو پلا دیتا۔

تاریخ الاسلام للذہبی ۲۰ / ۹۷

(۲) سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ طلباء میرے پاس آ کر علم حاصل نہ کرتے تو میں ان کے پاس جا کر انہیں علم پڑھاتا۔

(۳) حضرت قاری عبدالحلیم پانی پتیؒ کے ذمے بہت سے اسباق تھے، ایک مرتبہ چند طلباء نے سبع پڑھنے کی درخواست کی، فرمایا وقت نہیں، مگر تمہارے لئے کوئی صورت نکال لوں گا، آپ نماز ظہر کے بعد ہدایہ پڑھایا کرتے تھے، آپ کے شاگرد مختلف مساجد میں ظہر کی نماز پڑھ کر آتے اور ہدایہ کا درس سنتے تھے، آپ نے سبعہ کے لئے ظہر کے بعد اور ہدایہ سے پہلے کا وقت متعین فرما دیا، جب سبعہ کا درس شروع ہوا تو آہستہ آہستہ اور طلباء بھی شامل ہوتے گئے، حتی کہ مستقل جماعت بن گئی، کچھ دنوں کے بعد آپ نے فرمایا کہ وقت کی کمی کی وجہ سے سبق پورا نہیں ہوتا، لہٰذا عشاء کے بعد بھی آجایا کرو، طلبہ نے سبعہ پڑھنے کے لئے عشاء کے بعد بھی آنا شروع کر دیا، چار ماہ کے بعد آپ کو خیال ہوا کہ اگر کچھ مزید وقت دے دیا جائے تو رمضان المبارک سے

پہلے پوری کتاب مکمل ہوسکتی ہے، چنانچہ آپ نے طلبہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ رات کو میرے مکان پر سو جایا کریں، صبح تہجد کے وقت سے فجر تک کے درمیان سبعہ پڑھائیں گے، چنانچہ طلبہ نے عشاء کے بعد آپ کے گھر میں قیام کرنا شروع کر دیا اور رمضان المبارک سے پہلے کتاب مکمل ہوگئی، طلبہ کے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے اوقات کی قربانی دینے کی یہ عمدہ مثال ہے۔

کم کھانے کا فائدہ

امام بخاریؒ کو حکیم صاحب نے چیک کرنے کے بعد کہا کہ لگتا ہے کہ اس بندے نے کبھی مرچ کھائی ہی نہیں ہے امام صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت حکیم صاحب تو کہتے ہیں کہ آپ نے کبھی مرچ کھائی ہی نہیں، فرمانے لگے ہاں پچھلے سولہ سال گزر گئے، میں نے سولہ سال میں کبھی مرچ نہیں کھائی، انہوں نے پوچھا حضرت پھر کھاتے کیا ہیں؟ فرمانے لگے تین بادام یا سات بادام کھا لیتا ہوں، میرا روزانہ کا گزارہ اتنے پر ہی ہوجاتا ہے۔

چوبیس گھنٹے میں سات بادام یہ ان کی غذا تھی پھر اللہ کے یہاں قبولیت کیا ہوئی کہ آج بخاری شریف کو پڑھے بغیر کوئی بندہ عالم نہیں بن سکتا، کیا کام کر کے دنیا سے چلے گئے۔

کشادہ دل علماء کے واقعات

(۱).....حضرت امام شافعیؒ نے ایک بار نماز فجر امام ابوحنیفہؒ کے مقبرہ کے پاس ادا کی اور دعائے قنوت نہ پڑھی، جبکہ ان کے نزدیک قنوت نازلہ نماز فجر میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، جب اس سلسلہ میں آپ سے پوچھا گیا تو جواب دیا کہ اس کی بارگاہ

میں ہوں کیسے اس کی مخالفت کرسکتا ہوں۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص:۳۳۵-الانصاف للدہلوی ۱۱۰-الخلاصۃ فی احکام الاجتہاد ۲/۱۳۷)

(۲).....حضرت امام مالکؒ نے حدیث وافتاء کی بیش بہا خدمت کی اور مؤطا امام مالک جیسی گراں قدر کتاب لکھی، ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے اس کتاب کے چند نسخے بنوا کے دوسرے شہروں میں بھیجنے کا ارادہ کیا تا کہ لوگ ایک ہی فقہ پر عمل کریں اور اختلافات ختم ہو جائیں، امام مالکؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا ایسا نہ کریں، لوگوں تک بہت سی احادیث اور روایات پہنچ چکی ہیں اور ہر جگہ کے لوگ ان میں سے کچھ اپنا چکے ہیں، جو انہوں نے اختیار کرلیا، اس پر انہیں چھوڑ دیں، آپ کے اس اقدام سے مزید اختلافات بڑھیں گے، خلیفہ منصور نے یہ سن کر کہا: ابوعبداللہ! آپ کو اللہ تعالیٰ اور توفیق دے۔

(الانتقاء ۱/۴۱-ترجمۃ الائمۃ الاربعہ ۱/۵۸-سیر اعلام النبلاء ۸/۷۸-الفکر الاسلامی ۱/۳۳۶)

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے فقہی مسائل میں کافی اختلاف تھا، اسکے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علمی صلاحیتوں کے معترف رہتے تھے، قاضی عیاض المدارک میں فرماتے ہیں۔

''امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ایک روز میں نے مدینہ طیبہ میں امام مالکؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ امام مالکؒ اپنی پیشانی سے پسینہ پوچھ رہے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں ابوحنیفہؒ سے گفتگو کر کے پسینہ پسینہ ہو گیا، اے مصری! وہ واقعی فقیہ ہیں، اس کے بعد میں نے ابوحنیفہؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ امام مالکؒ نے آپ

کے متعلق کتنی اچھی بات کی ہے، آپ نے فرمایا کہ صحیح جواب اور بھرپور تنقید میں اس سے تیز خاطر آدمی میں نے نہیں دیکھا''۔

(ترتیب المدارک وتقریب السالک ۱/ ۳۶)

امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ

(۱).....امام احمد بن حنبلؒ کے بیٹے عبداللہؒ نے ایک دن پوچھا: والد محترم! شافعی کون ہیں؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بہت دعائیں کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: بیٹا! شافعیؒ پر اللہ کی رحمتیں ہوں، وہ اس دنیا کے لئے آفتاب اور انسانوں کے لئے خیر و برکت تھے، کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی عوض ہوسکتا ہے؟

(الانتقاء ۷۴، ۷۵)

(۲).....محدث یحییٰ بن معینؒ نے اپنی ایک ملاقات میں صالح بن امام احمدؒ کو کہا'' آپ کے والد شرماتے نہیں'' میں نے انہیں دیکھا ہے کہ امام شافعیؒ سواری پر ہیں اور یہ ان کی رکاب پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ سے بات پوچھی تو انہوں نے فرمایا: یحییٰ بن معینؒ سے ملاقات ہو تو کہنا کہ میرے والد کہہ رہے تھے اگر فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو آؤ اور دوسری طرف کی رکاب تم تھام لو۔

(الانتقاء ۷۵)

(۳).....امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا اور کسی حدیث کا مجھے علم نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ شافعی یہ کہتے ہیں، کیونکہ وہ قریش کے امام و عالم تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۸۲-ترجمۃ الائمۃ الاربعۃ ۱/ ۱۷۶-آداب الشافعی ص:۸۶)

(۴).....داؤد بن علی اصفہانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہؒ کو یہ

کہتے سنا کہ مکہ مکرمہ میں میری ملاقات امام احمد بن حنبلؒ سے ہوئی، انہوں نے کہا: آیئے میں آپ کو ایک ایسا آدمی دکھاؤں کہ آپ کی آنکھوں نے ویسا آدمی نہ دیکھا ہوگا، اس کے بعد انہوں نے امام شافعیؒ کو دکھایا۔

(دولۃ السلاجقۃ ۱/ ۴۵۸-مختصر تاریخ دمشق ۶/ ۴۳۲-الانتقاء ۱/ ۷۴-صفۃ الصفوۃ ۲/ ۲۵۰)

(۵).....امام شافعیؒ کو امام احمد بن حنبلؒ کی فضیلت اور علمی شہرت کا اعتراف تھا، ایک مرتبہ انہوں نے امام احمدؒ کو مخاطب کر کے کہا: تم لوگ حدیث و رجال کے مجھ سے بڑے عالم ہو، جب کوئی صحیح حدیث ملے تو مجھے بتاؤ خواہ وہ کوفی ہو، بصری ہو، یا شامی ہو، جو بھی صحیح حدیث ہوگی میں اسے اختیار کرلونگا۔

(ترجمۃ الائمۃ الاربعۃ ۱/ ۱۳۵-سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۳۳ و ۱۱/ ۲۱۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت زیدؓ میں علمی اختلاف

ان دونوں حضرت میں شدید علمی اختلاف تھا اس کے باوجود دونوں حضرات میں ادب واحترام کے عجیب مناظر دیکھے گئے، ایک بار حضرت زیدؓ کہیں سے تشریف لا رہے تھے تو ابن عباسؓ نے ان کی سواری کی رکاب تھام لی اور ساتھ ساتھ چلنے لگے، حضرت زیدؓ نے کہا: اے فرزند عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ رکاب چھوڑ دیں اور ایسا نہ کریں، حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ہمیں یہی سکھایا گیا کہ علماء اور بڑوں کی تعظیم کریں، اس پر زیدؓ نے کہا: آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں، حضرت ابن عباسؓ نے ہاتھ آگے بڑھایا تو حضرت زیدؓ نے چوم لیا اور فرمایا کہ ہمیں اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم ہے۔

(کنز العمال ۷/ ۳۷-عیون الاخبار ۱/ ۱۱۴-مختصر تاریخ دمشق ۳/ ۲۲۷-البدایہ والنہایہ ۸/ ۳۳۱)

جب حضرت زیدؓ کا انتقال ہوا تو ابن عباسؓ نے نہایت افسردہ لہجے میں کہا ''علم اس طرح رخصت ہوتا ہے'' دوسری روایت میں ہے کہ علم کا جانا اس طرح ہوتا ہے، آج علم کا

بہت زیادہ حصہ دفن ہو گیا۔

(تہذیب التہذیب ۳/ ۳۴۵-الطبقات الکبریٰ ۳/ ۳۶۱-المعرفۃ والتاریخ ۱/ ۲۵۹)

حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کا اختلاف

حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان قصاص عثمانؓ پر سخت اختلاف ہوا، حتی کہ بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے آپس میں جنگ بھی ہوئی۔

ایک آدمی نے حضرت علیؓ سے جنگ جمل کے مخالفین کے متعلق سوال کیا کہ وہ مشرک ہیں؟ آپؓ نے جواب دیا: نہیں، وہ شرک سے دور ہیں۔

اس نے پوچھا: کیا وہ منافق ہیں؟ آپؓ نے فرمایا کہ نہیں، منافق اللہ کو کم یاد کرتے ہیں، سائل نے پوچھا، پھر وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ ہمارے بھائی ہیں، جنہوں نے ہم سے اختلاف کیا۔

(سنن بیہقی ۸/ ۱۷۳، ۱۸۲-مصنف ابن شیبہ ۱۵/ ۱۵۵-البدایہ والنہایہ ۷/ ۳۲۱)

☆ ابوصالح نے کہا کہ ایک روز ضرار بن ضمرہ کنانی حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے، تو آپؓ نے فرمایا: ہم سے علیؓ کے کچھ اوصاف بیان کرو، انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین مجھے معاف رکھیں، آپ نے اصرار کیا، تو انہوں نے کہا:

''باخدا! وہ ایک بلند نظر دور اندیش اور طاقتور انسان تھے، ان کی بات فیصلہ کن اور حکم عادلانہ ہوتا تھا، ان کے اطراف وجوانب سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹتے تھے، دنیا کی رنگینیوں سے دور رہ کر رات کی تاریکیوں سے مانوس رہتے تھے، واللہ وہ بہت گریہ وزاری کرنے والے تھے، ہر وقت سوچ میں غرق رہتے تھے، اپنی ہتھیلیاں الٹتے پلٹتے اور اپنے آپ سے باتیں کرتے تھے، معمولی لباس اور معمولی کھانا پسند کرتے تھے۔

باخدا! وہ ہمیں اپنے جیسے آدمی نظر آتے، جب ہم ان کے پاس جاتے تو وہ ہمیں قریب رکھتے اور ہماری باتوں کا جواب دیتے، لیکن اتنا قریب ہونے کے باوجود انکا رعب

اتنا ہوتا تھا کہ ہم ان سے بات نہ کر سکتے تھے، وہ مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت نظر آتے، وہ دین داروں کی تعظیم کرتے، فقراء ومساکین سے محبت کرتے تھے، کوئی طاقتور آدمی ان سے غلط کام کروانے کی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور کوئی کمزور آدمی ان کے عدل سے مایوس نہ ہوتا تھا، میں خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ شب کی تاریکیوں میں انہیں میں نے دیکھا کہ محراب کے اندر اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اس بے چینی سے تڑپ رہے ہیں، جیسے انہیں کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو اور کسی غمزدہ اور ستم رسیدہ شخص کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں، مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے کہ ان کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے، اے میرے پروردگار! اے میرے پالنہار! اللہ تعالیٰ کے حضور وہ گریہ کرتے تھے اور دنیا سے مخاطب ہو کر فرمایا کرتے، تم میرے پاس آرہی ہو، تم مجھ پر نظریں جما رہی ہو، افسوس افسوس! جاؤ کسی اور کو دھوکا دو، میں نے تمہیں تین طلاقیں دے دی ہیں، اے دنیا تمہاری عمر مختصر، تمہاری محفل ذلیل وحقیر اور تمہارا فائدہ بہت کم ہے، آہ آہ آہ!! توشۂ راہ کتنا قلیل، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشتناک ہے۔

یہ سن کر حضرت امیر معاویہؓ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے، ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، جسے وہ آستین سے پونچھتے رہے، حاضرین مجلس کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی، حضرت امیر معاویہؓ نے کہا: ابوالحسنؒ ایسے ہی تھے، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

(مختصر تاریخ دمشق ۴/ ۳۴۴- مروج الذہب ۱/ ۳۴۴- الفتنۃ فی عہد الصحابۃ)

علوم عصریہ

مادی علم کی طاقت

جاپانیوں نے ایک ہنر متعارف کروایا جس کا نام،، کراٹے،، ہے، یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ اگر ایک دبلا پتلا لڑکا بھی کراٹے جانتا ہوتو وہ اچھے خاصے پہلوان کو زمین پر لٹا دیتا ہے، اس فن کا موجد جب بوڑھا ہوگیا اور بال سفید ہوگئے تو اس وقت اس نے بھینسے کے ساتھ فائیٹنگ کا مقابلہ کیا.... وہ کہتا تھا بندوں کے ساتھ کیا مقابلہ کرنا، یہ تو نازک ہوتے ہیں لہذا میں بھینسے کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوں .... اس نے بھینسے کے ساتھ مقابلہ کیسے کیا؟ وہ بوڑھا اپنے سر پر سرخ پٹی باندھ کر کھڑا ہوگیا، کیوں کہ جو لڑنے والے بھینسے ہوتے ہیں وہ سرخ رنگ کو دیکھتے ہیں تو وہ اس بندے کے پیچھے بھاگتے ہیں اور اس کو زمین سے اچھال کر اس کی ہڈیاں توڑ دیتے ہیں، جب وہ آدمی کھڑا ہوا تو وہ بھینسا بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا تو وہ تھوڑا سا ایک طرف ہٹ گیا اور جیسے ہی بھینسا آگے گذرنے لگا تو اس نے اپنے ہاتھ کو اس کے سینگ کے اوپر مارا تو بھینسے کا سینگ نکل کر گر گیا، اب بھینسا زخمی ہوگیا، زخمی بھینسے کو اور زیادہ غصہ آتا ہے، لہذا وہ چکر کاٹ کر دوبارہ زیادہ غصے کے ساتھ

آیا، جب وہ بوڑھے کے قریب آیا تو وہ دوسری طرف کو مڑ گیا اور اب اس کے دوسرے سینگ پر اپنا ہاتھ مارا جس سے دوسرا سینگ بھی نیچے گر گیا، جب بھینسے کے دونوں سینگ ٹوٹ گئے اور خون بہنے لگا تو اب اس کے غصے کی کوئی انتہاء نہ رہی، چنانچہ جب وہ تیسری دفعہ آیا تو گویا اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، اب کی بار جب بھینسا دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا تو پھر اس کے سامنے سے بوڑھا ذرا ایک طرف کو ہٹا اور اس نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر پورے زور سے اپنا ہاتھ مارا جس سے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ وہیں بیٹھ گیا اور اس کی جان نکل گئی، تین وار کر کے بوڑھے نے ایک بھینسے کو مار دیا .... یہ ایک مادی علم کی طاقت تھی جس کے بل بوتے پر اس نے اس فن کا مظاہرہ کیا..... اگر اس دنیاوی فن کا یہ اثر ہوسکتا ہے، تو اگر ہم علم الٰہی کو حاصل کریں اور اس میں پختگی حاصل کریں تو بیشمار نعمت حاصل کر سکتے ہیں۔

محمد علی کا مقابلہ

داؤ پیچ جاننے والا اگر وہ پتلا سا بھی ہو تو وہ موٹے بندے کو گرا کر مارتا ہے ....

مشہور ہے کہ محمد علی کلے جو بڑا باکسر تھا، اس کا ایک مکا معلوم نہیں کہ وہ کتنے ٹن کے وزن سے لگتا تھا، اس کے سامنے کوئی بندہ رنگ میں کھڑا نہیں ہوسکتا تھا، وہ مکا مار کر بندے کے بتیس دانت باہر نکال دیتا تھا، گویا اسکا لوہے جیسا مکا تھا وہ دنیا کا چمپئن کہلاتا تھا، ایک مرتبہ اس کا مقابلہ جاپان کے ایک کھلاڑی سے ہوا، اس کا نام انوکی تھا، انوکی دبلا پتلا تھا اور یہ موٹا تازہ تھا، انوکی نے بارہ راؤنڈ محمد علی کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا، ادھر پوری دنیا کا چمپئن کھڑا ہے اور دوسری طرف دبلا پتلا آدمی ہے، مگر انوکی داؤ ایسے جانتا تھا کہ اگر محمد علی اسکے قریب جاتا تو وہ اسکی ہڈی کو توڑ دیتا اس نے اپنے فن کی وجہ سے دنیا کے چمپئن کو بارہ راؤنڈ اپنے قریب بھی نہ آنے دیا..... ہمیں چاہئے کہ اپنے باطن کو اس قدر قوی اور مضبوط بنائیں کہ نفس

وشیطان ہمارے قریب بھی نہ آسکے۔

مقناطیسی دھاگے کے ذریعہ آپریشن

سعودی عرب میں ہمارے ایک واقف کار رہتے تھے، ان کا ایک اکلوتا بیٹا تھا، اسے پرندوں کے شکار کا شوق ہوا، انہوں نے اسے ایئر گن لے کر دیدی اب وہ نوجوان عصر کے بعد باہر نکلتا اور پرندوں کا شکار کرتا، وہ پرندوں کا شکار کرنے کے لئے نکلا اور اسنے چھرّے منہ میں ڈال لئے، وہ ایک ایک چھرّہ نکالتا اور ایئر گن کے اندر رکھ کر نشانہ باندھتا، اللہ کی شان کی ایک مرتبہ اس نے چھرّہ نکالنے کے لئے منہ کھولا تو ایک چھرّہ اسکی ہوا کی نال میں چلا گیا، اسے یہ تھوڑا عجیب تو لگا اور تکلیف بھی ہوئی، لیکن جب وہ اندر اتر گیا تو مطمئن ہو گیا کہ اب یہ پیٹ میں چلا گیا ہے، یہ نکل جائے گا، لیکن وہ پیٹ میں نہیں بلکہ پھیپھڑے میں گیا تھا، اور پھیپھڑا ہر وقت کھلتا اور بند ہوتا رہتا ہے، جب لوہے کی بنی ہوئی چیز پہنچی تو وہاں زخم ہونا شروع ہو گیا، اسے دس پندرہ دنوں کے بعد بخار ہونا شروع ہو گیا، ڈاکٹروں نے دوائیاں دیں مگر بخار نہ اترا، ڈاکٹر حیران تھے کہ دوائی اثر کیوں نہیں کر رہی، بالآخر انہوں نے کہا کہ اسکا جنرل چیک اپ کروائیں، چنانچہ جب اس کا الٹرا ساؤنڈ کیا گیا تو پتہ چلا کہ اسکے پھیپھڑے کے اندر لوہے کی بنی ہوئی کوئی چیز ہے، اب ڈاکٹروں نے آپریشن کروانے کو کہا، آپریشن بھی ڈبل ہوگا، پہلے پیٹ کھولیں گے پھر پھیپھڑے کو کاٹ کر اندر سے چھرّہ نکالیں گے، ڈاکٹروں نے یہ بھی بتایا کہ اسکی کامیابی کے چانس بہت تھوڑے ہیں، چونکہ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا، اس لئے اس نے رونا شروع کر دیا کہ میرے بیٹے کی جان کو خطرہ ہے، چنانچہ اس نے کچھ اور ڈاکٹروں سے مشورہ کیا، ایک ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ جدہ میں کنگ عبدالعزیز ہسپتال ہے، انہوں نے اینڈوگرافی ڈیپارٹمنٹ میں نئی نئی مشینیں منگوائی ہے، آپ وہاں لے جائیں، چنانچہ یہ وہاں پہنچ گیا، انہوں نے مریض کو آپریشن تھیٹر میں لٹایا اور انہوں نے تارکی

موٹائی کے برابر کوئی چیز ناک کے ذریعے سانس کی نالی میں داخل کی، اس تارکا سرہ مکھی کے سر کے برابر موٹا تھا، اس مکھی کے سر کے برابر جگہ میں لائٹ بھی تھی اور ویڈیو کیمرا بھی تھا، وہ اسے اندر ڈالتے رہے اور اسکرین پر اسکی تصویر دیکھتے رہے، جب انہوں نے اسکو اس دھاتی چیز (چھرّہ) کے ساتھ ٹرچ کر دیا تو پیچھے سے انہوں نے بٹن آن کر کے اسے مقناطیس بنا دیا، اب اسے مقناطیسی دھاگے نے پکڑ لیا، انہوں نے تین منٹ میں پھیپھڑے کے اندر پڑے ہوئے اس چھرے کو نکال کر باہر میز پر رکھ دیا، یہ کیا چیز ہے؟..... یہ مادی علم ہے..... مادی علم پر محنت کرنے والے اگر دھاگے کے ذریعہ اندر کے نقصان دہ مادہ کو نکال سکتے ہیں تو کیا اہل اللہ باطنی امراض میں مبتلا لوگوں کے رزائل کو نگاہ توجہ سے زائل نہیں کر سکتے؟

آنکھوں دیکھا حال

مجھے ۱۹۸۴ء میں امریکہ جانے کا موقع ملا وہاں پر ایک کانفرنس ہوئی جس میں وہاں کی کمپنیوں کو اپنے اپنے سامان کی نمائش کرنا تھی، وہاں ہمارے ایک دوست تھے، انہوں نے کہا، حضرت! اگر آپ بھی وہ نمائش دیکھنا چاہیں تو میں آپ کا بھی کارڈ بنوالیتا ہوں، میں نے کہا، بہت اچھا، چنانچہ انہوں نے انجینئر کی حیثیت سے میرا بھی کارڈ بنوادیا، اسطرح میرے لئے بھی وہاں پہنچنا آسان ہو گیا، اس زمانے میں وضع قطع میں ہم وہاں جاتے تھے تو لوگ سمجھتے تھے کہ شاید یہ کسی ملک کے بادشاہ ہیں، چنانچہ لوگوں نے ہمیں متعدد جگہ پر روک کر پوچھا کہ یہ کس ملک کے بادشاہ ہیں، ہمارے دوست شوق میں انکو کہہ دیتے تھے کہ روحانیت کی دنیا کے بادشاہ ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ،، روحانیت،، کسی ملک کا نام ہے، جب ہم اندر گئے تو وہاں تو ایک نئی دنیا تھی، ہم نے وہاں ایک بندے کو دیکھا، وہ سکرین کے پاس بیٹھا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ سڑک پر جتنی گاڑیاں چل رہی ہیں ہم ان چلتی گاڑیوں کی ڈگی میں پڑے ہوئے سامان کی تصویر آپ کو دکھا سکتے ہیں.... یہ

۱۹۸۴ء کی بات ہے، سنی سنائی بات نہیں کہہ رہا بلکہ آپ بیتی بات کر رہا ہوں.... میں نے کہا، جی آپ مجھے دکھائیں، اس نے کہا کہ دیکھئے یہ ہمارا ہائی وے ہے اور اس میں یہ ٹریفک چل رہی ہے، آپ جس چلتی گاڑی پر انگلی رکھیں گے اسکی تصویر آپ کے سامنے آ جائیگی، میں نے ایک سرخ رنگ کی گاڑی کے اوپر انگلی رکھی تو جیسے ایئر پورٹ پر سامان کی تصویر نکالتے ہیں اسی طرح اس گاڑی کے اندر پڑے ہوئے پورے سامان کی تصویر سکرین پر نظر آنے لگی.... یہ کیا چیز ہے؟..... یہ علم الابدان ہے..... مادیت پر محنت کرنے والے دور کی چیزوں کو تاک جھانک سکتے ہیں اور کسی خطرناک مادہ کا پتہ چلا سکتے ہیں، ہم کس قدر غفلت میں کہ اپنے اندر جھانک کر خطرناک مادہ کا پتہ نہیں چلاتے کہ کون کون سے باطنی امراض اندر چھپے ہیں؟

ایک مصنوعی چاند

بعض فنی مہارتیں رکھنے والے لوگ اپنے فن کا راز بھی دوسرے سے پوشیدہ رکھتے ہیں، دوسروں کو بتانے میں بخل کرتے ہیں۔

عباسی دور میں حکیم بن ہاشم نامی آدمی نے ایک مصنوعی چاند بنایا، اسے ماہ نخشب کہتے تھے کیونکہ وہ چاند نخشب نامی کنوئیں سے طلوع ہوتا تھا، وہ چاند تقریبا دوسو مربع میل کا علاقہ منور کرتا تھا، اس چاند کی خوبی یہ تھی کہ وہ سورج کے غروب ہوتے ہی نکل آتا اور اس کے طلوع ہوتے ہی غروب ہو جاتا تھا، حکیم نے اس چاند کی حقیقت کسی کو نہ بتائی اور وہ اس کا راز سینے میں لئے تیزاب کے مٹکے میں گرا اور وہیں مر گیا..... جب خود ساختہ چاند بن سکتا ہے اور روشنی پھیلا سکتا ہے تو کیا ہم اپنے باطن کو منور اور روشن نہیں کر سکتے؟

ہاتھیوں کا فٹ بال میچ

ہم نے ایک جگہ ہاتھیوں کا فٹ بال میچ دیکھا، ہاتھیوں کی ایک ٹیم ادھر ہے

اور ایک ٹیم ادھر ہے، گیند بھی کوئی چھوٹا سا نہیں تھا، یوں سمجھیں کہ تقریبا آٹھ فٹ ڈایا میٹر کا ہوگا، وہ ہاتھی سونڈ سے اس کو کیک لگا رہے تھے، اور ایک ہاتھی ادھر گول پہ کھڑا ہے اور ایک ہاتھی ادھر گول پہ کھڑا ہے، باقاعدہ گیم ہوئی اور ہم نے ہاتھی کو گول کرتے ہوئے دیکھا، ہم حیران تھے کہ یا اللہ! اس انسان کو آپ نے عقل والی کیا نعمت دی کہ جس کے ذریعہ اس نے جانوروں کو بھی یہ کچھ سکھا ڈالا!

ہاتھی کی پینٹنگ

ایک جگہ ہم نے دیکھا کہ انہوں نے ہاتھی کو پینٹنگ سکھائی ہوئی تھی، انہوں نے نو دس کلر رکھے ہوئے تھے، میٹر بائی میٹر کی شیٹس بھی رکھی ہوئی تھیں، دس ڈالر کی ایک شیٹ ملتی تھی، وہ اس شیٹ پر ہاتھی سے پینٹنگ کروا کے دیتے تھے، جب کوئی آدمی آ کر کہتا کہ مجھے اس کلر کی پینٹنگ چاہیئے، تو اس کو کنٹرول کرنے والا آدمی برش کو رنگ میں ڈبو کر سونڈ میں پکڑا دیتا، ہاتھی سونڈ میں برش پکڑ کر اتنی صفائی سے اس کا شیڈ دیتا کہ لگتا تھا اس نے فائن آرٹس میں ماسٹر ڈگری لی ہوئی ہے، چند مرتبہ شیڈ دینے سے اتنی خوبصورت پینٹنگ تیار ہوتی تھی کہ لوگ خرید کر لے جاتے تھے اور ہاتھی کی پینٹنگ اپنے گھروں میں سجاتے تھے۔

ایک عجیب وغریب کیٹل فارم

ہمیں ایک مرتبہ لائیوسٹاک دیکھنے کا موقع ملا، وہاں تین سو گائیں تھیں، ان تین سو گائے کی کیئر ٹیکنگ (حفاظت) کے لئے صرف تین بندے تھے، ..... آج ہمارے ہاں اگر تین سو گائیں ہوں تو ان کی حفاظت کے لئے کم از کم تین درجن بندوں کی ضرورت پڑے گی.... وہاں صرف تین بندے تھے وہاں چند باتیں ہم نے بڑی عجیب دیکھیں۔

☆.....ہر گائے کے گلے میں ایک رول نمبر ٹیگ لگا دیا گیا ہے، ہر گائے کی جگہ مخصوص ہے، اسکے گلے میں رسی نہیں ہے وہ اپنی ہی جگہ پر کھڑی ہوتی ہے بیٹھتی ہے اور آرام کرتی ہے۔

☆.....جب اس گائے کو نہانے کا جی چاہتا ہے تو وہ ایک جگہ، جہاں شاور لگا ہوا ہے، وہاں آ کر وہ اپنا ٹیگ کیمرے کو پڑھاتی ہے، کیمرہ پڑھنے کے بعد کمپیوٹر کو بتاتا ہے یہ گائے شاور لینا چاہتی ہے، پھر کمپیوٹر دیکھتا ہے کہ کیا یہ آج شاور لے چکی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لیا تو اوپر سے پانی کھل جاتا ہے اور گائے خود اس کے نیچے نہاتی ہے اور اپنی جگہ پر واپس چلی جاتی ہے۔

☆.....اس کا چارہ ایک پائپ کے ذریعہ اسکی اپنی جگہ پر ڈال دیا جاتا ہے۔

☆.....ایک چیز نے ہمیں وہاں بہت حیران کیا، وہ یہ کہ ان کا ملکنگ ٹائم (دودھ دوہنے کا وقت) آ گیا تھا، ہم نے پندرہ گایوں کو بالکل ایک لائن میں کھڑے دیکھا، ان کو بتانے والا کوئی بندہ نہیں، کوئی رسی نہیں، بس ہم نے آگے ایک بندے کو دیکھا اس کے پاس ایک ملکنگ مشین تھی، جب گائے اپنی پوزیشن پر آتی تو وہ اس کے تھنوں کے ساتھ اس کی اٹیچ منٹ لگا دیتا تھا، یوں گائے کھڑی رہتی اور اس کا دودھ نکلتا رہتا، اتنے میں دوسری لائن میں کھڑی گائے کے تھنوں کے ساتھ دوسری ملکنگ مشین لگا دیتا تھا، جب پہلی گائے کا دودھ مکمل ہو جاتا تو وہ اپنے پاؤں سے اس اٹیچ منٹ خود نیچے گرا دیتی اور آگے چلی جاتی، جیسے ہی پوزیشن کھالی ہوتی پیچھے انتظار کرنے والی گائے اس جگہ پر آ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔

ہم حیران ہوئے کہ آج کئی جگہوں پر انسانوں کو لائن بنانا سکھانا مشکل کام ہوتا ہے اور جہاں کوئی محنت کرتا ہے تو دیکھئے کہ جانور بھی لائن بنا کر آتے ہیں اور ملکنگ کے بعد اپنے راستے پر خود واپس چلے جاتے ہیں۔

ڈالفن مچھلی کا حیرت کن کرتب

ہمیں ایک مرتبہ بالٹی مور جانے کا موقع ملا، وہاں پر ایک بہت بڑا Aquarium (مچھلی گھر) ہے، اس میں انہوں نے بہت ہی عجیب وغریب قسم کی مچھلیاں پالی ہوئی ہیں، وہ چونکہ ایک ایجوکیشنل ٹرپ تھا اس لئے ہم نے سب کچھ بڑے شوق سے دیکھا اور ہمیں مچھلیوں کے بارے میں بہت معلومات ملیں، پھر آخر میں وہ کہنے لگے کہ جانے سے پہلے ہم آپ کو ڈالفن شو دکھائیں گے، چنانچہ سب لوگ بیٹھ گئے۔

ہم نے دیکھا کہ سوئمنگ پل کی طرح ایک بڑی ساری جگہ بنی ہوئی ہے اور اس میں ڈالفن تیر رہی ہے، انہوں نے اس کے کئی کرتب دکھائے، اس میں سے ایک کرتب واقعی عجیب تھا۔

پانی کی سطح سے تقریبا پچیس سے تیس (۲۵ سے ۳۰) فٹ اونچا ایک بال تھا، جوانہوں نے اوپر سے نیچے لٹکایا اور ڈالفن کو اشارہ کیا کہ تم اس بال کو کک لگاؤ، ڈالفن اس وقت سوئمنگ پل کے کونے میں تھی، جیسے ہی اس نے کمانڈ دی، ڈالفن نے پانی کے اندر تیرنا شروع کیا اور عین وسط میں آ کر اتنی اونچی چھلانگ لگائی کہ اس نے اپنے منہ سے بال کو کک لگادی..... یا اللہ! ایک حیوان کو بھی اتنا کچھ سکھایا جاسکتا ہے۔

اس وقت ڈالفن بہت خوش تھی، پھر اس نے اس خوشی کا اظہار اس طرح کیا کہ وہ کنارے کے قریب تیرنے لگی اور اس نے اپنی اتنی بڑی دم کے اندر پانی لے کر سب وزیٹرز پر اس طرح پھینکا کہ سب کے کپڑے تر ہوگئے، تو دیکھئے کہ انسان کو اللہ تعالی نے عقل کے نور سے نوازا اور انسان نے اس عقل کے ذریعہ جانوروں کو بھی سدھالیا۔

ریچھ کی عقلمندی

ایک بندے نے ریچھ پالا ہوا تھا، تو اس کے دل میں خیال آیا کہ بھئی میں جب

دو پہر کو سوتا ہوں گرمی ہوتی ہے تو ریچھ کو کیوں نہ پنکھا کرنا سکھاؤں، اس نے ریچھ کو پنکھا کرنا سکھایا، اب مالک سوجاتا اور ریچھ پنکھا کرتا، لوگوں نے منع بھی کیا بھئی یہ جانور ہے، اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرو مگر نہیں اسے سکھا دیا، چنانچہ کچھ دن تو ایسا چلتا رہا، ایک دن مالک سویا ہوا تھا اور ریچھ پنکھا کر رہا تھا، ایک مکھی آئی وہ اس سوئے ہوئے بندے کے کبھی ماتھے پر بیٹھے کبھی ناک پر بیٹھے، اب اس ریچھ نے اس مکھی کو اڑانے کی پوری کوشش کی، وہ بھی مکھی تھی کہاں اڑتی ؎

مگس ہرگز نہ خواہد رفت از دکان حلوائی

ایک حلوائی کی دکان پر مکھی نہیں ہٹتی، اور ایک کبھی کبھی کسی چہرے پر بیٹھ جائے تو بھی نہیں ہٹتی، ہٹاؤ تو نہیں ہٹتی، تو جب اس نے کئی بار اس کو ہٹایا اور مکھی نہ ہٹی تو ریچ کو غصہ آیا اس نے کہا اچھا میں اس مکھی کی خبر لیتا ہوں، چنانچہ ایک پتھر بھاری سا پڑا تھا اس نے اٹھایا اور اس مکھی کو دے مارا اور اپنے مالک کے دماغ کا کچومر نکال دیا۔

تو اپنی طرف سے تو اس نے مکھی کو مارا لیکن عقل اتنی نہیں تھی کہ آگے اس کے سر کا کیا بنے گا۔

(حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات ۴۹)

ہاتھی کا تماشا

انسان جانوروں کو سدھا بھی لیتا ہے، حالانکہ جانور طاقت اور سائز میں انسان سے زیادہ بڑے ہوتے ہیں، ہاتھی کو قابو کر لینا کوئی معمولی بات نہیں، اس کا وزن ٹنوں میں ہوتا ہے اور اس کی طاقت بھی بہت ہوتی ہے، ایک مرتبہ ہمیں امریکہ میں سفر کرنے کے دوران، ڈرائیور نے کہا: حضرت! ہم اس وقت ایک ایسے ایگزٹ پر پہنچ چکے ہیں کہ ہم دو منٹ کے اندر اندر ایک چڑیا گھر کے دروازے پر پہنچ جائیں گے اور اس وقت چڑیا گھر بند

ہونے والا ہے، آخر میں وہ اپنا ایک فائنل پروگرام پیش کرتے ہیں جو بہت ہی دلچسپ ہوتا ہے، آپ اگر اجازت دیں تو وہ دیکھنے چلیں، کیونکہ ہمارے پاس ٹائم بھی ہے۔

میں نے جواب میں کہا:

مرغے دل را گلشن بہتر ز کوئے یار نیست

طالب دیدار را ذوق گل وگلزار نیست

''دل کے مرغ کو باغ دوست کی گلی سے زیادہ اچھا نہیں، دیدار کے طالب کو گل وگلزار کا ذوق نہیں ہوتا''

مگر دونوں بچے ساتھ تھے، ابو جی! جانور کا شو ہے، اگر ہم دیکھیں گے تو ہماری معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور اچھا بھی لگے گا، خیر، بچوں کا شوق دیکھ کر میں نے کہا: چلو چلتے ہیں، چنانچہ دو منٹ کے اندر ہم دروازے پر پہنچ گئے۔

ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے گراؤنڈ کے اندر ایک ہاتھی کھڑا تھا، انہوں نے اسکے گلے میں ایک بیلٹ باندھ رکھا تھا اور اس بیلٹ کے ساتھ کم از کم تین انچ موٹا اور کئی فرلانگوں کے حساب سے لمبا رسہ باندھا ہوا تھا، ہم لوگ کار کے اندر ہی بیٹھ کر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

آئیٹم یہ تھا کہ جتنے لوگوں نے آج کے دن اس چڑیا گھر کو دیکھا وہ آخری وقت میں اس ہاتھی کے ساتھ رسہ کشی کریں، چنانچہ ہم نے دیکھا کہ یہ وہاں ہزاروں کی تعداد میں مردوں اور عورتوں نے رسہ پکڑا ہوا ہے اور رسہ کشی کے لئے بالکل تیار کھڑے ہیں۔

جو آدمی ان کو یہ گیم کروا رہا تھا، اس نے اعلان کیا: جی آج تک ہسٹری میں جتنے بھی لوگ یہاں پر آئے وہ ہاتھی سے جیت نہیں سکے، آج اگر آپ لوگ ہمت کر کے جیت جائیں گے تو۔ you will be going to make a record

(آپ ایک ریکارڈ قائم کرلیں گے)

اس کے بعد اس نے اشارہ کیا اور سب لوگوں نے مل کر اس کو کھینچنا شروع کر دیا، ہماری جہاں تک نظر جاتی تھی وہاں تک ہمیں ایک لمبے گراؤنڈ کے اندر چیونٹیوں کی طرح لوگ نظر آ رہے تھے، جب سب نے زور لگایا تو ہم نے دیکھا کہ وہ ہاتھی ایک قدم پیچھے ہٹا .... پھر دوسرا قدم..... پھر تیسرا قدم..... جب وہ ہاتھی بارہ قدم پیچھے ہٹا تو اس شخص نے پھر اعلان کیا کہ ایک قدم باقی رہ گیا ہے، اگر آپ لوگ اب ہاتھی کو پیچھے کھینچ لیں تو آپ جیت جائیں گے اور ایک ریکارڈ قائم کر لیں گے، اس کے اس اعلان کے بعد لوگوں نے زور لگانے کی انتہاء کر دی، ہمارا خیال تھا کہ ہاتھی بڑے آرام کے ساتھ ایک قدم پیچھے آ جائیگا، لیکن جب انہوں نے زور لگانے کی انتہاء کر دی تو اس وقت ہاتھی نے چلنا شروع کر دیا اور سب بندوں کو چیونٹیوں کی طرح گھسیٹتے ہوئے آگے چلا گیا۔

بعد میں پتہ چلا کہ انہوں نے ہاتھی کو سکھایا ہوا تھا کہ تو نے بارہ قدم پیچھے آنا ہے اور آخر قدم پر جب یہ خوب زور لگائیں تو تم نے سب کو کھینچ کر آگے کر دینا ہے، یہ دیکھ کر ہم بہت حیران ہوئے کہ پانچ سات ہزار بندوں کی طاقت ایک طرف اور ایک ہاتھی کی طاقت ایک طرف، ہاتھی پھر بھی طاقتور ثابت ہوا، لیکن انسان کی عقل کو دیکھئے کہ وہ اس عقل کے بل بوتے پر اس ہاتھی کو بھی قابو میں لے کر سدھا لیتا ہے۔

اللہ اللہ اللہ

ذہانت اور فطانت

قوتِ حافظہ کی انوکھی مثال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی قوت حافظہ ایسی تھی کہ لاکھوں حدیثیں ان کو یاد تھیں، چنانچہ امام بخاریؒ رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد تشریف لے گئے تو اہل بصرہ نے ان کا استقبال کیا اور پورے شہر کے لوگ نکل کر باہر آ گئے، استقبال کرنے کے بعد انہوں نے آپ کو ایک محفل میں بٹھایا، ذرا توجہ سے سننا!

انہوں نے پہلے پلاننگ بنائی کہ یہ حافظ الحدیث ہیں، ہم ان کو پرکھیں گے کہ یہ کیسے حافظ ہیں، انہوں نے دس بندوں کو تیار کیا اور ہر بندے نے دس احادیث یاد کر لیں، مگر کہیں متن میں اور کہیں سند میں ہر حدیث میں فرق ڈال دیا، اچھا! جب کسی کا تعارف کرایا جائے کہ یہ حافظ الحدیث ہیں، اور اس سے کہا جائے کہ حدیث سناؤ، تو اس کا دل تو چاہتا ہے کہ جو مجھے کہا جائے سب آتا ہو، پہلے تو ان لوگوں نے اتنے بڑے مجمع میں امام بخاریؒ کا تعارف کرایا کہ جی، بڑے امام ہیں، حافظ ہیں، لاکھوں حدیثیں یاد ہیں، انہوں نے خوب تعریفیں کیں، اس کے بعد ایک بندہ کھڑا ہوا کہ جی! مجھے کچھ حدیثیں پہنچی ہیں، ذرا سنیں! آپ کو پہنچی ہیں کہ نہیں؟ چنانچہ اس نے پہلی حدیث پڑھی مگر اس حدیث کی سند میں یا متن میں کہیں فرق تھا، اس نے پڑھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ حدیث پہنچی ہے؟ امام بخاریؒ نے فرمایا: لاَ، اب ایک کو تو بندہ کہہ سکتا ہے لا، اس نے دوسری پڑھی، فرمایا: لاَ، اس نے تیسری پڑھی، فرمایا: لا، چوتھی پڑھی، فرمایا: لا، اب عام بندہ تو سمجھے گا کہ واہ بھئی واہ! یہ کیسے حافظِ حدیث ہیں! کہ جو پوچھتے ہیں، آگے سے لا، اسے تو کچھ نہیں آتا، پھر دوسرے نے پوچھا..... تیسرے نے پوچھا..... دس بندوں

نے سو حدیثیں پوچھیں، انہوں نے سب کے جواب میں ''لا'' کہا، پتہ ہے ان پر کتنا نفسیاتی بوجھ پڑا ہوگا!!! اللہ اکبر، بہت بڑا امتحان تھا، مگر وہ ''لا'' کہتے رہے۔

جب سب بندوں کے جواب میں لا کہا تو اس کے بعد امام بخاریؒ نے فرمایا: بھئی دیکھو! آپ حضرات نے جو حدیثیں پوچھی ہیں نا! اب ذرا سنو! تو امام بخاری نے پہلی حدیث پڑھی جو اس بندے نے غلط متن یا سند کے ساتھ پڑھی تھی اور پھر فرمایا کہ اس بندے نے اس حدیث میں یہ غلطی کی ہے، پھر فرمایا کہ مجھے یہ حدیث یوں پہنچی ہے، کتابوں میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے ان کے غلط متن یا سند کی جو روایات تھیں، سو کی سو اسی ترتیب کے ساتھ پہلے سنائیں اور ساتھ ساتھ ہر حدیث صحیح متن و سند کے ساتھ سناتے گئے، علماء فرماتے ہیں کہ سو حدیثوں کو یاد کر لینا یا سنا دینا امام صاحب کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی، حیران کن بات تو یہ تھی کہ پوچھنے والوں نے جو خلط ملط کر کے پوچھا تھا، ان سے ایک ہی دفعہ سن کر ان کی بھی سو باتیں یاد رہ گئیں اور ترتیب بھی وہی رکھی۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴۰۹-مختصر تاریخ دمشق ۶/ ۴۴۹-طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲/ ۲۱۸)

قوت حافظہ اور محدث کا مقام

امام ترمذیؒ رحمۃ اللہ علیہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ظاہری بینائی چلی گئی تھی، ایک دفعہ حرمین شریفین کے سفر پر جا رہے تھے، اونٹ پر سوار تھے، اب اونٹ ویسے بھی اونچا ہوتا ہے، اور جو بندہ اونٹ کے اوپر بیٹھا ہوتا ہے، ماشاء اللہ وہ کافی اونچا پنچا ہوا ہوتا ہے، اگر سڑک کے اِدھر اُدھر درخت لگے ہوئے ہوں تو ڈر رہتا ہے کہ سر کو نہ لگیں، امام ترمذیؒ رحمۃ اللہ علیہ اونٹ پر سوار جا رہے تھے کہ ایک جگہ امام صاحب نے سر بالکل نیچے جھکا لیا، لوگ بڑے حیران ہوئے، آگے جا کر پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، تو پوچھنے والے نے پوچھا؟ حضرت! آپ نے سر ایسے کیوں جھکا لیا؟ فرمانے لگے: وہ جو درخت تھا اس کی شاخوں سے بچنے کے لیے میں نے سر نیچے جھکایا، حضرت! یہاں تو درخت کوئی نہیں، پوچھنے

لگے کوئی نہیں.....؟؟؟ حضرت! یہاں تو درخت ہے ہی نہیں، فرمانے لگے: رک جاؤ، سب رک گئے، فرمایا کہ علاقے کے لوگوں سے پتہ کرو کہ یہاں پر پہلے درخت تھا جسے کاٹ دیا گیا یا درخت تھا ہی نہیں، خادم نے کہا کہ حضرت! میں پتہ تو کر کے آتا ہوں مگر یہ اتنا بڑا مسئلہ تو کوئی نہیں ہے، فرمانے لگے کہ نہیں، مسئلہ ہے، اس لیے کہ میری یادداشت مجھے بتاتی ہے کہ یہاں درخت تھا، اگر مجھے بھول ہوگئی ہے تو پھر آج کے بعد میں حدیث نقل کرنا بند کردوں گا، کیونکہ میری یادداشت ٹھیک نہیں رہی، اس لیے اس کی ابھی پرکھ ہونا ضروری ہے، چنانچہ اہل علاقہ سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ درخت تھا، مسافروں کے لیے مشکل ہوتی تھی، ٹہنیاں نیچے آجاتی تھیں، ہم نے وہ درخت جڑ سے ہی نکال دیا، امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ الحمد للہ! میں حدیث کی روایت کو آئندہ جاری رکھوں گا، ایسی قوت حافظہ.....! اللہ اکبر!..... یہ کیسے ملتی ہے؟ تقویٰ اور پرہیز گاری سے ملتی ہے۔

(درس ترمذی ۱/ ۱۳۳-علمی مضامین ۳۷)

حضرت علیؓ کا عجیب فیصلہ

حضرت علیؓ کے پاس دو بندے آئے، کہنے لگے، جی ہمارا جھگڑا ہے، پوچھا، کس بات پر؟ کہنے لگے جھگڑا یہ ہے کہ ہم دونوں سفر میں تھے اور کھانے کیلئے ایک آدمی کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں، جب کھانے کے لئے بیٹھنے لگے تو ایک تیسرا آدمی بھی آ گیا اور وہ بھی کھانے میں شریک ہوگیا، تینوں نے مل کر برابر کھانا کھایا جب وہ جانے لگا تو اس بندے نے ہمیں آٹھ دینار دیئے، اب دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ جو پانچ روٹیوں والا بندہ تھا وہ کہتا تھا کہ مجھے پانچ دینار ملے اور دوسرے کو تین دینار ملے، جب کہ تین روٹی والا بندہ بضد تھا کہ یہ دینار آدھے آدھے تقسیم ہونے چاہئے، یعنی چار دینار اسے ملے اور چار دینار دوسرے کو ملے، جب معاملہ حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے تین روٹی والے سے کہا کہ بہتر ہے کہ تم اسی تقسیم پر راضی ہوجاؤ، اس نے کہا جی نہیں،

آپ انصاف فرمائیں، آپ نے فرمایا، اچھا پھر میرا فیصلہ یہ ہے کہ پانچ روٹیوں والے کو ملیں گے سات دینار اور تین روٹیوں والے کو ملے گا ایک دینار، اب وہ بندہ حیران پریشان کہ یہ کیا ہوا، آپ بھی حیران ہوئے ہونگے ..... کیونکہ ہر بندے کے سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ تین روٹیوں والے کو تین ملنے چاہئے اور پانچ والے کو پانچ لیکن آپؒ نے اس کو ایک اور اسکو سات دینار دینے کو فرمایا، ہے نا عجیب بات؟ چنانچہ اس نے آپ سے اس انصاف کی حقیقت پوچھی تو آپ نے سمجھایا، فرمایا دیکھو آپ تینوں نے برابر برابر کھانا کھایا، روٹیوں کی کل تعداد آٹھ تھی ہر روٹی کو اگر تین برابر حصوں میں تقسیم کریں تو روٹی کے کل چوبیس ٹکڑے بنتے ہیں، یعنی ہر بندے نے آٹھ آٹھ ٹکڑے کھائے، جس بندے کی تین روٹیاں تھیں اس کی روٹیوں کے کل ٹکڑے نو بنے، گویا اس نے نو میں سے آٹھ ٹکڑے تو خود کھالئے جب کہ ایک ٹکڑا مہمان کے حصہ میں آیا، جب کہ جس کی پانچ روٹیاں تھیں اسکے کل ٹکڑے بنے پندرہ، جس میں آٹھ تو اس نے خود کھالئے اور باقی سات مہمان کے حصہ میں آگئے، لہٰذا انصاف کا تقاضہ یہ ہیکہ اس کو ایک دنیار اور اس کو سات دینار دئے جائیں۔

تاریخ الخلفاء للسیوطی ۱۵۷-علمی مضامین ۳۰۲

غفلت میں نبیؐ کا نام لینے پر سجدۂ سہو

ایک مجلس میں یہ مسئلہ چلا کہ ایک آدمی نمازِ فرض پڑھ رہا تھا، اب اسکو دو رکعت کے بعد التحیات میں بیٹھنا ہے، اور **عبدہ و رسولہ** پڑھ کر اسکو کھڑا ہو جانا ہے، مگر وہ بھول گیا، اور **عبدہ و رسولہ** کے بعد آگے بھی درود شریف پڑھنے لگا، تو کیا ہوگا؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے **اللّٰھم** پڑھ لیا، اور کھڑا ہو گیا، تو سجدہ سہو نہیں، **صل** پڑھ لیا، کھڑا ہو گیا، سجدہ سہو نہیں، **علی** بھی پڑھ لیا کھڑا ہو گیا تب بھی سجدہ سہو نہیں، لیکن اگر **محمد** کا لفظ پڑھ لیا تو اب سجدہ سہو واجب ہو گیا، جب انہوں نے یہ فتویٰ دیا تو رات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نعمان! تم میرے نام لینے والے کیلئے سجدہ سہو کا

حکم دیتے ہو، تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جو آدمی قعدہ میں غفلت سے آپ کا نام لے، میں اس کو سجدہ سہو کا حکم دیتا ہوں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرانے لگے، فرمایا تم نے ٹھیک کیا، سبحان اللہ، اللہ رب العزت نے انکو ایسی ذہانت عطا فرمائی تھی۔

(حاشیہ ردالمحتار علی الدر ۲/۸۱-البحر الرائق ۲/۱۰۵)

ایک طالب علم کی ذہانت

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ بہت ہی ذہین تھا، وہ ابھی بہت چھوٹا تھا، ایک مرتبہ میں نے اس کو بلوا کر پوچھا کہ آپ کو عربی اچھی لگتی ہے یا انگریزی؟ وہ کہنے لگا :عربی زبان، میں نے پوچھا: آپ کو عربی اچھی کیوں لگتی ہے؟ وہ کہنے لگا: اس لئے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے پھر اس سے پوچھا کہ عربی پڑھ کر کھا ئیگا کہاں سے؟ اس نے یہ سوال سن کر بڑے وثوق سے جواب دیا کہ جب بندہ عربی پڑھتا ہے تو وہ خدا کا ہو جاتا ہے اور جب خدا کا ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے کہ اسے دو، وہ دیتے ہیں اور یہ کھاتے ہیں، میں نے کہا: یہ بھی ٹھیک ہے لیکن لوگ ایسے شخص کو ذلیل سمجھتے ہیں، وہ کہنے لگا: ذلت تو تب ہوتی ہے جب وہ کسی سے مانگتا ہو، وہ مانگتا ہی کب ہے، لوگ تو ہاتھ جوڑ کر دیتے ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میں اس کی ذہانت دیکھ کر حیرت سے اس کا منہ تکتا رہا کہ یہ اتنی چھوٹی عمر میں اتنی سمجھ رکھتا ہے..... اللہ اکبر

انسان اپنے کلام میں پوشیدہ ہوتا ہے

اورنگ زیب عالمگیرؒ کی ایک بیٹی کا نام زیب النساء تھا، وہ بھی فارسی میں اشعار کہتی تھی، اس نے اپنا تخلص مخفی، رکھا ہوا تھا، اس کا، دیوان مخفی، چھپا ہوا ہے وہ بڑے اچھے اشعار کہتی تھی۔

اس زمانے میں ایک ایرانی شہزادہ تھا، اس نے ایک مصرعہ کہا

درابلق کسے کم دیدہ موجود

(درابلق کس نے دیکھا ہے، بہت کم موجود ہوتا ہے)

ایک موتی کو درابلق کہتے ہیں، وہ سفید اور چمکدار ہوتا ہے، مگر اس میں ایک باریک سی کالی لائن ہوتی ہے، اس کو ابلق کہتے ہیں، تو اس نے کہا کہ درابلق کس نے دیکھا ہے؟ بہت کم موجود ہوتا ہے..... پہلا مصرعہ تو اس نے بنالیا لیکن دوسرا مصرعہ اس سے نہیں بن رہا تھا، چنانچہ اس نے کہا: جو بندہ دوسرا مصرعہ بنائیگا میں اس کو بڑا انعام دوں گا۔

یہ بات چلتے چلتے ایران سے ہندوستان تک پہنچی، یہاں کے شعراء نے بھی کافی طبع آزمائی کی لیکن کچھ نہ بنا، مخفی نے بھی اس مصرعہ کی شہرت سن لی تھی، ایک دن اتفاقی طور پر اس شعر کا دوسرا مصرعہ کہہ دیا۔

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ نہانے کے بعد اس نے اپنی آنکھوں میں سرمہ ڈالا.... سرمہ ڈالنے سے کئی مرتبہ آنکھوں میں پانی آجاتا ہے..... سرمہ ڈالنے کے بعد جو اس نے آئینہ دیکھا تو وہ آنکھ سے نکلا ہوا پانی آنسو کی شکل میں پلکوں کے اوپر تھا اور اس میں سرمے کی وجہ سے ہلکی سی لائن تھی، اس نے دیکھتے ہی کہا کہ یہ تو درابلق کی طرح ہے، چنانچہ اس نے وہیں دوسرا مصرعہ کہہ کر شعر مکمل کر دیا کہ

درابلق کسے کم دیدہ نہ موجود

مگر اشک بتاں سرمہ آلود

یہ ایسا مزے کا شعر بنا کہ جو سنتا تھا حیران ہوتا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے چت کبرا موتی کبھی نہ دیکھا ہو، مگر کسی معشوقہ کی آنکھ کا سرقطرہ درابلق ہے۔

یہ بات اس شہزادے تک پہنچی، اس شہزادے نے کہا: شاعر کو میرے پاس بھیجو، میں اس کو بڑا انعام دینا چاہتا ہوں،، جب یہ بات اورنگ زیب عالمگیر تک پہنچی

تو بیٹی سے کہا: بیٹی! میں تجھے کہتا نہیں تھا کہ تو شعر نہ کہا کر، کسی مصیبت میں ڈالے گی، اب دیکھو شہزادہ کہتا ہے کہ جس شاعر نے یہ کہا ہے، وہ میرے پاس آئے، میں اسے انعام دینا چاہتا ہوں، مخفی کہنے لگی: ابا جان! آپ پریشان نہ ہوں، میرے دو شعر لکھ کر اس کے پاس بھیج دیں، وہ بات کو سمجھ جائیگا، چنانچہ اس نے شعر کہے:

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل

''میں اپنے کلام میں اسطرح چھپی ہوئی ہوں جس طرح پھول کے اندر خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے''

ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

''میں اپنے کلام میں ایسے ہی پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی پتیوں میں پھول کی خوشبو''

جو مجھ کو ملنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ میرے کلام کو پڑھ لے، کلام کے ذریعہ مجھ سے ملاقات ہو جائیگی۔

یہ اشعار بھیجنے سے سمجھ گیا کہ یہ کوئی خاتون ہے۔

(بیس بڑی خواتین ۳۱)

ابن عربی کا شیطان سے مکالمہ

ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ میری ایک مرتبہ شیطان سے ملاقات ہوئی تو مجھے کہنے لگا: ابن عربی! بڑے عالم ہو، میں نے کہا ہاں، کہنے لگا: میرے ساتھ آج مناظرہ کرلو، میں نے کہا: میں ہرگز نہیں کروں گا، کہنے لگا: کیوں؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالی نے مجھے تیرے لئے ایک ڈنڈا دیا ہے جس کا نام ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، میں یہ ڈنڈا استعمال کر کے تجھے یہاں سے دور بھگا دوں گا، مجھے تجھ سے بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں، اور واقعی اگر وہ بحث میں پڑ جاتے تو شیطان ان کے دلائل کو توڑ کر شاید ان کو کسی برے پوائنٹ پر لے آتا۔

ایک بڑے میاں کے دلچسپ اشکالات

کسی گاؤں میں ایک پیر صاحب گئے، انہیں مسجد میں بیان فرمانا تھا، دیہاتی لوگ اکٹھے ہوگئے، بیان شروع ہونے سے پہلے ایک سادہ لوح بڑے میاں کھڑے ہوگئے، اس نے پیش بندی کے طور پر پیر صاحب سے پوچھا: پیر صاحب! ہم ان پڑھ بندے ہیں، اگر ہمیں کوئی بات سمجھ نہ آئے تو کیا ہم سوال پوچھ سکتے ہیں؟ پیر صاحب نے کہا: ہاں ہاں، آپ سوال پوچھ سکتے ہیں، اس کے بعد پیر صاحب نے بیان شروع کر دیا، بیان کرتے کرتے پیر صاحب نے ایک بات بتائی کہ قیامت کے دن بندے کو پل صراط سے گزرنا ہوگا، احادیث میں اس کا تذکرہ آیا ہے، انہوں نے سمجھانے کے لئے اس کو یوں بیان کیا.... وہ پل بہت ہی نازک ہے، بال سے باریک تلوار سے زیادہ تیز ہے.... جب انہوں نے یہ کہا تو وہ بوڑھا کھڑا ہوگیا، وہ کہنے لگا: پیر صاحب! لگدا اے ایہہ کوڑا اے (پیر صاحب! مجھے لگتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے)

اب پیر صاحب نے اس کو بات سمجھائی کہ جی پل صراط ہے، اس کا تذکرہ کتابوں میں موجود ہے اور اس پل سے ہر آدمی کو گزرنا پڑیگا، لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے، بالآخر جب پیر صاحب نے اس کو تسلی دلائی کہ واقعی کتابوں میں لکھا ہوا ہے تو کہنے لگے:

''اچھا، اس پل توں ٹپنا پم سی جیہڑی وال توں ڈھیر باریک تے تلوار توں ڈھیر تیز اے''

(اچھا ایسی پل سے گزرنا پڑیگا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے)

پیر صاحب نے کہا: ہاں ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔

یہ سن کر وہ کہنے لگا: ''پیر صاحب! انجے چا آکھوناں، اللہ سائیں دی پار ٹپاون دی نیت کائی نہیں''

(پیر صاحب! پھر آپ یونہی کہہ دیں کہ اللہ تعالی کی اس پل سے آگے گزرنے کی نیت ہی نہیں ہے)

اس کے بعد پیر صاحب نے پھر بیان شروع کر دیا، بیان کرتے کرتے ایک جگہ پر انہوں نے فرمایا کہ نمازیں پڑھو، اگر نمازیں نہیں پڑھو گے تو اللہ تعالی حساب لے گا اور جہنم میں ڈالے گا اور جہنم میں عذاب دینے کے بعد پھر جنت میں بھیجے گا۔

وہ بڑے میاں پھر کھڑے ہو کر کہنے لگے:

''پیر صاحب! مینوں لگدا اے ایہہ وی کوڑا اے''

(پیر صاحب! مجھے لگتا ہے کہ یہ بھی جھوٹ ہے)

پیر صاحب نے کہا: نہیں جی، کتابوں میں لکھا ہے کہ جو آدمی گناہ کرنے کے بعد توبہ نہیں کریگا اور اسی طرح غفلت میں زندگی گزارے گا تو یہ بندہ پہلے جہنم میں جائیگا، وہاں جب اسے سزا مل جائیگی تب وہ جنت میں جائیگا۔

وہ بڑے میاں اپنی بات پر مصر رہے کہ یہ جھوٹ ہے، جب انہوں نے ان کو سمجھا یا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے تو پھر وہ بڑے میاں کہنے لگے:

''پیر صاحب! ہک گل دسو، میرے گھر جوں کوئی پراہنا آوے، تے مین اوہنوں پنج ست لتر ماراں، مڑ آکھاں بھج آ ککڑ کھالے، اوہ کھالیسی''

(پیر صاحب! آپ مجھے ایک بات بتائیں کہ میرے گھر میں کوئی مہمان آئے اور میں اس مہمان کو پانچ سات جوتے لگادوں اور پھر اسے کہوں کہ جناب! آیئے مرغا کھالیجئے، کیا وہ کھالیگا؟)

پھر وہ بڑے میاں کہنے لگے: پیر صاحب! قیامت کے دن اللہ تعالی نے جس کو بخشنا ہوگا اس کو ویسے ہی بخش دیں گے..... سالک کو محنت کرنا ہی ہے، راہِ سلوک بغیر مجاہدہ طے نہیں ہوتا، مگر ہاں رحمت الٰہی کی امید ہر دم لگائے رکھئے۔

تالاب میں پانی کتنے پیالے

شاہ عبدالعزیزؒ اپنے مدرسے میں تھے، ایک انگریز مدرسے میں آیا، وہ آکر حضرت سے کہنے لگا، آپ مدرسے میں بچوں کو کیا پڑھاتے ہیں؟ اور آپ کے بچے کیا بن کے نکلتے ہیں؟ آپ ان کو انگریزی پڑھائیں، سائنس پڑھائیں تاکہ ان کی عقل کھلے، ذہن کھلے، دیکھو! ہم اپنے بچوں کو انگریزی پڑھاتے ہیں اسی لئے تو میرے بچے کی عقل بہت تیز ہے، جب اس نے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کیا کہ میرے بیٹے کی عقل بہت تیز ہے، حضرت نے اس انگریز کے بیٹے کو بلایا، قریب وضو کرنے کا تالاب تھا، حضرت نے اس بچے سے پوچھا، اچھا بھئی بتاؤ کہ اس تالاب کے اندر کتنے پیالے پانی ہے، اب وہ انگریز کا بچہ حضرت کا منہ دیکھنے لگا، وہ کیا بتائے کہ تالاب میں کتنے پیالے پانی ہے؟ پھر حضرت نے اپنے ایک طالب علم کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ اس تالاب میں کتنے پیالے پانی ہے؟ اس نے کہا حضرت! اگر پیالہ اتنا ہو جتنا یہ تالاب ہے تو ایک پیالہ پانی ہوگا اور اس سے آدھا ہو تو دو پیالے پانی۔

غیر محرم کے ہاتھ میں دھاگہ

پہلے دور کے اطباء نبض دیکھ کر ہی مرض کی تشخیص کر دیتے تھے، لیکن آج یہ حالت ہے کہ ڈاکٹر دس ٹیسٹ کروانے کے بعد بھی کہتا ہے کہ میں ابھی تک نہیں بتا سکتا کہ کیا بیماری ہے۔

ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ایک طبیب تھا، وہ اتنا متقی تھا کہ عورتوں کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا، لہٰذا وہ عورتوں کی کلائی پر دھاگہ بندھوا کر ان کے مرض کی تشخیص کرتا تھا، ایک مرتبہ طبیب کے مخالفین میں سے کسی نے کہا کہ ہم اس کو آزماتے ہیں اسے دھاگے سے کیسے پتہ چلتا ہے، چنانچہ وہ ایک عورت اس کے مطب پر لے گئے اور اسے پردے کے پیچھے بٹھا دیا، طبیب کو عورت کا نام بتا دیا گیا اور اس نے دھاگے کو پکڑ کر نسخہ لکھا کہ اس مریضہ کو کچے گوشت کی ضرورت ہے، جب دوائی دینے والے کمپاؤنڈر نے نسخہ پڑھا تو وہ حیران ہو کر طبیب کے

پاس آیا اور کہنے لگا: حکیم صاحب! یہ کیا لکھا؟ اس عورت کو کچے گوشت کی ضرورت ہے؟ حکیم صاحب نے کہا: ہاں، دھاگے سے مجھے اس کے مرض کا یہی پتہ چلا ہے، جب مریضہ کو بلا کر پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے بلی کی کلائی پر دھاگا باندھا تھا، اصل میں وہ عورت ایک بلی لے کر گئی تھی تاکہ حکیم صاحب کو آزما سکے۔

(عورتوں کی کلائی میں دھاگہ باندھ کر نبض کی حرکت معلوم کرنے کے واقعات ''اطباء کے حیرت انگیز کارنامے میں ص: ۱۸۵ و ۲۲۱ مؤلفہ حکیم عبدالناصر فاروقی)

تو کانا کیوں پیدا ہوا

ایک انگریز دہریہ تھا اور ایک آنکھ سے کانا تھا ایک مرتبہ کسی عالم سے ملا اور اللہ تعالی کے وجود پر بحث کرنے لگ گیا، کہنے لگا اللہ تعالی موجود نہیں، وہ عالم کہتے رہے کہ اللہ تعالی موجود ہے اسی نے ساری کائنات کو پیدا کیا تو کہنے لگا، نہیں نہیں مجھے تو میرے والدین نے پیدا کیا، تو جب انگریز نے کہا کہ مجھے تو میرے والدین نے پیدا کیا، تو وہ عالم ہنس پڑے، یہ پوچھتا ہے کہ آپ ہنستے کیوں ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ اب مجھے بات سمجھ میں آئی کہ میرے اللہ نے تجھے کانا کیوں پیدا کیا؟ اس نے کہا کیوں؟ کہنے لگے اسلئے کہ اللہ تعالی نے سوچا کہ ایک آنکھ میں نے بنائی دوسری آنکھ اپنے ماں باپ سے بنوالے، یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا تو اہل علم بات چیت میں بھی سوال کا ایسا جواب دیتے ہیں کہ دوسرے کو لاجواب کر دیتے ہیں۔

یہ قیاس آیا کہاں سے؟

ایک آدمی میرے پاس آیا، کہنے لگا یہ قیاس کیا چیز ہوتی ہے؟ میں نے اس کو سمجھایا کہ قیاس اس کو کہتے ہیں کہ دین کے ایک اصول اور کسی کلی کو استعمال کر کے جزئی مسئلہ کا جواب نکال لینا، یا جن چیزوں میں علت حکم ایک جیسی ہو تو جو حکم اسکا ہو وہی اس پر بھی اپلائی کر دینا اس کو قیاس کہتے ہیں، وہ کہنے لگا، میں اسے نہیں مانتا، کچھ ہوتے ہیں نا.... جو کسی کو نہیں مانتے

.... کہنے لگا میں کسی کو نہیں مانتا، ہم نے کہا اچھا بھئی اب چاہتے کیا ہو؟ کہنے لگا مجھے بتایئے قیاس کہاں سے آیا؟ وہ ایک دیہاتی آدمی تھا، میں نے کہا مجھے بتاؤ کیسے وقت گزر رہا ہے، کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا جی میرے پاس ماشاء اللہ چھ، سات بھینسیں ہیں اچھا گزارا ہو رہا ہے، میں نے کہا دیکھو بھئی، پورے قرآن پاک میں اور سارے احادیث کے ذخیرے میں کہیں بھی بھینس کا لفظ موجود نہیں ہے بھینس کو عربی میں جاموس کہتے ہیں، اور جاموس کا لفظ قرآن اور حدیث کے اندر کہیں نظر نہیں آتا تو جب اس کا ذکر ہی نہیں تو تمہیں تو پتہ ہی نہیں کہ یہ حلال ہے یا حرام، لہٰذا اپنی سات بھینسیں تو ہمیں بھجواؤ ان کا دودھ ہم پیئینگے جو اس کو جائز کہتے ہیں اور تمہارے پاس تو کوئی دلیل ہی نہیں اس کے جائز ہونے کی تم پی ہی نہیں سکتے یا تو تم مجھے اسکے جواز کا حکم بتلاؤ، کہنے لگا جی اگر گائے کا دودھ حلال ہے تو بھینس بھی گائے کی طرح ہے اس کا بھی حلال ہے، میں نے کہا اسی کو تو قیاس کہتے ہیں، تم نے قیاس کیا نا کہ گائے کا لفظ قرآن مجید میں موجود ہے تو گائے کا دودھ حلال ہے چونکہ بھینس اور گائے مشابہت رکھتی ہے، لہٰذا اس علت حکم کی وجہ سے جیسے گائے کا دودھ انسان کے لئے حلال ہے ویسے ہی بھینس کا دودھ بھی حلال ہو گیا، تو بات سمجھ میں آ گئی۔

منہ توڑ جواب

ایک صاحب میرے پاس آئے.... یہ ان میں سے تھے جو کسی کی نہیں مانتے.... مجھے کہنے لگے کہ آپ لکھے پڑھے بندے ہیں، آپ کیوں حنفی بنے پھرتے ہیں؟ میں نے کہا: کیوں؟ کہنے لگے کہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہیکہ امام اعظمؒ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں، میں نے کہا: اچھا! پہلے تو میں تھا مضبوط حنفی اور اب یہ سن کر بن گیا ہوں اضبط حنفی،، وہ کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا: اب آپ جھٹلا نہیں سکتے، امام اعظمؒ نے اپنی زندگی میں چھ لاکھ مسائل کے جوابات اپنے شاگردوں سے لکھوائے، میں اس شخص کو اپنا امام کیوں نہ مانوں جس نے سترہ حدیثوں سے چھ لاکھ مسائل کے جواب نکالے؟ پھر وہ بات کا رخ بدلنے

لگے، کہنے لگے کہ میں آپ سے ایک بات کرتا ہوں، میں نے کہا: کریں کہنے لگے: پھر آپ کوفہ نہ پہونچ جانا..... کیونکہ میں اکثر اپنے ائمہ کی باتیں بتاتا ہوں، میں نے الزامی جواب دیتے ہوئے کہا: جی آپ بات کریں، مگر آپ بھی بخاریٰ نہ پہونچ جانا اگر ہم کوفہ پہونچتے ہیں تو تم بھی تو بخاریٰ پہونچ جاتے ہو۔

آج مسلمان اور کل ہاتھ میں بخاری

ایک مرتبہ نیو یارک میں اس عاجز نے بیان کیا، وہاں ایک مقامی بندہ تھا، اس بندے نے آکر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوا، کہنے لگا کہ میرا کوئی نام رکھ دیں، ہم نے کچھ انبیاء کرام کے نام، صحابہ کرام کے نام سنائے، مگر اسکا دل کہیں مطمئن نہیں ہوا، اچانک مجھ سے پوچھتا ہے کہ جی آپ کا کوئی بیٹا ہے، میں نے کہا ہاں بیٹا ہے، اسکا نام کیا ہے؟ میں نے کہا حبیب اللہ، سیف اللہ، کہنے لگا، حبیب اللہ کا معنیٰ کیا ہے؟ میں نے کہا Friend Of Allah تو جیسے میں نے کہا Friend of Allah کہنے لگا ہاں یہ نام میں پسند کرتا ہوں، میں نے اسکا نام حبیب اللہ رکھا، میں نے اسکو ارکانِ اسلام کے بارے میں بتایا کہ یہ بنیاد اور پیلر ہیں، پھر اس کو کہا کہ اب وقت زیادہ ہو چکا آپ کل میرے پاس عشاء کے وقت آنا، میں آپ کو بنیادی چیزیں سمجھاؤنگا، ضروریاتِ دین کے بارے میں، نیز طہارت، وضو، نماز وغیرہ جو ہمارے دین کی بنیادی باتیں ہیں بتاؤنگا، وہ اگلے دن آیا، سامنے بیٹھ گیا، اس نے بغل میں کوئی چیز دبائی ہوئی تھی، اور بیٹھا بات بھی سن رہا تھا، میں نے پوچھا حبیب اللہ یہ کیا ہے، کہنے لگا بخاری، شروع میں تو میں نہیں سمجھا، جب میں نے پوچھا تو اس نے مجھے دکھایا تو وہ بخاری شریف تھی، انگریزی میں اسکا ترجمہ: میں نے پوچھا حبیب اللہ یہ تمہارے ہاتھ میں کس نے دے دی، کہنے لگا کہ جی کل جب مجلس برخواست ہوئی، تو ہمارے ایک عرب بھائی جو اسی مسجد میں تھے، وہ میرے پاس آئے، اور مجھے کہنے

لگے کہ مبارک ہو آپ مسلمان ہو گئے، اب میں آپ کو ایک بات کہتا ہوں کہ کسی کے پیچھے چلنے کی ضرورت نہیں، یہ کتاب ہے یہ تمہیں دیتا ہوں، پڑھ کر اس پر عمل کرتے رہنا، تم دین کے اوپر چلنے والے بن جاؤ گے، اب آپ اندازہ لگائیے کہ جو بندہ آج کلمہ پڑھ رہا ہے، اسکو دین کا کچھ پتہ نہیں، کیا وہ اس قابل ہے کہ وہ بخاری شریف کو پڑھ کر عمل کر سکے، بخاری شریف جس کو پڑھانے کیلئے سات سال لگ جاتے ہیں، پھر آٹھویں سال بخاری شریف پڑھاتے ہیں، اسکو ہاتھ میں پکڑا دی کہ اس پر چلنا، عمل کرنا، اب بندہ حیران و پریشان نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ یہ بہت ہی بڑا حجاب ہے، اسی لئے ایسے لوگوں کو امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بڑی چڑھ ہوتی ہے، عجیب بات ہے امام شافعیؒ سے نہیں، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ سے نہیں، وہ بھی تو ائمہ ہیں، فقط امام اعظم ابوحنیفہؒ سے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہؒ کو ایسا مقام دیا تھا (سبحان اللہ) کے سارے ائمہ بالواسطہ یا بلا واسطہ انکے شاگرد بنتے ہیں، جو فہم، اللہ نے انہیں عطا کی تھی، وہ فہم تو ممکن ہی نہیں کہ آج کسی کے اندر ہو، اللہ نے انکو علم حدیث اور فقہ وفتاویٰ کا زبردست علم دیا تھا۔

ترکی بہ ترکی جواب

(۱) ایک انگریز آیا اور آکر مدرسے کے استاذ سے کہنے لگا یہ عربی پڑھنے والے سارے طلباء سر کیوں منڈواتے ہیں؟ وہ بھی سمجھدار تھے، کہنے لگے اچھا یہ بتائیں، یہ انگریزی پڑھنے والے سارے کے سارے داڑھی کیوں منڈواتے ہیں؟ اب اسکے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

(۲) ایک مسلمان عالم تھے مگر نابینا تھے، انگریز ان سے سوالات پوچھنے آیا، اب وہ ہر سوال میں یہ کہتے کہ بھئی اس میں بھی حکمت ہے.... اس میں بھی حکمت ہے .... اس میں بھی حکمت ہے، تو انگریز کو بڑا غصہ آیا، اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ! تم جو اندھے ہو تو

تمہارے اندھا پیدا ہونے میں کیا حکمت ہے، تو وہ کہنے لگے کہ میرے اندھے پیدا ہونے میں یہ حکمت ہے کہ تیرے جیسے بندے کی شکل نہ دیکھ سکوں۔

(۳) ایک مشہور واقعہ ہے کہ پہلے زمانے میں جب یہاں انگریزوں کی حکومت ہوا کرتی تھی تو ہمارا ایک دیسی بندہ کسی انگریز کا نوکر تھا، ایک دفعہ کسی بات پر صاحب کو غصہ آ گیا اور غصے میں ہو کر کہنے لگا کہ جاؤ جہنم میں، وہ بے چارہ نوکر تھا وہ باہر چلا گیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر واپس آ گیا، آنا ہی تھا، انگریز نے پھر ناراضگی سے پوچھا،، تجھے میں نے کیا کہا تھا،، اس نے کہا جی آپ نے کہا تھا کہ،، جاؤ جہنم میں،، تو پھر گئے کیوں نہیں؟ کہنے لگا، جی میں باہر تو نکلا تھا جانے کے لئے لیکن وہاں سب انگریزوں نے قبضہ کیا ہوا ہے، مجھے تو کوئی جانے ہی نہیں دیتا۔

(۴) سلطان عبدالحمید ترکی کے بادشاہ گزرے ہیں، بہت نیک آدمی تھے، اللہ کی شان کہ ترکی چاروں طرف سے یورپ میں گھرا ہوا ہے، ایک مرتبہ جرمنی کا بادشاہ اس سے ناراض ہوا تو ناراضگی میں اس نے خط لکھا، اس نے کہا کہ تم ہمارے درمیان اس طرح گھرے ہوئے ہو جس طرح دانتوں کی مضبوط دیوار کے اندر زبان گھری ہوتی ہے، یعنی اسکو دھمکی دی، تو سلطان حمید نے جواب بھجوایا کہ جناب دانت ہمیشہ گر جایا کرتے ہیں زبان کو کچھ نہیں ہوا کرتا، بندہ غور کرے تو ہوتا تو ایسا ہی ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ زبان کو کچھ نہیں ہوا کرتا اور دانت تو پھر ٹوٹ ہی جاتے ہیں۔

(۵) ایک عالم تھے ان کو ایک انگریز کہنے لگا، آؤ ہم تم متفقہ باتوں پر غور کر لیں، اس نے کہا، کیا؟ کہنے لگا کہ میں بھی عیسیٰؑ کو مانتا ہوں تم بھی عیسیٰؑ کو مان لو، عیسائی بن جاؤ بس ہم تم متفق ہو جائینگے، اب یہ بات اس نے کتنی عجیب کی لیکن وہ طالب علم ذرا سمجھدار تھا، کہنے لگا کہ متفق اسکو نہیں کہتے کہ تم عیسائی ہو اور میں بھی تمہارے ساتھ ہو جاؤں تو ہم دو متفق ہوئے، تو دو کی جگہ تین متفق کیوں نہ ہوں؟ اسنے کہا تین کیسے؟ اس نے کہا

دیکھو!! میں بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہوں تمہارے نبیؐ نے بھی ان کو مانا، من بعد اسمہ احمد،، اب تم بھی اگر مسلمان ہوجاؤ، تو ہم تینوں ایک بات پر متفق ہوجائینگے تو دو کے بجائے تین متفق ہوجائینگے۔

(۶) ایک انگریزی داں نے کسی عربی طالب علم سے پوچھا کہ بتاؤ عرش پر ستارے کتنے ہیں ؟ تو طالب علم نے کہا مجھے تو نہیں پتہ، کہنے لگا کیا خاک پڑھتے ہو، تمہیں عرش کے ستاروں کا نہیں پتہ ؟ اس نے کہا کہ جی اچھا آپ بتائیں کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں ؟ کہتا ہے مجھے بھی نہیں پتہ، اس نے کہا کہ تمہیں فرش کا پتہ نہیں تم عرش کی باتیں کرتے ہو، وہ حیران و پشیمان رہ گیا۔

عقل بڑی یا بھینس

ایک مرتبہ میرا چھوٹا بیٹا سیف اللہ میرے ساتھ تھا، ایک جگہ ہم نے ایک بھینس گزرتے دیکھی، میں نے بچے سے پوچھا: بیٹا! عقل بڑی کہ بھینس؟ کہنے لگا: ابو جی! بھینس، میں نے پوچھا، وہ کیسے؟ کہنے لگا: عقل اتنی چھوٹی سی ہے اور بھینس اتنی بڑی ہے، اس لئے بھینس بڑی ہوتی ہے، میں نے پوچھا: بھینس کے گلے میں پٹہ کون ڈالتا ہے؟ اس نے کہا: انسان، پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: اس لئے کہ اللہ تعالی نے اسے عقل دی ہے، پھر میں نے اسے سمجھایا کہ بھینس انسان کے گلے میں پٹہ نہیں ڈال سکتی، انسان بھینس کے گلے میں پٹہ ڈال کر اسے قابو کر لیتا ہے، اس لئے عقل بھینس سے بڑی ہوتی ہے۔

شوگر فری تربوز

ایک مرتبہ لاہور میں ایک کسان سیزن کے شروع شروع میں اپنے تربوز توڑ کر لایا کہ ریٹ اچھا ملے گا، اللہ کی شان کہ جب اس نے تربوز کھولے تو وہ اندر سے تھے تو سرخ، مگر پھیکے تھے، ایک بندے نے خریدا تو اس نے کہا کہ یہ تو میٹھا ہی نہیں،

دوسرے نے خریدا تو اس نے بھی کہا کہ یہ تو میٹھا ہی نہیں، وہ بھی بڑا پریشان ہوا مگر وہ بندہ ہمت والا تھا اس نے سوچا کہ اب جو کچھ ہے وہ تو ہے ہی، مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، مجھے اس کا حل نکالنا چاہئے۔

چنانچہ اس نے سوچنا شروع کر دیا، بالآخر وہ ایک پینٹر کے پاس گیا اور اس سے جا کر کہا: مجھے ایک بڑا سا سائن بنا کر دو، اس نے پوچھا اس پر کیا لکھوانا ہے؟ کہنے لگا: اس کے اوپر لکھو "لاہور میں پہلی مرتبہ شوگر فری تربوز"

اب جب اس نے شوگر فری کا لفظ لکھ دیا تو کسی نے کہا: میں امی کے لئے لے کر جاتا ہوں، میں ابو کے لئے لے کر جاتا ہوں، اس طرح اس کے پھیکے تربوز ڈبل ریٹ پر سارے کے سارے بک گئے۔

تو معلوم ہوا کہ انسان کو کوئی چیز دیکھ کر فوراً فرسٹ امپریشن میں نہیں آنا چاہئے، بلکہ اس کا وے آؤٹ نکالنا چاہئے۔

چاند کی رؤیت کے سلسلے میں حضرت کا واقعہ

ایک دفعہ ایک صاحب ہمارے پاس آ گئے اور کہنے لگے: جی! آپ تو سائنس پڑھے ہوئے ہیں، انجینئر ہیں، آپ بھی انپڑھ والی باتیں کرتے ہیں، میں نے پوچھا: کیا مطلب؟ کہنے لگے: آپ تو سائنس جانتے ہیں اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم چاند دیکھ کر روزہ رکھیں گے اور چاند دیکھ کر روزہ کھولیں گے، یعنی عید منائیں گے، کئی دفعہ آسمان پر بادل بھی ہوتے ہیں، کبھی نظر نہیں بھی آتا، اس لئے سائنس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

خیر! ہم نے اس بندے کو جو جواب دینا تھا وہ اسے دیا، لیکن پھر ہم نے اس کے بعد اس کی تحقیق شروع کر دی کہ سائنس اس کے بارے میں کیا کہتی ہے۔

امریکہ میں سپیس (خلا) کے بارے میں ایک میوزیم ہے، وہاں پر ہر وقت بتایا جاتا ہے کہ خلا میں کیا ہو رہا ہے، ایک ریڈیو سٹیشن ہی ایسا ہے کہ آپ وہاں فون کریں تو

آپ کو ہر وقت وہاں پر یہ خبریں سنائی دے رہی ہوگی کہ اب

..... مشتری میں یہ ہو رہا ہے۔

..... عطارد میں یہ ہو رہا ہے۔

..... سورج میں یہ ہو رہا ہے۔

..... چاند میں یہ ہو رہا ہے۔

جو کچھ اوپر کی دنیا میں ہو رہا ہوتا ہے اس کے بارے میں معلومات بتائی جاتی ہیں، آج چاند کس کس جگہ پر نظر آئیگا اور کس کس جگہ پر نظر نہیں آئیگا، وہ بتاتے ہیں، ہم نے ان سے پوچھا: آج چاند کہاں کہاں نظر آئیگا؟ انہوں نے کہا: فلاں فلاں جگہ پر نظر آئیگا، ہم نے پوچھا: آپ کی یہ بات پکی ہے یا اندازے پر مبنی ہے؟ جب ہم نے بات کو ذرا کھولنا چاہا تو وہ کہنے لگے کہ ہم سو فیصد یقین سے نہیں کہہ سکتے، ہم نے پھر پوچھا: جناب! سو فیصد یقین کے ساتھ کون کہہ سکتا ہے، انہوں نے کہا: جی! آپ نیوی والوں سے رابطہ کریں، ان کا مستقل ایک ڈیپارٹمنٹ ہے اور ایک بڑا کمپیوٹر ان کے پاس ہے، وہ چاند کے مدار کے ایک ایک انچ کی پیمائش رکھتے ہیں، ان کو پکا پتہ ہوتا ہے کہ اس وقت چاند کہاں پہ ہے۔

ان سے نمبر لے کر میں نے خود فون کیا، وہاں اس کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ ایک خاتون تھی، اس سے میری بات ہوئی، میں نے کہا: میں فلاں علاقے میں ہوں اور معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں چاند نظر آئیگا یا نہیں نظر آئیگا، اس نے کمپیوٹر سے پتہ کر کے بتایا کہ صرف اتنے پرسنٹ چانس ہے، میں نے کہا: واہ! انسان تو چاند پر قدم ٹکا چکا ہے اور سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے اور آپ کہہ رہی ہیں کہ صرف اتنے پرسنٹ چانس ہے نظر آنے کو، کوئی پکی بات کرو..... جو سوال دوسرے لوگ ہم سے کہتے تھے ہم نے ہو بہو وہی سوال ان سے کر دیا کہ کوئی پکی بات بتاؤ، انسان تو چاند پر پہنچ چکا ہے اور ابھی بھی آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ چانسز ہیں، .... جب اس عاجز نے کہا کہ کوئی پکی بات بتاؤ کہ چاند یقینی طور پر نظر آئیگا یا

نہیں آئیگا، تو اس نے کہا کہ ہم یقین سے کبھی بھی نہیں کہہ سکتے، میں نے کہا: چاند پر چڑھ گئے اور یقین سے کہہ نہیں سکتے !؟ کہنے لگیں: دراصل بات یہ ہے کہ اس کے درمیان کچھ مشکلات ہیں، وہ مشکلات یہ ہیں کہ ہم جو چاند کی پوزیشن بتاتے ہیں، وہ دیکھ کر نہیں بتاتے، حساب کی کچھ EQUATIONS مساواتیں ہیں، ہم ان سے جمع تفریق کر کے بتاتے ہیں کہ اب چاند یہاں ہوگا، وہ جمع تفریق کا حساب اتنا پکا ہے کہ صحیح پوزیشن کا پتہ چلتا ہے، اس کو METHEMATICAL IMULATOR کہتے ہیں، میں نے کہا: جب آپ کے پاس ایسی مساواتیں ہیں جو پکا حساب بتا دیتی ہیں تو آپ بھی پکی بات کریں، کہنے لگی جی! بات یہ ہے کہ ان مساواتوں میں چھ ہزار پیرامیٹرز ایسے ہیں جو VARIABLES (متغیرات) ہیں، ان میں سے کسی ایک کے بدلنے سے رزلٹ بدل سکتا ہے۔

میں نے پوچھا: آپ کا یہ بتانے کا مقصد کیا ہے؟ کہنے لگی: دنیا کا کوئی انسان کبھی بھی گارنٹی کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا چاہے کتنا بڑا سائنسداں ہو، کہ آج چاند کہاں اور کس جگہ پر ہوگا، اس میں شبہ کی ہی گنجائش ہوگی، معلوم نہیں کہ ان چھ ہزار میں سے کوئی ایک پیرامیٹر بدل جائے اور چاند کی پوزیشن میں فرق آجائے۔

میں نے اس کی بات سن کر کہا: الحمدللہ! **صدق رسول اللہ ﷺ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا: صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔**

''چاند دیکھ کر روزہ رکھ لو اور چاند کو دیکھو تو افطار کر لو''

دنیا نے ٹھوکریں کھائیں، ریسرچ کی، سائنس کے پیچھے لگے رہے، بیسیوں سال کی محنت کے بعد بالآخر اس نتیجہ پر پہونچے کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے۔

بھئی! یہ تو اب یہ بات کر رہے ہیں اور ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے تو چودہ سو سال پہلے ہی یہ بتا دیا تھا۔

منفرد مثال کے ذریعہ اہم پیغام

یہ نویں جماعت کی بات ہے، اس زمانے میں یہ عاجز اس زمانے میں نویں جماعت میں پڑھتا تھا اسکول میں، ایک میرا کلاس فیلو تھا ہم اکٹھے بینچ پر بیٹھتے تھے، وہ دیہات سے پڑھنے کے لئے آتا، ذہین تھا، نمازی تھا اچھا آدمی تھا، میرا اس کے ساتھ اچھا دوستانہ تعلق تھا ہم مل کے پڑھتے بھی تھے اور ایک دوسرے کے اچھے دوست تھے، وہ مجھے کبھی کبھی دیہات کی باتیں سناتا تھا کہ دیہات میں گاجریں ایسی لگتی ہیں، مولی ایسی لگتی ہے، شلغم ایسے لگتے ہیں، سبزیاں ایسی لگتی ہیں، ہمیں پتہ ہی نہیں تھا، زندگی میں ہم نے کبھی دیہات دیکھا ہی نہیں تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب مجھے یہ نہیں پتہ ہوتا تھا کہ گندم کسی پودے پے لگتی ہے یا کسی درخت کے اوپر، کچھ پتہ نہیں تھا، جب وہ بات سناتا دیہات کی تو میں اس کو شوق سے سنتا تھا، ایک دن وہ کہنے لگا کہ بھئی! آپ ایسا کریں کہ گرمی کی چھٹیاں ہونے والی ہیں، ہمارے پاس دیہات میں آئیں ایک دو دن کے لئے، میں آپ کو دیہات کی سیر کراؤں گا اور یہ ساری چیزوں کی فصلیں میں آپ کو خود دکھاؤں گا، ہم نے کہا بہت اچھا، گھر میں، میں نے اپنی والدہ سے بات کی، والدہ صاحبہ نے کہا کہ تم اپنے بڑے بھائی کے ساتھ چلے جاؤ اور ایک دو دن وہاں ٹھہر کے بڑے بھائی کے ساتھ واپس آجاؤ۔

چنانچہ میرے بڑے بھائی مجھے لے کر گئے، ہم وہاں گئے، رات سوئے، صبح اس نے اٹھایا، ہم نے نماز پڑھی سیر کو نکلے، سیر کرتے ہوئے مجھے تعارف کروا رہا تھا، ایک جگہ میں نے کیا دیکھا کہ ایک جگہ گوبر کا ڈھیر لگا ہوا ہے، انبار گوبر کا، یہ گائے بھینس کی جو نجاست ہوتی ہے، اس کا ڈھیر لگا ہوا تھا، اس کو دیکھ کر مجھے عجیب سا لگا، میں نے کہا کہ یار! یہ اکٹھا کر کے رکھا ہوا ہے یہ تو ناپاک ہوتا ہے، یہ تو بدبو دار ہوتا ہے، یہ تو نجاست ہے، اس کو تو پھینک دینا چاہئے کہیں، اس نے کہا کہ یہ جو بندہ ہل چلا رہا ہے اس سے پوچھو کہ اس نے کیوں جمع کر رکھا ہے؟ میں نے اس ہل چلانے والے سے پوچھا کہ آپ

نے یہ گائے بھینس کا گوبر بدبودار، نجس کیوں یہاں رکھا ہوا ہے؟ (میں چھوٹا تھا اس وقت) وہ کہنے لگا بچے! تم ابھی بچے ہو، کچے ہو، تمہیں پتہ نہیں ہے، تمہاری نظر میں یہ نجاست ہے، تمہاری نظر میں یہ گوبر ہے، ناپاک ہے، میری نظر میں یہ کارآمد ہے، میں اس کو کھیت کے اندر ملاتا ہوں مٹی میں، پھر جب سبزی اگاتا ہوں تو سبزی بڑی اچھی ہوتی ہے، سائز بھی اچھا ہوتا ہے، تعداد بھی زیادہ ہوتی ہے، مجھے اس کا بڑا فائدہ ہوتا ہے، اس نے سمجھانے کی کوشش کی مگر چھوٹی عمر کی وجہ سے مجھے اس کی بات سمجھ میں نہ آئی، مجھے یہی بات سمجھ آرہی تھی کہ ناپاک ہے، نجس ہے، گندگی بدبودار کیوں ڈالتا ہے، یہاں تو کھانے کی چیز پیدا ہوتی ہے نہیں ڈالنی چاہئے، گھر میں واپس آگیا۔

آج جب کبھی اپنی زندگی کے اس واقعہ کو میں یاد کرتا ہوں تو اب بات سمجھ میں آتی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اے انسان! جسکو ہم گوبر کہتے ہیں، نجاست کہتے ہیں، گندگی کہتے ہیں، ناپاک کہتے ہیں، بدبودار کہتے ہیں، حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس گوبر کو اگر کسی کھیت میں ملا دیا جائے تو وہ گوبر بھی ساتھ والی فصل کو اور سبزی کو فائدہ پہنچا دیتا ہے، تو انسان ہو کر اگر ساتھ والے انسان کو فائدہ نہیں پہنچاتا تو اللہ کی نظر میں تو گوبر اور گندگی سے بھی گیا اور گزرا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

فہم وفراست

حضرت ابوبکرؓ کی فراست

سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بلایا، فرمایا کہ میری یہ جائیداد اپنے دو بھائیوں میں اور دو بہنوں میں تقسیم کر دینا، انہوں نے عرض کیا: وہ کیسے؟ میری تو ایک بہن ہے، فرمایا نہیں، تمہاری والدہ امید سے ہے اور میرے وجدان نے مجھے بتایا کہ اب اللہ تعالی مجھے بیٹی عطا فرمائیں گے، اس لئے اس کو بھی شمار کیا، پھر ایسا ہی ہوا کہ ان کی وفات کے بعد اللہ تعالی نے ان کی اہلیہ کو بیٹی عطا فرمائی اور ان کی بات سو فیصد سچ نکلی، یہ فراست ہے جو اللہ تعالی دل میں القاء فرما دیتے ہیں۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۲/ ۲۴۰-طلبۃ الطلبۃ للنسفی ۳/ ۸۷-الکامل فی التاریخ ۲/ ۳۹۷)

حضرت عمرؓ کی فراست

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور انہوں نے پیچھے پڑھی، پھر نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی طرف رخ انور کر کے بیٹھ گئے، اس دوران میں ایک عورت آئی اور اس نے کھجوروں کا ایک بھرا ہوا تھال پیش کیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے دو کھجور لے کر حضرت علیؓ کو کھانے کے لئے دیا، جب انہوں نے وہ کھجوریں کھائیں تو انہیں بڑا مزہ آیا، اس دوران ان کی آنکھ کھل گئی.... انہیں خواب دیکھنے کا بھی بڑا مزہ آیا، ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا، دوسرا ان کے پیچھے نماز پڑھی اور تیسرا ان کے ہاتھوں سے کھجوریں کھائیں۔

حضرت علیؓ فجر کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے، یہ خلافت فاروقی کا زمانہ تھا، سیدنا عمر فاروقؓ تشریف لائے اور انہوں نے نماز پڑھائی، اللہ تعالی کی شان دیکھئے کہ

انہوں نے نماز میں وہی دوسورتیں پڑھیں جوخواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں پڑھی تھیں، حضرت علیؓ بڑے حیران ہوئے، پھر حضرت عمر فاروقؓ نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے، حسن اتفاق دیکھئے کہ ایک عورت نے امیر المومنین کی طرف کھجوروں سے بھرا ہوا ایک تھال پہونچایا، حضرت عمرؓ نے اس میں سے دو کھجوریں اٹھائیں اور حضرت علیؓ کو کھانے کے لئے دیں، جب انہوں نے کھجوریں کھائیں تو ان کا دل بڑا خوش ہوا، دو کھجوریں کھانے کے بعد انہوں نے کہا امیر المومنین! مجھے اور بھی دیجئے، اس بات پر حضرت عمرؓ مسکرائے اور فرمانے لگے: اگر آپ کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی دی ہوتیں تو میں اور بھی عطا کر دیتا، یہ نور فراست ہوتا ہے جو تقوی کی بنا پر انسان کو حاصل ہوتا ہے، یہ نعمت ہر بندے کو نصیب نہیں ہوتی۔

نزہۃ المجالس ۳۴۶

حضرت عمرؓ کی فہم وفراست

حضرت عمرؓ مسجد میں تشریف فرما ہیں، ایک گورا چٹا بندہ آ گیا اس زمانہ میں نجران سائڈ کے جو عیسائی تھے وہ گورے چٹے ہوتے تھے، پوچھا کون ہے؟ کہنے لگا میں بنو کلب کا سردار ہوں اور میں عیسائی ہوں اور میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ میرے اوپر اسلام پیش کریں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کے سامنے اسلام کی کچھ تعلیمات کو کھولا، قرآن پڑھا، قرآن پاک نے اس کے دل پر ایسا اثر ڈالا کہ اس نے کلمہ پڑھا اور وہ مسلمان ہو گیا، حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھتے ہی فراست سے پہچان لیا کہ یہ مخلص ہے اور اللہ اس سے دین کا کام لے لیں، انہوں نے اس کو خط لکھ کر دیا، آپ فلاں جگہ جایئے میں آپ کو اس علاقہ کا گورنر بناتا ہوں، ایک صحابی بول اٹھے ہم نے زندگی میں پہلا شخص دیکھا جس نے کلمہ پڑھ کر ایک رکعت نماز نہیں پڑھی اور عمر بن خطابؓ کے ہاتھوں سے گورنر بن گیا ہو، وہ بڑے خوش ہوئے اس بات سے، چنانچہ وہ اس رقعہ کو لے کر چل پڑے، کہتے ہیں کہ بس

دوسرے لوگ بھی اٹھے تو حضرت علیؓ بھی اٹھے اور حسن اور حسین بھی دونوں ساتھ تھے، تو یہ تینوں حضرات پھر راستے میں جا کر ان کو ملے، سلام کیا، انہوں نے پوچھا جی کیسے آنا ہوا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ میرے دو بیٹے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اتنے خلوص سے آپ نے کلمہ پڑھا کہ امیر المؤمنین نے اسی وقت آپ کو ایک علاقہ کی ولایت سپرد کر دی، تو میں چاہتا ہوں کہ میرے بچوں کو آپ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق مل جائے، اس نے تھوڑی دیر سوچا، کہنے لگا میری بیٹیاں ہیں تین علی آپ کے ساتھ بڑی بیٹی کا نکاح کرتا ہوں اور حسن کے ساتھ دوسری بیٹی کا نکاح اور حسین کے ساتھ تیسری بیٹی کا نکاح کہ آپ تینوں نبی علیہ السلام کے قریبی رشتہ دار ہیں، مجھے محبوب کا قرب اب سب سے زیادہ عزیز ہے، چنانچہ ان کی بڑی بیٹی محیا تھا، دوسری کا سلمی اور تیسری کا رباب اور یہ جو سکینہ بنت حسین تھی یہ انہیں رباب کی بیٹی تھیں، اللہ اکبر، تو حضرت عمرؓ کی فراست دیکھئے کہ ایک بندہ آرہا ہے، کلمہ پڑھ رہا ہے، اسکے کلمہ پڑھتے ہی پہچان لیا، اللہ نے اس سے دین کا کام لینا ہے اور اسکو ایک علاقہ کا والی بنا کر بھیج دیا، یہ فراست ہوتی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی فراست

حضرت جنید بغدادیؒ مسجد میں بیٹھے تھے، ایک شخص ان کے پاس آیا، اس نے جبہ پہنا ہوا تھا اور عمامہ بھی باندھا ہوا تھا، اس کا چہرہ بظاہر منور نظر آرہا تھا، گورا، چٹا، خوبصورت تھا، وہ آکر کہنے لگا، حضرت! مجھے آپ ایک حدیث کا مطلب سمجھا دیجئے پوچھا کون سی حدیث؟ اس نے کہا، حدیث یہ ہے **اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله** (مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) حضرت نے اس کا چہرہ دیکھا اور فرمایا او نصرانی کے بیٹے! اس کا مطلب یہ ہے کہ تو کلمہ پڑھ اور مسلمان ہو جا! یہ سن کر اس کے پسینے چھوٹ گئے وہ کہنے لگا واقعی میں نصرانی ہوں، میں اس لئے آیا تھا کہ میں پہلے آپ سے اس کا معنی پوچھوں گا اور پھر میں آپ کو لوگوں میں رسوا کروں گا کہ آپ اتنے

بڑے شیخ بنے پھرتے ہیں لیکن اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ میں مومن ہوں یا نہیں، اس سے پتہ چلا کہ واقعی یہ ایک نعمت ہے جو مومن بندے کے دل میں عطا ہوتی ہے، لہذا اب میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں، اللہ اکبر!!!۔

(الرسالۃ القشیریۃ ۱۰۹)

یہ حرام گوشت کب سے

حضرت خواجہ محمد عبد المالک صدیقیؒ بہت محتاط بزرگ تھے، ان کی زندگی میں بڑا تقوی تھا، اگر کوئی آدمی ان کو کوئی مشتبہ مال کی چیز کھانے کے لئے دیتا تو آپ قبول ہی نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک آدمی نے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرتؒ کے لئے مشتبہ مال سے بہت کھانا بنوایا، تقریبا پچیس تیس ڈشز بنوائیں، اس کے علاوہ دال بالکل حلال مال سے بنوائی، جب حضرت دسترخوان پر تشریف لائے تو فقط دال کے ساتھ روٹی کھا کر اٹھ گئے، باقی کسی اور چیز کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھایا۔

حضرت مرشد عالمؒ کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا عبد الرحمن قاسمیؒ نے خود مجھے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت مرشد عالمؒ تبلیغی سفر پر تھے، اس دوران حضرت خواجہ عبد المالک صدیقیؒ اس علاقہ میں کسی پروگرام کے لئے تشریف لائے اور واپسی پر اچانک چوکوال تشریف لائے، جب حضرتؒ اچانک تشریف لائے تو میں خوش بھی ہوا اور حیران بھی ہوا، میں نے گھر میں والدہ صاحبہ کو آکر بتایا کہ حضرتؒ تشریف لائے ہیں، ان کے لئے کھانا بنایئے، میں نے حضرتؒ کو بٹھایا، پانی پلایا اور جب دسترخوان لگایا تو حضرتؒ نے دسترخوان کی طرف ایک مرتبہ دیکھا پھر مجھے دیکھ کر فرمانے لگے: تمہارے گھر میں سور کیسے داخل ہو گیا؟ فرماتے ہیں کہ میں فورا واپس والدہ صاحبہ کے پاس گیا اور ان سے کہا: امی جان حضرت تو کھانے کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھا رہے،

اور مجھے غصہ سے دیکھ کر فرماتے ہیں کہ تمہارے گھر میں یہ سور کیسے داخل ہو گیا، امی جان سر پکڑ کر کہنے لگی،، اوہو! غلطی میری ہے میرے ہم سایے والی عورت مدتوں سے مجھے کہہ رہی تھی کہ جب تمہارے پیر صاحب آئینگے تو اس دفعہ کھانا میں بنا کے دوں گی، اور مجھے خیال ہی نہ رہا کہ حضرت محتاط غذا کھاتے ہیں، میں نے پڑوسن کا حق سمجھ کر اسے ہاں کر دی تھی، لہذا یہ ہمارے گھر کا کھانا نہیں پڑوس کے گھر کا کھانا ہے،، تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ اس کے خاوند کا مال تو حلال تھا مگر اس نے اپنی رقم کو سود والے اکاؤنٹ میں رکھا تھا، لہٰذا وہ بھی حرام بن گیا۔

انگور سے مردوں کی بدبو

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے پاس ایک مرتبہ کوئی مرید آیا اور اس نے انگور پیش کئے، حضرتؒ اس میں سے کچھ انگور توڑ کر منہ میں ڈالنے لگے تو واپس رکھ دیے، فرمایا: مجھے ان میں سے مردوں کی بو آرہی ہے، اس نے کہا: حضرت بازار سے لایا ہوں، لیکن حضرتؒ نے واپس کر دیے، حضرتؒ کے اس عمل کی وجہ سے اس کے اندر تجسس پیدا ہوا اور اس کی تحقیق کے لئے کمر بستہ ہو گیا، چنانچہ وہ دوکاندار کے پاس گیا اور پوچھا: جی آپ نے یہ انگور کہاں سے لئے؟ اس نے کہا: ایک دیہاتی بندے کا انگور کا باغ ہے، وہ لاتا ہے اور میں اس سے خریدتا ہوں، اس نے کہا: مجھے اس کا ایڈریس بتاؤ! اس نے اس کا پتہ دے دیا، جب اس آدمی نے جا کر دیکھا تو پتہ چلا کہ اس شخص نے ایک پرانے قبرستان کی زمین ہموار کر کے وہاں انگوروں کی بیلیں لگائی ہوئی تھیں۔

یا تو بڑھئی یا درزی

(۱) حضرت امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا اور لوگوں سے کہا کہ یہ شخص یا تو بڑھئی ہے یا درزی ہے، لوگوں نے کہا حضرت آپ نے بالکل درست فرمایا پہلے یہ لکڑی کا کام کرتا تھا لیکن اب اس نے چھوڑ کر کپڑے سینے کا کام شروع کر دیا ہے۔

(دروس للشیخ المنجد ۱۷۵/۳۰)

(۲) حضرت ابراہیم خواصؒ نے رسالۂ قشیریہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں بغداد کی جامع مسجد میں تھا اور میرے پاس فقراء کی ایک جماعت موجود تھی، ایک نوجوان بڑا ہنس مکھ، باوقار اور خوبصورت نہایت اچھا لباس پہنے ہوئے اور خوشبو لگائے ہوئے وہاں پہنچا، میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ شخص یہودی ہے، سب نے میری بات کا یقین نہ کیا، میں جب مجلس سے اٹھ گیا تو اس نوجوان نے لوگوں سے پوچھا کہ شیخ نے میرے متعلق کیا کہا تھا؟ اس کی ظاہری وجاہت سے مرعوب ہو کر لوگوں نے اس کو اصل بات نہ بتائی، لیکن جب اس نے بہت زور دے کر پوچھا کہ مجھے حقیقت بتاؤ، تو پھر انہوں نے بتایا کہ شیخ نے کہا تھا کہ یہ شخص یہودی ہے، یہ سنتے ہی وہ نوجوان میرے پاس آیا اور میرے ہاتھوں پر اپنا سر رکھ دیا اور مسلمان ہو گیا۔

(الرسالۃ القشیریۃ ۱۰۸)

(۳) ایک شخص درویشوں والا جبہ اور دلق پہنے ہوئے حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانیؒ کی مجلس میں آ کر ایک طرف بیٹھ گیا جب حضرت لوگوں کو وعظ ونصیحت کر کے فارغ ہوئے تو اس شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت **اتقوا فراسة المؤمن** کا کیا مطلب ہے؟ اور وہ فراست کیا چیز ہوتی ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ وہ فراست یہ ہے کہ تم اپنا زنار توڑ ڈالو، یہ سن کر اس نے شور مچا دیا اور کہا کہ معاذ اللہ مجھے زنار سے کیا مطلب؟ اسی اثناء میں

ایک مرید نے شیخ کا اشارہ پا کر اس کے دلق کو اس کے بدن سے الگ کر دیا تو نیچے سے زنار نکلا، یہ واقعہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا، اس کے بعد شیخ نے سب فقراء سے کہا کہ دوستو! جس طرح اس نے اپنے ظاہری زنار کو توڑ ڈالا اور مسلمان ہو گیا آؤ ہم سب بھی اپنے باطنی زنار کو توڑ ڈالیں اور اللہ کے حضور اپنے گناہوں سے سچی پکی توبہ کریں، اس پر لوگوں پر گریہ طاری ہوا اور سب نے اسی وقت بیعت کی تجدید کی۔

(۴) یہ عاجز ایک مرتبہ ایک عالم کو لے کر حضرت مرشد عالمؒ کی خدمت میں چکوال حاضر ہوا، دل میں خیال آیا کہ اتنے بڑے عالم میرے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ میں ان کے بارے میں حضرت کو کچھ بتادوں، چنانچہ ہم جیسے ہی حضرت سے ملے، میں نے عرض کیا: حضرت! یہ ایک بڑے عالم ہیں، جو آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں، حضرت فرمانے لگے ''چپ کر میں اسے پہلے ہی پڑھ چکا ہوں''، حضرت نے یہ الفاظ مسجد میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

تربیت وپرورش

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کی پیاری باتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات مؤرخین نے بہت تھوڑے لکھے ہیں، سیرت کی کتابوں میں آپ کی جوانی کے واقعات دیکھیں تو وہ اگر ننانوے فیصد ہیں تو بچپن کے واقعات ایک فیصد بھی نہیں ملتے، وجہ یہ تھی کہ کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ یہ بچہ جو آج گودوں میں پل رہا ہے، اس نے بڑے ہو کر پوری دنیا کا معلم بننا ہے اور اللہ رب العزت کا محبوب ہونا ہے، اس لئے بچپن کے واقعات کتابوں میں اتنے زیادہ نہیں قلمبند کئے گئے، چند ایک واقعات ہیں جن میں سے کچھ واقعات تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بتلائے۔

☆ عام طور پر بچے کی عادت ہوتی ہے کہ اس کے جب دانت نکل رہے ہوں تو کوئی چیز بھی اس کے منہ میں ڈالو تو وہ اس کو کاٹتا ہے، ہر بچے کی عمر میں ایک خاص حصہ ایسا آتا ہے کہ اسے چیز کو چبانے کی عادت ہو جاتی ہے، آپ انگلی دیں تو انگلی کو کاٹے گا، اپنی ہتھیلی دیں تو ہتھیلی کو کاٹے گا، یہ بچے کی فطرت ہے۔

غالبا ایسی ہی عمر ہوگی کہ جس میں انسان کے دانت نکلتے ہیں اور اس کو کاٹنے میں مزہ بھی آتا ہے، ایک مرتبہ آپ کی رضائی بہن ''شیما'' نے آپ کو اٹھایا اور آپ کو کندھے سے لگایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھے پر دندان مبارک سے کاٹا، یہ اتنا زیادہ تھا کہ اس کے نشان پڑ گئے، اللہ کی شان دیکھیں کہ یہ نشان ان کے رہا۔

ایک مرتبہ کسی غزوہ میں ان کے قبیلے کے لوگوں کو گرفتار کر کے لایا گیا، شیما اس وقت بوڑھی ہو چکی تھیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے آ کر بتایا کہ میں آپ کی بہن ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو اپنے باپ

کا ایک ہی بیٹا ہوں، آپ میری بہن کیسے؟ اس نے بتایا کہ میں حلیمہ کی بیٹی، آپ کی رضائی بہن ہوں، نشانی کے طور پر اس نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا تو آپ نے مجھے کاٹا تھا اور میرے جسم پر وہ نشان آج بھی موجود ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشان کو دیکھا تو آپ کو بھی یاد آ گیا کہ ہاں بچپن میں ایسا معاملہ پیش آیا تھا، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بچھائی اور اپنی بہن کو اس چادر پر بٹھایا، دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل کے معلم انسانیت تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بچپن میں بچکانہ فطرت کا اظہار ہو رہا ہے۔

(الروض الانف ۴/ ۲۲۷-السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۳/ ۶۸۹-السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۵/ ۱۲۸)

بچوں کی سعادت بچپن سے ہی

بعض بچے بچپن میں ہی سعادت کے آثار لے کر آتے ہیں، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے ایک بیٹے تھے، حافظ احمد صاحب، اللہ کی شان کی انکی شادی ہوئی، ایک بچہ ہوا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا، پھر کچھ عرصہ بچہ ہی نہیں ہوا، امید ہی نہیں لگی سب لوگ فکر مند تھے اور سب چاہتے تھے کہ خاندان قاسمی کا سلسلہ چلتا رہے، علمی گھرانا اور یہ علمی یادگاریں آگے بڑھتی رہیں، قیامت تک ان کا فیض چلے، سب لوگ دعائیں کرتے تھے، کوئی امید ہی نظر نہیں آتی تھی، ایک بزرگ تھے، فتح پور کے رہنے والے، ان کے پاس شیخ الہندؒ نے مولانا عبدالسمیع کو پیغام دے کر بھیجا کہ حضرت! حافظ احمد صاحب کے لئے اولاد کی دعا کریں، یہ گئے اور انہوں نے جا کر پیغام پہونچایا، وہ بزرگ اس خاندان کی علمی وجاہت اور علمی مقام کو جانتے تھے، انہوں نے جب سنا تو تھوڑی دیر تو خاموش رہے پھر کہنے لگے: ہاں ہاں بچہ ہوگا، حافظ ہوگا، قاری ہوگا، عالم ہوگا، اپنے وقت کا مقتدا ہوگا، حاجی بھی ہوگا، یہ الفاظ کہے، اس کے چند دن کے بعد ان کی اہلیہ کو امید لگ گئی اور اللہ نے

ان کو بیٹا دیا، جو بڑا ہو کر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ بنا، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے ہی اللہ بچہ کو ولایت کا نور عطا فرما دیتا ہے اور بہت سی خوبیاں اور اچھے کمالات بچپن سے ہی جھلکنے لگتے ہیں۔

(نوٹ) یہ واقعہ حضرت قاری صاحبؒ کو مولانا عبدالسمیع نے اس وقت سنایا تھا جب کہ حضرت قاری صاحبؒ پہلی دفعہ حج کے واسطے جا رہے تھے۔

(حکیم الاسلام کے پسندیدہ واقعات ۲۶۶)

بچے گھر کے ماحول کے مطابق کھیلتے ہیں

حضرت مولانا طلحہ خود ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں چھوٹا تھا، گلی میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک بچے کو بیعت کر رہا تھا، اس لئے کہ میں نے اپنے والد کو بیعت کرتے دیکھا تھا۔

اب میں چھوٹا سا! اور ایک بچے کو بیعت کے کلمات پڑھا رہا تھا، اسکے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے، اللہ کی شان کہ ادھر سے حضرت مدنیؒ تشریف لے آئے، انہوں نے مجھے آکر دیکھا تو چونکہ شفقت بہت تھی، شیخ الحدیثؒ کے ساتھ بہت زیادہ گہرا تعلق تھا، مجھے دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ صاحبزادے صاحب! ہمیں بھی بیعت کرلو، کہنے لگے میں نے کہا: آئیں بیٹھ جائیں! مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ بڑے میاں کون ہیں؟ تو میں نے حضرت مدنیؒ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے اور میں نے کچھ کلمات پڑھ کر کہا کہ اچھا! میں نے آپ کو بھی بیعت کرلیا۔

تو دیکھو! بچہ ہے، لیکن وہ حضرت مدنیؒ کو بیعت کر رہا ہے، بچے اسی طرح کے کام کرتے ہیں۔

(بڑوں کا بچپن ۲۱۵)

یہ بچہ ہے یا بوڑھا

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے ایک مرتبہ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ سے فرمایا :غلام علی کسی بچے کو ہمارے پاس لے آنا، حضرت شاہ صاحب اپنے گھر گئے اور بچے کو حضرت کی خدمت میں لانے کے لئے تیار کیا، کافی دیر اسے سمجھاتے رہے کہ حضرتؒ کی خدمت میں ایسے بیٹھنا اور ایسے کرنا، ایسے نہ کرنا، بچہ جب اچھی طرح معاملہ سمجھ گیا تو اگلے دن حضرت شاہ صاحب اسے حضرتؒ کی خدمت میں لائے، بچے نے سلام کیا اور باادب ایک طرف بیٹھ گیا، کچھ دیر گزری تو حضرتؒ نے فرمایا: غلام علی ہم نے تو کہا تھا کہ کسی بچے کو ہمارے پاس لے آنا، یہ کوئی بچہ ہے یہ تو بوڑھا معلوم ہوتا ہے، یعنی بچہ تو اس وقت اچھا لگتا ہے جب بچوں والی باتیں کرے، اچھل کود کرے، آپ نے بچے کو بوڑھا بنا کر بٹھا دیا، وہ لگتا ہی نہیں کہ بچہ ہے۔

(حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات ۱۸۶-علمی مضامین ۳۴۳)

چھوٹے بچوں کی سوچ اور ان کی دنیا

حضرت عبدالماجد دریابادیؒ کہتے ہیں: اس بچپن کی عمر میں بس سارا دن مجھے ایک ہی فکر ہوتی تھی کہ شام کو ایک خوانچے والا آتا ہے وہ کبھی گنڈیریاں بیچتا تھا اور کبھی سموسے بیچتا تھا اور اسی طرح کی چٹ پٹی چیزیں بیچتا تھا، سارا دن بس مجھے اس کی فکر ہوتی کہ کب عصر کا وقت آئے؟ اور وہ خوانچے والا صدا لگائے اور میں امی سے پیسہ لوں اور اس سے جا کر چٹ پٹی چیز لا کر کھاؤں۔

(بڑوں کا بچپن ۲۵۶)

گویا اس وقت بچے کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی بنا ہوا تھا۔

☜ کہنے لگے کہ میں چھوٹا تھا تو ایک دن امی ابو آپس میں بیٹھے بات کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ قیامت کا دن ہوگا، بہت گرمی ہوگی اور سورج سوا نیزے پہ ہوگا اور پسینہ ہوگا اور بہت مشکل ہوگی، تو ساری باتیں سن کر میں ہنس پڑا، تو امی نے کہا کہ بیٹے! ہنس کیوں رہے ہو؟ تو میں نے کہا: امی! جب اتنی زیادہ گرمی ہوگی تو میں گرمی سے بچنے کے لئے کمرے میں چلا جاؤں گا، تو کہنے لگے: سارے گھر والے ہنسنے لگے، کہ حشر کی گرمی کا تذکرہ اور بچے کا حال دیکھو کہ کہہ رہا ہے: امی! اس گرمی سے بچنے کے لئے میں اس دن کمرے میں چلا جاؤں گا۔

آپ بیتی دریابادی ۷۶

تو بچے کی اتنی ہی سوچ ہوتی ہے اور اتنا ہی اس کا معاملہ ہوتا ہے۔

☜ چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے گھر میں ایک خادمہ کام کرتی تھی اور اس خادمہ کا نام رحمتی تھا، وہ گھر کے کام سمیٹتی تھی، قریب ہی رہتی تھی اس نے ایک بکری بھی پالی تھی، چنانچہ اس بکری نے ایک بچہ دیا، چھوٹا سا میمہ، مولانا یوسف صاحبؒ (جو حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے صاحبزادے تھے اور جانشین تھے) بچپن کی عمر میں تھے اور وہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے یہاں آیا جایا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں جب وہاں جاتا تھا تو مجھے وہ بکری کا چھوٹا سا بچہ بہت اچھا لگتا تھا، تو میں اکثر اس بکری کے ساتھ، اس بکری کے بچے کے ساتھ کھیلتا تھا۔

☜ ایک دفعہ کیا ہوا؟ کہ لوگ آپس میں حج کی باتیں کر رہے تھے کہ ہم نے حج پے جانا ہے میں ان کی باتیں سنتا رہا، سنتا رہا، تو اخیر میں پھر میں نے کہا کہ ہاں میں بھی حج پہ جاؤں گا، تو کسی نے پوچھ لیا کہ کیسے حج پہ جاؤ گے؟ میں نے کہا: کہ رحمتی کی بکری کا جو چھوٹا بچہ ہے میں اس کی پیٹھ پے سوار ہو کر حج کے لئے جاؤں گا۔

اب دیکھو! چھوٹا سا بچہ بچپن کی عمر میں یہ جواب دے رہا ہے کہ میں بکری کے

بچے کی پیٹھ پر بیٹھ کر حج کروں گا، کہنے لگے: یہ بات ایسی مشہور ہوئی کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جب بھی کبھی مجھے ملتے تو بچپن میں مجھے دیکھ کر کہتے: ہاں سناؤ بچے! تم حج پے کیسے جاؤ گے اور میں آگے سے کہہ دیتا کہ بکری کے بچے کی پیٹھ پہ بیٹھ کر حج کروں گا تو حضرت مسکرایا کرتے تھے۔

سوانح حضرت مولانا یوسف صاحبؒ (محمد ثانی) ۱۶۸

☜ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری پیدائش دیوبند میں ہوئی، والدین یہیں رہتے تھے اور یہیں پر میرے لڑکپن کی عمر گزری، پڑھنے کی ابتدا بھی یہیں سے ہوئی، فرماتے ہیں: کہ میں اپنے کزن عاقل کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ہم آپس میں سرکنڈے کھیل رہے تھے یعنی چند سرکنڈے کے چھوٹے سے ٹکڑے تھے ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے تھے: یوں پھینکو، تم جیت جاؤ گے، یہ ہار جائے گا، کہنے لگے: سرکنڈوں کا کھیل کھیل رہا تھا کہ اس نے سارے ہی سرکنڈے مجھ سے جیت لئے، فرماتے ہیں: میں اتنا ڈیپریش ہوا کہ اتنا میرا نقصان ہو گیا۔

اب سوچو کہ بچے کی دنیا کیا ہے کہ اگر اس سے کسی نے سرکنڈے جیت لئے تو گویا اس پر پہاڑ ٹوٹ پڑا، وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کا اتنا بڑا خزانہ اس کے ہاتھ سے کسی نے لوٹ لیا۔

بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ اب میں سوچتا ہوں کہ پوری دنیا کی میرے سامنے کیا حقیقت ہے؟ مگر بچپن میں میرا کیا حال تھا! کی سرکنڈوں کے چلے جانے پر میں اس قدر پریشان ہو گیا تھا، تو بچپن میں انسان کی ایسی ہی امنگیں ہوتی ہیں اور تمنائیں ہوتی ہیں۔

(بڑوں کا بچپن ۱۲۷-اصلاحی واقعات ۳۰۲)

شیخ سعدیؒ کا بچپن

☜ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے میری والدہ نے سونے کی انگوٹھی پہنادی، میں وہ انگوٹھی پہن کر باہر گلی میں نکلا تو ایک ٹھگ مل گیا، اس ٹھگ کے پاس گڑ کی ڈلی تھی، اس نے مجھے اٹھا کر پیار کیا اور مجھے کہنے لگا کہ تم اپنی انگوٹھی کو چکھو! میں نے انگوٹھی کو زبان سے لگایا تو بے ذائقہ تھی، پھر اسکے بعد اس نے گڑ کی ڈلی دی کہ اس کو چکھو! جب میں نے گڑ کو چکھا تو بڑا مزے دار تھا، کہنے لگا کہ مزیدار چیز لے لو اور بے مزہ چیز دے دو، کہنے لگے کہ مجھے گڑ کا اتنا مزہ آیا کہ میں نے اسے انگوٹھی اتار نے دی اور گڑ کی ڈلی لے کر گھر واپس آ گیا۔

اب بچے تھے، کچے تھے گڑ کی ڈلی کے بدلے سونے کی انگوٹھی دے کر آ گئے، تو اس عمر میں انسان غلطیاں بھی کرتا ہے اور سیکھتا بھی ہے۔

☜ فرماتے ہیں: کہ میں ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ میلہ دیکھنے گیا، والد نے کہا کہ بیٹا! مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑنا، بھیڑ زیادہ ہے، چھوڑنا نہیں، میں نے کہا: بہت اچھا! اب میں چل بھی رہا تھا، ادھر ادھر بھی دیکھ رہا تھا، ادھر ادھر کی چیزیں دیکھنے میں ایسا محو ہوا کہ ہاتھ چھوٹ گیا، اس کے بعد بہت دیر والد مجھے ڈھونڈھتے رہے، میں والد صاحب کو ڈھونڈھتا رہا، کافی دیر کے بعد اور پریشانی اٹھانے کے بعد والد صاحب نے مجھے ڈھونڈھ لیا۔

جب انہوں نے مجھے ڈھونڈھا تو مجھے کہا کہ تمہیں میں نے کہا تھا کہ ہاتھ پکڑے رکھنا، تم نے کیوں چھوڑا؟ تو میں نے پھر ان کو کہا کہ میں کسی چیز کو دیکھنے میں مشغول ہو گیا، توجہ نہ رہی، تو والد صاحب نے میرے کان کھینچے اور کان کھینچ کر کہا کہ دیکھو بچے! جس طرح تم نے اپنے بڑے کا ہاتھ مضبوطی سے نہ پکڑا تو دنیا کے میلے میں گم ہو گئے، اسی طرح تم بڑے ہو کر اگر اپنے بڑوں کا ہاتھ مضبوطی سے نہیں پکڑو گے تو پھر دنیا کے میلے میں گم ہو جاؤ گے، کہنے لگے کہ بچپن کی والد صاحب کی بتائی ہوئی یہ بات مجھے آج بھی یاد آتی ہے کہ واقعی جو اپنے

بڑوں کا ساتھ چھوڑ بیٹھتا ہے وہ پھر دنیا کی جھلملاہٹ کے اندر گم ہی ہو جایا کرتا ہے۔

(بڑوں کا بچپن ۱۱-ضرورت مرشد ۲۲۷)

☜ فرماتے ہیں: میں چھوٹا سا تھا، اپنے والد کے ساتھ تہجد میں اٹھ جایا کرتا تھا، ایک رات میں نے تہجد پڑھی تو گھر کے کچھ لوگ سوئے ہوئے تھے، میں نے ابو سے کہا: ابو! دیکھو یہ لوگ سوئے پڑے ہیں، اٹھ کر تہجد نہیں پڑھتے، تو والد صاحب نے کہا: کہ بیٹا! تم اگر سوئے رہتے تو زیادہ بہتر تھا، اس لئے کہ اب جو تم نے یہ بات کی، یہ غیبت میں داخل ہے، ان کو سونے پر اتنا گناہ نہیں ہوگا، جتنا تمہیں غیبت کرنے پر گناہ ہوا۔

حکایات سعدی ۱۱۴

تو دیکھئے! کس طرح بچہ باتیں کر رہا ہے اور عقلمند باپ اس بچے کو ساتھ ساتھ تعلیم بھی دے رہا ہے، اس کی تربیت بھی کر رہا ہے۔

☜ شیخ سعدیؒ ایک بڑے استاذ کے شاگرد بنے (جن کا نام تھا ''ابن جوزی'' جنہوں نے تلبیس ابلیس لکھی) تو فرماتے ہیں کہ میں شافعی مذہب پہ تھا اور استاذ مجھے اسکے مطابق تعلیم دے رہے تھے، ایک دن استاذ نے مجھے پڑھایا کہ روزے میں مسواک نہیں کرنی چاہئے، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک روزے میں مسواک کا کرنا جائز ہے، مگر امام شافعیؒ اس میں بہت احتیاط برتتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نہیں جب اللہ کو روزے دار کی منہ کی مہک ہی اچھی لگتی ہے تو مسواک کیا کرنی؟ بہرحال ان کا اپنا نقطۂ نظر ہے، کہنے لگے کہ میں نے جب یہ پڑھا تو میں نے گھر آ کر اپنے والد سے کہا: ابو! روزے میں مسواک نہیں کرنی چاہئے۔

جب میں نے یہ بتایا تو میرے والد نے کہا بیٹے! تم روزے میں مسواک نہ کرنے کی اتنی احتیاط کر رہے ہو اور ابھی تھوڑی دیر پہلے جو تم نے بات کی تھی، وہ غیبت تھی اور تم نے گویا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا لیا، تو کیا روزے میں یہ گوشت کھانا تمہارے لئے جائز تھا؟

کہنے لگے: تب مجھے سمجھ میں آئی کہ واقعی روزے کی حالت میں غیبت سے بہت بچنا چاہئے۔

مولانا آزادؒ کے لڑکپن کی باتیں

☜ مولانا آزادؒ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا سا تھا تو گھر میں والد صاحب کا عمامہ پڑا ہوا تھا، میں کیا کرتا! اپنی بہنوں کو اکٹھا کر لیتا اور اپنے سر پہ اپنے والد کا عمامہ رکھتا اور بڑی شان سے اکڑ کے چلتا اور بہنوں کو کہتا: ''ہٹو! راستہ دو، دہلی کے مولانا آرہے ہیں'' اس لئے کہ بچپن میں میں نے سنا ہوا تھا کہ دہلی میں کوئی بڑے مولانا رہتے ہیں، پھر میں اپنی بہنوں کو کہتا کہ تم لوگ میرا استقبال کرو اور استقبال میں تم نعرے لگاؤ! اب بہنیں کہتیں کہ ہم کیوں نعرے لگائیں؟ اس لئے کہ مولانا جو آرہے ہیں، تو وہ کہتیں کہ مولانا کے استقبال کے لئے تو ہزاروں لوگ ہوتے ہیں، ہم تو دو ہیں، تو وہ کہتے کہ نہیں تم یونہی سمجھ لو کہ تم ہزار ہو اور میرا استقبال کر رہے ہو، لہٰذا تم نعرے لگاؤ۔

(بڑوں کا بچپن ۲۳۳)

اب چھوٹا سا بچہ! دیکھو! اپنی بہنوں کے ساتھ کس طرح اس بات پر کھیل رہا ہے۔

☜ ان کی ایک بڑی بہن تھی، ایک مرتبہ اس نے بچپن میں ان کو کوئی کام کہا، انہوں نے نہ کیا، ضد کر گئے، تو بڑی بہن خفا ہوئی اور اس نے اپنے والد کو کہا کہ ابو! یہ ہمارے بچے تو بالکل سڑے ہوئے انڈوں کی طرح ہیں، جب بہن نے کہا کہ یہ تو سڑے ہوئے انڈوں کی طرح ہیں تو انہوں نے اسی وقت اپنے منہ سے ''چوں چوں'' کی آواز نکالنی شروع کر دی اور کہا کہ اگر انڈے سڑے ہوئے ہوتے تو اس میں سے یہ مرغی کے بچے کیسے نکلتے؟

اب چھوٹا بچہ ہے، دیکھو! وہ اپنی بہن کی بات پر کیا ردعمل دکھا رہا ہے؟

(بڑوں کا بچپن ۲۳۳)

مولانا عبدالماجدؒ کی رسم بسم اللہ

مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ اپنے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ جب میں تھوڑا سا بڑا ہوا تو میرے گھر میں قرآن مجید شروع کرنے کی تقریب ہوئی، اس زمانے میں اس کو ''رسم بسم اللہ'' کہا جاتا تھا اور یہ دور سمیں بڑے اہتمام سے منائی جاتی تھی، ایک ''رسم بسم اللہ'' قرآن مجید شروع کروانے سے پہلے اور ایک ''رسم آمین'' جب قرآن مجید ختم ہوا کرتا تھا، اس زمانے کی یہ تقریبات ہوا کرتی تھیں۔

کہنے لگے کہ امی نے مجھے نہلایا، بہن نے مجھے اچھے کپڑے پہنائے، خوشبو لگائی خوب سجا دیا گیا، گھر کے اندر رشتہ داروں کو بلایا گیا، سب نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، مٹھائی کا انتظام کیا ہوا ہے، حتی کہ ایک قاری صاحب کو بھی بلالیا گیا، جنہوں نے آکر مجھے بسم اللہ پڑھانی تھی۔

اب جب سارے لوگ خوشیوں کے ساتھ اکٹھے میری طرف متوجہ ہوئے، حتی کہ گھر کی عورتیں وہ بھی پردے کے پیچھے لگ گئیں اور خوش ہو رہی ہیں کہ بچہ آج اللہ کا قرآن شروع کرے گا، چنانچہ قاری صاحب نے مجھے کہا کہ بچے! پڑھو! بسم اللہ، کہنے لگے ''مجھے ایسی چپ لگ گئی کہ میں نے کچھ بھی نہ پڑھا، بار بار قاری صاحب کہہ رہے ہیں، حتی کہ مجھے والد صاحب نے کہا، دوسروں نے کہا، مگر ماحول کچھ ایسا تھا کہ مجھے چپ ہی لگ گئی اور میں بولنے پر آمادہ ہی نہ ہوا، بہت سمجھایا گیا حتی کہ دس پندرہ منٹ خوب منتیں کی گئیں لیکن میں نہ بولا، چپ لگی ہوئی تھی حتی کہ لوگ اٹھ گئے کہ چلو جی اگر نہیں پڑھتے تو کوئی بات نہیں، عورتوں کے دلوں کے اندر بھی اداسی آ گئی کہ بچے نے اس موقع پر نہیں پڑھا، والد کو غصہ آیا تو والد نے مجھے پھر ایک تھپڑ بھی لگا دیا، جب سب تجھے کہہ رہے ہیں کہ پڑھو تو پڑھ کیوں نہیں رہے ہو؟ کہنے لگے: میں نے تھپڑ بھی کھالیا اور آنسو بھی بہالئے، پڑھا پھر بھی نہیں۔

خیر کیا ہوا کہ میرے ایک قریبی رشتہ دار تھے جو بڑے ہی سمجھدار تھے، انہوں نے

مجھے اٹھالیا اور کہا کہ کیوں روتے ہو؟ کوئی بات نہیں، رو نہیں، وہ مجھے اٹھانے کے بعد تھوڑا ادھر ادھر لے گئے، مجھ سے باتیں کرتے رہے، باتیں کرنے کے بعد مجھے کہنے لگے: ارے میاں! تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں کہ تم دو لفظ پڑھ دو، کیا تمہیں لوگ بے وقوف کہیں تو یہ تمہیں اچھا لگے گا؟ میں نے کہا: نہیں، میں تو بے وقوف نہیں ہوں، انہوں نے کہا کہ اگر تمہیں لوگ گندا بچہ کہیں تو اچھا لگے گا؟ میں نے کہا: نہیں، میں گندا بچہ تو نہیں ہوں، انہوں نے کہا کہ گندے بچے نہیں ہو تو پھر ان کو پڑھ کر سنا دو! کہ تم بسم اللہ پڑھنا جانتے ہو، کہنے لگے: جب انہوں نے مجھے اس طرح Properly (صحیح انداز میں) ڈیل کیا، تو میں نے اتنے زور سے بسم اللہ پڑھی کہ قاری صاحب تو کیا، گھر میں بیٹھنے والی عورتوں نے بھی بسم اللہ کی آواز سنی۔

تو اب دیکھئے! کہ ہے تو بچہ، لیکن اگر اس کو تھپڑ مارا تو اسکو چپ لگی ہوئی تھی، اور پیار کے ساتھ اس کو ڈیل کیا تو اس نے اتنا اونچا پڑھا کہ دیوار کے پار بھی اس کی آوازیں جانے لگ گئیں۔

(بڑوں کا بچپن ۲۵۳، ۲۵۴-آپ بیتی دریابادی ۶۱، ۶۲)

اکبر الہ آبادی کو پھکنے کا تحفہ

اکبر الہ آبادی بڑے ظریف شاعر گزرے ہیں، مگر بہت تعلیم یافتہ تھے اور اپنے وقت کے جج تھے، چنانچہ ان کا بیٹا جب جوان ہوا تو انہوں نے ان کی شادی کی، اب ولیمہ کی تقریب تھی، اس ولیمے کی تقریب میں انہوں نے بڑے اچھے طبقے کے لوگوں کو بلایا ہوا تھا: امیر لوگ، پڑھے لکھے لوگ، معاشرے کے ذمہ دار لوگ، بڑے بڑے اس طرح کے جو لوگ تھے، وہ آئے ہوئے تھے، اور بیٹا بھی (ماشاء اللہ) جوان العمر تھا اور اس وقت اس کی خوشی کی تقریب تھی، تو اس خوشی کی تقریب میں انہوں نے اعلان کیا کہ آج میں اپنے بیٹے کو ایک تحفہ

دوں گا، اب انہوں نے تحفہ ایک کاغذ کے اندر لپٹا ہوا تھا یعنی گفٹ پیک کروایا ہوا تھا، کہنے لگے کی سارا مجمع متوجہ ہوگیا، بیٹے کی شادی ہے، ولیمہ کی تقریب ہے، باپ اتنا معزز آدمی ہے اور وہ اپنے بیٹے کو ولیمہ کے اوپر ایک تحفہ پیش کررہا ہے، تو لوگ سمجھتے تھے پتہ نہیں کہ سونے کا بنا ہوگا؟ کوئی ڈائمنڈ ہوگا؟ یا کوئی قیمتی گھڑی ہوگی، کیا چیز ہوگی؟ کہنے لگے کہ سب لوگوں نے دلچسپی لی کہ آخر اس گفٹ پیک کے اندر چھپا ہوا کیا ہے؟ کہنے لگے کہ جب والد صاحب نے مجھے کہا: بیٹے! اس گفٹ پیک کو کھولو! میں نے اسے کھولنا شروع کیا تو ایک تہہ تھی، پھر اس کے اندر دوسری تہہ، پھر اس کے اندر تیسری تہہ، اب میں کھولتا جارہا ہوں اور لوگوں کا تجسس بڑھتا جارہا ہے، خود میرا تجسس بھی بڑھ گیا کہ ابو مجھے اس موقع پر کیا چیز دے رہے ہیں؟ کہنے لگے: کہ جب میں نے آخر میں آخری تہہ اتاری تو اندر ایک بچوں کے کھیلنے کا چھوٹا سا کھلونا تھا، جب وہ کھلونا نکالا تو سارا مجمع ہنسنے لگا، میں تھوڑا سا شرمندہ بھی ہوا کہ میری ولیمہ کی تقریب تھی اور والد صاحب نے مجھے یہ کھلونا دینا تھا اور لوگوں کے سامنے میری جگ ہنسائی ہونی تھی، میں ذرا خاموش ہوگیا، خیر لوگ تو ہنسے، مسکرائے، انجوائے کیا اور چلے گئے۔

چند دن کے بعد ابو سے میری بات ہورہی تھی، میں نے کہا: ابو! آپ نے میرے ساتھ ٹھیک نہیں کیا..... کیوں بیٹے؟ اس لئے کہ آپ نے مجھے اتنے بڑے مجمع کے سامنے مذاق بنا دیا، سارے مجھ پر ہنسنے لگے کہ آپ نے اس تقریب کی خوشی میں یہ چھوٹا سا کھلونا دیا، تو اس وقت والد نے بات سمجھائی کہ دیکھو بیٹا! میں تمہیں ایک میسیج دینا چاہتا تھا، ایک پیغام سمجھانا چاہتا تھا، بچپن میں ایک مرتبہ میرے پاس پیسے نہیں تھے اور تم نے اسی کھلونے کا مجھ سے مطالبہ کیا تھا، جو میں خرید نہ سکا، تو آپ اتنا روئے، اتنا خفا ہوئے کہ ایک ہفتہ مجھ سے بولے بھی نہیں کہ مجھے کھلونا کیوں نہیں لے کر دیا؟ اس کھلونے کی آپ کو اتنی چاہت تھی کہ اپنے والد سے ایک ہفتہ کلام تک نہ کیا، میں نے یہ سوچا کہ آج اس شادی کی خوشی کی تقریب میں، میں یہ کھلونا آپ کو لے کر دوں اور آپ کو یہ سمجھاؤں کہ دیکھو بیٹے! بچپن میں اس

کھلونے کو لینا یہ آپ کی آرزو تھی، آپ کی تمنا تھی لیکن جب آپ جوانی میں پہونچے اور بھرے مجمع میں لوگوں کے سامنے آپ کی تمنا کو پیش کیا، تو آپ کو خود بھی شرمندگی ہوئی کہ کیا اس چیز کے پیچھے میں نے اپنے والد سے منہ موڑ لیا تھا! میں یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ بیٹے! بچپن کی تمنائیں اگر بندے کے سامنے جوانی میں کھولی جائیں، تو بھرے مجمع میں بندے کو شرمندگی ہوتی ہے، تم جوانی میں اپنی کوئی ایسی آرزو اور تمنا مت بنانا کہ کل قیامت کے مجمع میں اگر اسے کھول دیا جائے تو تمہیں وہاں جا کر شرمندگی ہو، تو دیکھئے! جو اچھے ماں باپ ہوتے ہیں وہ بچوں کو ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہی اچھی تعلیم دیتے ہیں اور بالآخر ان بچوں کو اچھا انسان بنا دیتے ہیں۔

بہن کی تربیت کا اثر بھائی پر

☜ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر ان کے گھر ملنے کے لئے آئے، اس دوران وہ وضو کرنے لگے، ان کی ایڑی کا کچھ حصہ خشک رہ گیا، سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:

''اے بھائی! میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے کہ جس آدمی کے پاؤں کا کچھ حصہ بھی وضو میں خشک رہ جائیگا، قیامت کے دن اسکو جہنم کی آگ میں جلایا جائیگا''۔

(اسوۂ صحابیات ۵۱)

بہن کی یہ بات سن کر بھائی نے دوبارہ وضو کیا اور مسجد تشریف لے گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابیاتؓ اپنے بھائیوں کو بھی نیکی کی تعلیم دیا کرتیں تھیں۔

☜ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے طے کرلیا کہ میری بیوی فوت ہوچکی ہے، اب میں دوبارہ نکاح نہیں کروں گا بلکہ اپنے آپ کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول

رکھوں گا، جب ان کی بہن ام المومنین حضرت حفصہؓ کو پتہ چلا تو فرمانے لگیں:

''اے بھائی !تم ابھی جوانی کی عمر میں ہو، تم نکاح کا ارادہ کیوں ترک کر چکے ہو؟ اگر تم نکاح کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں صاحب اولاد بنائیگا، اگر اولاد ایمان والی ہوتی ہے تو وہ اپنی زندگی میں جتنے سانس لیتی ہے، ہر سانس کے بدلے ان کے ماں باپ کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے، تم اس صدقۂ جاریہ سے کیوں محروم ہوتے ہو؟''

انہوں نے اتنے اچھے انداز میں بات کی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور انہوں نے دوبارہ نکاح کر کے پھر ازدواجی زندگی گزاری۔ اس سے پتہ چلا کہ پہلے وقت کی بہنیں اپنے بھائیوں کو دین کی طرف متوجہ کیا کرتی تھیں۔

الافصاح عن احادیث النکاح ص:۱۶

جذبۂ جہاد پیدا کرنے کا انوکھا انداز

ایک صحابیہؓ خنساء تھیں ان کے چار بیٹے تھے، جب وہ اپنے بیٹوں کو کھانے کے کئے بٹھاتیں تو کہتیں بیٹو! نہ میں نے تمہارے ماموں کو رسوا کیا اور نہ میں نے تمہارے باپ کے ساتھ خیانت کی، بچے اس بات کو سمجھ نہیں سکتے تھے، ایک دن انہوں نے ماں سے پوچھ لیا، امی! آپ کیا کہتیں ہیں؟ پھر انہوں نے بتایا، بیٹو! میں ایک ایسی عورت ہوں کہ میں نے پاک دامنی کی زندگی گزاری ہے، جب میں کنواری تھی تو کوئی ایسا کام نہ کیا کہ تمہارے ماموں کی رسوائی ہوئی ہو اور جب میری شادی ہوئی تو میں نے تمہارے باپ کے بستر پر کسی کو نہیں آنے دیا، یعنی میں نے تمہارے باپ کے ساتھ بھی خیانت نہیں کی۔

بچوں نے کہا: اماں! آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟

وہ فرمانے لگیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جب تم بڑے ہو کر جوان ہو جاؤ تو اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور تم سب کے سب شہید ہو جانا، جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائینگے کہ شہداء کی مائیں کہاں ہیں تو اس وقت انبیاء کرام کی موجودگی میں مجھے اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کا اعزاز نصیب ہو جائے گا، اور ساتھ یہ بھی کہتی کہ بیٹو! خوب بہادری سے لڑنا، اگر تم میری زندگی میں شہید ہوئے تو میں آ کر تمہاری لاشوں کو دیکھوں گی، اگر تمہارے سینوں پر زخم ہوئے تو میں تمہارے لئے دعا کروں گی اور اگر تمہاری پشت پر زخم ہوئے تو میں تمہیں کبھی اپنا حق معاف نہیں کروں گی.....

جب ماں اپنے بچوں کے ایسے جذبات بناتی تھی تو بچے بڑے ہو کر واقعی دین کے مجاہد بنتے تھے۔

(اسد الغابۃ ۳/ ۳۴۲-الوافی بالوفیات ۳/ ۴۶۱-تاریخ الامم والملوک ۲/ ۴۱۳-صفۃ الصفوۃ ۴/ ۳۸۵)

ماں کی تلاوت کا اثر بچوں پر

ایک ماں باپ نے اپنے بچے کو مدرسے میں داخل کیا کچھ عرصے کے بعد اس کا باپ مدرسے میں گیا کہ میں اپنے بچے کی کارکردگی کا جائزہ لوں تو قاری صاحب نے پوچھا تو انہیں بتایا کہ اس بچے نے تین پارے تو اتنی جلدی حفظ کر لئے ہمیں یقین نہیں آتا، ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ تو پہلے سے ہی حافظ تھا، ان تین پاروں کے بعد پھر اس نے عام معمول کے مطابق عام رفتار کے مطابق سبق لینا شروع کر دیا، تو خاوند نے یہ بات آ کر اپنی بیوی کو بتائی بیوی مسکرا پڑی، خاوند نے پوچھا اس میں مسکرانے والی بات کون سی ہے، وہ کہنے لگی کہ بات یہ ہے کہ میں تین پاروں کی حافظ ہوں جب بھی میں پڑھنے بیٹھتی تھی بچے کو گود میں لے کر بیٹھتی تھی، اور بار بار تین پاروں کی تلاوت کرتی تھی، ان تین پاروں کا نور میرے بیٹے کے سینے میں اتر گیا یہ اس کی برکت ہے، جب یہ مدرسے

میں گیا تو تین پاروں کا حافظ جلد بن گیا۔

مشتبہ کھانے کا اثر اولاد پر

ایک بزرگ تھے ان کی ساری اولاد بڑی نیکو کار تھی، لیکن ان میں سے ایک بچہ بہت ہی نافرمان اور بے ادب قسم کا تھا، اللہ والے ان کے وہاں مہمان آئے، انہوں نے یہ فرق دیکھا تو اس بزرگ سے پوچھا کہ آخر یہ کیا وجہ ہے یہ بچہ کیوں ایسا نافرمان نکلا، تو وہ بزرگ بڑے آزردہ ہوئے، آنکھوں سے آنسو آ گئے فرمانے لگے کہ یہ اس کا قصور نہیں یہ میرا قصور ہے ایک مرتبہ گھر میں فاقہ تھا اور ہمارے گھر میں شاہی عورتوں کا بچا ہوا کھانا آ گیا کسی نے ہدیہ تحفہ کے طور پر بھیجا تھا، عام طور پر تو میں ایسے کھانے سے پرہیز کرتا ہوں، لیکن بھوک کی وجہ سے اس دن میں نے وہی کھانا کھا لیا پھر وہی رات تھی کہ ہم میاں بیوی نے ملاقات کی اور اللہ نے اسی رات بچے کی بنیاد رکھی یہ اس مشتبہ کھانے کا اثر ہے کہ ہمارا یہ بچہ نافرمان نکلا۔

بچے کی تربیت کا عبرت آمیز واقعہ

ایک بچہ اسکول میں پڑھتا تھا اور یہ سچا واقعہ ہے اس کو اسلامیات کے ٹیچر نے نظم سکھائی، وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا، مرادیں غریبوں کی برلانے والا، وہ بچہ جب بھی پڑھتا تو وہ پڑھتا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے
مرادیں غریبوں کی برلا نے والے

استاذ نے کئی مرتبہ کہا کہ شاعر نے والا لکھا ہے مگر وہ اسی طرح پڑھتا، استاذ نے کہا اچھا اب وہ اس غلطی کو ٹھیک کرلے گا، لیکن بچے نے جب Funcation Annual، کے اوپر وہ نعت سنائی تو بچے نے والے پڑھا، ڈپٹی کمشنر آیا ہوا تھا اس نے

اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ آج کل استاذ بچوں کا خیال نہیں کرتے یہ دیکھو اسلامیات کے ٹیچر نے بچے کو نعت یا نظم پڑھائی اور بچے نے والا نہیں اور والے کہا، استاذ کو پتہ نہیں شاعر نے کیا لکھا لڑکا کیا پڑھ رہا ہے، چنانچہ استاذ کی بے عزتی ہوئی، پورے مجمع کے اندر انسلٹ ہوئی، حالانکہ اس نے تو نشاندہی کردی تھی، اس نے کہا اس بچے نے میری بات نہیں مانی اور مجھے سب کے سامنے رسوا کردیا۔

چنانچہ سال مکمل ہوا اگلے سال کی کلاسوں میں بچے چلے گئے، عجیب اللہ کی شان دیکھئے اس بچے کی کلاس کے ابتدائی دن تھے، ان کا ایک دن، Mathematic کا ٹیچر نہیں آیا تھا ایک پیریڈ، Recess سے پہلے تھا Half time سے پہلے تھا، ایک پیریڈ Half time، کے بعد تھا، چنانچہ ہیڈ ماسٹر نے دیکھا، Staff Room میں اسلامک اسٹڈیز کے ٹیچر فارغ ہیں، ان کا پیریڈ خالی تھا انہوں نے اسکو کہا آپ فلاں کلاس میں چلے جائیں، آج ان کے ٹیچر نہیں آئے، آج تو ابھی ایڈمشن کا پہلا دن ہے، ان کے پاس کتابیں بھی نہیں ہیں، آپ ان سے پیار و محبت کی باتیں کرتے رہیں، بچوں کا وقت گزر جائیگا یہ شور نہیں کریں گے، چنانچہ اسلامیات کے ٹیچر آگئے وہ کہنے لگے کہ بھئی میں کچھ باتیں آپ کو سناؤں گا، پھر آپ سے چھوٹے چھوٹے Question پوچھوں گا، آپ جواب دے دینا ہمارا وقت اچھا گزر جائیگا، لڑکے آمادہ ہوگئے پہلے استاذ نے کافی باتیں سنائیں، جب تھک گئے تو انہوں نے چھوٹے چھوٹے سوالات شروع کردیے کسی سے کچھ پوچھا کسی سے کچھ پوچھا جب اس لڑکے کی باری آئی تو استاذ نے پوچھا یہ بتاؤ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کیا ہے؟ یہ لڑکا اٹھ کر کھڑا ہوگیا، اس کا نام احمد تھا اس نے کوئی جواب نہ دیا استاذ نے پوچھا کہ بتاؤ نام کیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پھر چپ رہا، استاذ نے دل میں سوچا اس نے پہلے بھی میری Public Insult کروادی تھی اب پھر پوری کلاس کے اندر میں پوچھ رہا ہوں تو جواب نہیں دیتا، مجھے لگتا ہے کہ یہ لڑکا بڑی ضدی قسم کا لڑکا ہے، چنانچہ استاذ نے

ڈنڈا ہاتھ میں لیا قریب آ گیا کہنے لگا تمہیں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا ہے ؟لڑکے نے سر ہلا کر کہا جی ہاں، پوچھا پھر بتاتے کیوں نہیں؟ لڑکا چپ ہو گیا، استاذ نے کہا میں تمہاری پٹائی کروں گا تم نام کیوں نہیں بتاتے لڑکا خاموش ہے، ساری کلاس کے لڑکے حیران ہیں کہ یہ تو اتنا نیک اور دینی علم رکھنے والا ہے یہ کیوں نہیں بتا رہا، استاذ کو غصہ آیا بار بار پوچھنے پر بھی بچے نے نہ بتایا استاذ نے اس کے دو چار ڈنڈے لگائے تھپڑ لگائے بچے کو کبھی مار نہیں پڑی تھی پہلی مرتبہ کلاس میں پٹائی ہوئی تو بچہ رونے لگا، آنسو آنے لگے، ابھی مار پڑ رہی تھی اتنے میں Half time کی گھنٹی بج گئی، چنانچہ استاذ کہنے لگے اچھا میں اگلے پیریڈ میں آ رہا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ تم کیسے نام نہیں بتاتے ؟ میں تمہاری ضد کو توڑ کر دکھاؤں گا۔

استاذ تو غصے میں یہ کہہ کر چلے گئے لیکن کچھ بچے ایسے تھے جو اس کے دوست تھے وہ اس کے قریب بیٹھ گئے، اور وہ غمزدہ نظر آ رہے تھے اس بچے کو تو کبھی مار نہیں پڑی تھی، یہ کلاس میں، First آنے والا بچہ تھا، آج مار پڑی، بچہ بلک بلک کر رو رہا تھا، تھپڑ لگے تھے، ڈنڈے لگے تھے، آنسو پوچھ رہا تھا، مگر کسی سے کچھ نہیں کہہ رہا تھا، کچھ دیر کے بعد یہ احمد اٹھا اور باہر گیا، Wash basin کے اندر جا کر اپنے چہرے کو دھویا Fresh up ہو گیا اور آ کر کلاس کے اندر بیٹھ گیا Half time کے بعد یہ Fresh up اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

ساری کلاس بیٹھ گئی جب دوبارہ پیریڈ لگا استاذ دوبارہ آئے اپنا ڈنڈا لہراتے ہوئے انہوں نے کہا احمد کھڑے ہو جاؤ، احمد کھڑا ہو گیا، انہوں نے پوچھا بتاؤ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کیا ہے ؟ احمد نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، استاذ خوش ہو گئے، کہنے لگے: تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ لڑکا پھر خاموش ہے، پھر پوچھا کہ بتاؤ پہلے کیوں نہیں بتا رہے تھے، لڑکا پھر خاموش ہے، اب استاذ سمجھ گئے کہ اس کے اندر کوئی راز ہے، استاذ قریب آئے اور قریب آ کر انہوں نے بچے کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا،

اسکو اپنے سینے سے لگایا رخسار کا بوسہ لیا تم میرے شاگرد ہو میرے بیٹے کے مانند ہو، میں نے تمہیں کہا تھا، وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا پڑھنا، تم نے وہاں بھی والے پڑھا تھا اور اب بھی تم نے نام نہیں بتایا، آخر وجہ کیا ہے؟ جب بچے کو پیار ملا استاذ نے پیار سے بوسہ لیا، بچے نے پھر بلک بلک کر رونا شروع کر دیا، استاذ نے تسلی دی اور اس کو پیار دیا، بیٹے رو نہیں بتاؤ کیا وجہ ہے؟ جب بچے کی ذرا طبیعت ٹھیک ہوئی وہ کہنے لگا کہ اصل بات یہ ہے میرے والد دنیا سے فوت ہو گئے، ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی، وہ مجھے نصیحت کیا کرتے تھے کہ بیٹے تم کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے ادبی سے نہیں لینا، اس لئے والا کے بجائے میں نے والے کہا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے
مرادیں غریبوں کی برلانے والے

اور استاذ نے پوچھا نام کیوں نہیں بتایا؟ کہنے لگا میرے ابو مجھے کہا کرتے تھے، بیٹا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کبھی بھی بے وضو نہیں لینا، میرا اس وقت وضو نہیں تھا، آپ کی مار میں نے کھالی، آپ میری ہڈیاں بھی توڑ دیتے، میں مار تو کھا لیتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بے وضو نہ لیتا، اب میں Half time کے اندر وضو کر کے آیا ہوں آپ نے پوچھا میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بتا دیا۔

ہر واقعہ بے مثال ۹۹ بحوالہ بچوں کا اسلام

ایک سلیقہ مند بچہ کا جواب

ہمارے ایک دوست کسی عالم کے گھر گئے انہوں نے اپنے ایک بیٹے کو جن کی عمر آٹھ یا نو سال تھی ان کی خدمت میں لگا دیا، وہی ان کا بڑا بیٹا تھا وہ بچہ اتنا سلیقہ مند تھا کہ جب اس مہمان کے سامنے دستر خوان لگا تا برتنوں کے کھٹکنے کی آواز نہیں آتی اتنے پیار سے

وہ برتن رکھتا اور اٹھاتا، اتنے سلیقے سے کام کرتا کہ ہمارے وہ دوست اتنے متاثر ہوئے جب وہ نہانے کے لئے جاتے باہر نکلتے تو ان کے جوتے پالش ہے ان کے کپڑے استری ہے ہر چیز ان کی موقع بموقع تیار ہوتی وہ حیران ہوتے کہ چھوٹے سے بچے کو خدمت کا ایسا ڈھنگ کس نے سکھایا چنانچہ ان کا جی چاہا کہ میں بچے سے بات کروں، لیکن بچہ ان کے پاس آتا اور جو ضرورت کی چیز ہوتی وہ رکھتا اور فوراً واپس چلا جاتا فالتو کچھ دیر بھی ان کے پاس نہیں بیٹھتا تھا، انہوں نے سوچا کہ اب اگر آیا تو میں اس سے پوچھوں گا کہ ماں باپ نے اسکی تربیت کیسے کی، وہ فرماتے ہیں کہ جب بچہ اگلی مرتبہ میرے پاس آیا اور اپنا کام کر کے جانے لگا تو میں نے اسے روکتے ہوئے کہا کہ بچہ تم سب سے بڑے ہو مقصد میرا پوچھنے کا یہ تھا کہ اولاد میں یہی پہلا بیٹا تھا تو میں نے ان سے یہ پوچھا کہ بچے تم سب سے بڑے ہو تو جیسے میں نے پوچھا وہ بچہ اتنا پیارا تھا اتنا مؤدب تھا کہ وہ میری بات سن کر تھوڑا سا شرما گیا، پیچھے ہٹا اور کہنے لگا انکل سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ سب سے بڑے ہیں، ہاں بہن بھائیوں میں میری عمر زیادہ ہے، وہ کہنے لگے مجھے شرم کی وجہ سے رونا آ گیا کہ عمر میں میں اتنا بڑا ہوں اور میں اس نقطے تک نہ پہنچ سکا اور اس بچے کی سوچ کتنی اچھی ہے اس نے Point Pick up کر لیا میرا فقرہ تھا کہ تم سب سے بڑے ہو بچہ جواب دیتا ہے کہ انکل اللہ سب سے بڑے ہیں ہاں بہن بھائیوں میں عمر میری زیادہ ہے۔

ضد کا علاج کیسے کیا؟

حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ والدہ نے دودھ دیا ہم دو بھائیوں کو، ایک میرا بڑا بھائی تھا اور ایک میں تھا، تو میں ضد کرنے لگا کہ پہلے میں پیؤں گا، چونکہ والدہ نے گلاس بھائی کے ہاتھ میں دیا تھا، اسلئے بھائی نے کہا کہ نہیں پہلے میں نے ہی پینا ہے، اب میں جتنا رو رہا ہوں ضد کر رہا ہوں، بھائی کہتا ہے ہرگز نہیں میں پہلے پیؤں گا، کہنے لگے: جب میں زیادہ رویا دھویا اور ادھم مچایا تو بھائی نے غصے میں آ کر اپنا بھی دودھ پیا

اور میرے حصے کا بھی دودھ پی لیا اور خالی گلاس ایک طرف کو رکھ دیا کہ اب تمہیں دودھ ملنا ہی نہیں، فرماتے ہیں کہ ایسا یہ واقعہ میرے ذہن پر نقش ہوا کہ اس کے بعد پوری زندگی میں نے کبھی بھی ضد نہ کی، یہ سوچتے ہوئے کہ ضد کرنے سے تو انسان اپنے حصے سے بھی محروم ہو جایا کرتا ہے۔

باپ نے حق ادا نہ کیا

ایک مرتبہ سیدنا عمرؓ کے سامنے ایک باپ اپنے بیٹے کو لایا، بیٹا جوانی کی عمر میں تھا مگر وہ ماں باپ کا نافرمان بیٹا تھا اس نے آ کر حضرت عمرؓ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے مگر میری کوئی بات نہیں مانتا نافرمان بن گیا ہے، آپ اسے سزا دیں یا مجھے سمجھائیں، حضرت عمرؓ نے جب باپ کی یہ بات سنی تو بیٹے کو بلا کر پوچھا کہ بیٹا بتاؤ کہ تم اپنے باپ کی نافرمانی کیوں کرتے ہو تو اسکے بیٹے نے آگے سے پوچھا کہ امیر المومنینؓ: کیا والدین کے ہی اولاد پر حق ہوتے ہیں، یا کوئی اولاد کا بھی ماں باپ پر حق ہوتا ہے، اولاد کے حق بھی ماں باپ پر ہوتے ہیں، اس نے کہا کہ میرے باپ نے میرا کوئی حق ادا نہیں کیا، سب سے پہلے اس نے جو ماں چنی وہ ایک باندی تھی جس کے پاس کوئی علم نہیں تھا، نہ اس کے اخلاق ایسے نہ علم ایسا، اس نے اس کو اپنایا اور اس کے ذریعہ سے میری ولادت ہوگئی، تو میرے باپ نے میرا نام جعل رکھا جعل کا لفظی مطلب گندگی کا کیڑا ہوتا ہے، یہ بھی کوئی رکھنے والا نام تھا، جو میرے ماں باپ نے رکھا پھر ماں کے پاس چونکہ دین کا علم نہیں تھا، اس نے مجھ کو کوئی دین کی بات نہیں سکھائی، اور میں بڑا ہو کر جوان ہو گیا، اب میں نافرمانی نہیں کروں گا تو کیا کروں گا؟۔

حضرت عمرؓ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ بیٹے سے زیادہ تو ماں باپ نے اس

کے حقوق کو پامال کیا، اس لئے اب یہ بیٹے سے کوئی مطالبہ نہیں کر سکتے، آپ نے مقدمہ کو خارج کر دیا۔

(تربیۃ الاطفال فی الحدیث الشریف ۱۴۳-دائرۃ معارف الأسرۃ المسلمۃ ۶۷/۲۲۲-موسوعۃ الدین النصیحۃ ۳/۸۰-تربیتی بیانات ۱۵۳)

بری اولاد بددعا کرنے لگی

ایک آدمی کے یہاں اولاد نہیں تھی وہ مکہ مکرمہ میں رہتا تھا بڑی دعائیں مانگتا تھا کسی نے اسے کہا کہ مقام ابراہیم پر جا کر دعائیں مانگو، اللہ تعالی تمہیں اولاد عطا فرما دیں گے، لیکن اس بے چارے کو یہ سمجھ نہیں تھی کہ میں نے نیک اولاد مانگنی ہے، چنانچہ وہ مقام ابراہیم پر گیا اور وہاں جا کر اس نے دو رکعت نفل پڑھ کر کھڑے ہو کر دعا مانگی، اے اللہ مجھے بیٹا دے دے اب چونکہ بیٹا کی دعا مانگی اللہ نے دعا تو قبول کر لی لیکن بیٹا نافرمان نکلا، جیسے ہی اس نے جوانی میں قدم رکھا اس نے عیاشی والے کام کرنے شروع کر دیئے، لوگوں کی عزتیں خراب کرنے لگا، ماحول کے اندر معاشرے کے اندر اس کی وجہ سے بہت پریشانی آ گئی لوگ اس کو برا سمجھتے اور اس کی وجہ سے ماں باپ کو بھی برا کہتے، حتی کہ اس نوجوان نے ایسے بدمعاشی کے کام کئے کہ ماں باپ کانوں کو ہاتھ لگاتے، باپ بڑا پریشان ہوا بچے کو سمجھاتا، اس کے کان پر جوں نہ رینگتی، اس کو تو جوانی کا نشہ چڑھا ہوا تھا، وہ بات کو ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا بری صحبت میں پڑ چکا تھا، برے کاموں کی لذت اس کو پڑ چکی تھی، اس لئے وہ اپنی مستیوں میں لگا رہتا اب جتنا بھی سمجھاتا بچہ بات ہی نہ سنتا، حتی کہ باپ نے ایک دن اس کو بلا کر اچھی طرح ڈانٹا تاکہ اس کو کچھ تو سمجھ آئے اب سوچئے باپ نے ڈانٹ پلائی سمجھانے کی خاطر، اصلاح کی خاطر، لیکن نوجوان آگے سے غصے میں آ گیا، کہ تم نے مجھے ایسی ایسی باتیں کیں اور وہ وہاں سے

نکلا اس نوجوان نے بھی سنا ہوا تھا کہ فلاں جگہ جا کر دعائیں کریں تو قبول ہوتی ہے غصے میں آ کر وہ نوجوان بیت اللہ شریف کی طرف آیا اور مقام ابراہیم پر جہاں سے پہلے باپ نے بیٹے کے پیدا ہونے کی دعائیں کی تھیں، اسی جگہ پر کھڑے ہو کر نوجوان نے اپنے باپ کے مرنے کی دعا کی۔

اولاد پر ماں کی مامتا

ایک دیہاتی علاقے میں بوڑھے ماں باپ تھے، اللہ نے بڑھاپے میں ان کو اولاد عطا کر دی، بچے کو انہوں نے پڑھایا، بچہ ذہین تھا، حتی کہ وہ بچہ پڑھ لکھ کر انجینئر بن گیا، اب جب وہ انجینئر بنا تو شہر کے اندر اسکو بڑی اچھی نوکری مل گئی، کوٹھی مل گئی، کار مل گئی، اس نے ماں باپ کو کہا: جی آئیں! میرے ساتھ شہر میں رہیں، وہ بیٹے کے پاس شہر میں آ گئے، ماں باپ چونکہ دیہات میں رہنے کے عادی تھے، رشتہ داریاں وہیں تھیں اور آزاد فضا تھی اور وہ اس ماحول میں ارجیسٹ ہو چکے تھے، وہ کچھ دن تو شہر میں رہے لیکن رشتہ داروں کی خوشی غمی میں بار بار گاؤں جانا پڑتا تھا، تو ماں باپ نے کہا کہ بیٹے! ہم سے بار بار یہ سفر نہیں ہوتے، ہمیں آپ وہیں دیہات میں رہنے دو، آپ نے اگر رہنا ہے تو آپ شہر میں رہ لو، آتے رہنا، ہم سے ملتے رہنا۔

چنانچہ اس طرح بیٹے نے شہر میں رہنا شروع کر دیا، کچھ عرصے کے بعد اس نے سوچا کہ بھئی اب ہر طرح سے میں سیٹ تو ہو ہی چکا ہوں تو مجھے شادی کر لینی چاہئے، شہر کے ایک بڑے معزز گھرانے کی ایک خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی کا پتہ چلا، اس نے ان کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا، ماں باپ سے پوچھا، ماں باپ نے کہا کہ بیٹے! زندگی آپ نے گزارنی ہے جہاں آپ خوش ہوں گے وہی ہم بھی خوش ہوں گے اس کی شادی بھی ہو گئی۔

اب شادی کے بعد یہ اپنی بیوی کو گھر لے کر آیا، تو بیوی کچھ عرصہ تو اس کے ماں باپ کو ملنے دیہات میں جاتی رہی، پھر جب بچوں کے سلسلے شروع ہو جاتے ہیں تو آنا جانا بھی

مشکل ہوجاتا ہے، ماں باپ اس بچے کو کہتے کہ آپ ہمارے پاس ہفتے میں ایک دفعہ آ کر مل جایا کرو، یہ ایک دفعہ ملنے چلا جاتا، اب بندہ ہے، کئی دفعہ پلاننگ کی کہ میں دو گھنٹے میں آجاؤں گا اور دو گھنٹے کی جگہ چھے گھنٹے لگ جاتے ہیں، تو جب اس طرح ذرا دیر ہونی شروع ہوئی تو بیوی کو بھی برا لگا، وہ پھر بولنا شروع ہوگئی، جیسے عورتوں کی ایک لینگویج ہوتی ہے، اب یہ نوجوان شریف النفس تھا، اپنی بیوی کو سمجھاتا، وہ بھی امیر گھرانے کی تھی، اور آگے سے بات کو بڑھا دیتی تھی، خواہ مخواہ کا بحث مباحثہ آپس میں ہوجاتا، اور یہ ہر ہفتے کا مسئلہ ہوتا، دو چار سال گزرے، تو اب بیوی جو تھی وہ ماں باپ کے پاس جانے سے الرجک ہوگئی، جب یہ جانے لگتا تو وہ ہنگامہ کر دیتی، یہ پریشان کہ وہاں نہ جاؤں تو ماں باپ ناراض اور اگر جاؤں تو یہاں بیوی ناراض، سوچتا تھا کہ میں کیسے اس مصیبت سے جان چھڑاؤں؟ اتنے میں اس کو سعودی عرب سے ایک جاب (آفر) آ گئی، بہت معقول پیکج تھا، اس نے ماں باپ کو جا کر بتایا کہ مجھے تو سعودی عرب میں نوکری مل رہی ہے، ماں باپ بڑے خوش ہوئے، بیٹے! ہمارا اللہ حافظ ہے تم اس دیش میں جاؤ گے، اللہ کا گھر دیکھو گے، بیٹے! ہمارے لئے یہی خوشی کافی ہے، ماں باپ نے اجازت دے دی، یہ بیوی بچوں کو لے کر مکہ مکرمہ آ گیا، اس زمانے میں ٹیلیفون تو زیادہ ہوتے نہیں تھے، بس حج عمرے پر جو لوگ آتے تھے انہیں کے ذریعہ پیغام رسانی ہوتی تھی، یا کوئی چیز ایک دوسرے کی پہنچا دی جاتی تھی، چنانچہ یہ نوجوان شروع میں ان کے لئے خرچہ بھی بھیجتا رہا اور کبھی کبھی صحت خوشی کے پیغام بھی بھیجتا رہا، لیکن تیرہ سال یہ وہیں پر رہا اور اپنے والدین کی طرف واپس نہ آسکا، نیک تھا، ہر سال حج کرتا تھا، ایک مرتبہ حج کے دوسرے تیسرے دن یہ مطاف میں کھڑا تھا، بیت اللہ کے سامنے زار و قطار رو رہا تھا، کسی اللہ والے نے دیکھا، پوچھا نوجوان! کیا ہوا؟ کہتا ہے کہ مجھے تیرہ سال ہوگئے ہیں، ہر دفعہ میں حج کرتا ہوں لیکن حج کے دو تین دن کے بعد میں خواب دیکھتا ہوں کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے ''تیرا حج قبول نہیں'' اور میں پریشان ہوں کہ پتہ نہیں کون سی مجھ سے ایسی غلطی ہوتی

ہے کہ میرا حج اللہ کی بارگاہ میں قبول ہی نہیں؟ وہ اللہ والے تھے، بندے کی نبض پہنچانتے تھے، انہوں نے دو چار باتوں میں گیس کرلیا، کہ اس نے تیرہ سال سے ماں باپ کو شکل ہی نہیں دکھائی، انکے پاس گیا ہی نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ بوڑھے ماں باپ اس پر خفا ہوں گے، انہوں نے بات سمجھائی کہ بیٹے! جاؤ! ماں باپ زندہ ہیں ان کی خیر خبر لو، پھر واپس آنا، خیر یہ آیا اور آکر فوراً ٹکٹ بک کروالی، بیوی نے کچھ آئیں بائیں شائیں کرنے کی کوشش کی، مگر یہ نوجوان بھی سیریس تھا اس نے اس کو بھی شیر کی آنکھیں دکھائی، جب بیوی نے دیکھا کہ بہت سیریس نظر آتا ہے تو چپکے سے ڈر کے مارے بھیگی بلی بن کر بیٹھ گئی۔

خیر اس نے تیاری کی اور واپس اپنے ملک آیا، اب جب وہ اپنے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نوجوان کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ میرے ماں باپ اس وقت زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ اب یہ سوچ رہا ہے کہ پتہ نہیں میرے ماں باپ کس حال میں ہیں؟ تیرہ سال گئے ہوئے ہوگئے تھے، اس کو ایک نو دس سال کا لڑکا ملا، اس نے اس سے پوچھا کہ وہ فلاں بڑے میاں کا کیا حال ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ بڑے میاں تو چھے مہینے ہوئے فوت ہوگئے، البتہ وہ بوڑھی عورت زندہ ہے، گھر میں ہے اور بڑی بیمار ہے، میں نے سنا ہے کہ ان کا ایک بیٹا ہے جو سعودی عرب گیا ہوا ہے، پتہ نہیں وہ کیسا نامعقول بیٹا ہے جو اپنے ماں باپ کی خبر ہی نہیں لیتا، بچہ بات کرکے چلا گیا لیکن اس نوجوان کے دل کی تار کو چھیڑ گیا، اب اسکو احساس ہوا، اوہو! والد دنیا سے چلے گئے، میں نے آخری وقت میں ان کی شکل ہی نہیں دیکھی، اب تو امی مجھ سے ناراض ہوگی اور امی تو میرا چہرہ نہیں دیکھے گی، امی تو مجھے گھر سے ہی نکال دے گی، میرے ساتھ بات ہی نہیں کریگی، اب یہ سوچ رہا ہے کہ میں امی کو کیسے مناؤں گا؟ مغموم دل سے گھر کی طرف جارہا تھا، بالآخر جب اس نے گھر کے دروازے پر پہنچ کر دیکھا، تو دروازہ کھلا ہوا تھا کواڑ ملے ہوئے تھے اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا، اندر داخل ہوا، کیا دیکھتا ہے کہ صحن میں چارپائی کے اوپر اس کی بوڑھی بیمار

والدہ لیٹی ہوئی ہے، ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی، وہ چارپائی کے ساتھ لگی ہوئی تھی، اس کو خیال آیا کہ کہیں امی سو رہی ہو تو پہلے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے قریب جاتا ہوں چونکہ اس کی والدہ کی آنکھوں پر موتیا آچکا تھا، جب وہ دبے پاؤں بالکل قریب پہونچا تو وہ حیران ہوا کہ اس کی والدہ کے اس وقت ہاتھ اٹھے ہوئے تھے اور وہ کچھ الفاظ کہہ رہی تھی، گویا اللہ تعالی سے دعا مانگ رہی تھی اس نے جب قریب ہوکر سنا تو ماں یہ الفاظ کہہ رہی تھی، اے اللہ! میرا خاندان دنیا سے چلا گیا، میرا ایک ہی بیٹا ہے جو میرا محرم ہے اللہ! اسے بخیریت واپس پہنچا دینا تاکہ اگر میری موت آئے تو مجھے قبر میں اتارنے والا کوئی تو میرا محرم موجود ہو، ماں یہ دعائیں مانگ رہی ہے اور بیٹا سمجھتا ہے کہ ماں مجھے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کریگی، اس نے جب ماں کے یہ الفاظ سنے اس نے فورا کہا: امی! میں آگیا ہوں، تو ماں چونک اٹھی، آواز سنتے ہی بولی: میرے بیٹے! آگئے، جی امی! میں آگیا ہوں، ماں کہنے لگی: بیٹے! ذرا قریب ہوجانا، میں تمہاری شکل تو دیکھ نہیں سکتی، مجھے اپنا بوسہ ہی لینے دو مجھے اپنی جسم کی خوشبو سونگھنے دو، یہ ماں کی محبت ہوتی ہے، خیر یہ بیٹا دو چار دن وہاں رہا، اللہ کی شان کہ ماں بیمار تھی، چند دنوں میں فوت ہوگئی، اس نے اپنی والدہ کو دفنایا کفنایا اور اس ذمہ داری سے فارغ ہوکر کچھ عرصے کے بعد واپس مکہ مکرمہ آگیا۔

بغیر اطلاع گھر آنے کا انجام

امریکہ کے ایک صاحب نے کئی سال بعد گھر واپس آنے کا پروگرام بنایا، شیطان نے اس کے ذہن میں یہ تجویز ڈالی کہ اہل خانہ کو اطلاع نہ دو، اچانک پہنچ کر حیران کرو، چنانچہ انہوں نے جہاز کا ٹکٹ خریدا، دفتر سے چھٹی لے کر پاکستان پہنچے، اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے استقبال کے لئے تو کوئی نہیں تھا، ان صاحب نے ٹیکسی کرایہ پر لی، چونکہ گھر شہر سے چند میل دور تھا اہل خانہ کے لئے تحفے تحائف وغیرہ خرید کر لائے تھے تو سامان

کافی زیادہ تھا، انہیں اکیلا دیکھ کر اور سامان کی زیادتی کو دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور کی نیت بدل گئی، چنانچہ دیرانے میں ایک جگہ ٹیکسی ڈرائیور نے اسکو قتل کر دیا اور لاش زمین میں دفن کر دی، جب کئی مہینے گزر گئے تو دفتر والوں نے اس کے دوست احباب سے رابطہ کیا کہ فلاں آدمی دفتر سے چھٹی لے کر گیا تھا مگر واپس نہیں آیا، دوستوں نے گھر فون کیا، تو اہل خانہ نے کہا کہ وہ تو یہاں آیا ہی نہیں، تب ایک ہنگامہ کھڑا ہوا، مگر ''اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیا جگ گئیں کھیت'' کاش کہ وہ اسلامی آداب سفر کا خیال کرتے تو اہل خانہ کو غم کی بجائے خوشی نصیب ہوتی۔

اے عمرؓ! آپ نے تین غلطی کی

سیدنا عمرؓ کی عادت مبارکہ تھی، رات کو آپ چکر لگاتے تھے، دیکھتے تھے کہ رعایا کس حال میں ہے، امیر المومنین تھے، ذمہ داری بھی بنتی تھی، چنانچہ آپ ایک مکان کے قریب سے گزرے اس میں کچھ روشنی نظر آئی کچھ باتوں کی آواز سنائی دی، آپ کو محسوس ہوا یہاں نارمل لائف نہیں ہے۔

Something is Seriously wrong Somewhere

کہیں ضرور کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے، آپ کھڑے ہو کر دیکھتے سوچتے رہے، پھر اندر سے کبھی قہقہوں کی آواز آتی، کبھی کسی مرد اور عورت کی آواز آتی حتی کہ آپ کی بصیرت نے یہ کہا کہ اندر کوئی گناہ ہو رہا ہے، دروازہ بند تھا، عمر فاروقؓ نے، حمیت اسلامی دل میں بہت تھی، چنانچہ انہوں نے کیا کیا کہ دیوار کے اوپر چڑھ گئے، جب دیوار کے اوپر چڑھ کر انہوں نے گھر کے اندر جھانک کر دیکھا تو ایک مرد تھا اور ایک عورت تھی وہ عورت اس کی بیوی نہیں تھی بلکہ اس عورت کو اس نے گناہ کے لئے رات کو اپنے پاس بلایا تھا، عمر فاروقؓ نے جب اس کو دیکھا تو اس کو دور سے کہا او زنا کرنے والے! اللہ سے خوف کر، اللہ سے ڈر! جب آپ نے اس کو یہ کہا تو اس نے آگے سے جواب دیا کہ اے

امیر المومنین! میں نے ایک گناہ کیا اور آپ نے تین گناہ کئے، پوچھا کہ وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا، ولا تجسّسوا (تم تجسس نہ کرو) آپ نے تجسس کیا اور میرے بند گھر کے اندر مجھے دیکھا، دوسری بات کہ قرآن مجید نے کہا کہ، واتوا البیوت من ابوابھا (کہ تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو) اور آپ دروازے کے بجائے دیوار پر چڑھ کر دیکھ رہے ہیں، قرآن مجید نے کہا: لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا (کہ تم بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور اہل خانہ کو سلام کر کے گھر میں داخل ہو) اور آپ نے اس کے بغیر مجھ سے گفتگو کی، جب اس نے یہ کہا تو سیدنا عمر کو بھی یہ ہوا کہ اس نے جو یہ تین باتیں کی ہیں، ہیں تو یہ سچی، تو عمرؓ نے فرمایا کہ اچھا اگر تو سچی توبہ کا وعدہ کرے تو میں اس گناہ کو معاف کرنے کا وعدہ کرتا ہوں، چنانچہ اس نے سچی توبہ کی کہ میں آج کے بعد اس گناہ کا مرتکب نہیں ہوں گا، عمرؓ نے کہا اچھا تم میری غلطی کو معاف کر دو اور یہ کہہ کر پھر آپ وہاں سے آگے تشریف لے گئے۔

(مکارم الاخلاق للخرائطی ۱/ ۴۴۴-الاوائل للعسکری ۴۳-حیاۃ الصحابہ ۳/ ۲۷۵)

شیطان کا شہد اور راکھ

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ شیطان کو دیکھا، اس کے پاس دو چیزیں تھیں، میں نے اس سے کہا کہ اے بدمعاش! یہ کیا دو چیزیں لئے پھرتا ہے؟ کہنے لگا کہ ایک بوتل میں شہد ہے اور ایک چیز میں راکھ ہے، میں نے کہا کہ تجھے اس کی کیا ضرورت پڑ گئی؟ کہنے لگا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں ان کے ہونٹوں پر شہد لگاتا ہوں تو ان کو غیبت کرنے میں مزہ آتا ہے، لگے رہتے ہیں غیبت کرتے رہتے ہیں، تو جب بھی محفل میں غیبت ہو رہی ہو آپ یہی سوچا کریں کہ اب اس وقت شیطان ہمارے ہونٹوں پر شہد لگا رہا ہے، اور ہمیں غیبت کرنا بڑا اچھا لگ رہا ہے، میں نے کہا کہ اچھا راکھ کس لئے لئے پھر

رہے ہو؟ تو اس نے کہا: اس راکھ کو میں یتیم کے چہرے پر مل دیتا ہوں تو دیکھنے والے اسکو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، محبت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور اللہ کی رحمت سے خود محروم ہوجاتے ہیں..... لہٰذا کسی یتیم کو حقارت سے نہ دیکھیں، بلکہ محبت وشفقت کے ساتھ دیکھیں۔

یورپ میں بچوں کا برتاؤ

چنانچہ ایک مرتبہ امریکہ میں ہم سفر کررہے تھے، ایک بوڑھی خاتون قریب آئی اور پوچھنے لگی: کیا آپ مسلمان ہیں؟ جواب دیا: جی ہاں، اس نے کہا: میں نے سنا مسلمان اپنے وعدے میں بڑے پکے ہوتے ہیں، ہم نے کہا: کہ بالکل آپ نے صحیح بات سنی، اس نے کہا: پھر آپ بھی میرے ساتھ ایک وعدہ کریں، میں نے کہا کہ بھئی کیوں وعدہ کریں؟ اس نے کہا: بس آپ میرے ساتھ وعدہ کریں، پوچھا کیا چاہتی ہو؟ اس نے جواب دیا: میں بوڑھی عورت ہوں، میرے بیٹے بھی ہیں اور بیٹیاں بھی ہیں، مگر وہ سب جوان ہوچکے، اب کسی کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ وہ مجھے دن میں ایک منٹ کے لئے ملنے آجائے، میں اپنے گھر میں اکیلی رہتی ہوں، اور تنہائی کی وحشت سے تنگ آگئی ہوں، یوں لگتا ہے کہ ذہنی مریضہ بن جاؤں گی، سارا دن میں گھر کی دیواروں کو تکتی رہتی ہوں، کوئی مجھے فون کرنے والا نہیں ہوتا، کوئی میرا حال پوچھنے والا نہیں ہوتا، میں کھاؤں نہ کھاؤں، رات کو نیند آئے یا نہ آئے، جیوں یا مروں، میرے ساتھ کسی کو کوئی دلچسپی نہیں، مجھے زندگی کا کوئی مقصد نظر نہیں آرہا، آپ ایک کام کریں کہ جہاں کہیں بھی ہوں دن میں ایک منٹ کے لئے مجھے ٹیلیفون کر کے صرف اتنا پوچھ لیا کریں کہ آپ خیریت سے ہیں، ٹیلیفون کا بل میں ادا کروں گی مگر اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ سارا دن انتظار تو رہیگا نا کہ مجھے ایک بندے کے کال آئیگی، اس دن احساس ہوا کہ یا اللہ دین اسلام سے ہٹ کر جو لوگ زندگیاں گزار رہے ہیں، وہ کتنی مصیبت میں گرفتار ہیں۔

اللہ اللہ اللہ

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

عبادت

و

ریاضت

اطاعت نبوی کی حیرت انگیز مثال

ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کررہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت تو پہلے ہی سے اداس تھی، کئی سالوں سے بیت اللہ شریف سے بچھڑے ہوئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اپنا خواب بتایا، پھر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے عمرہ کرنے کی تیاری کرلی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے اور صحابہ کرامؓ آپ کے ساتھ چلتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے اٹھارہ میل دور حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چودہ سو (۱۴۰۰) صحابہؓ موجود تھے۔

ادھر سے قریش مکہ کو پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس طرح آگئے تو ہماری چودھراہٹ تو ختم ہوجائیگی..... یہ ناک بھی بڑی عجیب چیز ہے، جو کہتے ہیں کہ ہماری ناک کا مسئلہ ہے تو اللہ تعالی ان کی ناک کو موم کی ناک بنادیتے ہیں، اور اللہ تعالی اسے نیچا کرکے دکھاتے ہیں..... چنانچہ قریش مکہ نے کہا: کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ اتنے آرام سے آئیں اور عمرہ کرکے چلے جائیں، لہٰذا فیصلہ ہوا کہ اپنے بندوں کو انکے پاس بھیجو اور ان کو وہیں روکو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان غنیؓ کو بھیجا کہ وہ جاکر قریش مکہ سے بات کریں کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے ہم جنگ نہیں چاہتے، بلکہ ہم ایک عبادت کرنا چاہتے ہیں، آپ لوگ مہربانی کریں اور ہمیں عبادت کرنے دیں، لیکن انہوں نے یہ بات ماننے سے انکار کردیا، اسی گفت وشنید میں انہیں کئی دن لگ گئے، اس دوران میں انہوں نے حضرت

عثمان غنیؓ سے کہا کہ اگر آپ طواف کرنا چاہتے ہیں تو آپ کرلیں، ہم آپ کو نہیں روکتے، انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے آقا تو وہاں حدیبیہ میں بیٹھے رہیں اور میں یہاں طواف کرلوں۔

اتنے میں خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کردیا گیا ہے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کے حکم پر صحابہ کرامؓ سے بیعت لینا شروع کردی، کہ اب ہم ان کے ساتھ لڑیں گے اور ان کو سبق سکھائیں گے، اس بیعت کو،، بیعت رضوان،، کہا جاتا ہے، وہاں کیکر کا ایک درخت تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نیچے بیٹھ کر یہ بیعت لی، سب صحابہ کرامؓ نے بیعت کی، سب سے پہلے حضرت سنانؓ آگے بڑھے، پھر عبداللہ بن عمرؓ اور پھر باقی صحابہ نے بیعت کی، صحابہ کرامؓ ذہنی طور پر پوری طرح تیار ہوگئے کہ اب ہم نے آگے بڑھنا ہے اور قریش مکہ کے ساتھ نمٹنا ہے۔

جب کافروں کو اس بیعت کا پتہ چلا تو انہوں نے سہیل بن عمرو کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، وہ ایسا بندہ تھا جو بڑا باتونی اور سمجھدار قسم کا آدمی تھا، وہ بادشاہوں کے دربار میں آتا جاتا تھا، اسے بات کرنے کا سلیقہ آتا تھا، وہ بات کا دھنی آدمی تھا اور حالات کی ججمینٹ کرنا جانتا تھا، پہلے اور بھی چند لوگ آئے تھے، لیکن ان کے ساتھ بات آگے نہ بڑھ سکی، جب سہیل آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب سہیل آیا ہے، چنانچہ اب سہولت ہوجائیگی، بالآخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل کے درمیان چند شرائط طے پا گئیں، مثال کے طور پر۔

☆ اس سال مسلمان بیت اللہ کی زیارت کئے بغیر واپس چلے جائیں اور اگلے سال آئیں تو ہم ان کو عمرہ کرنے کی اجازت دے دیں گے۔

☆ قریش مکہ کا کوئی آدمی اگر بھاگ کر مسلمان ہوجائیگا تو وہ اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے اور جو مسلمانوں میں سے بھاگ کر کافر ہوجائیگا اس کو واپس نہیں کیا جائیگا۔

یہ شرائط صحابہ کرامؓ کی سمجھ سے بالاتر تھیں، صحابہ کرامؓ اپنی ایمانی غیرت کی وجہ سے اس سوچ میں تھے کہ ہم ان کے ساتھ اتنا دب کر کیوں صلح کریں، یہ ذرا ہمارے ساتھ لڑائی تو کر کے دیکھیں۔

نہ خنجر اٹھیگا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ہم نے بدر واحد میں ان پر ہاتھ کھولا ہوا ہے، ہمیں ان سے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شرائط پر آمادہ ہو گئے۔

معاہدہ لکھنے والے حضرت علیؓ تھے، جب انہوں نے شروع میں بسم اللہ لکھی تو اس پر سہیل نے اعتراض کیا کہ .....**باسمک اللھم** ..... لکھیں، خیر انہوں نے یہی لکھ دیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے یہ لکھا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے مابین ایک معاہدہ ہے، اس پر اس نے پھر پھڈا ڈالا، وہ کہنے لگا: اگر ہم ان کو رسول مان لیتے تو پھر جھگڑا ہی نہیں تھا، اسلئے محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو ایسے ہی لکھ دو جیسے یہ کہہ رہا ہے، اب حضرت علیؓ کے لئے یہ کام بڑا مشکل تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا ہو اور اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھا جائے، کیونکہ محبت چیز ہی ایسی ہے، چنانچہ انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرا دل نہیں مانتا کہ میں اپنے ہاتھ سے آپ کا نام مٹاؤں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی! تم ایسا کرلو، ایک ایسا وقت آئیگا کہ تمہارے ساتھ بھی بالکل یہی صورت حال پیش آئیگی اور تمہیں بھی اپنے نام کے ساتھ لکھا ہوا لفظ کاٹنا پڑیگا (ہو بہو وہی بات ان کے ساتھ جنگ صفین میں پیش آئی)۔

جب یہ معاہدہ لکھ دیا گیا تو اتنے میں سہیل کا اپنا بیٹا ابو جندل وہاں آ پہنچا، سہیل نے اس کو اپنے گھر کے اندر باندھا ہوا تھا، اس کو وہ مارا پیٹا کرتا تھا، جب اس کو پتہ چلا کہ

مسلمان اتنے قریب ہیں تو وہ کسی طرح چھپ چھپا کر مسلمانوں کے پاس آ گیا، وہ نوجوان تھا، اس کے پاؤں میں اب بھی بیڑیاں تھیں، جیسے ہی ابو جندل وہاں پہنچا، سہیل کہنے لگا، اگر چہ ابھی ہمارے معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے، طے تو ہو گئے ہیں، لہذا ہمیں ابو جندل واپس کرو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سہیل میری بات مان اور ابو جندل کو میرے پاس رہنے دو، اس نے کہا: پھر ہم معاہدہ ہی نہیں کرتے۔

اب یہاں ایک سبق ہے کہ بعض اوقات بڑے فائدے کی خاطر چھوٹے نقصان کو برداشت کر لیا جاتا ہے، یہ زندگی کے اصول اور کلیات میں سے بھی ہے، جیسے اگر کپڑے کی مارکیٹ میں آدمی لوہے کی بھٹی بنادے، جسمیں خوب دھواں ہوتا ہو اور لوگوں کے کپڑے خراب ہوتے ہو تو حکومت کو اختیار ہوگا کہ وہ اس بھٹی کو زبردستی بند کروائیں کیونکہ اس میں دوسروں کا نقصان ہے۔

اب سہیل کے کہنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو جندل کو واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمادگی کا اظہار کیا تو سہیل اٹھا اور اس نے مسلمانوں کے سامنے ابو جندل کو مارنا شروع کر دیا، وہ تھپڑ مارتا رہا اور ابو جندل روتا رہا، کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس وقت صحابہ کرامؓ کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی، ان کے لئے بہت بڑی آزمائش تھی۔

اس واقعہ سے صحابہ کرامؓ کے دل اتنے دکھی ہوئے کہ سیدنا عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اتنا دب کر ان سے کیوں معاہدہ کر رہے ہیں؟ اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''انی رسول اللہ ولست اعصی وھو ناصری'' (میں اللہ کا رسول ہوں، میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہ میرا مددگار ہے) حضرت عمرؓ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے، پھر سیدنا صدیق اکبرؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی بات کی، ابو بکر! ہم اتنا دب کر کیوں صلح کر رہے ہیں؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: عمر! کیا تم جانتے ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول

ہیں؟ جواب دیا جی ہاں۔

سوچ کی وحدت دیکھئے کہ جو جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو دیا تھا، ہو بہو وہی جواب صدیق اکبر نے دیا.... چنانچہ حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

اتنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا کہ تم جو قربانی کے جانور لائے تھے ان کو قربان کر دو اور اپنے احرام اتار لو، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ کر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے، کتنا مشکل کام تھا....!!! صحابہ حیران تھے، یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی ان کے دل آمادہ ہی نہیں ہو رہے تھے، ان کو رہ رہ کر یہ سوچ آتی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب بھی دیکھا اور پھر ہم اتنا قریب آنے کے باوجود احرام اتار کر واپس چلے جائیں۔

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے میں تشریف لائے اور ان کو صورت حال بتائی کہ یہ میں نے انہیں کہا کہ قربانی کریں اور یہ ابھی کسی سوچ میں بیٹھے ہیں، اب ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے ایک بہت ہی اچھا مشورہ دیا، انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان کے دل میں عمرہ کرنے کا اتنا شوق ہے کہ ان کے دل آمادہ نہیں ہو رہے ہیں، آپ باہر تشریف لے جائیں، ان کے سامنے اپنے جانور کو قربان کر کے احرام اتار دیجئے، جو آپ کریں گے یہ سب وہی کریں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا مشورہ پسند آ گیا، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر جانور ذبح کیا اور احرام اتارا تو صحابہ کرامؓ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اسی طرح کیا۔

صحابہ کرامؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو یہ بات مانی تو اس کے بدلے میں اللہ تعالی نے ان کو مطاع بنا دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم"

(میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم جس کی بھی اتباع کروگے ہدایت پاجاؤ گے)

(بخاری شریف ۲۵۲۹-الروض الانف ۴/ ۴۳ تا ۴/ ۵۴-امتاع الاسماع ۹/ ۱۳-سبل الہدیٰ ۵/ ۵۶-الرحیق المختوم ۳۰۶-اصح السیر ۱۶۶)

جذبۂ جہاد شوق عبادت کی حیرت انگیز مثال

علامہ باقریؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے، فرماتے ہیں: رومیوں نے چند مسلمان عورتوں کو گرفتار کرلیا، ہارون رشید کا زمانہ تھا، ہارون رشید نے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں کو تیار کیجئے تاکہ ہم فوج تیار کرکے ان پر حملہ کریں، ایک عالم نے جہاد کی ترغیب دی کہ اللہ کے راستے میں نکلو، اپنی جانوں کو اپنے مالوں کو اللہ کے راستے میں پیش کرو، وہ کہتے ہیں جب میں نے لوگوں کو اللہ کے راستے میں جہاد کی ترغیب دی تو اس کے بعد اپنے گھر کی طرف آنے لگا، راستے میں ایک جوان لڑکی کو انتظار کرتے دیکھا، میں اس کے قریب سے گزرنے لگا، تو اسنے مجھے اپنی طرف کوئی بات کرنے کے لئے متوجہ کیا، میں سمجھا کہ شاید اس کی نیت ٹھیک نہیں تو میں اس سے آگے گزرنے لگا وہ لڑکی کہنے لگی کہ کیا نیک لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی کی بات ہی نہیں سنتے؟ تو پھر میں رک گیا کہ یہ بچی کچھ اچھی بات کرنا چاہتی ہے، میں نے کہا بیٹی! آپ مجھے کیا کہنا چاہتی ہو؟ اس نے کہا کہ آپ ہی نے جہاد کے لئے ترغیب دی ہے میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: میری طرف سے یہ رقعہ لے لیں اور یہ تھیلا لے لیں جہاد کے لئے، میں نے جب رقعہ لے کر پڑھا، تو رقعہ پر لکھا ہوا تھا کہ میں اکیلی گھر میں ہوں، جہاد کے لئے خود تو نکل نہیں سکتی، مگر میرے سر کے بال کافی لمبے ہیں، میں نے اپنے سر کے یہ خوبصورت بال کاٹ کر اس تھیلے میں ڈال دئے ہیں، ان بالوں سے کسی ایسے گھوڑے کی لگام بنالیجئے جو اللہ کے راستے میں نکل چکا ہو، وہ کہتے ہیں: میں حیران ہوگیا کہ

عورت میں جہاد کا اتنا جذبہ کہ اپنے سر کے بال کاٹ کر دے دیئے اس گھوڑے کے لئے جو اللہ کے راستے میں نکل چکا ہو۔

گلستان مؤمنات ۱۸

سنت پر عمل کی انوکھی مثال

ایک کتاب میں تو عجیب بات پڑھی، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرمایا کرتے تھے:

''جو میرے بس میں سنتیں تھیں، میں نے اس پر عمل کر لیا، ایک سنت کو پورا کرنے کی تمنا تھی، وہ کیا؟ سیدنا حسینؓ چھوٹے تھے، ان کو نبی علیہ السلام نے اٹھایا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسینؓ نے پیشاب کر دیا، اس سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے گیلے ہو گئے، چنانچہ فرماتے تھے کہ اللہ نے بیٹی تو دی ہے، مگر نواسہ نہیں ہے، بڑی تمنا تھی کہ میں بھی اسے اٹھاتا اور میرے بھی کپڑے گیلے ہوتے، مگر نواسہ نہ ہوا، چنانچہ نصیحت فرمائی: اگر میرے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ میری بیٹی کو بیٹا عطا کرے تو اس بچے کو میری قبر پر بٹھا دیا جائے، یہاں تک کہ وہ وہاں پر پیشاب کر دے''۔

حضرت ابن عمرؓ کا جذبۂ عمل

☜ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سواری پر ہیں، فاصلہ طے ہو رہا ہے، سواری کھڑی کر کے نیچے اترتے ہیں، ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھتے ہیں، پھر اٹھ کر آتے ہیں اور سفر شروع کر دیتے ہیں، پوچھنے والے نے کہا: حضرت! جب قضائے حاجت کی ضرورت نہیں تھی تو پھر رکے کیوں؟ وقت کیوں لگایا؟ جواب میں فرمایا میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سواری روکی تھی اور یہاں بیٹھ کر فارغ ہوئے تھے، اگرچہ مجھے حاجت درپیش نہیں تھی، لیکن میرا جی چاہا کہ میں وہی کروں جو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

یہ سنت سے محبت، ذرا حضرت حذیفہؓ سے پوچھئے، جنہوں نے اہل فارس سے کہا تھا:

أَأَتْرُکُ سُنَّةَ حَبِیْبِیْ لِهٰؤُلَاءِ الْحُمَقَاءِ

ان احمقوں اور روشن خیالوں کی وجہ سے میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کردوں۔

اصلاحی واقعات ۱۱۰

ہیرا ٹوٹے تو ٹوٹے مگر.....

☆ ایک دن بادشاہ سلامت نے سوچا کہ لوگ ایاز پر اعتراض کرتے ہیں میں ذرا ان لوگوں کا امتحان لیتا ہوں، چنانچہ اس نے خزانہ سے ایک ہیرا، موتی منگایا اور ہتھوڑا بھی منگوایا اور سب کو کہا کہ دیکھو آج میں آپ لوگوں کی ذہانت کا امتحان لونگا، ہر بندہ بڑا محتاط ہوگیا، بادشاہ نے وہ ہیرا نکالا اور پہلے کو دیا کہ اسکو توڑو، اس نے کہا بادشاہ سلامت! اتنا قیمتی ہیرا توڑیں؟ اس سے بہت نقصان ہوجائے گا، تو بادشاہ نے لے لیا اور دوسرے کو دے دیا، دوسرے نے بھی یہی کہا، بادشاہ سلامت اتنا قیمتی ہیرا، اس کو کیسے توڑیں گے؟ بادشاہ نے مسکراتے ہوئے لے لیا، تیسرے کو دیا، حتی کہ سب یہی جواب دیتے رہے، کسی نے ہیرے کو نہیں توڑا، جب بادشاہ نے ایاز کے ہاتھ میں پکڑایا اور کہا ہیرا توڑو، ایاز نے زمین پر رکھا اور ایک ہتھوڑا مار کر اسکے ٹکڑے کر دئے، سارے لوگ حیران، ارے جاہل، کم عقل، بے سمجھ انسان، اتنا بڑا نقصان کر دیا، اب اس کو بادشاہ کی ڈانٹ پڑے گی، بادشاہ خاموش تھا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایاز سے پوچھا کہ ایاز تم نے ہیرا توڑ دیا؟ ایاز نے جواب دیا، ہاں اور کہا بادشاہ سلامت! میرے سامنے دو باتیں تھیں، جب آپ نے فرمایا کہ ہیرے کو توڑو، اب یا تو میں ہیرے کو توڑتا یا میں آپ کے حکم کو توڑتا، میری

نظر میں آپ کا حکم زیادہ قیمتی تھا، اسلئے میں نے ہیرے کو توڑ دیا اور آپ کے حکم پر عمل کر لیا، اس پر بادشاہ خوش ہوا اور اس کی عقل کی داد دی۔

حکایات رومی ۱۹۱-اصلاحی واقعات ۱۳۶

کاش اپنے رب کے حکم کو دیکھتے

ایک آدمی کو اللہ تعالی نے بیٹا دیا، کچھ بڑا ہو گیا تو ان کے یہاں ایک اللہ والے آئے، یہ اپنے بیٹے کو ان کے پاس لے کر گیا، ان بزرگ کے پاس کھانے کے لئے میٹھی چیز تھی، انہوں نے بچوں کو پیش کی تو بچے نے انکار کیا، انہوں نے دوبارہ دی، بچے نے اپنے ابا کی طرف دیکھتے ہوئے پھر انکار کیا، جب بچے نے ایسا کیا تو ان بزرگ کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے، والد کو برا محسوس ہوا، کہنے لگے حضرت یہ بچہ ہے آپ محسوس نہ کریں، پھر اس نے بچے کو کہا بیٹا لے لو، بچے نے لے لی اس نے پوچھا حضرت! آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آئے؟ کہنے لگے کہ مجھے یہ خیال آیا کہ یہ چھوٹا سا بچہ ہے لیکن اس کے اندر باپ کی اتنی اطاعت ہے باوجود میٹھے کی رغبت کے جب تک باپ نے اشارہ نہیں کیا اس وقت تک اس نے میٹھی چیز کی طرف دیکھا بھی نہیں، جب کہ میں تو اتنی بڑی عمر کو پہونچ کر بھی چھوٹے بچے کی طرح بھی نہ ہوا، ہم لوگ جو گلی بازار میں پھرتے ہیں تو ہمارے سامنے بھی تو نیلی پیلی میٹھائیاں پھر رہی ہوتی ہیں، کاش کہ ہم ان کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے رب کی طرف دیکھتے کہ ہمارے رب کا کیا حکم ہے۔

ایک اشکال کا حیران کن جواب

ذوالنون مصریؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں، وہ ایک مرتبہ اپنے دوستوں کو فرمانے لگے:

''تم کیا سمجھتے ہو اس شخص کے بارے میں جس کی مرضی سے دنیا کا کاروبار چل

رہا ہے؟''

جب انہوں نے یہ بات کی تو لوگ بڑے حیران ہوئے کہ یہ تو بڑے محتاط بزرگ تھے، ایسا کلام کبھی نہیں کرتے تھے، آج انہوں نے کیسی بات کر دی، چنانچہ انہوں نے کہا: حضرت ! آپ کے اس کلام میں کچھ گہرائی نظر آتی ہے، مہربانی فرما کر سمجھا دیجیے، چنانچہ پھر حضرت نے فرمایا:

''دیکھو! ہر کام اللہ کی مرضی سے چلتا ہے، میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں گم کر دیا ہے، اب گویا ہر کام میری مرضی سے چل رہا ہے''۔

اصلاحی واقعات ۱۵۲

اپنے آپ کو خدا کے حوالے تو کیجئے

رابعہ بصریہ اللہ کی ایک نیک بندی تھیں، ایک چھوٹا سا کمرہ عبادت کے لئے بنا ہوا تھا، وہیں رہتی تھیں، ایک مرتبہ دوپہر کو آرام کر رہی تھیں کہ ایک چور آ گیا، اس نے ادھر ادھر دیکھا اور کوئی چیز نہ ملی تو ایک چادر اس نے اٹھالی لے جانے کے لئے، جیسے ہی جھک کے چادر اٹھائی تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، بینائی چلی گئی، راستہ نظر ہی نہیں آتا، اس نے گھبرا کر چادر وہیں پھینکی، جیسے ہی چادر پھینکی بینائی لوٹ آئی، تو وہ بھاگ کے نکلنے لگا، آواز آئی کہ ایک دوست اگر سویا ہوا ہو، دوسرا دوست جاگتا ہے، یہاں چڑیا کو پر مارنے کی اجازت نہیں تم کیسے چادر کو لے کر جا سکتے ہو۔

ہم اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر کے تو دیکھیں، مسئلہ بنتا ہے، جب احکام خداوندی کو توڑتے ہیں، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتے ہیں پھر اللہ سے امیدیں لگاتے ہیں کہ اللہ ہماری مدد فرمائیگا، جو ہمارے کرنے کا کام ہیں وہ ہم کریں اور پھر دیکھیں کہ اللہ اپنی رحمتوں کی کیسی بارش فرماتا ہے۔

تذکرۃ الاولیاء ۴۶- جامع کرامات اولیاء ۲/ ۶۹

ہر ایک کو راضی کرنا ممکن نہیں

ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ کہیں جانے لگا، ان کے پاس ایک گدھا تھا باپ گدھے پر آگے بیٹھ گیا اور اس نے اپنے بیٹے کو پیچھے بٹھالیا، جب ایک آبادی سے گزرے تو لوگوں نے دیکھ کر کہا: دیکھو، گدھا بے چارہ ایک ہے اور اس پر دو بندوں نے سواری کی ہوئی ہے، جب اس آدمی نے یہ بات سنی تو اس نے دل میں سوچا کہ لوگ اس بات کو محسوس کر رہے ہیں تو میں بچے کو نیچے اتار دیتا ہوں، چنانچہ اس نے بچے کو نیچے اتار دیا، آگے گیا تو لوگوں نے دیکھ کر کہا، اندازہ کرو کہ خود اوپر بیٹھا ہے اور چھوٹے سے بچے کو پیدل چلا رہا ہے، اس نے یہ سن کر کہا کہ میں بچے کو اوپر بٹھا دیتا ہوں اور خود پیدل چل لیتا ہوں، اب اس نے بچے کو اوپر بٹھا دیا اور خود پیدل چلنا شروع کر دیا، کسی نے دیکھا تو کہا: اس کا حال دیکھو کہ گدھے پے ایک چھوٹے سے بچے کو بٹھایا ہوا ہے اور خود پیدل چل رہا ہے، وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اب میں کیا کروں، بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ گدھے پر بیٹھتے ہی نہیں، اب باپ بیٹے نے پیدل چلنا شروع کر دیا، کسی نے دیکھا تو کہا: یہ بڑے بے وقوف ہیں، پاس گدھا بھی ہے اور پھر بھی پیدل چل رہے ہیں، اب وہ اور زیادہ پریشان ہوا کہ کریں تو کیا کریں، پھر اسے ذہن میں خیال آیا کہ ہم گدھے کو اٹھا لیتے ہیں، چنانچہ جب وہ گدھے کو اٹھانے لگے تو گدھے نے بھی ان کو دولتیاں ماریں اور اوپر سے لوگوں نے کہا: ذرا اس بندے کا حال دیکھو کہ گدھے کو سر پر اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے، آخر میں انہوں نے یہ کہا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم بندوں کو کبھی راضی کر ہی نہیں سکتے۔

دو صحابہؓ کی درخشندہ مثال

دو صحابہؓ انڈونیشیا میں آئے، انہوں نے کوئی تبلیغ نہیں کی، کوئی وعظ نہیں کیا، کوئی درس قرآن نہیں دیا، فقط دکان کھولی، ان کی دکانداری کو دیکھ کر پورا ملک مسلمان ہو گیا،

ایسے اصولوں کے ساتھ دکانداری کی کہ لوگ ان کی دکان سے خریداری کرنا پسند کرتے تھے، مگر لوگ دیکھتے تھے کہ یہ درمیان میں کچھ وقت کے لئے دکان بند کر دیتے ہیں، پوچھتے کہ گاہک کھڑے ہوتے ہیں اور آپ دکان بند کر دیتے ہیں، کیا وجہ ہے؟ وہ کہتے کہ اس وقت میں، ہم اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، پھر پوچھتے، جی! آپ چھٹی کیوں کرتے ہیں؟ بتاتے کہ وہ جمعہ کا دن ہوتا ہے، لوگوں نے کہا: اچھا! تمہیں دکانداری کے یہ اصول وضوابط کس نے سکھائے، انہوں نے کہا: یہ اصول وضوابط ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے، وہ کہنے لگے کہ اگر انہوں نے آپ کو سکھائے تھے تو آپ ہمیں بھی سکھا کر اپنے جیسا بنا لیجئے۔ سبحان اللہ!

حضرت یوسفؑ سے بوڑھی عورت کی محبت

حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری کے لئے ایک بوڑھی عورت ''دھاگے کی اٹی'' لے کر چل پڑی تھی، کسی نے پوچھا کہ اماں تم کہاں جا رہی ہو؟ کہنے لگی یوسفؑ کو خریدنے جا رہی ہوں، اس نے کہا اماں! ان کو خریدنے کے لئے تو بڑے بڑے امیر آئے ہوئے ہیں، وقت کے بڑے بڑے نواب آئے ہوئے ہیں، امراء آئے ہوئے ہیں، تو یوسفؑ کو کیسے خرید سکے گی، کہنے لگی کہ میرا دل بھی جانتا ہے کہ یوسفؑ کو میں خرید نہیں سکوں گی، لیکن میرے دل میں ایک بات ہے، وہ کہنے لگا کونسی بات؟ کہنے لگی کل قیامت کے دن جب اللہ رب العزت کہیں گے کہ میرے یوسفؑ کو خریدنے والے کہاں ہیں تو میں بھی یوسفؑ کے خریداروں میں شامل ہو سکوں گی، اسی طرح میرے دوستو! جب اللہ جل شانہ کے سامنے ہمارے سلف صالحین اپنی زندگی کی اتنی اتنی عبادتیں پیش کریں گے تو ہم زندگی کا ایک مہینہ ہی پیش کر دیں کہ یا اللہ! اور کچھ نہ کر سکے ایک مہینہ کوشش کی تھی، تو اسی کو قبول فرمالے۔

(تفسیر روح البیان ۱/ ۱۴۰ سورۃ البقرۃ ۸۶)

نیکی کی خوشبو

..... شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے فضائل درود شریف میں لکھا ہے کہ ایک آدمی رات کو سونے سے پہلے روزانہ درود شریف پڑھا کرتا تھا، ایک رات خواب میں اسے نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اپنا منہ میرے قریب کرو جس سے تم مجھ پر درود پڑھتے ہو، میں اس کا بوسہ لینا چاہتا ہوں، اس نے اپنا رخسار نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام کے قریب کر دیا، چنانچہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چہرے کا بوسہ لیا اور اس کی آنکھ کھل گئی، جیسے ہی آنکھ کھلی پورا گھر مشک کی خوشبو سے مہک رہا تھا، اس کے بعد آٹھ دن تک اس کے رخسار سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔

فضائل اعمال ۱/ ۷۵۹

پگھلتی برف سے عبرت

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ میری ہدایت کا سبب ایک برف والا بنا، کہنے لگے کہ وہ کیسے؟ کہ میں بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک بندہ تھا جو برف بیچتا تھا، تو موسم ذرا ابر آلود سا ہو گیا اور برف لینے والے گاہک ذرا تھوڑے تھے، تو کہنے لگے میں نے اسے دیکھا وہ بڑا پریشان سا کھڑا ہے، آنے جانے والے لوگوں کے چہرے دیکھ رہا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی برف خریدنے والا نہیں، تو جب کچھ دیر وہ اس طرح کھڑا رہا تو رہ نہ سکا اور اس نے اونچی آواز سے کہا کہ لوگو! رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ پگھل رہا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ اس فقرے کو سن کر میرے دل میں احساس ہوا کہ اگر اسکا سرمایہ پگھل رہا ہے اور اس کو اتنی فکر لگی ہوئی ہے تو ہمارا وقت بھی برف کے مانند پگھل رہا ہے۔

روشندان بنانے کی نیت

ایک بزرگ تھے، ان کے ایک شاگرد نے ان کو ایک مرتبہ اپنے گھر دعا کے لئے بلایا، وہ تشریف لے گئے، جب انہوں نے گھر دیکھا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا بنایا ہوا ہے؟ کہنے لگا: جی یہ روشن دان بنایا ہے، پوچھا کہ کیوں بنایا ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت! اس لئے بنایا ہے کہ اس میں سے روشنی بھی آئیگی اور ہوا بھی آئیگی، تو حضرت نے اس کو بات سمجھائی اور فرمایا: آپ نے یہ کہا کہ میں نے یہ روشندان اس لئے بنایا کہ اس سے ہوا بھی آئیگی اور روشنی بھی آئیگی، اگر آپ یہ جواب دیتے کہ میں نے روشندان اس لئے بنایا کہ مجھے اس میں سے اذان کی آواز آیا کریگی تو تمہارا روشندان بنانا عبادت بن جاتا، ہوا اور روشنی تو تمہیں ویسے ہی مل جانی تھی، تو پتہ چلا کہ ہر عمل میں نیت کو ٹھیک کرنا ہے۔

علمی مضامین ۲۱۸

غسل کرنے میں نیت کا دخل

مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد تھے، ان کا ایک عجیب واقعہ ہے، جب گرمیوں کے موسم میں عصر کے وقت مدرسے سے چھٹی ہوتی تھی تو وہ ایک کنویں پر چلے جاتے تھے، وہاں جا کر بیٹھ جاتے اور طالب علموں کو کہتے کہ میرے اوپر ڈول بھر بھر کے ڈالتے جاؤ، یوں سینکڑوں ڈول پانی ڈلواتے۔

حضرتؒ کا ایک ہمسایہ تھا، وہ ایک دن کہنے لگا: ''مولانا! ہمیں تو کہو اسراف ہووے، خود کرتے جاؤ'' یعنی مولانا! ہمیں تو آپ کہتے ہیں کہ یہ اسراف اور فضول خرچی ہے اور خود سینکڑوں ڈول ڈلواتے رہتے ہیں، یہ بھی تو اسراف ہے، تو وہ چونکہ قریبی بھی تھا اور بے تکلفی بھی تھی، اس لیے حضرت جواب دیتے تھے: یہ میرے لئے جائز اور تیرے لئے حرام۔

چنانچہ ایک دن وہ کہنے لگا: مولانا! مجھے یہ بات آپ سمجھا دیں کہ آپ کے لئے کیسے جائز ہے اور میرے لئے کیسے حرام ہے؟

ایک دن منت کرنے لگا: مولانا! آج تو آپ یہ مسئلہ سمجھا ہی دیں، تو پھر مولانا نے اس کو بات سمجھائی اور پوچھا: اچھا! جب تم کنوں پر آتے ہو تو کس نیت سے آتے ہو؟ اس نے کہا: جی! نہانے کی نیت سے آتا ہوں، فرمایا: پھر تیرے لئے یہی حکم ہے کہ پانچ ڈول سے نہاؤ اور پھر چلے جاؤ، اس سے زیادہ کرو گے تو اسراف ہوگا، اس نے پوچھا: آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمانے لگے: میں تو بیمار آدمی ہوں، اس لئے گرمی کے موسم میں ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے آتا ہوں، چنانچہ اس طرح ایک ہزار ڈول بھی ڈال دو تو میرے لئے جائز ہوگا۔

اکابر علماء دیوبند ۸

کنگھی بھی نیت کے ساتھ

سلف صالحین ہر عمل سے پہلے نیت کو درست کرتے تھے، روایت ہے کہ ایک آدمی گھر کی چھت پر بیٹھا بال بنا رہا تھا کہ اس نے بیوی کو آواز دی کہ میری کنگھی لانا، بیوی نے پوچھا کہ آئینہ بھی لے آؤں، وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہا: ہاں! بیوی نے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں رہے اور آئینے کے بارے میں توقف کیوں کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے ایک نیت کی ساتھ آپ کو کنگھی لانے کے لئے کہا تھا، جب آپ نے آئینے کے متعلق پوچھا تو میری کوئی نیت نہ تھی، میں نے توقف کیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نیت عطا فرمائی۔

عوارف المعارف للسہروردی ۱/ ۴۹۷

اللہ اللہ اللہ

اللہ اللہ اللہ

فاقرؤا ما تیسر من القرآن

تلاوت کلام پاک

ایسی عبادت جو کہیں نہ ہو سکے

ایک شخص نے کوئی قسم اٹھالی کہ میں ایسی عبادت کروں گا جو دنیا میں کوئی بھی نہ کر رہا ہو، اب جب بات پوری ہوگئی تو اسے سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا کروں؟ تو وہ بالآخر امام اعظمؒ کے پاس آیا کہ حضرت میں نے تو ایسی قسم اٹھالی تھی کیا کروں؟ فرمانے لگے کہ تم جاؤ اور حرم میں جا کر لوگوں کو منت کرنا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے رک جائیں اور تم اکیلے طواف کر لینا، جب تم طواف کر رہے ہوں گے تو اس وقت دنیا میں کوئی بھی یہ عبادت نہیں کر رہا ہوگا، یہ ایسی عبادت ہے کہ گارنٹی دی جاسکتی ہے کہ دنیا میں یہ عبادت اور کہیں نہیں ہو رہی، یہ عبادت یہیں ہوتی ہے۔

اللہ والے حج کیسے کرتے ہیں؟

حضرت شبلیؒ کا ایک مرید تھا وہ کچھ عرصہ غائب رہا، جب ملاقات ہوئی تو پوچھا بھئی کہاں گئے تھے؟

حضرت حج کرنے گیا تھا۔

فرمایا بھئی ادھر آؤ، کیسے حج کیا؟

کہنے لگا حضرت میں نے احرام پہنا تھا۔

فرمایا اچھا جب تم نے احرام پہنا تھا اور لباس اتارا تھا تو اس وقت گناہوں کا لباس اتارنے کی بھی تم نے نیت کی تھی؟

حضرت میں نے یہ نیت تو نہیں کی۔

اچھا جب تم نے احرام پہنا تھا تو تقویٰ کا لباس پہننے کی بھی نیت کی تھی؟

حضرت میں نے تو یہ نیت نہیں کی تھی۔

اچھا جب تم نے تلبیہ پڑھا تھا تو لبیک کہتے ہوئے اپنے دل وجان سے اپنے آپ

کو اپنے رب کے حوالے بھی کیا تھا؟

حضرت میں نے یہ نیت تو کوئی نہیں کی تھی۔

فرمایا اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم گئے تھے طواف کرنے کے لئے تو پھر تمہیں حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے محبوب کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کی لذت بھی نصیب ہوئی تھی؟

حضرت ایسی تو کوئی کیفیت نہیں ملی۔

فرمایا جب ملتزم سے لپٹے تھے تو محبوب سے معانقہ کرنے کی لذت بھی ملی تھی؟

حضرت ایسی تو کوئی کیفیت نہیں ملی۔

فرمایا اچھا یہ بتاؤ جب غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں مانگی تو کیا تمہیں محبوب کے دامن کو پکڑ کے اپنی آرزو پیش کرنے کی کیفیت ملی تھی؟

حضرت ایسی تو کوئی نہیں ملی۔

اچھا جب تم نے رمل کیا تھا تو کیا اس وقت تمہیں {فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ} والی کیفیت ہوگئی تھی؟

حضرت ایسی کیفیت تو کوئی نہیں حاصل ہوئی تھی۔

فرمایا اچھا جب عرفات میں پہنچے تھے تو کیا تمہیں اللہ کی معرفت مل گئی تھی؟

حضرت نہیں وہ تو نہیں ملی تھی۔

فرمایا اچھا جب تم مزدلفہ میں آئے تھے تو بتاؤ کہ وہاں پر تمہیں حقوق العباد کے بارے میں یہ کیفیت آ گئی تھی کہ بھئی میں نے واقعی سب کے حقوق ادا کرنے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مجھے ان کی کوتاہی پر معافی مانگنی ہے؟

حضرت یہ تو نہیں ہوا تھا۔

اچھا جب منیٰ آئے تھے اور شیطان کو کنکریاں ماری تھیں تو کیا تم نے دل سے شیطان کے ساتھ پکی دشمنی کرنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا؟

حضرت ایسا تو کوئی نہیں کیا تھا۔

اچھا جب تم نے قربانی کی تھی تو قربانی کرتے ہوئے اپنے اندر کے نفس کو بھی اللہ

کے سامنے قربان کرنے کی نیت کی تھی؟

حضرت میں نے ایسی نیت تو کوئی نہیں کی۔

فرمایا جب تم طواف زیارت کے لئے آئے تھے، تو کیا تمہیں محبوب کی زیارت اس کی تجلیات کا دیدار نصیب ہوا تھا؟

اس نے کہا حضرت ایسا تو کچھ نصیب نہیں ہوا تھا۔

فرمانے لگے کہ اگر تمہیں اسمیں سے کچھ نصیب نہ ہوا تو تم یوں سمجھو کہ تم نے کوئی حج کیا ہی نہیں، اب جاؤ اور جیسے میں نے تمہیں سمجھایا آئندہ ان کیفیتوں سے جا کر حج کر کے آنا۔

فضائل حج ۶۶

حج میں اکابر کا ذوق عبادت

☜ (۱) حضرت قاری رحیم بخش پانی پتیؒ عمرے کے لئے تشریف لے گئے تو کچھ دن مکہ مکرمہ میں قیام رہا، فرماتے ہیں کہ جتنے دن مکہ مکرمہ میں قیام رہا، میں نے ہر نماز تکبیر اولی کے ساتھ پہلی صف میں امام کے پیچھے ادا کی۔

ہمیں ایک نماز بھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ کہ پہلی صف تک جانا ہی اتنا مشکل ہے۔

☜ (۲) علامہ زمخشریؒ جنہوں نے تفسیر کشاف لکھی، وہ جب حرم شریف کی زیارت کے لئے گئے تو بیت اللہ شریف میں ان کا اتنا وقت گزرتا اتنا گزرتا کہ عرب لوگوں نے ان کا نام جار اللہ، اللہ کا پڑوسی رکھ دیا، کتنا وقت مسجد میں گزارتے ہوں گے کہ لوگوں نے ان کو جار اللہ کہنا شروع کر دیا۔

النجوم الزاہرۃ ۲ / ۷۴ - تاریخ ابی الفداء ۲ / ۲۲۴ - تاریخ الاسلام للذہبی ۳۶ / ۴۸۸

☜ (۳) ہمارے حضرت مرشد عالمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کے سامنے مطاف میں بیٹھ کر پورے قرآن پاک کی تلاوت اس طرح کی کہ ایک آیت پڑھتا اور اگر وہ خوشخبری والی آیت ہے تو جنت کی دعا مانگتا اور اگر وعید کی آیت ہے تو

جہنم سے پناہ مانگتا، ایک ایک آیت پر دعا مانگتے مانگتے میں نے الف لام میم سے لے کر والناس تک پورا قرآن شریف بیت اللہ کے سامنے پڑھا۔

پلکوں کے بل اللہ کے گھر کی حاضر

ابراہیم بن ادھمؒ نے بلخ سے عمرہ کے لئے حاضر ہونے کا ارادہ کیا، چنانچہ جب وہ سفر پر نکلے تو عجیب بات کہ ایک قدم اٹھاتے اور مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نفل پڑھتے، پھر اگلے قدم پر مصلیٰ بچھاتے پھر دو رکعت نفل پڑھتے، ہر ہر قدم پر دو دو رکعت نفل پڑھتے پڑھتے چودہ سال کے عرصہ میں وہ یہاں پہنچے، طواف کے بعد مقام ابراہیم پر آکر دو رکعت نفل پڑھی اور دعا مانگی کہ اللہ لوگ پاؤں سے چل کر تیرے گھر کی طرف آتے ہیں، میں تو پلکوں کے بل چل کر تیرے گھر کی طرف آیا ہوں۔ اللہ اکبر

ان کے دلوں میں اللہ کی کیسی محبت ہوگی جو پلکوں کے بل چل کر اللہ کے گھر پہنچے، جس نے ہر قدم پر سجدے کئے ہوں، وہ تو پلکوں کے بل ہی چل کر یہاں پہنچا۔

تذکرۃ الاولیاء ۴۴

خواجہ سراج الدینؒ کا احترام مکہ

حضرت خواجہ سراج الدینؒ ہمارے سلسلۂ عالیہ کے بڑے بزرگ ہیں، بڑے عالم تھے اور بڑے بڑے علماء کے شیخ تھے، وہ حج کے لئے تشریف لائے تو تیرہ دن مکہ مکرمہ میں رہے، یہ ان کی کرامت تھی کہ کچھ کھایا نہ پیا اور نہ پیشاب نہ پاخانہ، تیرہ دن اسی طرح عبادت میں گزارے اور تیرہ دن کے بعد چلے گئے، کسی نے پوچھا کہ کھاتے پیتے کیوں نہیں، تو فرمایا کہ اگر میں کھاؤں گا تو قضائے حاجت کی بھی ضرورت پڑے گی اور میں پسند نہیں کرتا کہ میں کالا کتا اس پاک دیس کو ناپاک کر جاؤں، اس زمانہ میں بیت الخلاء بھی ایسے ہوتے تھے کہ فلش سسٹم نہیں ہوتا تھا، یہ ان کی کرامت تھی کہ اتنے دن اللہ

نے ان کو بغیر کھائے پیئے طاقت دے دی اور وہ اعمال کرتے رہے تو دیکھیں کون کتنی چاہت اور محبت کے ساتھ آتا ہے۔

یہاں امید سے زیادہ ملتا ہے

ہم نے کتابوں میں واقعہ پڑھا کہ حاتم طائی ایک امیر سخی آدمی گزرا ہے، اس سے ایک مرتبہ کسی فقیر نے پانچ دینار مانگے تو اس نے اپنے نوکر سے کہا کہ اس کو پانچ سو دینار لاکر دیدو، نوکر بڑا حیران ہوا، کہنے لگا کہ جی پانچ دینار مانگے تھے، آپ نے پانچ سو دینار دینے کا حکم دے دیا، حاتم طائی نے کہا تھا وہ مانگنے والے کا ظرف تھا اور یہ دینے والے کا ظرف ہے، اگر دنیا کا سخی پانچ مانگنے والے کو پانچ سو دیدیا کرتا ہے تو وہ تو سب کا کریم آقا ہے، آج ہم جتنا مانگیں گے یقینا ہمارے اندر کی تڑپ کو دیکھتے ہوئے وہ پروردگار پھر اپنی شان کے مطابق عطا کردیگا۔

کہیں دیدار سے بھی محروم نہ لوٹ جائیں

ہم نے اپنی زندگی میں ایک واقعہ دیکھا، اللہ اکبر آج بھی سوچتے ہیں تو کانپتے ہیں کہ امریکہ سے ایک پڑھا لکھا جوڑا حج کرنے کی نیت سے چلا اور جو وی آئی پی حج کا مرض ہے، وہ وی آئی پی حج ان کے ذہن میں بھی تھا کہ وی آئی پی حج کرنا ہے، ان کو اپنے پیسے پر بڑا ناز تھا، چنانچہ چلے اور آ بھی گئے، اسی گروپ میں تھے جس گروپ میں ہمیں حج کرنا تھا، ہم نے دیکھا کہ ان کی طبیعتیں ایسی تھیں کہ ہر چیز پر اعتراض کرتے تھے، یہ چیز اچھی نہیں، دونوں میاں بیوی جو چیز دیکھتے اس پر تنقید کرنے بیٹھ جاتے، لگتا ایسا تھا کہ جیسے معاذ اللہ کوئی اللہ پر احسان چڑھانے آگئے ہوں، اب ہوا ایسا کہ جیسے ہی ذی الحجہ کے ایام شروع ہوئے، پانچ چھ ذی الحجہ کا واقعہ ہوگا کہ اس کے خاوند کی طبیعت ذرا خراب ہوگئی، ہسپتال پہنچا دیا گیا، انہوں نے بتایا کہ اسکو ہارٹ اٹیک ہے، دل کا دورہ پڑا ہے، انہوں نے اس کو آئی سی یو میں رکھا، حتی کہ وہ دن آگیا جب عرفات جانا تھا، تو یہاں کا ایک دستور ہے کہ جو لوگ حج کی

نیت سے آئے ہوئے ہوں، ہسپتال والے ان کو اپنی ذمہ داری پر ایمبولینس کے اندر لے جاتے ہیں اور وقوف عرفہ کروا کر پھر واپس لاتے ہیں اور ان کے ساتھ ڈاکٹر اور ساری میڈیکل ٹریٹ مینٹ ہوتی ہے، یوں سمجھیں کہ ایک چھوٹا سا ہاسپٹل ان کے ساتھ ہوتا ہے، تا کہ ان کا حج ہو جائے، تو انہوں نے اس کو کہا کہ یہ فارم بھر دو تا کہ ہم آپ کے حج کا انتظام کر دیں، خاوند صاحب کہنے لگے کہ نہیں مجھے یہ فارم نہیں بھرنا، کیوں نہیں بھرنا؟ تو اس نے کہا کہ میں چلا تھا وہاں سے حج کرنے، خدا کا گھر دیکھنے، پھر اللہ نے مجھے ہارٹ اٹیک کیوں دیا؟ سوچ دیکھئے کہ میں تو اسکا گھر دیکھنے آیا تھا، اس نے کیوں مجھے دل کا دورہ دیا، لہٰذا مجھے اب عرفات نہیں جانا، ڈاکٹر منتیں کر رہے ہیں کہ دستخط کر دو تا کہ ہم آپ کو وقوف عرفات کروائیں، اس نے کہا نہیں، جب اس نے انکار کر دیا تو ڈاکٹروں نے اس کی بیوی سے کہا کہ آپ تو خیمہ میں ہیں، جو معلم ہیں اسکی عمارت میں ہیں، ایئر کنڈیشن کمرے میں ہیں، آپ دستخط کر دیں، تا کہ ہم آپ کو وقوف عرفات کروا کر واپس لائیں، بیوی نے بھی کہا نہیں، مجھے بھی عرفات نہیں جانا، چنانچہ تمام لوگ وقوف عرفات کر کے آ گئے، لیکن نہ اس بیوی نے وقوف عرفہ کیا اور نہ اس کے خاوند نے کیا اور حج کئے بغیر بالآخر یہاں سے واپس چلے گئے۔

حسرت ہے اس مسافر مضطر کے حال پر
جو تھک کے رہ گیا ہو منزل کے سامنے

منزل بھی سامنے ہے اور توفیق چھن گئی، یہ منظر ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، جو مال کے ناز پر آتے ہیں اللہ قریب لا کر ان کو محروم لوٹا دیتے ہیں، اس لئے اس چیز کا تعلق اعمال کے ساتھ ہے، طلب کے ساتھ ہے، جتنی طلب ہوگی اتنا اللہ راستے کھولیں گے، ایک دفعہ نہیں بار بار راستہ کھولیں گے، آپ اچھی طرح عمرہ کریں، اچھی طرح سے یہاں وقت گزاریں، اللہ آپ کے لئے بار بار راستہ کھول دیں گے۔

ایک اندھے کو حجّاج کی دھمکی

حجاج بن یوسف ایک شخص تھا اس امت میں جو بہت زیادہ سخت طبیعت رکھتا تھا اور

جو اس کے دل میں بات آتی تھی اس کو کر دیتا تھا، ایک دفعہ وہ طواف کر رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ مطاف کے اندر بیٹھ کر ایک اندھا دعا مانگ رہا ہے کہ اللہ میری آنکھوں کو بینا کر دے، مجھے روشنی عطا کر دے، وہ حجاج جب اس کے قریب سے گزرنے لگا تو اس نے پاؤں کی ٹھوکر مار کر کہا، او اندھے! تجھے پتہ ہے کہ میں کون ہوں، تو وہ بیچارہ حیران ہو گیا کہ یہ کون ہے؟ پوچھا کون؟ کہنے لگا کہ حجاج بن یوسف، وہ تو گھبرا گیا تو حجاج بن یوسف نے کہا، دیکھ میں طواف کر رہا ہوں اور میرے چند چکر باقی ہیں، میرے طواف مکمل ہونے تک تیری آنکھیں ٹھیک نہ ہوئیں تو میں تجھے قتل کروا دوں گا اور ساتھ ہی ایک سپاہی بھی متعین کر دیا کہ اندھا بھاگنے نہ پائے، خود طواف کرنے لگ گیا، اب تو اندھے کا حال ہی عجیب ہو گیا، دعا مانگتا تھا کہ پہلے تو میں بینائی کا سوال مانگتا تھا، اب تو زندگی کا سوال ہے، اس طرح تڑپ کر اس اندھے نے دعا مانگی کہ اس کے طواف ختم کرنے سے پہلے اللہ نے بینائی عطا فرما دی، حجاج بن یوسف نے کہا کہ میں نے اپنے بڑوں سے یہ بات سنی ہوئی ہے کہ جیسے تم پہلے دعا مانگ رہے تھے، قیامت تک یہاں بیت اللہ کے سامنے بیٹھ کر وہ دعا پڑھتے رہتے تو تمہیں بینائی کبھی نہ ملتی، کیونکہ زبان سے الفاظ نکل رہے تھے، دل حاضر نہیں تھا، اب جب تمہیں جان کی فکر ہوئی کہ میری موت اور زندگی کا سوال ہے اب تم نے تڑپ کر دعا مانگی اور جو بندہ اس مطاف میں تڑپ کر دعا مانگے اللہ کبھی اس کی دعا کو رد نہیں کیا کرتے۔

اپنی دولت پر ناز نہ کیجئے

ایک مرتبہ ایک صاحب حج کے سفر میں ہمارے ساتھ تھے اور وہ اللہ کا بندہ اتنا امیر تھا کہ خود کہتا تھا کہ مجھے اپنا حساب کرنے میں ایک مہینہ لگے گا کہ بینکوں میں پیسہ کتنا ہے؟ اس نے حج کا انتظام کیا اور یہاں پر بڑے ہوٹل میں کمرے بک کروایا، پھر اس نے ایک Lemozin (مہنگی گاڑی) کرائے پر لی، حج کے پورے دنوں کے لئے وہ ہوٹل کے نیچے کھڑی رہے، کہیں مجھے یا میری بیوی کو کہیں آنا جانا ہو تو کام لگے اور ایک مقامی

عرب بندے کو اس نے پورے حج کے دنوں کے لئے نوکری پر رکھا کہ میں آپ کو اتنے ہزار ریال دوں گا، اتنے دن آپ میرے ملازم رہیں، ڈرائیور بھی ہے، گاڑی بھی ہے، ایک سکریٹری بھی اس نے رکھ لیا، کہتا تھا کہ مسئلہ ہی کوئی نہیں، میں پانی کی طرح پیسہ بہاؤں گا، مجھے حج پہ تو مشقت ہی نہیں آسکتی، میں نے اسے سمجھایا کہ بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دو، کیوں مصیبت میں پڑے ہو؟ تم لیول بڑھاتے جاؤ گے، اللہ بھی لیول بڑھاتے جائیں گے، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ اس نے کہا کہ جی نہیں اور وہ اپنے ساتھ پیسے بھی بینک میں اتنے ٹرانسفر کر کے آیا کہ میرے خیال میں اس سے سو بندے حج کر سکتے ہونگے، اپنی طرف سے اس نے پورے انتظامات کر لئے۔

اللہ کی شان دیکھئے حج ہی کے دنوں میں ایک دن مجھے اسکا فون آیا کہ میری بیوی گم ہوگئی، بھئی پڑھی لکھی ہے، سمجھدار ہے، نیک خاتون ہے، وہ کیسے گم ہوسکتی ہے؟ اس نے تو پہلے آدھا درجن حج کئے ہیں، کہنے لگا جی گم ہوگئی، چلو ڈھونڈھو بھئی، پورے حرم میں ڈھونڈھ رہا ہے، پھر پولیس والوں سے رابطہ، پھر فلاں سے رابطہ، کہیں کچھ پتہ نہیں، حتی کہ اس بندے نے پیسے دے کر مکہ مکرمہ ٹی وی پر بھی اعلان کروایا، ٹی وی کے اوپر اعلان ہوا، کسی کو پتہ ہو تو بتاؤ، پولیس والوں کو کہا، حتی کہ اپنے رسوخ کے ذریعے اس نے گورنر مکہ سے رابطہ کیا اور اس کے ذریعہ اس نے پوری پولیس کو پیغام بھجوایا، دو دن اسکو رونا پڑا، اتنی موٹی موٹی آنکھیں ہو گئیں سوج کر، بار بار مجھے کہتا کہ میرا کیا بنے گا؟ میری بیوی میرے بچے، بار بار مجھے کہتا کہ میرا کیا بنے گا؟ میری بیوی میرے بچوں کا کیا ہوگا؟ میری زندگی، میں اسے کہتا کہ میں نہیں کہتا تھا کہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دو، دو رکعت پڑھو اب اللہ سے معافی مانگو، اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، اپنے سامنے دو رکعت نفل نماز پڑھوائی، ابھی دعا کر کے اٹھا تھا اسی وقت اسے کال (Call) آئی کہ فلاں اسپتال سے آپ کی بیوی کا فون ہے، ہوا یہ کہ بیوی نے گرمی میں کئی طواف کئے، اس نے آکے دو رکعت نفل پڑھنے کے لئے ایک جگہ پہ بیٹھی تو وہیں پر وہ بیہوش ہوگئی، Sun'stroke (لو لگنا) جس کو کہتے ہیں، وہ ہو گیا اور چونکہ اس

وقت اس کے پاس کوئی کاغذ نہیں تھا، کارڈ نہیں تھا، اس کو پولس والوں نے ایمبولنس میں ڈلوا کر کہیں دور مستشفی (ہاسپٹل) میں بھجوا دیا، وہ پھر ایک دو دن میں جب اسکی طبیعت ٹھیک ہوئی تب جا کر اسکے خاوند کو اطلاع دی۔

کہتا تھا کہ حضرت آج میں نے زندگی کا ایک بہترین اصول سیکھا کہ بندے کو بندگی اچھی لگتی ہے، پیسہ آتا ہے تو بندہ خدا بن بیٹھتا ہے۔

ایک کھرب پتی کی بے بسی

ایک صاحب جن کو اللہ تعالیٰ نے جوانی میں بہت کچھ دے دیا، اتنا کچھ دیا کہ کئی ملوں کے یہ مالک ہیں، حالانکہ عمر بہت چھوٹی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے، اور ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پہ راضی، اس بندے کے پاس اتنا مال تھا کہ اگر یہ روزانہ ایک جہاز خود کرائے پر لے کر اکیلے عمرہ کے لئے جاتا تو یہ روز عمرہ کر کے واپس آ سکتا تھا، لیکن اتنا پیسہ ہونیکے باوجود اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس نے زندگی میں کبھی عمرہ ہی نہیں کیا تھا، خیر ایک موقع پر اس عاجز سے بیعت ہو گیا، پوچھا، بھئی عمرہ کیوں نہیں کیا؟ کہنے لگا جی بس میں کچھ اپنے آپ کو، اپنے دل کو سنوار لوں، پیش ہونے کے قابل ہو جاؤں، پھر میں نے اسے بات سمجھائی کہ دیکھو جب ہمارے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں تو ان کو ہم دھلانے کے لیے لانڈری میں لے جاتے ہیں، کپڑوں کے وہاں جانے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہاں سے دھل کر آئیں گے، کبھی کپڑے نے یہ کہا کہ میں کچھ صاف ہو جاؤں تو پھر لانڈری جاؤں گا، ہر بندہ کہے گا کہ بھئی اگر تو صاف ہو گیا تو پھر لانڈری جانے کی ضرورت ہی کیا، وہاں تو جاتے ہی دھلنے کیلئے ہیں، تو خدا کے بندے بیت اللہ شریف تو جاتے ہی دھلنے کے لئے ہیں، اگر ادھر ہی دھل گئے تو پھر تمہیں کیا ضرورت ہے جانے کی، اب اسکو بات سمجھ میں آئی، کہنے لگا جی میں عمرے پر جاؤں گا، یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں جو شیطان نے ذہن میں ایسی رچا دی ہوتی ہیں کہ انسان فیض سے محروم ہو جاتا ہے۔

غربت کا زمانہ ایسا بھی تھا

ہمارے حضرت غلام حبیب نقشبندیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جارہے تھے تو راستے میں ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، تو وہاں ایک بوڑھا آ گیا، جو دیہاتی تھا، اس نے آ کر اشارہ کیا کہ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے، تو میں نے اپنی اہلیہ سے کہا اسکے لئے کچھ کھانا بنادو، تو میری اہلیہ نے پانی اور آٹا نکالا کہ روٹی پکا کر دے، تو اس نے جیسے پانی اور آٹا دیکھا تو وہ دیہاتی آگے بڑھا اور جگ میں سے ایک پیالے میں پانی ڈالا اور ایک مٹھی آٹے کی بھر کر اس پانی کے اندر ڈال دی اور اسکو ہلا کر پی لیا، اسی طرح کچا آٹا اور پانی پینے کے بعد کہنے لگا کہ اب میں روٹی کے پکنے کا انتظار کرسکتا ہوں، اتنی شدید بھوک تھی۔

تربوز کے چھلکوں کی قدر

ہمارے حضرت فرماتے ہیں کہ ہم جب مکہ مکرمہ میں رہتے اور تربوز یا خربوزہ کھا کر اس کے چھلکے پھینکتے تو مقامی بچے آپس میں جھگڑتے کہتے کہ یہ چھلکا کون اٹھائے گا، وہ چھلکے اٹھاتے اور چھلکے کھاتے اور کئی مرتبہ چھلکے گھر لے جاتے تو ان کی والدہ تربوز کے چھلکے کو کاٹ کر سالن کے طور پر پکایا کرتی تھیں، چند بچے تربوز کے چھلکے اسی طرح لے جاتے رہے، ایک دن میں نے دو تین تربوز خریدے اور ان بچوں میں کاٹ کر تقسیم کر دئے، وہ دن بچوں کے لئے بہت خوشی کا دن تھا کہ تربوز کھا رہے تھے، ان میں سے ایک بچے نے عجیب بات کہی، کہنے لگا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان مند ہیں اگر وہ یہاں تشریف نہ لاتے تو کون حج اور عمرہ کرنے کے لئے یہاں آتا اور ہمیں تربوز کھانے کا موقعہ کہاں نصیب ہوتا؟ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شکر گزار ہیں کہ وہ تشریف لائے اور ان کی برکت سے آج لوگ آتے ہیں اور ان حاجیوں کی وجہ سے ہمیں تربوز کھانے کو مل جاتا ہے۔

قرآن وتلوار اور خط کا تحفہ

دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم گزرے ہیں، ان کا نام رفیع الدین تھا، بڑے صاحب حال اور صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، حرم تشریف لائے اور یہاں قیام کیا، اب ذرا سوچئے کہ انکی سوچ کہاں پہنچی، ایک دن بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ نبی علیہ السلام نے بیت اللہ کی کنجی بنوشیبہ کو عطا کی تھی، یہ ایک قبیلہ ہے جن کے پاس پہلے سے یہ کنجی تھی، نبی علیہ السلام نے فتح مکہ کے بعد کنجی انہی کو دیدی اور فرمادیا کہ یہ کنجی قیامت تک تمہارے ہی قبیلہ میں رہے گی، یہ تصدیق بھی فرمادی، چنانچہ آج بھی بیت اللہ کی کنجی ان کے پاس ہے، اگر کوئی بادشاہ بھی آتا ہے تو دروازہ کھولنے کے لئے وہی خاندان بنوشیبہ کا بندہ آتا ہے اور وہ کنجی بردار دروازہ کھولتا ہے، تو شاہ رفیع الدینؒ کے ذہن میں خیال آیا کہ یہ خاندان بھی مکہ مکرمہ میں ہی رہے گا، چنانچہ انہوں نے بیت اللہ کے کنجی بردار کے ساتھ دوستی لگائی، واقفیت بنائی، تعارف کیا، ہدیہ تحفہ دیا، بات چیت کی حتی کہ چند دنوں میں آپس میں خوب انسیت اور محبت ہوگئی، جان پہچان ہوگئی، جب جانے کا وقت آگیا تو اداس دل کے ساتھ جب ان سے ملنے لگے تو ان کا دل بھی اداس تھا کہا کہ اچھا آپ جارہے ہیں، کوئی کام ہمارے ذمہ ہو تو بتلایئے، ہم کیا کر سکتے ہیں؟ تو جب انہوں نے یہ کہا تو فرمانے لگے کہ ہاں ایک کام ہے اگر آپ کردیں تو؟ کونسا؟ وہ کام یہ ہے کہ یہ کچھ پیسے ہیں یہ تو آپ کے لئے ہدیہ ہے اور یہ ایک تلوار ہے یہ امانت ہے، کیا مطلب؟ جیسے چابی تمہارے خاندان میں چلتی رہے گی، یہ تلوار بھی امانت کے طور پر آپ اپنے خاندان کے حوالہ کردیں، وہ اس تلوار کو بھی محفوظ رکھیں، جب حضرت مہدی آئیں گے اور آپ کے خاندان کا جو شخص ہوگا وہ جیسے ان کے لئے دروازہ کھولیگا میری طرف سے ان کو یہ تلوار کا ہدیہ پیش کردیگا، اللہ اکبر! دیکھو محبت انسان کی سوچ کو کہاں لے جاتی ہے، یہ فرق ہے ہم میں اور اہل اللہ میں کہ ہم آتے ہیں اور عمرہ کیا اور فارغ، اب بازار ہے اور ہم طوافین اور طوافات ہیں، صبح شام بن داؤد کا طواف ہورہا ہے اور جو اللہ والے ہیں ان کا دل حرم میں اٹکا رہتا ہے۔

ضرورت مرشد ۳۵۹ بحوالہ خطبات حکیم الاسلام

اللہ اللہ اللہ

فاقرؤا ما تیسر من القرآن

تلاوت کلام پاک

یہ ہے شوقِ تلاوت

ہمارے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک بزرگ تھے، عالم تھے، وہ کہنے لگے، جب میں اپنے حضرت سے بیعت ہوا تو انہوں نے مجھے ایک قرآن پاک روزانہ تلاوت کا حکم دیا، خود مجھے فرمانے لگے کہ اس وقت مجھے بیعت ہوئے تینتالیس سال کا عرصہ گزر چکا ان تینتالیس سالوں میں ایک دن میری تلاوت قضا نہیں ہوئی اگر یہ لوگ ایسے اعمال نامہ لے کر اللہ کے حضور پیش ہونگے کہ تینتالیس سال میں ایک دن بھی قرآن پاک کا ایک پارہ پڑھنا اسمیں ناغہ نہیں ہوا تو پھر سوچیں کہ ہم اس دن کیا کریں گے؟ کرنے والے آج کے دور میں بہت کچھ کر رہے ہیں، ہم نے تو دیکھا حفاظ کو بھی رمضانی حافظ، بس رمضان آیا تو دن رات بھاگ دوڑ کر کے کچھ کر لیا اور اسکے بعد ان میں اور عام نوجوان میں کوئی فرق نہیں۔

آج بھی کیسے کیسے موجود ہیں

ہمیں ایک دفعہ مری جانے کا اتفاق ہوا، رمضان مبارک میں تو ایک جگہ ہم نے تراویح پڑھی، ایک عجیب بات سنی وہ کہنے لگے کہ اس مصلے پر جو قراء سناتے ہیں وہ بڑے چنے ہوئے ہوتے ہیں، مگر خاص بات یہ ہے کہ چھتیس سال میں یہاں تراویح پڑھانے والے کسی حافظ کو ایک مرتبہ بھی لقمہ لینا نہیں پڑا، اللہ اکبر! تو آج کے دور میں اگر ایسے لوگ موجود ہیں تو ہم کیوں قرآن مجید کو اچھی طرح نہیں پڑھتے ہیں، یہ فقط اہمیت ہے وقت کی، جس نے محنت کر لی اس نے وقت کو کما لیا، ورنہ وقت تو گزر ہی رہا ہے، وقت انتظار نہیں کرتا کسی کا، تو جب یہ جسم ادھار کا مال ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اس سے جتنا زیادہ عبادت کر سکیں نیکی کر سکیں، مخلوق خدا کی خدمت کر سکیں، دین کا کام کر سکیں، ہم اسکو خوب اللہ کے دین کے

لئے تھکائیں، فارغ رہنا خوشی کی بات نہیں ہے، عدیم الفرصت ہوجانا یہ خوشی کی بات ہے، فرصت ہی نہ ملے اتنا دین کے کام میں انسان لگ جائے۔

ہمارے ایک قاری صاحب جن کو ہمارے بعض دوستوں نے دیکھا ہوگا، اس سال اجازت بھی دی خلافت بھی دی، چترال کے تھے، الحمدللہ ان کی زندگی کے اس وقت تینیس سال گزر چکے ایک دن روزہ، ایک دن افطار، تینیس سال اس ترتیب پر وہ زندگی گزار چکے ہیں، تو بھئی اگر آج کے دور میں ایسے لوگ زندہ موجود ہیں جو اللہ کے لئے یہ کچھ کرتے ہیں، تو کیا دس دن ہم اللہ تعالیٰ کی خوب جی بھر کے عبادت نہیں کرسکتے، مقصد یہ ہے کہ ان مثالوں کے دینے کا کہ ہم جو نیت لے کر آئے اعتکاف کی اب یہ دس دن جی بھر کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، خوب اپنے جسم کو تھکائیں، یہ جسم دنیا کے لئے ہزاروں مرتبہ تھکا، ہم نے راتیں دنیا کی خاطر سینکڑوں مرتبہ جاگ کر گزاریں، اگر یہ دس راتیں اللہ کے لئے جاگ کے گزار دیں گے اور دن اللہ کی عبادت میں گزار دیں گے اور تھکائیں گے تو یہ کون سی بڑی بات ہوجائیگی، تو اسلئے دل میں ہمت و جذبہ ہو، شوق ہو کہ ہم نے ان دس دنوں میں خوب جی بھر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے۔

ایک ماہ میں حفظِ قرآن

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے بانی تھے، وہ ایک مرتبہ حج کے سفر پر تشریف لے گئے، اس زمانے میں بحری جہازوں کے ذریعے سفر ہوتا تھا اور راستے میں کئی کئی مہینے لگ جاتے تھے، چنانچہ لوگ رمضان المبارک سے پہلے ہی حج کا سفر شروع کردیتے تھے، تاکہ وقت سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ جائیں، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

جب درمیان میں رمضان شریف کا مہینہ آیا تو ان کو پتہ چلا کہ میرے گروپ میں کوئی بھی قرآن مجید کا حافظ نہیں ہے، بڑے بڑے عالم تو تھے، وہ نماز بھی پڑھا سکتے

تھے، مگر ان میں حافظ کوئی نہیں تھا جو انہیں تراویح میں پورا قرآن مجید سناتا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ مجھے تو اچھا نہیں لگتا کہ علماء کی اتنی بڑی جماعت ہو اور وہ آخری سورتوں سے تراویح پڑھیں، لہٰذا وہ روزانہ دن کے وقت ایک پارہ یاد کر لیتے اور رات کو تراویح کے اندر سنا دیتے، اُدھر رمضان المبارک مکمل ہوا اور ادھر ان کے قرآن مجید کا حفظ مکمل ہو گیا، یہ ایک مہینے میں قرآن مجید حفظ کرنے کی مثال ہے۔

(تحفۂ حفاظ ۱۶۷-ارواح ثلثہ ۲۸۶)

تین دنوں میں حفظِ قرآن

ہشام بن محمد بن کلبیؒ ایک عالم تھے، ایک مرتبہ وہ کچھ علما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ان علماء نے آپس میں گفتگو کی کہ فلاں عالم ہے، فلاں حافظ ہے اور فلاں عالم بھی ہے حافظ بھی ہے، جب ان کا نام آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ عالم تو بہت بڑے ہیں، مگر یہ حافظ نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ بس اسی وقت سے میرے دل میں ایک بات آئی، اس کے بعد میں نے قرآن مجید منگوایا اور اس کو یاد کرنا شروع کر دیا، فرماتے ہیں کہ تین دن مکمل ہونے تک میں نے پورے قرآن مجید کو یاد کر لیا، لوگ ان کا ٹیسٹ لیا کرتے تھے اور وہ اس کا ٹیسٹ دے دیا کرتے تھے۔

(وفیات الاعیان ۶/ ۸۲-الوافی بالوفیات ۷/ ۴۲۱-مختصر تاریخ دمشق ۶/ ۴۹۵)

قرآن کے بھولنے پر ایک خاتون کا تعجب

کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کو قرآن مجید بہت اچھا یاد ہوتا ہے، تین چار سال پہلے کی بات ہے، ایک خاتون نے ہمارے ساتھ حج کیا، اس کو قرآن پاک ایسے یاد تھا جیسے لوگوں کو سورۂ فاتحہ یاد ہوتی ہے، جہاں سے قرآن مجید پڑھ دیتے، وہ وہیں سے آگے پڑھنا شروع کر دیتی، اس کو تھوڑی سی دیر کے لیے بھی الجھن نہیں ہوتی تھی،

وہ اس بات پر حیران ہوتی تھی کہ لوگ قرآن پاک کو کیسے بھول جاتے ہیں یا ان کو اشکال لگ جاتا ہے! اس کو قرآن پاک اس طرح یاد تھا۔

حفظِ قرآن میں اتنی پختگی!

ایک مرتبہ ہم نے اپنے حضرت غلام حبیب نقشبندیؒ کے ساتھ رمضان المبارک کے کچھ دن مری میں گزارے، ایک مرتبہ شبینہ تھا، ہم بھی وہاں گئے، امام صاحب نے کہا: حضرت! یہاں پر ملک کے دور ونزدیک سے مہمان آکر رمضان شریف گزارتے ہیں، وہاں پتہ چلا کہ اس مصلے پر چھتیس سال سے تراویح پڑھائی جارہی تھی اور ایک مرتبہ بھی کسی قاری کو کوئی متشابہ نہ لگا اور کسی کو لقمہ دینے کی ضرورت نہیں پڑی تھی، چھتیس سال تک قرآن سنانے والے جتنے بھی قرّاء آئے، ان کو اتنا قرآن پاک یاد تھا کہ کسی ایک کی بھی غلطی نہ نکلی، تو ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ یوں قرآن مجید یاد کروادیتے ہیں جیسے اسکرین پر بیٹھے وہ سب کچھ دیکھ رہے ہوں۔

شوق کے پروں سے حافظ کی پرواز

میرا چھوٹا بیٹا سیف اللہ جب حافظ بن رہا تھا تو اس کا معمول تھا کہ ایک صفحہ روزانہ سبق لیتا تھا اور تقریباً اٹھارہ سے بیس دن کے درمیان ایک پارہ مکمل کرلیتا تھا، ہم بھی سمجھتے کہ یہ مناسب سپیڈ ہے، چلو پڑھنے دینا چاہیے، لیکن جب آخری پانچ چھ پارے رہ گئے، ان دنوں ہمارا عمرہ پر جانے کا بھی پروگرام تھا، اس کو ہم نے کہا کہ آپ کوشش کریں کہ کسی طرح آپ کا قرآن مجید جلد مکمل ہوجائے، خیر! اس نے کوشش کر کے پاؤ پاؤ سبق لینا شروع کردیا، اس طرح اس نے چار دنوں کے اندر ایک پارہ حفظ کرنا شروع کردیا۔

جب عمرے پر جانے کا وقت تھا تو اس کو کسی نے یہ کہا: دیکھو! ابھی دو چار دن باقی

ہیں اور آپ کے تین پارے رہتے ہیں، اگر آپ یہ یاد کرلیں تو عمرے کے موقع پر ہم احرام کی حالت میں مقامِ ابراہیم کے قریب بیٹھ کر آپ کے لیے دعا کریں گے، اس بچے کو یہ بات سمجھ میں آ گئی، چنانچہ اس نے ان تین پاروں کو یاد کرنا شروع کر دیا، جب اس نے دو پارے مکمل یاد کر لیے اس دن ہمارا عمرے کا سفر تھا، ہم لوگ مکہ مکرمہ پہنچ گئے، اب ایک دن رہتا تھا، کیونکہ ہم نے اگلے دن عمرہ کرنا تھا، تو اس نے کہا: ابو جی! میں کوشش کروں گا کہ میں مکمل کر سکوں، چنانچہ وہ فجر کی نماز کے بعد بیٹھا اور اس نے ایک مرتبہ ایک پاؤ سنایا، پھر تھوڑی دیر بعد دوسرا پاؤ یاد کر کے سنایا، پھر تیسری مرتبہ بھی پاؤ سنایا اور بالآخر چوتھی مرتبہ بھی آخری پاؤ سنا دیا، ہم نے اس کا آخری سبق مقام ابراہیم کے پاس بیٹھ کر سنا اور پھر ہم نے اس بچے کے لیے دعائیں کیں۔

ننھے بچہ نے سورۂ ملک سنا دی:

ہماری ایک شاگردہ تھی، اس کی شادی ہوئی، اللہ نے اس کو بیٹا دیا، اس کے خاوند قاری صاحب تھے، ایک مرتبہ وہ اپنے بیٹے کو لے کر آئے، کہنے لگے: حضرت! ہم نے اس کے لیے دعا بھی کروانی ہے اور اس بچے نے آپ کو اپنا سبق بھی سنانا ہے، دیکھنے میں وہ بچہ کافی کمزور اور چھوٹا سا لگ رہا تھا، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ بچہ کلمہ پڑھے گا یا پھر کوئی چھوٹی سی سورت پڑھے گا، یہی اس کا سبق ہوگا، لیکن جب میں نے اس سے کہا: پڑھو! تو اس کے والد صاحب نے کہا کہ اس کی امی نے کہا ہے کہ حضرت صاحب کو کھڑے ہو کر سنانا ہے، ہم نے کہا: ٹھیک ہے اس کو کھڑا کر دیں، وہ بچہ اتنا چھوٹا تھا کہ وہ اپنے دونوں پاؤں پر خود کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ اس بچے کی عمر کتنی چھوٹی تھی کہ جو بچہ اپنی چاہت اور شوق سے کھڑا بھی نہیں ہو سکتا، اس قدر وہ چھوٹا بچہ تھا، میں نے ان سے کہا کہ اس کو بٹھائیں تاکہ یہ سبق سنائے، انہوں نے کہا: جی اس کی امی نے کہا ہے کہ یہ کھڑا ہو کر سبق سنائے گا، ہم نے کیا کیا؟ دو گول تکیے منگوائے اور دیوار

کے ساتھ لگا دیے اور اس بچے کو درمیان میں کھڑا کر دیا کہ چلو تم درمیان میں کھڑے ہو کر تکیے سے ٹیک لگا لو اور پھر ہمیں سبق سناؤ، چنانچہ اس نے تکیے سے ٹیک لگائی اور اس کے بعد اس بچے نے اپنا سبق پڑھنا شروع کر دیا، اتنے چھوٹے سے بچے نے (جو اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہیں ہوسکتا تھا) تَبَارَکَ الَّذِیْ سے پڑھنا شروع کیا اور پوری کی پوری سورۂ ملک اس نے زبانی سنا دی، میں اس بچے کو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ جو اتنا چھوٹا ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اپنا وزن بھی نہیں اٹھا سکتا، لیکن اس بچے کو بھی اللہ تعالیٰ نے پوری سورۂ ملک یاد کرا دی۔

حفظ قرآن کا تعلق شوق اور لگن سے ہے۔

قرآن مجید کا کمپیوٹر

ایک مرتبہ کراچی میں ایک تقریبِ نکاح میں ہم حاضر ہوئے، نکاح کے بعد ایک عالم سے ملاقات ہوئی، ہمارے دوستوں نے ان کا تعارف کروایا کہ جی یہ قرآن مجید کا کمپیوٹر ہے، یہ سن کر اول تو میں نے دل میں سوچا کہ پتہ نہیں، کیوں ان کے بارے میں ایسا لفظ کہا گیا کہ یہ قرآن مجید کے کمپیوٹر ہیں، بس یہی کہہ دیتے کہ اچھے قاری ہیں، اچھے حافظ ہیں.....اتنے میں دس بارہ حافظ وہاں اکٹھے ہو گئے، وہاں پتہ چلا کہ ان کو قرآن مجید کا کمپیوٹر کیوں کہا جاتا ہے۔

ایک شخص نے ان سے سوال پوچھا: حضرت! فَتَکُوْنَ کا لفظ قرآن مجید میں کہاں کہاں آیا ہے؟ فَتَکُوْنَ کا لفظ سنتے ہی انہوں نے فوراً کہنا شروع کر دیا کہ فلاں پارہ، فلاں رکوع، اور فلاں آیت نمبر میں ایک مرتبہ ہے، دوسری جگہ پر فلاں پارہ، فلاں رکوع، اور فلاں آیت نمبر میں یہ لفظ آیا ہے، پھر تیسری جگہ پر بھی بالکل ٹھیک ٹھیک نشاندہی کی، غرض، قرآن مجید میں فَتَکُوْنَ کا لفظ جہاں جہاں تھا، وہ اس کی نشان دہی بھی کرتے، پارہ، رکوع اور آیت نمبر بھی بتا دیتے اور اسی وقت یہ بھی بتا دیتے

کہ قرآن مجید میں یہ لفظ کہاں کہاں موجود ہے، ان کو دیکھ کر مجھے بڑی حیرانی ہوئی، ہم نے بھی ان سے بڑے مشکل سوالات پوچھے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جتنے الفاظ پوچھے، انہوں نے ان سب الفاظ کا بالکل صحیح صحیح جواب دے دیا، یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ فقط قرآن مجید یاد ہی نہیں ہوتا بلکہ قرآن پاک کی اس آیت میں کون سا لفظ ہے، حافظ کو یہ بھی یاد رہ جاتا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

(الحدید: ۲۱)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

فادعونی استجب لکم

دعـــاء

اور

آہ وزاری

حضرت انسؓ کی قسم

ابن ماجہ میں حضرت انسؓ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری پھوپھی نے ایک باندی کے دانت توڑ دیئے، لوگوں نے معاملہ رفع دفع کرانے کی کوشش کی مگر اسکے قبیلے والوں نے صاف انکار کر دیا اور قصاص کا مطالبہ کیا، معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم شرعی یعنی قصاص کا فیصلہ فرما دیا، یعنی اس کے بدلے میں ان کے بھی دانت توڑے جائیں، آپ کا یہ فیصلہ سن کر حضرت انسؓ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میری پھوپھی کے دانت ٹوٹ ہی جائیں گے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اس کے دانت نہیں ٹوٹیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انس کیسی باتیں کرتے ہو کتاب اللہ میں قصاص کا حکم آیا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بعد میں ان کی قوم راضی ہوگئی اور انہوں نے قصاص معاف کر دیا اور میری پھوپھی کے دانت بچ گئے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، **لو اقسم علی اللہ لابرہ**، یعنی کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالی پر قسم کھالیں تو اللہ تعالی ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں، یہاں یہ بات سمجھ لیں حضرت انسؓ کا یہ بات کرنا کہ دانت نہیں ٹوٹیں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم کی مخالفت کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اللہ پر توکل کی وجہ سے تھا، اور اللہ تعالی نے ان کی بات کو پورا فرما دیا۔

(بخاری ۲۷۰۳-السنن الکبری ۶۹۳۲)

دل کی مراد پوری ہوگئی

ایک مرتبہ چار حضرات طواف کر کے بیت اللہ شریف کے قریب بیٹھے تھے، ایک کا نام تھا مصعب بن زبیرؓ اور دوسرے تھے عبداللہ بن زبیر اور تیسرے تھے عبدالملک بن مروان اور چوتھے تھے عبداللہ بن عمرؓ اب یہ آپس میں بیٹھے تھے، تو ان میں سے کسی نے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی تمنائیں بیان کرو، کس کی کیا تمنا ہے؟ رکن یمانی کے پاس جائے اور اپنی اپنی دعا کرے۔

مصعب بن زبیر نے کہا کہ میرے دل کی تمنا ہے کہ میں عراق کا گورنر بنوں اور میرے نکاح میں دو بیویاں ہوں، ایک سکینہ بنت حسین اور دوسری عائشہ بنت طلحہ، سکینہ بنت حسین کو تو سب جانتے ہی ہیں، سکینہ حضرت حسینؓ کی بیٹی، عائشہ بنت طلحہ یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بھانجی تھیں، نام ان کا بھی عائشہ اور یہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی زیر تربیت رہی تھیں، ان سے انہوں نے حدیث کا اور تفسیر کا علم سیکھا تھا، ان سے حدیثیں روایت کی ہیں محدثین نے، یہ اتنی پاک باز خاتون تھیں اللہ نے ان کو معرفت کا نور عطا کیا تھا، ان جیسی دانا عقل مند پاک باز اور دیندار عورت ان کے زمانہ میں کوئی دوسری نہیں تھی اور اللہ رب العزت نے ان کو ظاہری حسن و جمال میں بھی عائشہ صدیقہؓ کی کوپی بنایا تھا، یہ بالکل خالہ پر گئی تھیں، تو اس لحاظ سے یہ وہ رشتہ تھا کہ جس کے لئے اس دور کے نوجوان تمنا کیا کرتے تھے اور سکینہ حسینؓ کی صاحبزادی تھیں، ان کے ویسے فضائل بہت بیان ہیں وہ جگر گوشۂ نبی کی بیٹی تھیں، سادات میں سے تھیں، ان کی اپنی ایک تقویٰ کی زندگی تھی، فضیلت کی زندگی تھی، تو انہوں نے یہ دو تمنائیں ظاہر کیں کہ اللہ کرے یہ دو رشتے میرے نکاح میں ہوں اور میں عراق کا گورنر بنوں۔

عبداللہ بن زبیر سے کہا اب آپ جا کر اپنی تمنا ظاہر کریں؟ وہ گئے اور دعا کی، الٰہی

اس وقت تک موت نہ دیجئے جب تک کہ آپ مجھے حجاز مقدس کا حاکم و بادشاہ نہ بنا دیں اور زمانہ خلافت میرے حوالہ کر دیں۔

پھر عبدالملک بن مروان سے کہا کہ اب تم جا کر اپنی دعا کرو، دعا کے حمد وثنا کے کلمات کہہ کر دعا کی، خدائے پاک مجھے مشرق ومغرب کا بادشاہ بنا دیں اور کوئی بھی میرے مخالفت میں نہ آئے۔

عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی دعا میں کہا کہ اس وقت تک موت نہ دیں جب تک کہ جنت کو میرے واسطے واجب نہ کر دیں۔ کہا کہ میں جنت میں اپنے رب کا دیدار چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ چاروں رشتہ داروں کی چاروں تمنائیں اللہ رب العزت نے ہو بہو پوری فرما دیں، جیسے نیت کی تھی سب کو ویسا مل گیا، قبولیت کا وقت تھا۔

(کرامات الاولیاء اللالکائی ۱۴۰ - مجابو الدعوۃ ۱۲۰ - مختصر تاریخ دمشق ۴/۱۳۹ - وفیات الاعیان ۳/۲۹)

حضرت یوسف کی دعاء سحر گاہی

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ پاک لڑکپن میں کنویں کے اندر ڈلوا دیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے مغرب کے قریب کنویں میں ڈالا تھا اس کے بعد اندھیرا ہو گیا، اسلئے جب بھائی واپس اپنے والد کے پاس آئے تھے تو وَجَاءُوْا اَبَاهُمْ عِشَاءً يَّبْكُوْنَ عشاء کے وقت روتے دھوتے پہنچے تھے، تو سیدنا یوسف علیہ السلام چھوٹے بچے تھے، اکیلے تھے، تنہائی تھی، اندھیری کی وجہ سے بھی ڈر لگ رہا تھا، کہتے ہیں کہ جب سحری کا وقت ہوا اور تھوڑی تھوڑی روشنی آنے لگی تو حضرت یوسف علیہ السلام کو امید نظر آئی کہ اندھیرا ختم ہو جائے گا اور میرے بھی کنویں سے نکلنے کا ذریعہ بن جائے گا تو انہوں نے دعا کی، اے اللہ! میری بھی مشکل کو آسان کر دے، اور انسانوں میں جتنے بھی مشکلات

میں گرفتار ہیں سب کی مشکلات کو آسان کر دے، اللہ نے یوسف علیہ السلام کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ بیمار آدمی ہو، تو تہجد کے وقت اسکی بیماری کا لیول کم ہو جاتا ہے، اگر پریشان بندہ ہو تہجد کے وقت پریشانی کم ہو جاتی ہے، غم کم ہو جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ تہجد کے وقت بھی اللہ تعالیٰ ہر بندے کے کرب کو کم کر کے اسکو سکون عطا فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو دیکھئے، اور اس کے سامنے جھک جایئے۔

- حضرت زکریا علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے، دنیا میں سر کے اوپر آرا چل رہا ہے، اللہ اکبر، اللہ آپ اپنی عظمت دکھاتے ہیں کہ ایک نبی کے سر پر آرا چلایا گیا اور ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔
- حضرت یحییٰ علیہ السلام کی گردن کو کاٹا گیا، حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ کے اندر گرفتار فرما دیا۔

میں جانتا نہیں یہ مانتا نہیں

حضرت گنگوہیؒ کا ایک واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص ان کی خدمت میں آیا اور آ کر اپنی کوئی پریشانی کوئی گھریلو مسئلہ ان کی خدمت میں عرض کیا اور کہا کہ حضرت کوئی تعویذ بنا دیں تا کہ میری یہ پریشانی دور ہو جائے، حضرت نے انکار کیا کہ مجھے تعویذ بنانا نہیں آتا اس آدمی نے اصرار کیا کہ نہیں حضرت ضرور بنا دیں، ادھر سے اصرار ادھر سے انکار، جب کافی دیر انکار کے بعد وہ نہ مانا تو حضرت نے ایک کاغذ پر تعویذ بنا کر اسے دے دیا، وہ شخص تعویذ لے گیا استعمال کیا اللہ کے حکم سے اسے فائدہ ہو گیا، اب ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ میں دیکھوں تو سہی تعویذ میں لکھا کیا تھا، اس نے کھول کر جو دیکھا تو لکھا تھا ''یا اللہ! میں جانتا نہیں اور یہ مانتا نہیں'' یہ ہوتی ہے کاملین کی برکت جب کوئی اللہ کا منظور نظر بن جاتا ہے تو پھر اس کی الٹی بھی سیدھی ہو جاتی ہے۔

(تذکرۃ الرشید ۲/ ۲۹۵)

حضرت بابو جی عبداللہؒ کی دعا کا مقام

حضرت بابو جی عبداللہؒ میر پور خاص کے بزرگ تھے، وہ ایک مستجاب الدعوات بزرگ تھے، جب ہم لوگ یونیورسٹی میں پڑھتے تھے تو ان کی خدمت میں حاضر ہونے، ملنے اور بیٹھنے کا موقع نصیب ہوتا تھا، ہم نے ان کی عجیب بات دیکھی کہ جس بندے کے لئے بھی دعا مانگتے کہ اے اللہ! اس کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب فرما، اس بندے کو تین راتوں کے اندر اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا تھا، ہم نے خود کئی دفع اس بات کو آزمایا ہے۔

ہمارے اس شہر کی تبلیغی جماعت کے ایک امیر تھے، ایک مرتبہ وہ فجر کے بعد تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں نے بہت وظیفے کئے اور درود شریف پڑھا مگر دل میں یہ تمنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو، میں آپ سے پوچھنے آیا ہوں، شاید آپ نے بھی بزرگوں سے اس سلسلے میں کوئی عمل سنا ہو، قدرتی بات ہے ان دنوں حضرت بابو جی عبداللہؒ تشریف لانے والے تھے۔

چنانچہ ایک دن یہ عاجز ان کو لے کر ان کی محفل میں پہنچ گیا، محفل کے اختتام پر فقیر نے حضرت بابو جیؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! یہ ہمارے مہربان ہیں اور ہمارے شہر کی جماعت کے امیر بھی ہیں، آپ ان کے لئے دعا فرمادیں کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے، انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، مشکل سے آدھا منٹ لگا ہوگا اس کے بعد ہم واپس آ گئے۔

دوسرے دن فجر کی نماز کے بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو یہ عاجز باہر نکلا دیکھا تو وہ مولانا صاحب سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے، کہنے لگے مجھے آج رات اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب فرمادی ہے۔

اللہ رب العزت نے حضرت بابو جی عبداللہؒ کو ایک مقام دیا تھا، بس ان کے ہاتھ اٹھ جاتے تھے اور قدرت کی طرف سے فیصلے ہوجاتے تھے، وہ مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے تھے، جب کوئی قبولیت کا خاص لمحہ ہوتا تو آپ اپنے متوسلین کو آگاہ فرمادیا کرتے تھے حتی کہ آپ رمضان المبارک میں کئی مرتبہ بلا کر بتاتے کہ آج لیلۃ القدر ہے، تم جو دعا مانگنا چاہو اپنے رب سے مانگ لو۔

بوڑھاپے کے دوران ایک دفعہ حضرت بابو جی عبداللہؒ کو بخار ہوگیا، یہ فقیر خدمت کے لئے حاضر تھا اللہ تعالی نے پانچ دن تک صبح وشام ان کی خدمت کرنے کا موقع دیا، پانچویں دن انہوں نے مجھے بلایا اور فرمانے لگے: ذوالفقار! میں نے کہا: جی حضرت! فرمانے لگے: اللہ سے مانگ لو جو مانگنا چاہتے ہو، انہوں نے بھی ہاتھ اٹھادیئے اور اس عاجز نے بھی ہاتھ اٹھائے، فقیر کو اس بات کا صحیح اندازہ تھا کہ یہ وقت بہت تھوڑا ہوتا ہے، اس لئے اس فقیر نے جلدی جلدی میں دس دعائیں مانگی، ان میں سے بعض تو ایسی تھیں کہ جو سمجھ میں نہیں آتی تھیں کہ کیسے پوری ہوں گی، اس لئے کہ عاجز اپنی اوقات ہی نہیں سمجھتا تھا، مگر الحمدللہ، اللہ رب العزت نے ان دس دعاؤں میں سے نو دعاؤں کو اپنی آنکھوں کے ساتھ دنیا میں پورا ہوتا دیکھنے کی توفیق عطا فرمادی، اور ایک دعا کے بارے میں دل کی تمنا ہے کہ انشاء اللہ اللہ تعالی آخری وقت میں اس کو بھی پورا فرمادیں گے۔

اللہ نے عزت رکھ لی

ایک مرتبہ ہم سفر کررہے تھے، موٹروے پر چڑھے تو چند میلوں کے بعد میں نے ڈرائیو کو دیکھا تو وہ بڑا پریشان تھا، وہ کبھی ادھر دیکھتا تھا کبھی ادھر، میں نے اس سے پوچھا: جی کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا: حضرت! بس آپ توجہ فرماتے رہیں، اللہ کرم کریگا، اللہ عزت رکھے گا، میں نے کہا کہ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کی عزت رکھے، اس نے گاڑی خوب تیز بھگائی

ہوئی تھی، پچاس کیلومیٹر کے بعد گیس اسٹیشن آیا، اس نے گاڑی گیس اسٹیشن کے اندر داخل کی اور کہا: الحمدللہ، الحمدللہ، میں نے کہا: کیا بنا؟ وہ کہنے لگا: اللہ نے عزت رکھ لی میں نے کہا پھر بھی بتاؤ تو صحیح کہ اللہ نے کیسے عزت رکھی؟ کہنے لگا: حضرت! میں آپ کو بٹھانے سے پہلے جہاں سے آرہا تھا ادھر سے ہی میری گاڑی کو پیٹرول ریزرو لگ گیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ میں گھر جاتے ہوئے راستے میں ہی کہیں سے پٹرول ڈلوالوں گا لیکن میں بھول گیا، پھر آپ کا سفر تھا آپ کو بھی بٹھالیا اور موٹروے پر آ گیا، جب میری نظر میٹر پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ گاڑی ریزرو کے دوران جتنے میل چلتی ہے اس سے ڈیڑھ گنا میل پہلے ہی چل چکی ہے، لہٰذا اب یہ کہیں بھی بند ہوسکتی ہے، اور جب موٹروے کے درمیان میں گاڑی بند ہوگئی تو پیر صاحب ناراض ہوں گے اور کہیں گے کہ تو ایسا بے وقوف اور غافل آدمی ہے، وہ کہنے لگا کہ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنے دل میں یہ دعا مانگی ''اے اللہ! میں نے تیرے ایک نیک بندے کو آگے بٹھایا ہوا ہے، تو اس کو پریشانی سے بچالے اور میری عزت کو محفوظ فرمالے، مجھے رسوا نہ کرنا، غلطی کر بیٹھا ہوں''۔

میں نے یہ دعا کر کے اسپیڈ پر پاؤں رکھ لیا، پہلے میں ۶۰-۷۰ کیلومیٹر کی اسپیڈ پر جارہا تھا پھر میں ۱۲۰ کیلومیٹر کی اسپیڈ پر چل پڑا، اور ۱۲۰ کیلومیٹر کی اسپیڈ پر تب چلا جب مجھے پتہ چلا کہ اندر کچھ نہیں ہے اور میرا خیال تھا کہ میں بمشکل پانچ دس کیلومیٹر چلوں گا، حتی کہ پچاس کیلومیٹر چلنے کے بعد گیس اسٹیشن آیا اور میں نے الحمدللہ کہا..... سبحان اللہ..... جو بندہ اللہ رب العزت کے سامنے یوں عذر پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور سرخرو فرماتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی
آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

اخلاص وریاء

امام زین العابدین کا اخلاص

امام زین العابدین کے حالات زندگی میں ہے کہ فوت ہوئے تو غسل دینے والوں نے دیکھا کہ ان کے دائیں کندھے پر کالا نشان بنا ہوا ہے، بڑے خوبصورت تھے، نازک بدن تھے، اسکو بڑی حیرانی ہوئی یہ نشان کیسا؟ اس نے لوگوں سے پوچھا گھر والوں نے کہا ہمیں بھی معلوم نہیں ہم سے بھی چھپایا انہوں نے، کسی کو پتہ نہ چلا لیکن جب ان کو دفنایا گیا تو ہفتہ، عشرہ گزرنے کے بعد جو اس وقت نادار تھے، معذور تھے، بیوائیں تھیں ان کے گھروں سے آواز آئی ہائے وہ کہاں گیا، جو رات کے اندھیرے میں ہمارے گھروں میں پانی پہنچایا کرتا تھا، تب یہ راز کھلتا ہے کہ وہ مشک لے کر رات کے اندھیرے میں ان مجبور لوگوں کے گھروں میں پانی پہنچایا کرتے تھے، مگر اتنی خاموشی سے کیا کہ زندگی بھر اس بات کا علم کسی کو نہ ہونے دیا۔

(موسوعۃ فقہ الابتلاء ۳/ ۲۸۳ و ۴/ ۲- سیر اعلام النبلاء مشکول ۳۹۳- مختصر تاریخ دمشق ۵/ ۳۴۸)

شیخ الہندؒ کا اخلاص

حضرت اقدس تھانویؒ فراغت کے بعد جب ابتداء میں کانپور تشریف لے گئے تو وہاں قریب کے دیہاتوں میں کچھ اہل بدعت بھی تھے، حضرت نے ایک مرتبہ جلسہ رکھوایا اور اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہندؒ کو بلوایا، چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ تشریف لائے اور انہوں نے بیان کرنا شروع کر دیا، اللہ کی شان کہ حضرت اقدس تھانویؒ جو مضمون چاہتے تھے کہ یہ بیان ہو، وہی شروع ہو گیا۔

عین اس وقت جب مضمون اپنے عروج پر تھا اس وقت ایک عالم مولانا لطف اللہ علی

گڑھی جو مائل بہ بدعت تھے، اس طرف تھوڑا سا میلان تھا، وہ آ گئے، اب ان کو دیکھ کر لوگوں نے یہ سوچا کہ اب وقت ہے یہ مضمون بیان ہونے کا، جیسے ہی وہ آ کر بیٹھے، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: ''وما علینا الا البلاغ'' اور بیٹھ گئے، اب اس طرح ایک دم تقریر بند کر دینا بڑا عجیب سا لگا، خیر! بعد میں کھانے کے دستر خوان پر ہی مولانا فخر الحسنؒ نے شیخ الہندؒ سے پوچھا: بھئی! وہ تو وقت تھا بیان کرنے کا، مولانا لطف اللہ آئے تھے تو آپ نے ایک دم ہی تقریر بند کر دی، آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے بھی یہی خیال آ گیا تھا کہ اب وقت آیا ہے مضامین بیان کرنے کا، لیکن میرے دل میں خیال آیا کہ اب میں اس کو سنانے کے لئے یہ بیان کرتا ہوں تو یہ اس کے لئے ہوگا اللہ کی رضا کے لئے نہیں ہوگا، چنانچہ میں نے بیان بند کر دیا۔

بیان میں بھی اس بات کا خیال ہوتا تھا کہ میری ہر بات اللہ کی رضا کے لئے ہو، اگر اس طرح کا اخلاص آ جائے تو دینی اداروں کے سب جھگڑے ختم ہو جائیں۔

(آپ بیتی ع:۵ ص:۲۳۸-ارواح ثلثہ ۴۰۷)

حضرت حسین احمد مدنیؒ کا اخلاص

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو اللہ نے ایسا درد عطا فرمایا تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ فرنگی یہاں سے دفع ہو جائے اور ہم اپنے دین والی زندگی کو عمل میں لا سکیں، چنانچہ وہ اسکے لئے بہت متحرک رہتے تھے، اور ان کی طبیعت ایسی تھی کہ جب ان کے پاس کوئی مہمان آتا تھا تو وہ مہمان کو بڑے پیار سے رکھتے تھے، اس کی خوب خدمت بھی کرتے تھے اور اس کو بڑی محبت دے کر بھیجتے تھے۔

حضرت اقدس تھانویؒ کی طبیعت میں اصلاح کا پہلو غالب تھا، جو طالب بھی آتے تھے حضرت ان پر سختی فرماتے تھے، کیونکہ جب تک سختی نہ ہو تب تک اصلاح نہیں ہوتی .... حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''دب نہ ہو تو ادب پیدا نہیں ہوتا'' اس لئے سختی کرنی پڑتی ہے، مگر مشائخ کی سختی بھی اللہ کی رضا کے لئے ہوتی ہے ..... چنانچہ حضرت

اقدس تھانویؒ کے پاس جب کوئی آتا تھا تو اس کو بات سمجھائی جاتی تھی اور آگے سے وہ نہ مانتا تو حضرت اس کا بستر اٹھا کر باہر نکال دیتے تھے، جیسے حضرت مجذوب سے کوئی بات ہوگئی تھی تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تم اپنا بستر اٹھاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ، مگر وہ طالب صادق تھے، انہوں نے سوچا کہ حضرت نے تو مسجد سے ہی نکالا ہے، مسجد کے باہر تو میں بیٹھ سکتا ہوں، چنانچہ وہ دروازے کے سامنے بیٹھ گئے اور جب دروازہ کھلتا تو اپنے شیخ کی زیارت کر لیتے اور بیٹھے یہیں رہتے تھے، اسی طرح کئی دن گزر گئے، وہ وہاں سے گئے نہیں، ایک دن حضرت بڑے حیران ہوئے کہ میں نے اسے بھیج بھی دیا تھا اور یہ اتنے دنوں سے دروازے پر ہی بیٹھا ہے، حضرت نے اپنے ایک خادم سے کہا: جا کر اس سے پوچھو کہ یہ چاہتا کیا ہے؟ حضرت مجذوب شاعر تھے، چنانچہ انہوں نے جواب میں ایک شعر لکھ کر بھیجا:

ادھر تو در نہ کھولے گا ادھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے ادھر تیری ادھر میری

حضرت کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ اسی وقت ان کو بلایا اور ان کی غلطی کو معاف کر دیا۔

ادھر حضرت مدنیؒ آنے والے مہمانوں کے ساتھ بہت پیار ومحبت سے پیش آتے تھے، ایک آدمی حضرت مدنیؒ کے پاس آیا، حضرتؒ نے اس کو کھانا بھی کھلایا، پاس بھی بٹھایا اچھی اچھی باتیں بھی سنائیں اور رات کو جب سونے لگا تو حضرت نے اسکے پاؤں بھی دبائے، جب اس نے بے نفسی کا یہ عالم دیکھا تو کہنے لگا: حضرت! یہ ہوا دین، آپ تو بندوں کے ساتھ ایسا پیش آتے ہیں ان پر قربان ہونے کو دل چاہتا ہے اور اگر حضرت تھانویؒ کے پاس چلے جائے تو وہاں تو یوں لگتا ہے کہ بس لٹھ لے کر بیٹھے ہیں اور وہاں تو بڑی سختی ہوتی ہے۔

دیکھیں! اختلاف رائے ہو تو عام طور پر بندہ تلی لگا دیتا ہے، اگلے دن تھوڑی سی بات کی اور اس کو بھڑکا دیا، مگر نہیں، یہ ہمارے اکابر کا اخلاص تھا کہ جب اس نے ایسی بات کی تو حضرت مدنیؒ نے فوراً کہا: بھئی نہیں، ایسی بات نہیں ہے، تم معاملے کو سمجھے ہی نہیں، اس

نے پوچھا: حضرت معاملہ کیا ہے؟ فرمایا: دیکھو! جو بڑے سرجن ہوتے ہیں وہ انسان کے اندر سے پیٹ وغیرہ نکال کر چیر دیتے ہیں اور اس کو نچوڑ کر نکالتے ہیں، اس وقت بندے کو تکلیف محسوس ہوتی ہے، اور جب وہ بندہ کمپاؤنڈر کے پاس آتا ہے تو کمپاؤنڈر اس پر مرہم لگا کر پیار سے اس کو بند کر دیتا ہے، حضرت کی کیفیت سرجن کے مانند ہے اور میری کیفیت ایک کمپاؤنڈر کی مانند ہے، یہ اخلاص تھا ہمارے اکابر میں۔

مفتی محمد حسن کا اخلاص

مفتی محمد حسنؒ نے لاہور میں جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی، شروع میں وہاں چھوٹی سی مسجد تھی اور چھوٹا سا جامعہ تھا، ان کے یہاں ایک ایسے عالم تھے جو حضرت مدنیؒ کی طرف کچھ میلان رکھتے تھے، اسی طرز پر جلسے اور سیاست۔۔۔۔اور ان کا مزاج ذکر والا تھا، وہ نیک تھے، انہوں نے سوچا کہ اکٹھا رہنے میں آپس میں کہیں کوئی تنازعہ نہ کھڑا ہو جائے، اختلاف رائے نہ بڑھ جائے، لہذا ایک سال مکمل ہونے پر انہوں نے اسی محلے میں ایک دوسرے جامعہ کی بنیاد رکھ دی۔

جب انہوں نے نئے جامعہ کی بنیاد رکھی تو لوگ بڑے غصے میں آ گئے کہ اگر نیا جامعہ بنانا ہی تھا تو کہیں دور بنا لیتے، اسی جگہ، قریب میں نیا جامعہ کھولنا مناسب تو نہیں۔

اس سلسلہ میں مفتی محمد حسن کے ایک صاحبزادے نے اپنا ایک واقعہ مجھے خود سنایا، فرمانے لگے کہ میں کسی کام کے لئے جا رہا تھا تو ایسے ہی میں نے اپنے والد صاحب سے کہا: ابا جی! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ ابا جی نے پوچھا: بیٹا! کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: امی نے کام سے بھیجا ہے، فرمایا: تم وہ کام کر کے آؤ، پھر میں آج تمہیں اخلاص کا درس دوں گا۔

جب میں وہ کام کر کے واپس آیا تو بیٹھ گیا اور عرض کیا: ابا جی! بتائیں، تو والد صاحب نے مجھ سے پوچھا: یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے سر پر کسی چیز کا اتنا بوجھ ہو کہ تم سے اٹھایا نہ

جارہا ہو، حتی کہ گردن ٹوٹنے کے قریب محسوس ہو، تم انتہائی مشقت کے ساتھ وہ بوجھ لے کر جارہے ہو، اور ایسے وقت میں کوئی دوسرا بندہ آجائے اور یہ کہے کہ تم آدھا بوجھ مجھے دے دو میں اپنی ذمہ داری سے منزل پر پہنچاؤں گا، تو اب بتاؤ کہ وہ تمہارا دوست ہوگا یا دشمن ہوگا؟ میں نے کہا: حضرت! وہ دوست ہوگا، تو ابا جی نے فرمایا: دیکھو بیٹا! یہ اتنا بڑا شہر تھا اور اس میں یہ ایک دارالعلوم تھا اور اتنے بڑے شہر کی مسئولیت کا بوجھ صرف ہمارے سر پر تھا اب ایک دوسرا مدرسہ بن گیا ہے اور یوں قیامت کے دن جو پوچھا جائیگا اس کا بوجھ تقسیم ہوگا، اب ان بوجھ تقسیم کرنے والوں کو دوست سمجھے یا دشمن سمجھیں؟

سبحان اللہ! کتنے بڑے مسئلے کو کتنے پیار سے حل کر دیا، اس کو اخلاص کہتے ہیں۔

اخلاص کے تاج محل ایسے بھی تھے

ہمارے اکابر کے بارے میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کا نام تھا ابوعمر نجیرؒ، اللہ نے ان کو نیکی بھی دی تھی اور دنیا کا بڑا مال بھی دیا تھا، ایک مرتبہ حاکم وقت نے امیر لوگوں کی مجلس بلائی، کوئی رفاہی کام کرنا تھا تو اس کام کے لئے اس نے ان کو توجہ دلائی کہ آپ لوگ اگر تعاون کریں تو ہم یہ عوام کی سہولت کا رفاہی کام کر سکتے ہیں، ابوعمر نجیرؒ نے اس کو دولاکھ دینار دئے، جب دوسری مرتبہ میٹنگ ہوئی تو حاکم وقت نے ساری مجلس میں بتادیا، ترغیب دینے کی خاطر کہ جی دیکھو! ابوعمر نجیر نے تو دولاکھ دینار دیے ہیں، جب اس نے یہ بات کہہ دی تو تھوڑی دیر بعد ابوعمر نجیر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے، بادشاہ سلامت، ! میں نے آپ کو وہ مال دے تو دیا مگر مجھے کسی سے مشورہ بھی کرنا تھا، وہ میں نے مشورہ نہیں کیا، لہذا آپ مہربانی فرمائیں کہ میرے دولاکھ دینار مجھے واپس کردیں، بادشاہ نے دیناروں کی تھیلی واپس کردی، مجلس کے ہر بندے نے کہا کہ کیسا برا انسان ہے، دئے ہوئے پیسے واپس مانگ لئے، پھر جب مجلس ختم ہوئی تو تنہائی میں انہوں نے وہ دولاکھ دینار واپس بادشاہ کو دیتے ہوئے کہا: جناب آپ نے لوگوں کے

سامنے ظاہر کر کے میرے عمل کو ضائع کیا تھا، میں نے واپس مانگ کر تھوڑی دیر کی ذلت تو اٹھالی، اب آپ کو اللہ کی رضاء کے لئے پھر دے رہا ہوں، اب اس کا تذکرہ کسی کے سامنے نہ کرنا۔ اللہ اکبر کبیرا!!!

دوسوکنوں کا اخلاص

ایک تاجر کی بیوی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو نیکی بھی دی تھی اور حسن و جمال بھی دیا تھا، وہ زندگی گزارتی رہی، اس کا خاوند سفر کے لیے کسی دوسرے شہر جاتا ہے، کچھ دنوں کے وقفے سے اسے اس شہر جانا پڑتا ہے، وہاں اسے رہنا پڑ جاتا ہے، اب اس کی بیوی نے یہ محسوس کیا کہ اس کے خاوند کا قیام وہاں زیادہ ہونے لگا ہے، لہٰذا اسے احساس ہوا کہ کہیں اس نے وہاں دوسرا گھر تو نہیں بنالیا۔

چنانچہ اس نے اپنی اعتماد والی ایک خادمہ سے کہا کہ تم اس کے پیچھے جاؤ اور دوسرے شہر میں جہاں رہتا ہے وہاں ہمسایوں سے جا کر معلومات حاصل کرو، جب اس نے وہاں سے معلومات لیں تو پتہ چلا کہ چونکہ اسے وہاں دس پندرہ دن رہنا ہوتا تھا، اس لیے اس نے وہیں کسی عورت سے نکاح کر لیا تھا اور اسے ایک گھر بھی لے کر دیا تھا جہاں وہ جا کر رہتا تھا، گناہ نہیں تھا البتہ اس نے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔

جب اس عورت کو کنفرم ہو گیا تو اس نے سوچا کہ میرے خاوند نے نکاح تو کر لیا ہے اگر جھگڑا کروں گی تو خاوند کو خوامخواہ میرے سامنے شرمندگی ہو گی یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرا خاوند کھلم کھلا کہہ دے کہ میں ادھر بھی وقت دوں گا اور ادھر بھی دوں گا تو مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جو محبت کی مساوات میرے اور میرے خاوند کے درمیان ہے کیوں نہ میں اسی کو برقرار رکھوں، یہ سوچ کر اس نے پردہ رکھنے کا ارادہ کر لیا، چنانچہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ اسی محبت کے ساتھ رہتی رہی، حالانکہ اسے

یقین تھا کہ جب یہ دوسرے شہر میں کاروبار کے لیے جاتا ہے تو وہاں اس کی دوسری بیوی بھی موجود ہے، اللہ کی شان کہ کچھ مہینوں کے بعد خاوند کی وفات ہوگئی، جب خاوند کی وفات ہوئی تو اس کا جتنا سرمایا تھا وہ سارے کا سارا اسی بیوی کے پاس تھا، جب اس کی تدفین کا مرحلہ مکمل ہوااور اس کی وراثت کی تقسیم کا وقت آیا تو اس کی بیوی نے اپنا حصہ بھی الگ کیا اور دوسری بیوی کا حصہ بھی الگ کر دیا اور اسی عورت کو جس نے اس کو بتایا تھا کہ اس کا دوسرا نکاح بھی ہے اس کو بڑی راز داری سے کہا کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے اور کوئی میرے خاوند پر بات بھی نہ کرے، لیکن اس کی وراثت میں اس بیوی کا شرعی حق ہے مجھے قیامت کے دن اللہ کے یہاں جواب دینا ہے، اس کا حق میں نہیں کھا سکتی، لہٰذا یہ پیسے لے جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہارے خاوند کی میراث میں سے یہ تمہارا حصہ ہے، اسے وصول کرلو، وہ عورت وہ رقم لے کر خاتون کے پاس گئی، وہ کافی ساری رقم تھی، اس نے جا کر اس سے بات کی کہ اس کے خاوند کی وفات ہوگئی ہے، اور اس کی بیوی نے اس کی وراثت میں سے تمہارا حصہ نکالا ہے، کیونکہ تم بھی آخر اس کی بیوی ہو، وہ اگر تمہارا حق کھائے گی تو وہ قیامت کے دن اللہ کو جواب نہیں دے سکے گی، لوگوں کو تو پتہ نہیں مگر اللہ کو تو پتہ ہے، لہٰذا تم یہ اپنا حصہ وصول کرلو! اس عورت نے وہ رقم پکڑ کر کہا کہ اللہ اس کا بھلا کرے، وہ کتنی نیک عورت ہے، وہ کتنی اچھی عورت ہے جس نے میرا خیال رکھا! پھر اس نے کہا کہ تم یہ مال میری طرف سے لے جا کر اس عورت کو واپس کر دو، اس لیے کہ اس خاوند نے مرنے سے ایک ہفتہ پہلے مجھے طلاق دے دی تھی اور اس طلاق کا پتہ یا مجھے ہے یا میرے اللہ کو ہے، لہٰذا اس وراثت میں میرا کوئی حصہ نہیں بنتا، یہ اسی کا حصہ ہے، لہٰذا اسے واپس کر دو۔

یہ تعلیمات کونسا طریقہء زندگی دے رہا ہے؟ یہ دین اسلام دے رہا ہے، دنیا کو تو

معلوم نہیں کہ حقیقت کیا ہے لیکن جب دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے تو پھر لوگ ایک دوسرے کے حقوق کی اتنی رعایت رکھتے ہیں!

(صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ۲ / ۵۳۳)

ایک رحم دل حاجی کا اخلاص

منیٰ کا میدان ہے، ایک بڑے میاں اپنا تھیلا لے کر جا رہے ہیں، اس میں کچھ پیسے تھے، ایک نوجوان ان کے قریب آیا اور تھیلا چھین کر چلا گیا، اس بڑے میاں کا سارا زادِ راہ اسی تھیلے میں تھا، انہوں نے صبر کر لیا۔

وہ نوجوان جب کچھ آگے گیا تو اس کا سر چکرایا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا، اس نے رونا شروع کر دیا، لوگوں نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ کہنے لگا: میں نے ایک بوڑھے کا تھیلا چھینا ہے، مجھے لگتا ہے کہ اس نے بددعا دی ہے جس کی وجہ سے میری بینائی چلی گئی ہے، مجھے ان کے پاس لے جاؤ تاکہ میں ان سے معافی مانگ لوں، لوگ اس کو ان کے پاس لے گئے اور بڑے میاں سے کہا کہ بڑے میاں! آپ اس کو معاف کر دیں، اس سے غلطی ہو گئی ہے، اب یہ رو رہا ہے اور آپ کی بددعا سے تو اس کی بینائی چلی گئی ہے، وہ بڑے میاں کہنے لگے کہ جب یہ چھین کر گیا تھا میں نے تو اسے اسی وقت معاف کر دیا تھا، لوگ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے: بڑے میاں! یہ آپ کا تھیلا چھین کر گیا تھا اور آپ کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا! تو بڑے میاں آگے سے جواب دیتے ہیں کہ مجھے ایک خیال آ گیا تھا جس کی وجہ سے میں نے اسے اسی وقت معاف کر دیا تھا، انہوں نے پوچھا کہ بڑے میاں! کیا خیال آیا تھا؟ بڑے میاں جواب دیتے ہیں:

''میں نے علما سے سنا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کا حساب کتاب ہوگا، میں وہاں موجود ہوں گا، جب تک آخری

امتی کا حساب نہیں ہوگا، میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا، میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہ میرا تھیلا لے کر بھاگا ہے، اگر میں نے معاف نہ کیا تو قیامت کے دن یہ مقدمہ اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا، جتنی دیر اس مقدمے کے فیصلے میں لگے گی، میری وجہ سے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں جانے میں اتنی ہی دیر ہو جائے گی، لہٰذا میں نے اسے معاف کر دیا تاکہ نہ ہی مقدمہ پیش ہو اور نہ ہی میری وجہ سے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں جانے میں تاخیر ہوگی''۔

والدہ محترمہ کی نیکی چھپانے کی عادت

(۱) ہمارے محلے میں ایک عورت تھی، اس کا خاوند اسکے ساتھ ٹھیک نہیں رہتا تھا، اس کو خرچہ بھی نہیں دیتا تھا، وہ بچوں کے ساتھ بڑی پریشان رہتی تھی۔

ایک مرتبہ دعا کرانے کے لئے والدہ صاحبہ کے پاس آئی تو والدہ صاحبہ نے کچھ اس کی مدد کرنا شروع کر دی، اب وہ وقفے وقفے سے آتی اور والدہ صاحبہ نے کچھ نہ کچھ پہلے سے رکھا ہوتا، مختصر میں وہ اس کو فارغ کر دیتی، وہ عورت محلے سے چلی گئی، کسی دوسرے محلے میں جا کر بیٹھ گئی، تو والدہ صاحبہ کی بوڑھاپے کی عمر تھی، بڑی مدت تک پوچھتی رہیں کہ پتہ نہیں وہ عورت کہاں چلی گئی؟ اس کا پتہ بھی نہیں، کبھی آئی بھی نہیں، کئی مرتبہ تذکرہ کرتیں، ہمشیرہ صاحبہ کہتی ہیں کہ: ایک مرتبہ شہر میں سے گزرتے ہوئے مجھے وہ عورت ملی تو میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کہاں رہتی ہیں؟ وہ کہنے لگی کہ میں تو ساتھ والے محلے میں چلی گئی تھی اور بس میں ایسی الجھ گئی کہ مجھے آنے کا موقع ہی نہیں ملا، تو ہمشیرہ صاحبہ نے آکر والدہ صاحبہ کو بتایا کہ فلاں عورت تو ساتھ والے محلے میں ہے اور میں اس کا گھر دیکھ آئی ہوں، والدہ صاحبہ بیمار بھی تھیں، بوڑھی بھی تھیں، کہنے لگی کہ مجھے اس کے گھر لے جاؤ! میں اس سے ملنا چاہتی ہوں، ہمشیرہ نے پوچھا کہ کچھ کہنا ہے یا دینا ہے بتا دیں! کہنے لگیں: نہیں، بس میں نے ملنا ہے، حتی کہ ہمشیرہ ان کے ساتھ چلیں، راستے میں والدہ صاحبہ بیماری کی وجہ سے کچھ دیر چلتیں پھر بیٹھ

جاتیں، پھر چلتیں پھر بیٹھ جاتیں، ہمشیرہ کہتی ہیں کہ ہم ان کے پاس گئے اور امی نے اس کو کیا دیا، کب دیا؟ مجھے کچھ پتہ نہیں، پھر ہم واپس آ گئے، جب والدہ صاحبہ کی وفات ہوئی، تب اس عورت نے آ کر مجھے بتایا کہ تمہاری والدہ نے آ کر مجھے دس ہزار روپے دیے تھے۔

(۲) ایک مرتبہ محلے کی ایک جوان العمر لڑکی بیمار تھی، خاوند اس کے علاج ومعالجے پر توجہ نہیں دیتا تھا، والدہ صاحبہ کے پاس جب کبھی آتی تو وہ اس کے لئے دعا بھی کرتیں اور اس کی کچھ مدد بھی کر دیتیں، کچھ دن وہ نہیں آئیں تو ایک دن اس بیمار لڑکی کی بڑی بہن آ گئی، والدہ صاحبہ نے اس کو دو ہزار روپے دیے اور اسے کہنے لگیں کہ یہ تیری بہن کے پیسے میرے ذمے بنتے تھے اور میں پہلے نہ دے سکی، مجھے دیر ہو گئی، تم یہ اپنی بہن کو میری طرف سے ادا کر دینا، اب بڑی بہن نے پیسے لے لیے اور اس نے جا کر اپنی بہن کو دے دیے اور اس کو کہا کہ فلاں خاتون نے پیسے دیے ہیں اور یہ کہلوایا ہے کہ تمہارے میری طرف جو پیسے بنتے تھے پہلے میں نہ دے سکی، اب میرے پاس پیسے ہیں تو میں یہ ادا کر رہی ہوں، وہ لڑکی بڑی حیران ہوئی مگر چپ ہو گئی، کچھ دنوں کے بعد والدہ صاحبہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اماں آپ نے یہ پیسے کیسے بھیجے؟ تو والدہ صاحبہ نے کہا کہ بیٹی میں نے تمہاری مدد ہی کے لئے بھیجے تھے لیکن اگر تمہاری بہن کو بتاتی کہ میں تمہاری مدد کر رہی ہوں تو وہ بہن تمہیں طعنہ دیتی، میں نے یوں ظاہر کیا کہ جیسے میرے اوپر قرض تھا، چنانچہ تمہیں پیسے بھی پہنچ گئے اور اسکو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوا، اور میرا عمل بھی اس سے چھپ گیا۔

ابوالفضل اور فیضی کی محرومی

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے زمانے میں دو بھائی تھے ایک کا نام تھا ابوالفضل اور دوسرے کا نام فیضی، دونوں اپنے وقت کے بڑے بھاری عالم تھے، ان کے علم کا یہ حال تھا کہ انہوں نے عربی زبان میں قرآن مجید کی ایک بے نقطہ تفسیر لکھی،

یعنی اس تفسیر میں با، تا، ثا، جیم، خا، ذال، زا، شین، غین، نون، وغیرہ میں سے کوئی حرف بھی کہیں استعمال نہیں ہوا، انہوں نے اس تفسیر کا نام ''سواطع الالہام'' رکھا، اس نام میں بھی نقطہ نہیں ہے، مجھے ایک لائبریری میں وہ تفسیر دیکھنے کا موقع ملا، میں حیران تھا کہ انہوں نے ایسے الفاظ کہاں سے ڈھونڈھے ہونگے، پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھنا ہی کتنا بڑا کام ہے، اور پھر ایسے الفاظ سے لکھنا جن میں کوئی نقطہ ہی نہ ہو بہت مشکل کام ہے، ظاہری طور پر دیکھئے کہ کتنی قابلیت ہے، بلا کے ذہین تھے، دونوں کے پاس فوٹو گریفک میموری تھی۔

ابوالفضل بڑا تھا، اس کے سامنے اگر کوئی چیز دومرتبہ پڑھ دی جاتی تھی تو اسے زبانی یاد ہوجاتی تھی، اور فیضی چھوٹا تھا اس کے سامنے اگر کوئی چیز ایک مرتبہ پڑھ دی جاتی تھی تو اسے زبانی یاد ہوجاتی تھی۔

چنانچہ انہوں نے اس وقت کے شعراء کے ناک میں دم کر رکھا تھا، جب کوئی شاعر بادشاہ کی منقبت لکھ کر لاتا تو بادشاہ اسے دربار میں کہتا کہ اپنا کلام پیش کرو، وہ کھڑے ہوکر پڑھتا تو فیضی کو وہ منقبت یاد ہوجاتی اور وہ اٹھ کر کہتا: بادشاہ سلامت یہ تو میرا کلام ہے، بادشاہ کہتا کہ اگر یہ تیرا کلام ہے تو پھر سناؤ، وہ کھڑے ہوکر پوری منقبت سنا دیتا، اب جب یہ سناتا تو دو دفعہ ہوجاتا، اس کے بعد بڑا بھائی بھی کھڑے ہوکر کہتا: بادشاہ سلامت! میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ میرے بھائی کا کلام ہے اور پھر وہ بھی سنا دیتا تھا، اندازہ کریں کہ وہ کتنے ذہین تھے ان کے پاس اتنا علم تھا مگر اللہ رب العزت کے یہاں ان کی قبولیت نہ ہوئی اور فقط درباری ملا بن کر رہ گئے، یہی دو بھائی تھے جنہوں نے وقت کے بادشاہ کو فتوی دیا تھا کہ اسکے لئے تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی مخالفت انہیں دونوں نے کی اور ان کو جیل میں بھی انہیں دونوں نے پہنچایا۔

یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ دونوں وقت کے مجدد کے دشمن بن گئے تھے۔

خواجہ معین الدین چشتی کی قبولیت

خواجہ غلام حسن سواکؒ خواجہ سراج الدینؒ کے خلیفہ مجاز تھے، وہ بڑے صاحب تصرف بزرگ تھے، وہ جس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھتے تھے وہ مسلمان ہوجاتا تھا، ہندوؤں نے انگریز کی عدالت میں مقدمہ درج کروادیا کہ یہ ہمیں زبردستی مسلمان کرتے ہیں، انگریز جج نے ان کو عدالت میں طلب کرلیا، جج نے پوچھا: جی آپ ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کیوں کرتے ہیں، حضرتؒ نے فرمایا کہ نہیں میں نے تو ان کو مسلمان نہیں کیا یہ تو خود مسلمان ہوئے ہیں، جج نے اصرار کیا کہ نہیں تو نے مسلمان کیا ہے، آخر حضرت نے ہندو تھانے دار کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا: کیا اس کو بھی میں نے مسلمان کیا ہے؟ وہ تھانے دار فورا کلمہ پڑھنے لگا، اب دوسرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ بھی کلمہ پڑھنے لگا، اس طرح وہاں کھڑے ہوئے پانچ ہندوؤں نے کلمہ پڑھ لیا، اب انگریز جج کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں میری طرف اشارہ نہ ہوجائے، چنانچہ اس نے مقدمہ خارج کردیا۔

وہ صاحب تصرف بزرگ ضرور تھے مگر ان کو وہ قبولیت نہ مل سکی جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کو ملی، ان کی وجہ سے سات لاکھ افراد مسلمان ہوئے اور نوے لاکھ افراد ان کے مرید بنے، آج انہیں ''سلطان الہند'' کہا جاتا ہے۔

● ایک مرتبہ ایک انگریز ہندوستان آیا، جب وہ واپس گیا تو اس سے کسی نے پوچھا کہ تو نے ہندوستان میں کیا عجیب چیز دیکھی، اس نے کہا کہ ایک آدمی قبر میں لیٹے ہوئے بھی لوگوں پر حکومت کر رہا ہے۔

رابعہ بصریہ کی قبولیت

کیا رابعہ بصریہؒ کے علاوہ کوئی نیک عورت نہیں گزری؟ بہت سی عارفہ، عابدہ اور عفیفہ عورتیں گزری ہیں مگر رابعہ بصریہؒ کو بہت قبولیت ملی ہے، انہیں اللہ رب العزت سے

بہت محبت تھی، وفات کے بعد کسی کو خواب میں دکھائی دیں، پوچھا: اماں! آگے کیا بنا؟ کہنے لگیں: میرے پاس منکر نکیر آئے اور کہنے لگے: من ربک، تیرا رب کون ہے؟ میں نے ان کو جواب دیا کہ اللہ رب العزت سے جا کر کہو کہ اے اللہ! تیری اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوق ہے اور مجھ بڑھیا کو نہیں بھولا اور میرا تو تیرے سوا کوئی ہے ہی نہیں بھلا میں تجھے کیسے بھول جاؤں گی۔ سبحان اللہ

مولانا حسین احمد مدنیؒ کی قبولیت

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو حرم شریف میں حاضری کا بہت شوق تھا، ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں ان کا جسم تو یہاں ہوتا مگر دل وہاں ہوتا، ان دنوں میں وہ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے ''معلوم نہیں کہ عشاق کیا کر رہے ہوں گے''۔

وہ حجاج کرام کو عشاق کے نام سے یاد کیا کرتے تھے وہ قربانی کے لئے گائے یا بکری خود گھر میں پالتے تھے، وہ خود اسے پانی پلاتے اور چارہ ڈالتے تھے، اللہ تعالی نے ان کے اس شوق کو ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ جب وہ مدینہ منورہ گئے تو اٹھارہ سال تک مواجہہ شریف کے سامنے بیٹھ کر حدیث پاک پڑھانے کا شرف حاصل ہوا، وہاں ان کے پاس عرب وعجم کے مشائخ سبق لینے کے لئے آتے تھے..... سبحان اللہ..... کیسا دوام ملا؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

قدر و منزلت
اور
حوصلہ افزائی

حضرت بشر حافیؒ کی قدر و منزلت

ایک آدمی بشر حافیؒ کے گاؤں کا رہنے والا تھا، ایک دن وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر جا رہا تھا۔ گدھے نے راستے میں لید کر دی، یہ دیکھ کر گدھے کا مالک رونے لگا۔ کسی نے پوچھا: بھئی! رو کیوں رہے ہو؟ کہنے لگا: میں رو اس لیے رہا ہوں کہ میرا دل کہہ رہا ہے کہ بشر حافیؒ فوت ہو گئے ہیں۔ انہوں نے گدھے والے سے پوچھا: تمہیں کیسے پتہ چلا کہ بشر حافی فوت ہو گئے ہیں؟ گدھے والے نے کہا: میں نے ایک چیز نوٹ کی تھی کہ یہ اللہ کا نیک بندہ ننگے پاؤں زمین پر چلتا تھا، میرے گدھے نے جب بھی پیشاب یا لید کرنی ہوتی تھی وہ ہمیشہ سڑک کے کنارے پر جا کر پیشاب اور لید کرتا تھا، راستے کے درمیان میں نہیں کرتا تھا کہ کہیں اللہ کے اس نیک بندے کے پاؤں نہ ناپاک ہو جائیں۔ آج میرے گدھے نے راستے کے درمیان میں لید کر دی تو میں سمجھ گیا کہ اب وہ بندہ دنیا سے چلا گیا ہے جس کی وجہ سے میرا گدھا بھی احتیاط کرتا تھا، چنانچہ جب پتہ کیا تو واقعی لوگ ان کو نہلانے کفنانے کا بندوبست کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی قدر دانی دیکھئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی زمین پر ننگے پاؤں چلنے کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے بھی دلوں میں ڈال دیا کہ راستے میں گندگی نہ پھیلاؤ، ایسا نہ ہو کہ نجاست میرے مقبول بندے کے پاؤں پر لگ جائے۔

کسی نے خود حضرت بشر حافیؒ سے پوچھا: جی! آپ ننگے پاؤں کیوں چلتے ہیں؟ .....اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے.....وہ جواب میں کہنے لگے: جب میں نے سچی توبہ کی اس وقت میرے پاؤں میں کچھ نہیں تھا۔ میں نے قرآن مجید میں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {وَجَعَلنَا الاَرْضَ فِرَاشًا} ''اور ہم نے زمین کو فرش بنایا''

اب جس زمین کو شہنشاہِ حقیقی نے فرش بنایا اس فرش پر جوتے کے ساتھ چلتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے۔ میں اللہ کے بنائے ہوئے فرش پر جوتے کے ساتھ کیسے چلوں۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا۔ یہ وہ برگزیدہ ہستی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچا، جن کے لیے محبوب نے اپنی طرف آنے کا راستہ ہموار کر دیا۔

اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

زهـــــــد
و
استغـــنـــــاء

اللہ اللہ اللہ

شیخ الہندؒ کا استغناء

حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسنؒ کے دل میں امراء سے حد درجہ بعد پایا جاتا تھا، جب تک کوئی امیر پاس بیٹھا رہتا اس وقت تک حضرت کے قلب پر انقباض رہتا، ایک صاحب امیر شاہ خان صاحب راوی ہیں کہ میں نواب یوسف علی خان صاحب کو بعض بزرگون کی طرف متوجہ کرتا اور انہیں ترغیب دیتا لیکن ان کا میلان حضرت شیخ الہندؒ ہی کی طرف ہوتا تھا، ایک دن میں نے ان سے پوچھ لیا کہ میں آپ کو بعض مشائخ کی طرف متوجہ کرتا ہوں لیکن آپ حضرت شیخ الہندؒ کی طرف ہی رغبت رکھتے ہیں اس کی کیا وجہ؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں جب اور جگہوں پر جاتا ہوں تو وہ میرے جانے سے بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں اور میری بہت خاطر مدارات کرتے ہیں اور جب حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں جاتا ہوں تو مولانا مجھ سے طبعاً ایسی نفرت کرتے ہیں جیسے کسی سے بدبو آرہی ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کے یہاں خالص دین ہے دنیا بالکل نہیں ہے اس وجہ سے میں مولانا کا زیادہ معتقد ہوں۔

حضرت سہارنپوریؒ کا استغناء

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ایک مرتبہ حج پر جانے لگے تو بمبئی کے ایک سیٹھ صاحب نے اپنے کسی ملازم کے ہاتھ آپ کی خدمت میں سو(۱۰۰) روپے بھیجے، ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ مجھے چونکہ حاضری کی فرصت نہیں اسلئے کسی کے ہاتھ بھیج رہا ہوں قبول فرمائیں، آپ نے یہ کہہ کر واپس بھجوادیا کہ بحمداللہ مجھے ضرورت نہیں ہے، آخر وہ خود آیا اور معذرت کی تب آپنے قبول فرمالیا۔

اگر کسی غریب کا ہدیہ ہوتا تو اس کی آپ بڑی تعظیم فرماتے تھے اور ایسے قبول کرتے تھے جیسے آپ اسکے محتاج ہیں، ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو ٹوپی پیش کی جو شاید آٹھ آنے کی بھی نہ ہوگی، آپ نے مسکرا کر قبول کی اور اسی وقت اس کو پہن لیا۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا استغناء

حضرت اقدس تھانویؒ سے ایک نواب صاحب بیعت ہوگئے، بڑے مال پیسے والے تھے، اس دور میں جب استاذ کی تنخواہ پانچ روپئے ماہانہ ہوا کرتی تھی، اس نے حضرت کو ایک لاکھ روپے بھجوائے، حضرت نے اس کے خط کی تحریر سے محسوس کیا کہ یہ تو احسان جتلا کر پیش کررہا ہے، حضرت نے منی آڈر واپس کردیا، جب منی

آڈر واپس گیا تو وہ سٹپٹا گیا، اس نے پھر خط لکھا، کہنے لگا: حضرت! میں نے بیعت ہوکر آپ کو ایک لاکھ روپیہ ہدیہ پیش کیا آپ کو ایسا مرید اور کہیں نہیں ملے گا، حضرت نے خط پڑھا اور جواب میں لکھا کہ اگر مجھے تجھ جیسا مرید نہیں ملے گا تو تجھے بھی مجھ جیسا پیر نہیں ملے گا جو تیرے لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

زرق خداوندی
اور
جـــود وسخا

بلوں سے رزق کا انتظام

ایک صحابیؓ تقاضے کے لئے ویرانے میں گئے، ابھی وہ قضائے حاجت سے فارغ ہورہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ زمین میں چوہے کا سوراخ تھا، اس سوراخ کو بل کہتے ہیں، اس بل میں سے ایک چوہا نکلا، اس کے منہ میں ایک دینار تھا، اس نے وہ دینار باہر ہی چھوڑ دیا، پھر وہ اندر گیا اور دوسرا دینار لے کر آیا، پھر تیسرا دینار، جب وہ فارغ ہوکر اٹھے تو وہ اٹھارہ دینار باہر لا چکا تھا، اس صحابی نے وہ دینار اٹھالئے۔

صحابہؓ کی ایک قابل تحسین عادت یہ ہوتی تھی کہ جب بھی ان کو کوئی نئی بات پیش آتی تو وہ اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے، انہوں نے وہ دینار لاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردئے اور پوچھا اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ واقعہ پیش آیا ہے، اب بتایئے کہ میں ان دیناروں کا کیا کروں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ اصل میں تمہارا رزق ہے، اللہ تعالی نے تمہیں یہ پہنچانے کا بندوبست کردیا، اب تم اسے استعمال میں لے آؤ۔

ابوداؤد ۳۰۸۹-ابن ماجہ ۲۵۰۸-السنن الکبری للبیہقی ۷۴۴۰

پردۂ غیب سے کھانے کا انتظام

حضرت امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جب قبیلہ اشعریین کے لوگ ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تو ان کا زادۂ راہ ختم ہوچکا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام فرمادیں، وہ آدمی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر پہنچا تو اندر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی تلاوت کی آواز آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

(وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (ھود آیت ۶)

یہ آیت سنتے ہی اس کے دل میں خیال آیا کہ جب اللہ نے ہر ذی روح شئی کا رزق اپنے ذمہ لے لیا ہے تو پھر ہم بھی اللہ کے نزدیک دوسرے جانوروں سے گئے گزرے نہیں ہیں، وہ ضرور ہمارے لئے بھی رزق کا بندوبست فرمادیں گے، چنانچہ وہ وہیں سے واپس آ گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہ بتایا، لیکن واپس جا کر اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ خوش ہو جاؤ تمہارے لئے اللہ کی مدد آ رہی ہے اس کے ساتھیوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ اس نے اپنی حاجت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کر دی ہے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظام کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے، وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے۔

وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ دو آدمی ایک بڑا سا برتن لے کر آئے جو گوشت اور روٹیوں سے بھرا ہوا تھا، وہ دونوں آدمی کھانا دے کر چلے گئے، انہوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا، لیکن ابھی بہت سا کھانا بچ گیا، انہوں نے سوچا کہ یہ بچا ہوا کھانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس بھیج دیا جائے تا کہ ضرورت کے وقت استعمال ہو سکے، چنانچہ دو آدمی کھانا لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے، اسکے بعد وہ سب حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا بھیجا ہوا کھانا بہت مزے دار تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو کوئی کھانا نہیں بھیجا، تب انہوں نے تفصیل بتائی کہ ہم نے اپنے فلاں ساتھی کو آپ کی طرف بھیجا تھا اور اس نے ہمیں آ کر یہ بتایا تھا، چنانچہ ہم یہی سمجھے کہ آپ نے بھیجا ہے، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ میں نے نہیں بلکہ اس پروردگار نے آپ کا رزق بھیجا ہے جس نے ہر ذی روح شئے کا رزق اپنے ذمہ لیا ہے۔.....اللہ اکبر!!!

(تفسیر القرطبی ۹/۷)

والدین کی خدمت پر رزق کی وسعت

ایک نوجوان نے اپنے ماں باپ کی بہت خدمت کی، جب والدین فوت ہو گئے تو کچھ دنوں نے کے بعد خواب میں ایک آدمی کو دیکھا، اس نے کہا تم نے والدین کی بڑی خدمت کی ہے، اب تجھے انعام ملے گا، فلاں پتھر کے نیچے سو دینار پڑے ہیں جا کر اٹھالو، وہ نوجوان سمجھدار تھا، اس نے پوچھا: کیا ان میں برکت بھی ہوگی؟ اس نے جواب دیا اس میں برکت نہیں ہوگی، اس نے کہا: پھر میں نہیں اٹھاتا، جب صبح کو اٹھ کر بیوی کو بتایا تو وہ کہنے لگی :ٹھیک ہے تم نہ لینا لیکن جا کر دیکھو تو سہی کہ دینار پڑے بھی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: جب لینے نہیں تو پھر میں جا کر دیکھتا بھی نہیں، دوسری رات پھر اسے خواب میں کہا گیا کہ فلاں جگہ پر دس دینار پڑے ہیں اٹھالو! اس نے پھر وہی سوال کیا کہ کیا ان میں برکت ہوگی؟ جواب ملا کی برکت نہیں ہوگی، اس نے کہا: میں یہ دس دینار بھی نہیں لیتا، جب بیوی کو بتایا تو وہ کہنے لگی کہ پہلے سو دینار تو چھوڑ دئے تھے، اب دس رہ گئے ہیں وہ تو اٹھالو، اس نے جواب دیا کہ جب ان میں برکت نہیں تو پھر میں بھی نہیں لیتا، تیسری رات پھر اسی طرح خواب آیا، اسے کہا گیا کہ تو نے اپنے والدین کو خدمت کر کے خوش کر دیا تھا، اس کے صلے میں ہم آپ کو ایک دینار دیتے ہیں، اس نے پوچھا: اس میں برکت ہوگی؟ جواب ملا، ہاں ہوگی، جب وہ نوجوان صبح کو بیدار ہوا تو اس نے اس پتھر کے نیچے سے ایک دینار اٹھالیا، واپسی پر اس کے دل میں خوشی کے جذبات تھے، اس نے سوچا کہ آج میں مچھلی لے جاتا ہوں، اس کے کباب بنا کر کھائیں گے، چنانچہ جب وہ مچھلی لے کر گھر آیا اور بیوی نے اسے کاٹا، تو اس کے اندر سے ایک ایسا قیمتی ہیرا نکلا کہ جب اسے بازار میں جا کر بیچا تو اس بندے کی پوری زندگی کا خرچا نکل آیا۔ {ویرزقه من حیث لا یحتسب} (الطلاق: ۳)

(حیاۃ الحیوان ۷۵۷-حلیۃ الاولیاء ۴/۸-جامع معمر بن راشد ۴/۴۱۹)

اگر دارد برائے دوست دارد

ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کا نام خواجہ احرارؒ تھا، وہ سمرقند میں رہتے تھے، اللہ تعالی نے ان کو اتنا مال دیا کہ ان کے ساتھ ایک قافلہ چلتا تھا اور ان کے گھوڑوں کو باندھنے کے کھونٹے سونے اور چاندی کے بنے ہوتے تھے لیکن ان سب کے باوجود ان میں بے نفسی عروج پر تھی۔

ایک مرتبہ جامیؒ ان سے ملنے گئے، جب انہوں نے وہاں جا کر دیکھا کہ وہاں تو گھوڑے کے کھونٹے بھی سونے اور چاندی کے بنے ہوئے ہیں تو بڑے حیران ہوئے اور دور ہی سے ایک مصرعہ پڑھا:

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

(وہ مرد خدا نہیں ہوتا جو دنیا کو دوست رکھے)

یہ مصرعہ کہہ کر واپس آ گئے اور راستے میں دوپہر کا وقت ہو گیا، انہوں نے ایک مسجد میں تھوڑی دیر کے لئے آرام کیا، تھوڑی دیر کے بعد ان پر غنودگی طاری ہوئی تو دیکھا کہ محشر کا میدان ہے اور نفسا نفسی کا عالم ہے، ایسے وقت میں کچھ لوگ ایسے ہی جوان سے اپنے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں، اب مولانا پھنس گئے، وہ پریشان ہو کر سوچنے لگے کہ میرا کیا بنے گا، اتنے میں انہوں نے خواجہ عبید اللہ احرارؒ کو دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہیں اور ان کے پیچھے بڑی تعداد میں ان کے عقیدت مند ہیں، جب وہ قریب سے گزرے تو انہوں نے پوچھا: مولانا! کیا ہوا؟ کہنے لگے: جی مجھے تو حساب لینے والے گھیر کے کھڑے ہیں اور میں اب بہت پریشان ہوں کہ ان کے حقوق کی ادائیگی کیسے کروں، انہوں نے کہا: اچھا اگر تمہارے پاس کمی ہے تو ہمارے حساب سے ان کا حق ادا کر دیا جائے، یہ بات کہہ کر وہ چلے گئے اور مولانا کی آنکھ کھل گئی۔

اب مولانا کہ دل میں خیال آیا کہ لگتا ہے وہ حضرت دنیا کے ساتھ محبت کرنے

والے نہیں ہے، اس میں ضرور کچھ راز کی بات ہے لہذا مجھے دوبارہ واپس جانا چاہیئے، انشاء اللہ مجھے ضرور فائدہ ہوگا، چنانچہ وہ حضرت کے پاس واپس آگئے، جب وہ آکر ان سے ملے تو اللہ تعالی نے حضرتؒ کے دل میں وہ بات ڈال دی جو یہ کہہ کر گئے تھے، لہذا حضرتؒ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا: مولانا! آپ جو بات کہہ کر گئے تھے، ذرا وہ تو ہمیں سنادو، عرض کیا، حضرت! نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں، حضرت اصرار کرتے ہوئے فرمایا کہ نہیں آپ وہ بات سنادیں، اس پر انہوں نے عرض کیا، حضرت! میں نے یہ کہا تھا:

''نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد''

حضرتؒ نے یہ مصرعہ سن کر شعر مکمل کر دیا اور فرمایا:

''اگر دارد برائے دوست دارد''

(اگر یہ دنیا ہو تو اللہ رب العزت کی رضا کے لئے ہونی چاہئے)

(گلستان قناعت ۵۱۸)

ذریعہ معاش میں عقل کا دخل

ایک صاحب تھے وہ چینی کا بزنس کرتے تھے جتنے میں چینی خریدتے تھے اتنے میں ہی بیچ دیا کرتے تھے، وہ روز کا لاکھ روپیہ کماتے تھے، لوگ بڑے حیران ہوتے تھے کہ یہ خدا کا بندہ اگر سو روپے من خریدتا ہے تو سو روپے من ہی بیچتا ہے پھر اس کو فائدہ کہاں سے ہوتا ہے کچھ سمجھ نہیں آتی، چنانچہ کسی نے پوچھا کہ بھئی آپ کو فائدہ کیسے ہوتا ہے؟ اس نے کہا: جناب! بات یہ ہے کہ میں روزانہ دس ہزار بوریاں بیچتا ہوں، میں جب خریدتا ہوں تو بوری میں خریدتا ہوں اور جب میں بیچتا ہوں تو بوری کے بغیر بیچتا ہوں، چینی میں اسی قیمت پر بیچتا ہوں، لیکن نفع میں مجھے خالی بوری بچ جاتی ہے تو دس ہزار بوری روزانہ بچتی ہے، ایک بوری دس روپے کی بک جاتی ہے، یوں دس ہزار بوریوں کے بدلے مجھے ایک لاکھ روپے کا فائدہ ہو جاتا ہے۔

یہ ہے عقل معاش، عقل نے وہاں سے بھی فائدہ ڈھونڈھ لیا جہاں سے عام آدمی

کو فائدہ محسوس نہیں ہوتا۔

کھانے والے کا سفر .... رزق کی طرف

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کی ایک مرتبہ مجھے لاہور سے خانیوال جانا تھا، میں نے ڈرائیور سے رات کو ہی کہہ دیا کہ تم رات کو اپنی نیند پوری کر لینا اور دن کو یار فریش ہو کر ڈرائیو کرنا، نئی گاڑی تھی، میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنی فائل پڑھنے لگا، ملتان روڈ اس وقت کافی کھلا تھا، چنانچہ ڈرائیور گاڑی کو تیز تیز بھگا رہا تھا، اس نے ایک جگہ پر اچانک بریک لگائی، مجھے ایسا لگا جیسے گاڑی کسی چیز سے ٹکرائی ہے، مگر بچ گئے، میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا، سر! ایک کتا آگے آ گیا تھا، میں نے اسے بچانے کی بڑی کوشش کی لیکن لگتا ہے کہ وہ لگ گیا ہے، میں نے کہا کہ لگتا ہے کہ تم نے رات کو نیند پوری نہیں کی ..... گرمی کے موسم میں صبح کے وقت بھی خوب نیند آتی ہے..... س نے کہا، جی نہیں، میں رات کو سویا تھا، اب ٹھیک ہوں، میں نے اس سے کہا کہ جہاں آگے چائے کا ہوٹل آئے تو تم گاڑی روکنا، وہاں سے میں آپ کو چائے کا ایک کپ پلاؤں گا تا کہ تمہاری آنکھیں کھلیں، یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

وہ ۱۲۰ کیلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی بھگاتا رہا، ۳۵ کیلومیٹر کے بعد ایک ریسٹورنٹ آیا، وہاں اس نے گاڑی روکی، میں نے اس سے کہا کہ جا کر چائے کا کپ پیو، میرے دل میں خیال آیا کہ بالکل نئی گاڑی ہے، پتہ نہیں کہ اس میں کیا چیز لگی ہے، کوئی ڈینٹ بھی پڑا ہوگا، نہ جانے کتنا نقصان ہوا ہے، میں ذرا دیکھوں تو سہی۔

چنانچہ میں نے باہر نکل کر جب آگے کی طرف دیکھا تو حیران ہو گیا کہ گاڑی کے آگے بمپر پر ایک کتا بیٹھا ہوا تھا، میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ یہاں کیسے بیٹھا، تو پھر میرے ذہن میں خیال آیا کہ ادھر ڈرائیور نے بریک لگائی اور ادھر کتے نے چھلانگ لگائی وہ بالکل بمپر کے اوپر آ کر لگا ہوگا اور وہیں بیٹھ گیا اور چونکہ گاڑی چل رہی تھی اس لئے وہ وہی قابو ہو کر

بیٹھ گیا، اب ۳۵ کیلومیٹر کے بعد آ کر گاڑی رکی، جب اس نے مجھے دیکھا کہ کوئی بندہ قریب آ رہا ہے تو وہ بمپر سے نیچے اتر گیا، ہوٹل والوں نے وہاں رات کے کھانے کی بچی ہوئی ہڈیوں کا ڈھیر لگایا ہوا تھا، اس نے وہاں جا کر ہڈیاں کھانا شروع کر دیں۔

میں نے ڈرائیور سے کہا، اب مجھے اصل بات سمجھ میں آئی ہے، اللہ نے اس کتے کا رزق ۳۵ کیلومیٹر دور رکھا ہوا تھا اور اسے لفٹ کی ضرورت تھی، اللہ تعالی نے اسکو گاڑی پر لفٹ عطا کر دی، اور اتنی مسافت پر اسے اپنے رزق تک پہنچا دیا۔

رزق کا سفر.....کھانے والے کی طرف

ہمارے ایک دوست گوجرانوالہ میں رہتے تھے، وہ کوئٹہ میں ملازمت کرتے تھے، انہوں نے اپنے ایک عزیز کی شادی کے سلسلے میں گھر واپس آنا تھا، فلائیٹ میں ابھی دو گھنٹے رہتے تھے، ان کا سات آٹھ سال کا بچہ گھر میں چنے کھا رہا تھا۔۔۔۔بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نئی نئی حرکتیں کرتے رہتے ہیں.....وہ چنے کا ایک دانہ لیتا اور اسے اوپر کی طرف پھینک دیتا اور پھر منہ کے ذریعہ اسے کیچ کرتا، کبھی ادھر پھینک کر کیچ کرتا اور کبھی ادھر پھینک کر کیچ کرتا، وہ اسی طرح کھیل میں لگا ہوا تھا، اللہ کی شان کہ جب ایک دفعہ اس نے دانہ پھینکا تو کیچ کرتے ہوئے منہ کے بجائے ناک میں چلا گیا، اب اس نے جلدی سے ناک میں انگلی ڈالی تو دانہ اور اندر چلا گیا، اس نے چھوٹی بہن کو بلایا اور کہا یہ دانہ نکال دو، اس نے بھی نکالنے کی کوشش میں دانے کو اچھی طرح آگے تک پہنچا دیا، وہ پریشان ہو کر رونے لگا، اس نے اپنی امی کو بتایا تو اس نے کہا کہ تمہارے ابو نے تمہیں کہا تھا کہ تم شرارتیں نہ کیا کرو، اب اپنی شرارت کی سزا بھگتو۔

جب میاں گھر آئے تو بیوی نے کہا کہ بچے کی ناک میں ایک دانہ پھنس گیا ہے اور یہ رو رہا ہے، اسے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں، اس نے بھی یہی کہا کہ اس نے شرارت کی ہے لہذا اب یہ مزہ بھی چکھ لے، اگر میں اسے یہاں کسی ڈاکٹر کے پاس لے گیا تو فلائیٹ

لیٹ ہوجائیگی، آپ اس سے کہیں کہ اگر اتنا وقت پہلے گزار لیا ہے تو دو گھنٹے اور صبر کر لے، میں اسے گوجرانوالہ میں فلاں کزن کے پاس لے جاؤنگا اور وہاں سے یہ نکلوادوں گا، چنانچہ وہ سب جہاز کے ذریعہ لاہور پہنچ گئے اور وہاں سے ایک گھنٹہ بعد گوجرانوالہ پہنچ گئے۔

گھر پہنچنے کے بعد اب وہ سب سے پہلے اپنے کزن کے پاس بچے کو لے گئے، وہ نہار ہے تھے، اور ان کی بیوی نے کہا آپ بیٹھیں اور میں آپ کے لئے چائے بناتی ہوں، سردیوں کا موسم تھا اس نے کہا کہ میں اندر بیٹھنے کے بجائے باغیچے میں ہی بیٹھ جاتا ہوں، چنانچہ وہاں دو کرسیاں پڑی تھیں، وہ وہیں بیٹھ گئے، ڈاکٹر صاحب ابھی نہار ہے تھے اور ان کی بیوی چائے بنارہی تھی، وہاں بیٹھے بیٹھے بچے کو اچانک چھینک آئی، اس زوردار چھینک سے وہ دانہ نیچے زمین پر گرا اور قریب ہی ان کی ایک مرغی پھر رہی تھی، اس مرغی نے لپک کر وہ دانہ کھالیا۔

اصل میں وہ دانہ مرغی کے مقدر میں تھا اور کوئٹہ میں پڑا تھا، اللہ تعالی نے وہ دانہ بچے کی ناک میں ڈال کر گوجرانوالہ میں پہنچادیا۔

جوتے کھا کھا کر کھانا پڑا

دیہات میں کسی مولانا صاحب نے بیان کیا کہ اللہ تعالی بندے کو رزق کھلاتے ہیں، ایک نوجوان نے یہ سن کر دل میں یہ بات ٹھان لی کہ میں نہیں کھاتا، میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالی رزق کس طرح کھلاتے ہیں، چنانچہ اگلے دن اس نے بھوک ہڑتال کردی، لیکن بیچاری ماں تو ماں ہوتی ہے، اس نے پراٹھا بنایا اور سالن کے علاوہ مکھن اور چینی بھی ساتھ رکھ دی، اس نے بیٹے سے کہا: بیٹا! کھالو، بیٹے نے کہا نہیں میں نہیں کھاتا، وہ منت سماجت کرتی رہی لیکن وہ کہتا رہا کہ میں نہیں کھاتا، جب اس نے بار بار کھانے کو کہا تو یہ تنگ آکر گاؤں سے باہر درختوں کے جھنڈ میں جاکر لیٹ گیا اور یہی سوچتا رہا کہ میں دیکھتا

ہوں کہ اللہ تعالی آج مجھے کیسے کھلاتے ہیں، ماں بیچاری پیچھے پیچھے کھانا لے کر گئی اور اسکے قریب رکھ کر واپس آ گئی۔

اب کھانا بھی پڑا تھا اور وہ بھی لیٹا ہوا تھا، جب اسے کھانے کی خوشبو آنے لگی تو وہ وہاں سے اٹھ کر تیس چالیس فٹ کے فاصلے پر لیٹ گیا تا کہ مجھے کھانے کی خوشبو بھی نہ آئے۔

وہاں اردگرد کے کچھ ڈاکو تھے جو اس جگہ پر اکٹھے ہو کر اپنی پلاننگ بناتے تھے کیونکہ انہیں وہ محفوظ جگہ نظر آتی تھی، وہ دوپہر کے وقت آ کر وہاں بیٹھ گئے، اب انکو بھی سالن کی خوشبو آئی تو وہ کہنے لگے، یار لگتا ہے کہ کہیں کھانا پڑا ہوا ہے، ایک نے کہا کہ تلاش کرنا چاہیئے، چنانچہ تلاش کرنے پر انہیں کھانا مل گیا، انہوں نے دیکھا کہ پراٹھا بھی ہے، مکھن بھی ہے اور سالن بھی ہے، ان میں سے ایک کہنے لگا کہ آج موج بن گئی کہ کھانا مل گیا، ان کا جو بڑا تھا وہ بہت ہی ہوشیار آدمی تھا، اس نے کہا: چپ کرو، مت کھانا، مجھے لگتا ہے کہ کسی بندے نے ہمیں مارنے کے لئے اس میں زہر ملائی ہوئی ہے، اور اگر کسی نے ملائی ہے تو دیکھو، وہ کہیں نہ کہیں قریب چھپا ہوا ہوگا، جب انہوں نے ادھر ادھر ڈھونڈھنا شروع کیا تو دیکھا کہ وہ صاحب ایک جگہ لیٹے ہوئے تھے۔

انہوں نے اسے بالوں سے پکڑ لیا اور کہا: او! تم نے اس کھانے میں زہر ملائی ہے؟ اس نے کہا: نہیں میں نے تو نہیں ملائی، انہوں نے کہا: پھر تم نے یہ کھانا یہاں کیوں رکھا ہے؟ لگتا ہے کہ تو ہمارے ساتھ کوئی مکر کر رہا ہے، انہوں نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ اسی کو پہلے کھانا کھلایا جائے، چنانچہ انہوں نے اسے کھانا کھانے کو کہا تو وہ کہنے لگا: جی میں نہیں کھاتا، اب ان کو پکا یقین ہو گیا کہ اس میں زہر ہے، انہوں نے پھر کہا کہ پہلے کھاؤ، اس نے پھر وہی جواب دیا، ان کے بڑے نے کہا کہ اسے دو جوتے لگاؤ، پھر کھائے گا، لو اب اسے جوتے بھی رسید ہونا شروع ہو گئے، لیکن وہ کھانا کھانے سے انکار ہی کرتا رہا، جب بے حد وحساب جوتے لگنے لگے تو کہنے لگا، جی معاف کر دیں، میں کھاتا ہوں، اس کے بعد اس نے ان کو پورا

واقعہ بھی سنایا اور ان کے ساتھ مل کر روٹی بھی کھائی، پھر انہوں نے اسے چھوڑ دیا، جب اس کی اچھی خاصی مرمت ہوئی تو اس کے جسم پر جوتوں کے نشان پڑ گئے اور بے چارہ درد وں کے ساتھ گھر واپس آیا، ماں اس کی یہ حالت دیکھ کر خاموش ہوگئی۔

اب اسے اگلے جمعہ کا انتظار تھا، اگلے جمعہ کے دن مولانا صاحب نے پھر تقریر کی کہ اللہ تعالی ہر حال میں انسان کا رزق پہنچاتے ہیں، جب وہ بیان اور نماز کے بعد فارغ ہوئے تو یہ مولانا صاحب کے پاس جا کر کہنے لگا: مولانا! آپ ادھورے مسئلے بیان نہ کیا کریں، انہوں نے کہا: میں تو پورے مسئلے بیان کرتا ہوں، آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ وہ کہنے لگا کہ آپ نے پچھلی دفعہ کہا تھا کہ جس کا رزق ہو اللہ تعالی اس کو پہنچا کے رہتے ہیں، انہوں نے کہا: ہاں یہ پوری بات تو ہے، وہ کہنے لگا: جی نہیں، یہ پوری بات نہیں ہے، پورا مسئلہ یہ ہے کہ جس کا رزق ہو اللہ تعالی اس کو پہنچا کے رہتے ہیں اور جو رزق نہ کھانا چاہے، اللہ تعالی اس کو جوتے مار مار کر کھلاتے ہیں۔

اللہ پر یقین کرنے کا انعام

ہمارے ایک دوست ہیں، وہ کاروبار کرتے ہیں اور کروڑوں پتی آدمی ہے، وہ کہنے لگے کہ میں نوکری کرتا تھا، ریٹائرمنٹ کے وقت میرے پاس ایک لاکھ روپیہ تھا، میں نے اس رقم سے کاروبار کرنے کی کوشش کی، لیکن میرا پاٹنر دھوکے سے ایک لاکھ روپیہ بھی لے گیا، اس کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہ بچا، میں بہت پریشان ہوا، بالآخر ایک اللہ والے کے پاس گیا، میں نے ان کو سارا واقعہ سنا کر پوچھا، حضرت! اب میں کیا کروں؟ انہوں نے مجھ سے سوال پوچھا، رزق کون دیتا ہے؟ میں نے کہا، اللہ، انہوں نے فرمایا کہ جب رزق اللہ دیتا ہے تو پھر پریشان کیوں ہو، اللہ تمہیں اب بھی دیگا، البتہ ایک بات ذہن میں رکھ لو کہ دل میں یہ نیت کرلو کہ میں نے کسی کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا، البتہ اگر کوئی میرے ساتھ

برا کریگا تو میں اللہ کے لئے اسے معاف کردونگا، وہ کہنے لگے میں نے دل میں یہ نیت کرلی اور معمولی سا کام کرنا شروع کردیا، میرے مولا نے اتنی برکت دی کہ دس سال گزرنے سے پہلے اللہ نے مجھے کروڑوں پتی بنادیا۔

نوٹوں سے بھرا سوٹ کیس

حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقیؒ نے خانیوال میں مسجد بنوائی، یہ مسجد پورے شہر کی سب سے بڑی مسجد ہے، لوگوں نے اسکا نام ''بے چندہ مسجد'' رکھا، کیونکہ حضرتؒ نے کبھی اس مسجد کے لئے چندہ بھی نہیں کیا تھا، یہ مسجد بہت ہی عالیشان ہے۔

والدہ صاحبہ نے یہ بات سنائی (کتابوں میں بھی مرقوم ہے) کہ ایک مرتبہ حضرتؒ کام کرنے والے لوگوں کی تنخواہیں نہ دے پائے..... پھر اللہ تعالی بھی کام کرنے والے، صابر، شاکر، محبت کرنے والے اور مجاہدے کرنے والے دے دیتے ہیں، حضرتؒ نے مزدوروں اور مستریوں سے یہ طے کررکھا تھا کہ اللہ تعالی ہمیں دیگا تو ہم آپ کو دے دینگے اور اگر پاس نہیں ہوگا تو آپ بھی مانگنا اور ہم بھی اللہ تعالی سے مانگیں گے، چنانچہ اس بات کی بنا پر لوگ کام کرتے تھے، عید الفطر کی آمد آمد تھی، اب حضرتؒ متفکر ہوئے کہ ان حضرات کی چند ماہ سے پیمنٹ رکی ہوئی ہے، آخر عید کے موقع پر بیوی بچوں کے اخراجات ہوتے ہیں، اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم ان کی پیمنٹ کردیتے، چنانچہ آپ دو رکعت پڑھتے اور پھر دعا مانگتے پھر دو رکعت پڑھتے پھر دعا مانگتے۔

ایک دفعہ ایک آدمی حضرتؒ سے ملنے آیا، وہ جاتے ہوئے کہنے لگا، حضرت! میں یہ سوٹ کیس آپ کے لئے ہدیہ لایا ہوں، حضرتؒ نے فرمایا بہت اچھا! آپ یہ سوٹ کیس اس بچے کو دے دیں تاکہ یہ گھر پہنچادے، اس نے وہ سوٹ کیس بچے کو دے دیا، اور اس نے اسے گھر پہنچا دیا، جب وہ گھر لے کر پہنچا تو اس وقت والدہ صاحبہ عورتوں میں بات چیت کرنے میں مصروف تھیں، لڑکے نے کہا: حضرت جی نے یہ سوٹ کیس بھیجا ہے، اماجی نے کہا: اچھا اس

کو یہاں اوپر کر کے رکھ دو! چنانچہ اس نے اوپر کر کے رکھ دیا، تین دنوں کے بعد حضرتؒ ایک مرتبہ گھر تشریف لائے اور والدہ صاحبہ نے کہا کہ آپ نے ایک سوٹ کیس بھجوایا تھا، وہ کسی کی اما نت ہے یا اپنا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا: وہ سوٹ کیس کسی نے ہدیہ کے طور پر دیا تھا اور میں نے وہ آپ کی طرف بھجوا دیا تھا، والدہ صاحبہ نے کہا: ذرا اسے اندر سے تو دیکھو کیسا بنا ہوا ہے ؟ چنانچہ انہوں نے اسے اٹھایا تو وہ وزنی تھا، وہ کہنے لگیں: کیا یہ لوہے کا بنا ہوا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ سوٹ کیس لوہے کا تو بنا ہوا نہیں ہوتا، پوچھا: پھر اس میں کیا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا: اسے کھول کر دیکھ لو، اماں جی فرماتی ہیں کہ جب ہم نے اسے کھولا تو ہم حیران ہوئے کہ پورے کا پورا سوٹ کیس ہزار ہزار روپے کے نوٹوں کے ساتھ بھرا ہوا تھا، سبحان اللہ دینے والا بھی اتنا مخلص تھا کہ اس نے احسان بھی نہیں جتلایا اور لینے والے بھی ایسے مستغنی....!!!

کھانے کے چند دانے کی اہمیت

(۱).....حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ایک مرتبہ حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ کے یہاں مہمان ہوئے، کھانے سے فراغت پر مفتی صاحب نے دستر خوان سمیٹنا چاہا، مولانا اصغر حسینؒ نے پوچھا: کیا کرنا چاہتے ہیں؟ بتایا کہ دستر خوان جھاڑوں گا، پوچھا: دستر خوان جھاڑنا آتا بھی ہے؟ مفتی صاحب حیران ہوئے کہ اس میں جاننے والی کونسی بات ہے، لہٰذا یوں پوچھا کہ آپ بتا دیجئے کیسے جھاڑتے ہیں؟ فرمایا: یہ بھی ایک فن ہے، پھر ہڈیوں کو، گوشت لگی بوٹیوں کو، روٹی کے ٹکڑوں کو اور چھوٹے ذرات کو الگ الگ کیا، پھر ہڈیوں کو ایسی جگہ پھینکا جہاں کتے کھا سکیں، گوشت لگی بوٹیوں کو ایسی جگہ پھینکا جہاں بلی کھا سکے، روٹی کے ٹکڑوں کو دیوار پر رکھ دیا تا کہ پرندے کھا سکیں، چھوٹے چھوٹے ذرات کو ایسی جگہ ڈالا جہاں چیونٹیوں کا بل قریب تھا، پھر فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہونا چاہئے۔

(۲).....حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہاں ایک عالم مہمان ہوئے، تو انہوں نے کھانے میں پھل پیش کئے، فراغت پر اس عالم نے کہا: حضرت! پھلوں کے چھلکے میں باہر پھینک دیتا ہوں، پوچھا: پھینکنے آتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اسمیں آنے والی بات کیا ہے؟ فرمایا: میرے پڑوس میں غرباء رہتے ہیں، اگر سب چھلکے ایک جگہ پھینک دیئے تو انہیں دیکھ کر حسرت ہوگی، پس تھوڑے تھوڑے چھلکے اس طرح متعدد جگہوں پر پھینک دیئے کہ دیکھنے والوں کو احساس بھی نہ ہو۔

(۳).....حضرت اقدس تھانویؒ ایک مرتبہ بیمار ہوئے، تو آپ کے لئے دودھ لایا گیا، آپ نے نوش فرمایا اور تھوڑا سا بچا ہوا دودھ سرہانے رکھ دیا، اس دوران آپ کی آنکھ لگ گئی، جب بیدار ہوئے تو گلاس اپنی جگہ سے غائب پایا، خادم سے پوچھا کہ اس بچے ہوئے دودھ کا کیا معاملہ بنا؟ اسنے کہا: حضرت! ایک گھونٹ ہی تو تھا وہ پھینک دیا، آپ بہت ناراض ہوئے، فرمایا: تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری کی، خود ہی پی لیتے یا طوطے بلی وغیرہ کو پلا دیتے تا کہ مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا، پھر ایک اصول سمجھایا کہ جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے اس کی تھوڑی مقدار کی قدر اور تعظیم اس کے ذمے واجب ہوتی ہے۔

اصلاحی واقعات ۹۱

مہمان کے کھانے میں اسراف نہیں

حضرت ابراہیمؒ نے سفیان ثوریؒ اور ان کے اصحاب کو دعوت دی اور بڑی مقدار میں کھانا پیش کیا، انہوں نے کہا: اے ابواسحاق! آپ ڈرتے نہیں، کیا اس قدر میں اسراف نہیں ہوجائیگا؟ آپ نے فرمایا کہ مہمان کے کھانے میں اسراف نہیں ہوتا۔

مہمان نوازی کی مثال

(۱).....حضرت اعمشؒ نے ابووائلؒ سے روایت کیا، فرمایا: میں اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ حضرت سلمانؓ کی ملاقات کے لئے گیا، انہوں نے ہمارے سامنے جو کی روٹی اور پسا ہوا نمک رکھا، میرے ساتھی نے کہا کہ اگر نمک کے ساتھ پودینہ بھی ہوتا تو خوب ہوتا، حضرت سلمانؓ باہر تشریف لائے اور لوٹا رہن رکھ کر پودینہ خرید لائے، جب ہم کھا چکے تو میرے ساتھی نے کہا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ جس نے ہمیں جو روزی دی اس پر قناعت عطا کی، حضرت سلمانؓ نے فرمایا ''اگر تو دی ہوئی روزی پر قناعت کرتا تو مجھے لوٹا گروی نہ رکھنا پڑتا''۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ۳/ ۵۲۰-تاریخ جرجان ۱۶۱-مختصر تاریخ دمشق ۳/ ۳۴۵)

ایک روایت میں ہے کہ مہمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ اس کا دل تنگ ہوجائے۔ (بخاری)

(۲).....امام شافعیؒ ایک مرتبہ زعفرانی کے یہاں مہمان تھے، جمعہ کے روز دونوں نماز کی طرف آنے لگے، تو زعفرانی نے اپنی لونڈی کو رقعہ بنا کر دیا کہ فلاں فلاں کھانا تیار کردو۔

ایک روز امام شافعیؒ نے لونڈی کو بلایا اور رقعہ میں اپنی پسند کے ایک کھانے کا اضافہ کر دیا، جب زعفرانی نے دسترخوان پر نیا کھانا دیکھا تو اسے حیرت ہوئی، لونڈی نے بتایا کہ امام شافعیؒ نے اس رقعہ میں یہ اضافہ کر دیا، اس نے کہا رقعہ لاؤ، جب اس نے امام شافعیؒ کی تحریر دیکھی تو اتنا خوش ہوا کہ لونڈی کو آزاد کر دیا، بغداد کے مغربی حصے میں باب الشعیر کے پاس ''ورب الزعفرانی'' اسی کے نام سے مشہور ہے۔

(ترتیب المدارک ۱/ ۱۴۲)

ہاتھ دھلوایئے

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے ابومعاویہؒ نابینا کو کھانے پر بلایا اور طشتری میں ان کے ہاتھوں پر خود پانی ڈالا، جب فارغ ہوئے تو پوچھا: اے معاویہ! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ہاتھوں پر کس نے پانی ڈالا؟ فرمایا نہیں، کہا: امیر المؤمنین نے، فرمایا: اے امیر المؤمنین! تو نے علم کی عزت وتکریم کی، اللہ تعالیٰ تجھے عزت واکرام بخشے گا، جیسے تو نے علم کی عزت وتکریم کی ہے۔

(احیاء العلوم ۲/۸-عوارف المعارف ۱/۳۳۵-الفخری فی الآداب السلطانیۃ ۷۳)

خلیفہ منصور کا حکیمانہ جواب

ایک مرتبہ شاہ ہند نے خلیفہ منصور کی طرف کچھ تحائف بھیجے، ان کے ہمراہ ایک فلسفی طبیب کو بھی بھیجا، طبیب نے خلیفہ منصور سے کہا، اے امیر المؤمنین! میں آپ کی خدمت میں تین دوائیں پیش کرتا ہوں، یہ دوائیں صرف بادشاہوں کے لئے بنائی جاتی ہیں اور وہ انکی بہت قدر کرتے ہیں۔

منصور نے پوچھا وہ کیا ہیں؟

طبیب نے کہا ''میں آپ کی ریش پر ایسا خضاب لگاؤں گا کہ سیاہی کبھی نہ اتریگی''

خلیفہ نے پوچھا ''دوسری دوا کیا ہے؟''

طبیب نے کہا ''میں آپ کو ایسی دوا دوں گا کہ آپ خوب کھا سکیں گے اور بدہضمی نہ ہوگی''

''خلیفہ منصور نے پوچھا ''تیسری دوا کیا ہے؟''

طبیب نے کہا ''میں آپ کی پشت ایسی مضبوط کر دوں گا کہ آپ جس قدر چاہیں جماع کریں، تھکاوٹ اور کمزوری نہ ہوگی''۔

خلیفہ نے تھوڑی دیر سر نیچے کیا اور پھر سر اٹھا کر کہا:

''میں سمجھتا تھا کہ تم عقلمند ہو، لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے، سیاہ بالوں کی مجھے ضرورت نہیں، بڑھاپا ایک وقار اور ہیبت ہے اور میں اپنے چہرے میں پیدا کئے ہوئے، اللہ کے نور کو سیاہی کی ظلمت سے نہ بدلوں گا، کثرت طعام سے بدن بوجھل ہوتا ہے اور غفلت پیدا ہوتی ہے، رہی عورتوں کی بات تو شہوت جنون کی ایک شاخ ہے، اس کا حد سے زیادہ ہونا برا ہے، پس جہاں سے آیا ہے ناکام ونامراد ہو کر لوٹ جا، مجھے تیری دواؤں کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک مچھلی کی حیرت انگیز خوراک

مگر یہ رزق کا معاملہ عجیب ہے۔ میں اپنی زندگی میں بے شمار جگہوں پر گیا ہوں، میں نے اکثر لوگوں کو اس دنیا کے اندر زیادہ کھاتے ہی دیکھا۔ تو جب اللہ تعالیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں تو ان کا شکر ادا کرنا چاہیے، ایک مچھلی دیکھی اس کا نام تھا بلو ویل، اتنی بڑی مچھلی کہ اس کا وزن روزانہ ایک سو پاؤنڈ بڑھتا ہے، یعنی پچاس کیلو روزانہ بڑھتا ہے، آج کل کے نوجوانوں کے وزن ہی پچاس ساٹھ کیلو یا ستر کیلو ہیں، تو جس مچھلی کا وزن پچاس کیلو روزانہ بڑھتا ہے تو وہ کھاتی کتنا ہوگی؟ اچھا مزے کی بات یہ کہ وہ ایسی چیز کھاتی ہے جسکو ہم دیکھ ہی نہیں سکتے، وہ سمندر کا پانی اپنے اندر لیتی ہے اور اس کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت باریک سی سکرین بنائی ہوئی ہے۔ اس میں سے پانی گزرتا ہے تو پانی میں سمندر کے اندر جو چھوٹے چھوٹے بکٹیریا ہوتے ہیں، آنکھ سے نظر ہی نہیں آتے، وہ چھلنی کی طرح سکرین کے ایک طرف رہ جاتے ہیں اور صاف پانی آگے نکل جاتا ہے یہی بکٹیریا اس کی غذا بنتے ہیں۔ کوئی اندازہ لگا سکتا کہ وہ کھاتی کچھ نہیں، بس ہر وقت پانی اس کے منہ میں آرہا ہے جارہا ہے۔ اور کچھ فلٹر ہو کے جو جھاگ سی بنتی ہے وہ اس کی غذا بن رہی ہے۔ واہ میرے مولا تیری نرالی شان ہے! اور ہر وقت وہ چلتی رہتی ہے، اپنی زندگی میں وہ اتنا چلتی ہے کہ تین مرتبہ وہ

چاند کا چکر لگا کر واپس آسکتی ہے اتنا سفر طے کرتی ہے۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ دیکھو اس کی غذا اللہ نے یہ بنا دی، تو غذا تو بندے کو اللہ تعالیٰ پہونچاتے ہیں۔

پودے کی خوراک

ہم نے ایک ملک میں پھول دیکھا، اس کے اندر شہد کے مانند بہت ہی میٹھا رس تھا، وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ یہ اسی طرح کھلا رہتا ہے اور جب کوئی چڑیا یا کوئی اور پرندہ اس کے رس کو کھانے لگتا ہے تو اس کی پتیاں بند ہوجاتی ہیں اور وہ پرندہ وہیں پر قابو میں آجاتا ہے، پھر گل سڑ جاتا ہے اور اس پرندے سے خوراک لے کر یہ پودہ زندہ رہتا ہے... اللہ اکبر.... تو رب کریم جہاں سے چاہیں بندے کو رزق پہنچاتے ہیں، بندے کو پتہ نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ پہنچا دیتے ہیں، جب کہ بندے کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی نافرمانی کر رہا ہوتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی سخاوت

ایک واقعہ سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کا ہے کہ ایک مرتبہ حسنین کریمین دونوں شہزادے بیمار ہوگئے اور بخار اترتا ہی نہیں تھا تو سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ نے نذر مان لی کہ اللہ! اگر ان کو صحت ہوجائے تو میں تین دن کے روزے رکھوں گی، چنانچہ حضرت علیؓ نے بھی روزے کی نیت کرلی، انہوں نے بھی نیت کرلی، اللہ تعالیٰ کی شان کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں شہزادوں کو، پھولوں کو، بچوں کو، پیاروں کو صحت عطا فرمادی، جب بچے صحت مند ہوگئے تو سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ نے ایک دن روزہ رکھا، جب شام کا وقت ہوا تو سیدنا علیؓ کچھ تھوڑا بہت لائے کہ جو افطاری کے لئے گزارہ تھا، اللہ تعالیٰ کی شان کہ ابھی افطاری کا وقت تھوڑا سا باقی تھا کہ دروازے پر دستک دی، پوچھا: کون؟ جواب ملا کہ میں مدینے کا مسکین ہوں اور میرے

پاس کھانے کو کچھ نہیں، بہت وقت سے بھوکا ہوں اور میں اس دروازے کو دیکھ کر اسلئے آیا ہوں کہ یہاں سے کوئی بندہ خالی نہیں جاتا، چنانچہ فاطمۃ الزہراءؓ نے وہ جو کھانا افطاری کے لئے پڑا تھا اٹھا کر اس مسکین کو دے دیا اور میاں بیوی نے پانی سے ہی افطاری کر لی اور اگلے دن کی سحری بھی پانی سے کر لی، دوسرا دن پھر اسی طرح گزرا سارا دن بھوک پیاس برداشت کی اور اللہ کی شان کہ شام کو پھر تھوڑا بہت افطاری کے لئے جو بن پایا وہ لے آئے تو ابھی افطاری کا وقت ہونے والا تھا، تھوڑی دیر رہ گئی تھی کہ پھر دروازہ کھٹکھٹایا گیا، پوچھا: کون؟ جواب ملا کہ میں یتیم مدینہ ہوں، بھوکا بھی ہوں، سائل ہوں تو فاطمۃ الزہراءؓ نے جو کچھ گھر میں تھا وہ اٹھا کر یتیم کو دے دیا، پھر پانی سے روزہ افطار کیا اور تیسرے دن کا روزہ بھی پانی سے رکھا، تیسرے دن کی بھوک پیاس بھی برداشت کی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تیسرے دن بندے کا کیا حال ہوتا ہے؟ جب افطاری کا وقت آیا تو کچھ چھوٹی موٹی چیز پاس تھی، کھانے کی افطاری سے تھوڑی دیر پہلے دروازے پر دستک ہوئی، پوچھا: کون ؟ تو جواب ملا کہ میں تو اسیر ہوں اور اس دروازے پر آیا ہوں کہ یہاں سے کوئی خالی نہیں جاتا، سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ نے سوچا کہ یہ سائل، اللہ کے نام پر مانگ رہا ہے، میں اللہ کے نام پر مانگنے والے کو خالی نہیں بھیجوں گی، خود بھوکی رہ لوں گی، چنانچہ تیسرے دن بھی انہوں نے وہ اٹھا کر سائل کو دے دیا، اللہ تعالیٰ کو اپنی اس بندی اور بندے کا بھوکا پیاسا رہنا اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیتیں اتار دیں، {ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا} اور وہ اللہ کی محبت میں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ انکی بھوک تو تیسرے دن ختم ہوگئی ہوگی، کھانا کھالیا ہوگا، لیکن جو انعام ملا وہ کتنا بڑا کہ آج بھی ہم قرآن پڑھتے ہیں اور چودہ سو سال بعد بھی ان کی اس عبادت کا قرآن کی زبان میں تذکرہ کر رہے ہوتے ہیں۔

واہ میرے مولا! آپ کتنے قدرداں ہیں، آپ کی محبت میں جو بندہ عمل کرتا ہے آپ اس عمل کو بھی اپنا کلام کا حصہ بنا لیتے ہیں، تو صبر طبیعت میں تھا جس کی وجہ سے تین دن

بھوک پیاس برداشت کر لی اور اللہ کی محبت میں سائل کو سب کچھ دے دیا۔

(تفسیر ابی السعود ۶/ ۴۲۲-تفسیر الکشاف ۴/ ۶۷۰-مفاتیح الغیب ۳۰/ ۴۶۷-تفسیر القرطبی ۱۹/ ۱۳۴)

مصرف کو دیکھ کر حرام کا پتہ

امام مالکؒ کے پاس ایک بندہ آیا؛ کہنے لگا کہ حضرت آپ جو کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے مال کے مصرف سے انکی آمد کا اندازہ لگا لیتے ہیں اسکا کیا مطلب؟ فرمایا اچھا ایسا کرو کہ یہ درہم ہے، اسکو لیکر شہر میں جاؤ، اور جس بندہ کو تم سمجھتے ہو کہ وہ سب سے زیادہ غنی ہے، محتاج نہیں، سائل نہیں، اسکو دے دو، اور پھر دیکھو کہ یہ خرچ کہاں کر رہا ہے، چنانچہ وہ گیا، اس نے شہر میں دیکھا کہ ایک بندہ اسکا لباس بڑا اچھا، اسکا چہرہ بڑا اچھا، ایسے جیسے بڑے شریف کا ہوتا ہے، اور وہ ہاتھ میں تھیلہ لئے جا رہا تھا، اس نے کہا یہ بندہ واقعۃً سائل نہیں ہوسکتا، اس نے اسکو دے دیا، دینے کے بعد وہ اسکے پیچھے لگ گیا، اس نے عجیب بات دیکھی کہ وہ بندہ ایک گلی میں مڑا اور تھیلہ گلی میں پھینک کر ایک دکان کے اندر گیا، وہاں سے سودا خرید کر گھر کے اندر لے گیا، اس نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، اس نے کہا میں آپ سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں، آپ مجھے صورتِ حال اور اسکی حقیقت بتائیں، اس نے کہا دیکھو، میں سادات میں سے ہوں، میرے گھر میں تین دن سے فاقہ چل رہا ہے، گھر کے بچے اس وقت فاقہ کی وجہ سے مرنے کی حالت میں پہنچ گئے ہیں، میں اپنی کسی بیماری کی وجہ سے مشقت کے قابل نہیں، نہ ہم کسی سے کچھ مانگ سکتے ہیں، تو آج بچوں کو اس فاقہ کی حالت میں دیکھ کر، تڑپتا دیکھ کر اٹھا اور میں نے باہر ایک مردہ بکری کو دیکھا تو میں نے سوچا کہ چلو میں اسکا گوشت لے جاتا ہوں میرے بچوں کے لئے اس اضطرار کی حالت میں حلال ہے، میں نے بکری کی ران کاٹی اور لے کر جا رہا تھا کہ آپ نے مجھے پیسے دے دیئے، اب میرے لئے اسکا استعمال کرنا حرام ہوگیا، میں نے اسکو پھینک دیا، دکان سے یہ چیزیں خریدیں اور گھر والوں کو دیں کہ ایک صاحب نے مجھے ہدیہ دیا ہے، چنانچہ جو

پیسہ آپ نے دیا وہ سید گھرانے کے بچوں نے اضطرار کی حالت میں استعمال کیا، اس پر وہ حیران ہوگیا، آکر حضرت کو بتایا۔

حضرت نے فرمایا اب اپنا پیسہ نکال لو اور جس کو سب سے زیادہ محتاج سمجھتے ہو اسکو جا کر دو، پھر دیکھو وہ کیا کرتا ہے، چنانچہ وہ پیسہ لیکر نکلا، اس نے بازار میں ایک بندے کو دیکھا جو ذرا لنگڑا بھی تھا اور فقیر بنا ہوا تھا، چنانچہ اس نے سوچا کہ یہ معذور بھی ہے، فقیر بھی ہے، اس کو پیسہ دیتا ہوں، پیسہ اسکو دے دیا، اسکے بعد اسکے پیچھے چلنے لگا، دیکھا کہ وہ سیدھا ایک ایسی دکان پر گیا جہاں چرس بکا کرتا تھا، اس لنگڑے نے اسی پیسہ سے کچھ چرس خریدا، اسکے بعد وہ لنگڑا نوجوان ایک طوائف کے گھر گیا، اور جو پیسہ اس نے دیا تھا اس سے زنا کا مرتکب ہوا، اس نے اس سے پوچھا کہ تم نے کیا حرکت کی، اس نے کھلم کھلا بتا دیا، اس نے آکر کہا کہ حضرت آپ نے سچ کہا، میرا پیسہ مشتبہ تھا میں نے اپنی طرف سے صحیح بندے کو دیا، لیکن اس نے اسکو گناہ کے کاموں میں استعمال کیا، جبکہ آپ کا پیسہ حلال تھا، میں نے ظاہر میں ایک ایسے بندے کو دیکھا جو غیر مستحق تھا، مگر اللہ نے آپ کے پیسوں کو اچھی جگہ پہنچا دیا، آپ نے فرمایا کہ ہم مال کے مصارف سے مال کی آمد کا اندازہ لگا لیتے ہیں، یہ کدھر سے آرہا ہے، حلال آرہا ہے یا حرام آرہا ہے؟

مہمان کے سامنے بھینسے کا سر

ایک مرتبہ ایک مغل بادشاہ نے ایک ایرانی شہزادے کی دعوت کی۔ جب ایرانی شہزادہ آنے والا تھا تو انہوں نے بڑے خانساماں کو بلا کر کہا کہ ایک ملک کا شہزادہ آرہا ہے، تم اس کے لیے ذرا اچھا سا کھانا بنا دینا۔ یہ میزبان کے لیے عزت و وقار کا مسئلہ ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ میں مہمان کو ایسا کھانا پیش کروں جیسے اس کی عزت یا جیسے میرے دل میں اس کی محبت ہے۔ چنانچہ اس نے کہا: بہت اچھا۔

جب ایرانی شہزادہ اپنے دوستوں کے ہمراہ آ کر بیٹھا تو تھوڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، پھر کھانے کا وقت آیا تو خانساماں کو اشارہ کیا گیا کہ آپ ان کے کھانے کے لیے کچھ لائیے، چنانچہ وہ ایک بڑا سا برتن ڈھکا ہوا لایا۔ اسے اوپر سے خوب سجایا گیا تھا جیسے گفٹ پیک ہوتا ہے، اس نے لا کر اسے ایرانی شہزادے کے سامنے پیش کیا کہ جی اسے قبول کیجیے۔ ایرانی شہزادے نے جب اس کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر ایک بھینسے کا کٹا ہوا سر پڑا تھا اور اس کی گردن میں سے خون بھی نکل رہا تھا۔ انسان جب اس قسم کا منظر دیکھتا ہے تو اس کو کراہت محسوس ہوتی ہے۔ وہ تو شہزادہ تھا اور اس نے اس چیز کو بہت ہی معیوب سمجھا کہ مہمان کے سامنے بھینسے کا کٹا ہوا سر لایا گیا ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہے بھلا؟ جب اس نے ناگواری کا اظہار کیا تو اس مغل بادشاہ نے خانساماں کو بلا کر کہا: آپ نے تو ہماری عزت بنانے کی بجائے الٹا بے عزتی کروادی، آپ نے تو مہمان کو ناراض کر دیا، ہم نے تو آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ بھینسے کا کٹا ہوا سر سامنے لا کر رکھو، اور سر بھی ایسا کہ اس میں سے خون بھی بہہ رہا ہو۔ ہم نے تو آپ سے کہا تھا کہ مہمان کے لیے کوئی اچھا سا کھانا تیار کر کے لاؤ۔

خانساماں نے جواب میں کہا: جناب! میں نے یہ کھانا ہی تو تیار کیا ہے، کاش اس شہزادے کے اندر اتنی اہلیت ہوتی کہ وہ اس کی پہچان کر سکتا! یہ کھانا ہی ہے۔ آپ ذرا اس کو کہیں کہ وہ اسے ذرا کھا کر دیکھے۔ جب شہزادے نے اس کو ذرا قریب کر کے دیکھا تو وہ دراصل مختلف کھانے بنے ہوئے تھے۔ آنکھیں اور ذائقے کی تھیں، سر اور ذائقے کا تھا، دانتوں میں اور قسم کا ذائقہ تھا اور جس کو وہ خون سمجھ رہا تھا وہ مشروب اور ذائقے کا تھا۔ اب جب ایرانی شہزادے نے اس کو کھانا شروع کر دیا تو وہ واقعی اس خانسامان کی فنی مہارت کا قائل ہو گیا کہ انسان ایسی حیرت انگیز چیز بھی بنا سکتا ہے!

تاریخی عمارتیں دسترخوان پر

بمبئی کا ایک تاجر تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ایک وائسرائے کی چائے کی دعوت کی۔ اس نے اس دعوت کے لیے ایک کمپنی کو ٹھیکہ دیا کہ اس کے لیے انتظامات کرو۔ انہوں نے بڑے عالیشان سائبان لگائے، ٹینٹ لگائے اور جگہ بنائی۔ جب مہمان وہاں آئے تو انہوں نے ان کے سامنے ایک میز پر سے کپڑا ہٹایا تو اس کے اندر مختلف عمارتیں بنی ہوئی تھیں: تاج محل بنا ہوا تھا، دہلی کی مسجد بنی ہوئی تھی، لال قلعہ بنا ہوا تھا، گلشن آرا بیگم کا باغ بنا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا: جی ٹھیک ہے، ہم نے اسے دیکھ لیا ہے، تم لوگوں نے یہ چیزیں بہت اچھی بنائی ہیں مگر ہمارے پاس وقت کی کمی ہے، ہمیں واپس بھی جانا ہے، آپ لوگوں نے کہا تھا کہ چائے پلائیں گے، چنانچہ اب آپ چائے کا انتظام کریں۔ یہ سن کر کمپنی کے مینجر نے کہا کہ جناب! ہم نے یہ آپ کے لیے چائے کا ہی انتظام کیا ہے، اس کو ذرا غور سے دیکھیں، یہ دیکھنے میں تاج محل ہے مگر کھانے میں بہترین قسم کا بسکٹ ہے۔ اب جب انہوں نے آگے بڑھ کر کھانا شروع کر دیا تو میناروں میں ذائقہ الگ ہے، دروازوں میں ذائقہ الگ ہے۔ وہ دراصل مٹھائی تھی جو انہوں نے اس انداز میں پیش کی۔ چنانچہ وہ سب لوگ اس پر جھپٹ پڑے اور انہوں نے تھوڑی دیر میں تاج محل بھی کھالیا، لال قلعہ بھی کھالیا، مسجد بھی کھالی اور باغ بھی کھالیا۔

جب انہوں نے سب کچھ کھالیا تو انہوں نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ تم نے اتنا میٹھا سامنے رکھ دیا، کچھ تو نمکین بھی رکھا ہوتا۔ اس نے کہا کہ جناب! جو نیچے ٹرے ہے وہ نمکین کھانے کی بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ ٹرے بھی کھالی۔

حیران کن سلاد

ایک مرتبہ ہمارے ایک قریبی دوست نے دعوت کی۔ ایک خانساماں نے عورتوں کی طرف بھی کھانا بھجوایا۔ وہ افسروں کی بیویاں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے پیغام آیا کہ کھانا تو سارا آ گیا ہے لیکن سلاد ہی نہیں آیا۔ تو اس خانساماں نے پیغام بھجوایا کہ بیگمات سے کہو کہ تمہاری تو عمر گزر گئی ہے کھانا پکاتے ہوئے، یہ درمیان میں تمہیں جو سویٹ ڈش کی طرح پھل نظر آ رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں ہم نے سلاد بنایا ہوا ہے۔ اس نے سلاد کو اس طرح کاٹا تھا کہ وہ انسان کو دیکھنے میں کوئی شوپیس نظر آتا تھا اور عورتیں باوجود اپنی نفاست پسندی کے اس کو ہاتھ ہی نہیں لگا رہی تھیں کہ یہ تو دیکھنے کے لیے کوئی ماڈل سامنے رکھا ہوا ہے۔ وہ کوئی ماڈل نہیں تھا بلکہ اس نے سلاد کاٹ کر رکھا ہوا تھا۔ پھر جب عورتوں نے کھانا شروع کیا تو انہوں نے مان لیا کہ اس شخص کو اپنے فن میں بڑا تجربہ حاصل ہے۔

غور کیجیے کہ شیر اور چیتے ساری زندگی کچا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کے اندر عقل نہیں ہے کہ وہ گوشت کے ساتھ سبزی ملا کر کھالیں۔ اس کو بھون کر کھالیں یا گوشت کو سوپ بنا کر پی لیں۔ اس کے برعکس انسان کو دیکھیں، گوشت کی کتنی ڈشز بنالیتا ہے! عورتیں کھانے کے ساتھ تو سویٹ ڈشز بھی بنالیتی ہیں۔

اللہ اللہ اللہ

اللہ اللہ اللہ

خـــوف وخشیـت
اور
تـــوبه ومغفـــرت

چھ عورتوں کو جہنم میں دیکھنے پر خوف

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ اپنے گھر تشریف لے گئے اور فاطمۃ الزہراءؓ کو بتایا، فاطمہ! تین دن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر عجیب کیفیت طاری ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور فورا واپس چلے جاتے ہیں، کسی سے گفتگو نہیں کرتے، گھر جا کر بھی مصلے کے اوپر رہتے ہیں، وہاں بھی کسی سے گفتگو نہیں فرماتے اور مسلسل روتے جارہے ہیں آپ ان کی لاڈلی بیٹی ہیں، لہذا آپ جا کر ان سے پوچھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت سن کر فاطمۃ الزہراءؓ فورا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، جا کر دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم واقعی بہت غم زدہ ہیں۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر بیٹھیں اور عرض کیا، ابا جان!.... **مایبکیک؟** (آپ کس وجہ سے رورہے ہیں؟)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، فاطمہ! مجھے خیال آرہا ہے کہ جب میں نے معراج کی رات جہنم کو دیکھا تو میں نے اس میں کچھ عورتوں کو عذاب پاتے دیکھا، وہ نقشہ اس وقت میرے سامنے ہے، اور اپنی امت کے غم میں رورہا ہوں اور اللہ رب العزت سے اس کی مغفرت مانگ رہا ہوں۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے پوچھا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے جہنم میں کیا دیکھا؟ اس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھے عورتوں کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھا جو اپنی زبان کے ذریعہ لٹکی ہوئی تھی..... آپ دیکھیں کہ زبان کتنی نازک ہوتی ہے، اگر بندہ تھوڑی سی پکڑ کر کھینچے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اور وہ عورت اپنی زبان کے ذریعہ لٹک رہی تھی۔ جیسے قصائی کسی بکرے کے کان میں سوراخ کر کے سر کو کیل کے ساتھ لٹکا دیتے ہیں، اسی طرح وہ پوری عورت جہنم کے اندر اپنی زبان

کے ذریعہ لٹک رہی تھی۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے پوچھا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! وہ عورت کون تھی؟ فرمایا یہ وہ عورت تھی جو دوسروں کی غیبت کرتی تھی، طعنے دیتی تھی، اپنی زبان سے دوسروں کو ایذاء پہونچاتی تھی، یوں اپنی زبان کو غلط استعمال کرتی تھی، اس لئے اللہ تعالی اس کو جہنم کی آگ میں فرائی کر رہے تھے۔ فرائی کرنے والے کیا کرتے ہیں؟ وہ اسی طرح پورے مرغے کو لٹکا دیتے ہیں اور وہ نیچے سے بھونا جارہا ہوتا ہے، اللہ تعالی بھی ایسی عورت کو زبان کے ذریعہ سے لٹکا کر جہنم کی آگ میں بھونیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، فاطمہ! میں نے ایک دوسری عورت کو دیکھا جس کے سینے کے دونوں پستان کے اندر ایک سلاخ ڈالی گئی تھی۔ وہ اس طرح کہ ایک پستان کی ایک طرف سے سلاخ ڈالی گئی تھی اور اس پستان میں سے ہوتی ہوئی دوسرے پستان کے اندر سے گذر گئی تھی اور اس سلاخ کے سہارے اس عورت کو جہنم کی آگ کے اندر لٹکایا گیا تھا۔ اندازہ کریں کہ وہ کتنی تکلیف میں ہوگی۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے پوچھا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! وہ عورت کون تھی؟ فرمایا، وہ زانیہ عورت تھی جو اپنے آپ پر غیر مردوں کو قابو دیتی تھی۔

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری عورت کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے بالوں کے ذریعہ جہنم میں لٹکائی گئی تھی.... بال کتنے نازک ہوتے ہیں، اگر چھوٹا دودھ پیتا بچہ بھی اپنے ماں کے بال پکڑ کر کھینچے تو بعض اوقات ماں کے آنسو بھی نکل آتے ہیں، اتنی تکلیف ہوتی ہے..... اس عورت کو بالوں کے ذریعہ لٹکایا ہوا تھا اور فرمایا کہ اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھول رہا تھا۔ اللہ کی پناہ۔ فاطمۃ الزہراءؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اس عورت کو اس طرح کس وجہ لٹکایا گیا تھا؟ فرمایا وہ بے پردہ گھر سے نکل کر گھومنے والی عورت تھی، اس کی بے پردگی کی وجہ سے اللہ تعالی اس کو یہ سزا دے رہے تھے۔

پھر ایک چوتھی عورت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے

اسے اس حال میں دیکھا کہ اس کے دونوں پیر سینے سے بندھے ہوئے ہیں اور دونوں ہاتھ سر سے باندھے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ عورت تھی جو دنیا میں جنابت اور حیض سے پاک صاف ہونے کا خیال نہیں رکھتی تھی۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے پانچویں عورت کو دیکھا کہ اس کا چہرہ خنزیر کی طرح اور باقی جسم گدھے کی طرح بن گیا تھا۔ وہ عورت ہی تھی لیکن اسکے جسم کی جلد ایسی بن گئی تھی کہ چہرہ خنزیر کی طرح اور باقی جسم گدھے کی طرح لگتا تھا۔ گویا اسکی شکل مسخ کردی گئی تھی اور اس طرح اسکو عذاب ہو رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ وہ عورت تھی جو جھوٹ بولتی تھی، غیبت کرتی تھی، اور چغل خوری کی مرتکب ہوتی تھی۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے چھٹی عورت کو جہنم میں دیکھا کہ اس کی شکل کتے جیسی تھی اور وہ ایسی آواز نکالتی تھی جیسے کوئی کتا بھونک رہا ہوتا ہے۔ آگ اس کے منہ میں داخل ہوتی تھی اور اسکے پاخانہ کی جگہ سے باہر نکل جاتی تھی اور اسکو فرشتے گرز مار رہے تھے، پوچھا گیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے کون سا قصور کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے اندر حسد بہت زیادہ تھا۔

(کتاب الکبائر للذہبی ص: ۱۷۷)

بناوٹی خوف

حضرت معروف کرخیؒ کے زمانے میں ایک شخص بڑا صوفی صافی بنتا تھا ایک مرتبہ جو امام مسجد میں تھے وہ آنہ سکے، کوئی عذر تھا۔ تو لوگوں نے اسے کہا کہ جی آپ نماز پڑھا دیجئے وہ کہنے لگا کہ ابھی میں تو نماز نہیں پڑھاتا، پوچھا کیوں؟ کہنے لگا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ میں نماز شروع کروں اور میری موت آجائے اور نماز مکمل نہیں کرسکوں، لوگوں نے کہا کیا بات ہے! ایسی تکلیف کہ نماز شروع کریں تو یہ خوف ہے کہ موت نہ آجائے اور نماز مکمل نہ

ہو سکے، تو لوگوں نے کہا کہ نہیں آپ پڑھا دیجئے، وہ راضی ہو گیا اور کہنے لگا اچھا میں یہ نماز پڑھا دیتا ہوں، اگلی نماز نہیں پڑھاؤنگا تو بایزید بسطامیؒ نے اسے پکڑ کر گریبان سے پیچھے کیا، فرمایا تو بناوٹی بندہ ہے، ابھی کہہ رہا تھا کہ میرے اوپر اتنا خوف غالب ہے کہ نماز شروع کروں تو پتہ نہیں مکمل بھی کر سکوں گا یا نہیں اور ابھی کہہ رہا ہے کہ اگلی نماز نہیں پڑھاؤنگا، کیا اگلی نماز تک زندہ رہنے کا یقین ہے؟ تو انسان کا عمل دل کی حالت کھول دیتا ہے! یہ بناوٹ چل نہیں سکتی۔ اسی لئے جسم کے اعمال گواہی دیتے ہیں کہ دل کی حالت کیا ہے؟

(اولیاء اللہ کے اخلاق ص:۹۰)

ایک بچہ کا خوف

بہلول دانا فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ گلی سے گزر رہا تھا کہ میں نے کچھ ایسے بچوں کو دیکھا جو کھیل رہے تھے، ان کے قریب ہی کچھ اور بچے موجود تھے مگر ایک بچہ الگ بیٹھا ہوا برابر مغموم اور اداس نظر آ رہا تھا۔ میرے دل میں بات آئی کہ میں اس بچہ کا دل بہلاؤں پتہ نہیں کیوں اداس اور مغموم ہے۔ چنانچہ میں نے اسے پوچھا: بیٹا! تمہیں کیا ہوا؟ تم ان کے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے ہو؟ اس نے میری طرف دیکھ کر کہا چچا جان! (افحسبتم انما خلقنکم عبثا) (النور ۱۱۵) یعنی کیا آپ یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہم بے فائدہ پیدا کئے گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں بچے کی یہ بات سن کر بڑا حیران ہوا۔ چنانچہ میں نے اسے پوچھا: بیٹا! تم ابھی چھوٹے ہو تمہیں ابھی سے اتنا فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کہنے لگا چچا جان! میں اپنے گھر میں دیکھتا ہوں کہ جب میری امی نے آگ جلانی ہوتی ہے تو وہ چولہے کے اندر چھوٹی چھوٹی لکڑیاں پہلے ڈالتی ہے اسی طرح وہ آگ سلگاتی ہے اور جب آگ بھڑک اٹھتی ہے تو پھر بڑی لکڑیوں کی باری آتی ہے، چچا جان! جب میں یہ منظر دیکھتا ہوں تو مجھے قیامت کا دن یاد آ جاتا ہے، ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سلگانے کیلئے

چھوٹے چھوٹے بچوں کو پہلے ڈالیں اور جب آگ بھڑک جائے، تو بڑے انسانوں کی باری بعد میں آئے۔ اللہ اکبر!۔

نوٹ: واقعہ امام زین العابدین کے بچپن کا ہے۔

علمی مضامین ۴۱

پلک کے بال بھیگنے پر مغفرت

ایک روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک وقت ایسا آئیگا کہ جب جہنمیوں کو نکال لیا جائیگا۔ شفاعت کرنے والے شفاعت کرلیں گے۔ حتی کہ اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں رہیگا۔ اس وقت ایک بندہ بڑا پریشان ہوگا کہ میرا تو شفاعت کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے، میں کیسے نکلوں گا۔ اس وقت اس کی پلکوں کا ایک بال ہوگا، وہ بال اللہ رب العزت سے ہم کلامی کرے گا اور کہے گا: اے پروردگار! پوری زندگی میں یہ بندہ ایک مرتبہ تیری محبت میں اور گناہوں سے نادم ہوکر رویا تھا اور اس کی آنکھ سے اتنے آنسو نکلے تھے کہ میں تر ہوگیا تھا، میں بال گواہی دیتا ہوں۔ پروردگار عالم فرشتے کو حکم دینگے کہ ہم نے اس بال کی گواہی قبول کی اعلان کردو کہ ہم نے اس کو جہنم سے نکال کر جنت عطاء کردی۔

سب سے برا سب سے اچھا ہوگیا

ایک آدمی بڑا ہی بدکار تھا.... حضرت موسیٰؑ کے دل میں ایک مرتبہ خیال آیا اور دعا کی: اے اللہ! اس وقت جو بندہ سب سے زیادہ گنہگار ہے اسے دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے؟ اللہ تعالی نے اشارہ فرمادیا.... یہ ایک بدکار بندہ تھا جو ہر وقت جوانی کی مستیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور برائی کے سواء کوئی کام ہی نہیں تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد موسیٰؑ کے دل میں دوبارہ خیال آیا اور دعا کی: اے اللہ! جو تیرا بڑا ہی عبادت گزار بندہ ہے اس کو بھی دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ فلاں جگہ پر ہے۔ جا کر دیکھا تو وہی بندہ تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ بڑے حیران ہوئے اور کہا: پروردگار عالم! یہ تو سب سے زیادہ گنہگار بندہ تھا۔ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ یہ ایک مرتبہ اپنے گھر میں اپنی بیوی کے سامنے تھا۔ کوئی بات ہوئی تو اس کی بیوی نے اس کو کہہ دیا کہ تیرے اعمال تو ایسے ہیں کہ تو تو پکا جہنمی ہے۔ اس نے بیوی کو جواب دیا: ہاں، میں اگرچہ بڑا گنہگار ہوں مگر اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں،، چونکہ اس نے امید والی بات کہی، اس لئے ہماری رحمت جوش میں آئی اور ہم نے اس کے سب گناہوں کو اس کی نیکیوں میں بدل دیا، اس لئے یہ سب سے زیادہ نیکیوں والا بندہ بن گیا۔

نیکوں کے ساتھ حشر کی تمنا

بنی اسرائیل کا ایک آدمی بڑا عبادت گزار تھا اور ایک آدمی بڑا گنہگار تھا۔ جب اس عبادت گزار کو پتہ چلا کہ یہ اتنا گنہگار ہے تو اس کے دل میں اس کے بارے میں نفرت پیدا ہوگئی۔

جب برے آدمی سے حضرت موسیٰؑ کی ملاقات ہوئی تو اس سے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: میرے دل کی تمنا یہ ہے کہ جو یہ نیک بندہ ہے، اللہ تعالی ایسے ہی نیک بندوں کے ساتھ میرا حشر فرمادے۔ اس نیک آدمی کو اس بات کا پتہ چل گیا۔ اس کے دل میں تو یہ بات تھی کہ یہ بڑا برا آدمی ہے۔ پھر اس نیک آدمی سے حضرت موسیٰؑ نے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: جی! بس دعا کردیں کہ اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے ساتھ مجھے اکھٹا نہ کرے۔ اس کے دل میں یہ یقین تھا کہ یہ گنہگار ہے اس لئے جہنم میں جائیگا، لہذا میں اس کے ساتھ اکھٹا نہیں ہونا چاہتا۔

وہ خود پسندی کے باعث یہ بات کر بیٹھا کہ جی دعا کردیں کہ اللہ تعالی قیامت کے دن مجھے اس کے ساتھ اکھٹا نہ کرے۔

اللہ تعالی نے دعا قبول فرمالی، چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو وحی فرمائی کہ آپ اس گنہگار کو جنت

کی بشارت دے دیجئے، اس نے نیکوں کے ساتھ حشر کی تمنا دل میں رکھی اور اس نیک آدمی کو جہنم کی خبر دے دیجئے، اس لئے کہ اس نے دعا مانگی تھی کہ اس کے ساتھ اکھٹا نہ کرنا، اب تو وہ جنت میں ہے اور جنت میں وہ اس کے ساتھ اکھٹا نہیں ہوسکتا، اس اسلئے اس کو جہنم میں بھیجا جائیگا۔

بدکار عورت کی سچی توبہ

بنی اسرائیل میں ایک عورت تھی جو بہت بدکردار تھی، اللہ نے اس کو حسن و جمال خوب دیا تھا اور وہ بدکار بھی انتہاء درجہ کی تھی، پوری بستی کے ساتھ اس کے تعلقات تھے وہ اتنی مالدار ہوگئی کہ اس نے اپنے لئے بڑا محل بنالیا تھا اور ایک تخت بنوایا اور وہ بن سنور کر ملکہ کی طرح تخت پر بیٹھتی تھی اور اسکے ساتھ غلط تعلق رکھنے والے پورے شہر کے امراء تھے اس کی زندگی ایسی ہی گزر رہی تھی۔

ایک مرتبہ کیا ہوا کہ وہ اپنے گھر کا دروازہ کھول کر تخت پر بیٹھی تھی کہ قریب کسی اور بستی کا نوجوان تھا جو نیک تھا، عبادت گزار تھا، وہ ادھر سے گزرا اور گزرتے ہوئے اچانک جو اسکی نظر اٹھی تو اس عورت پر جا پڑی اور اس عورت کی ایسی تصویر اس کے دل میں چھپی کہ وہ آگے تو چلا گیا مگر اسکا دھیان ادھر ہی بھٹک گیا، پھر وہ مراقبہ میں، ذکر میں، تسبیحات میں، تلاوت میں جب بیٹھتا تو اس کا دل ہی نہیں لگتا تھا اسنے روزے بھی رکھے لیکن خیال نہ نکلا، اس نے اپنے آپ کو تکلیف بھی پہونچائی، کئی کئی دن اپنے آپ کو بھوکا پیاسا بھی رکھا، مگر اس کے دل سے خیال نہ نکلا، حتی کہ ایک دن اس نے سوچا کہ جب اس خیال سے میری جان چھوٹتی ہی نہیں تو میں جاتا ہوں، چنانچہ اسکے پاس جو تھوڑا بہت سامان تھا وہ اس نے بیچا اور اسنے اتنے پیسے تیار کئے جتنے سے وہ بدکار عورت اپنے پاس آنے کی اجازت دیتی تھی، وہ اس عورت کے پاس آیا اور اس کو پیسے دے کر اسکے پاس چارپائی پر بیٹھ گیا، بات چیت کرنے لگا، اچانک بات چیت کے دوران اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے نیکوکاری کے اتنے سال گزارے ہیں، آج میرے اللہ مجھے اس غیر محرم کے

ساتھ بیٹھے ہوئے بھی دیکھ رہے ہونگے، بس یہ خیال دل میں آیا تو اللہ کا درد دل پر غالب آ گیا اور نوجوان نے کانپنا شروع کر دیا، عورت اس سے پوچھتی ہے تم کانپ کیوں رہے ہو؟ تمہارا چہرہ کیوں پیلا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ بس میری طبیعت ٹھیک نہیں، اسنے کہا کہ پھر تم جس مقصد کے لئے آئے ہو وہ مقصد پورا کرو اور جاؤ، اس نے کہا: نہیں، وہ بڑی حیران ہوئی کہ آج تک میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا مرد نہیں دیکھا جو میرے قریب اس طرح چارپائی پر آ کر بیٹھے اور پھر برائی کئے بغیر چلا جائے، یہ نوجوان کیسا ہے؟ مگر نوجوان نے کہا: اچھا میں جاتا ہوں، اس نے کہا کہ تم کون ہو؟ کیا ہو؟ اسنے بتایا کہ میں اس نام کا بندہ ہوں اور فلانی بستی کا ہوں اور میرے دل میں یہ خیال آ رہا ہے کہ میں نے اتنی عمر مصلے پر بیٹھ کر گزار دی، آج میرا اللہ مجھے تیرے ساتھ بیٹھے ہوئے بھی تو دیکھ رہا ہے، بس اس کے بعد اس نوجوان کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے اور وہ چل پڑا۔

اب وہ چلا تو اس عورت کو جو تھوڑی دیر کی صحبت اس نوجوان کی نصیب ہو گئی اسکی برکت اس کو مل گئی، چنانچہ عورت کے دل میں خیال آیا کہ یہ کنوارا نوجوان اتنا اللہ سے ڈرتا ہے! جب کہ اس نے گناہ بھی نہیں کیا اور میں تو سارا دن اور ساری رات گناہوں کا مرتکب ہونے والی ہوں، میں تو خدا سے ڈرتی ہی نہیں، اسکے دل میں شرمندگی پیدا ہوئی ندامت آنے لگی کہ کروں تو کیا کروں؟ دل میں خیال آیا کہ اچھا چلتی ہوں اور حضرت موسیٰؑ سے پوچھتی ہوں کہ کیا میرے لئے بھی توبہ کی کوئی صورت بنتی ہے، وہ اپنے گھر سے نکل کھڑی ہوئی، اب اس کو بستی کا ایک ایک بندہ پہچانتا تھا وہ ایسی نامی گرامی چیز تھی، وہ چلی اور جا کر حضرت موسیٰؑ کو جو دیکھا تو وہ اس وقت بنی اسرائیل کے لوگوں کو نصیحت فرما رہے تھے، اس نے کسی آدمی کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ حضرت موسیٰؑ سے جا کر کہو کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں، اب جس کو پیغام دیا وہ بے وقوف تھا، کچھ پیغام پہونچانے والے بھی تو بے وقوف ہوتے ہیں، جسکو ڈھنگ ہی نہیں آتا پیغام پہونچانے کا، اس خدا کے بندے نے سیدھا جا کر سب کے سامنے کہہ دیا کہ حضرت آپ سے فلاں عورت ملنے آئی ہے، حضرت موسیٰؑ نے

نام سنا تو آپ کو بہت جلال آیا کہ لوگ کیا سوچتے ہوں گے کہ ایسی عورت ان سے ملنے کے لئے آئی، ان کا کیا تعلق اس سے؟ حضرت موسیٰؑ نے غصہ میں کہہ دیا کہ اس سے کہو چلی جائے، میں اس سے نہیں ملنا چاہتا، اس بے وقوف نے آکر کہا کہ میں نے بات کہی تو حضرت موسیٰؑ بڑے ناراض ہوئے، وہ تو بڑے خفا ہوئے تم سے، وہ ڈر گئی اس نے کہا کہ میری بدکاریاں ایسی ہیں کہ اللہ مجھ سے پہلے ناراض تھا اور اب اللہ کا نبی بھی مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا، میرے لئے تو اب دنیا میں ٹھکانہ کوئی نہیں، بڑے اداس اور بوجھل قدموں کے ساتھ وہ وہاں سے واپس آئی اور اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے، اب وہ حیران تھی کہ اللہ کے نبیؑ نے بھی میرے ساتھ بات کرنا گوارا نہ کیا، میں اتنی گری ہوئی چیز ہوں کہ وہ بات کرنا بھی نہیں چاہتے، چنانچہ وہ گھر آئی اور اسنے گھر کی کنڈی لگائی اسنے اپنے کسی بڑے سے سنا ہوا تھا کہ بندہ جب اپنے رب کو منانا چاہے تو اسکو چاہئے کہ وہ اس کے سامنے سجدہ کرے، چنانچہ اسے اور کوئی طریقہ آتا نہیں تھا، گھر کی کنڈی لگا کر ایک جگہ اس نے اللہ کے سامنے سجدہ کیا دل سے یہ کہہ رہی ہوگی۔

میں تیرے سامنے جھک رہی ہوں خدا
میرا کوئی نہیں اللہ تیرے سواء

اسے پوری دنیا میں اور کوئی نجات کا راستہ نظر نہیں آتا تھا، پھر اللہ کی شان دیکھئے! اس نے رات گزاری اگلے دن اس کے دل میں خیال آیا کہ میں عورت ذات ہوں، اکیلی مکان میں رہتی ہوں، ایک میری خادمہ ہے تو میں اگر نیت کر بھی لوں تو جتنے لوگوں نے میرے ساتھ بدکاریاں کی ہیں، وہ تو مجھے اس میں نہیں رہنے دینگے، تو بہتر یہ ہے کہ میں اس جگہ کو چھوڑ کر چلی جاؤں تبھی اس نے فیصلہ کرلیا کہ میں یہاں سے چلی جاتی ہوں، اس نے اپنے آپ کو ایک سادہ سے کپڑے میں لپیٹا تاکہ کوئی کپڑوں کو اور حسن وجمال کو نہ دیکھے کہ یہ کون جارہی ہے پھر اس نے سوچا عورت ذات ہوں، کہاں جاؤں؟ دل میں خیال آیا کہ وہ جو نیک نوجوان تھا جس کے دل میں اللہ کا اتنا خوف تھا

کہ وہ اللہ کے ڈر سے کانپ رہا تھا کیوں نہ میں اس نیک بندے کے پاس چلی جاؤں اور اسکی خادمہ بن کر رہ جاؤں، ممکن ہے کہ وہ مجھے نکاح میں ہی قبول کرلے، یہ اس بستی کی طرف چل پڑی، چنانچہ ڈھونڈھتے ہوئے یہ اس بستی میں اسکے گھر پہونچی اور گھر والوں سے کہا کہ میں فلاں بندے سے ملنے کے لئے آئی ہوں، تو انہوں نے کہا کہ اسکا ذکر وعبادت کا معمول ہے اور وہ کمرے سے اتنے بجے نکلتا ہے تم انتظار کرلو، چنانچہ اس نے کہا: بہت اچھا، یہ انتظار میں بیٹھ گئی، جب انتظار کرنے بیٹھی ہوئی تھی تو اچانک اس نوجوان نے دروازہ کھولا اور اسکی نظر اس عورت پر پڑی، یہ سامنے بیٹھی ہوئی تھی، جب نوجوان نے عورت کا چہرہ دیکھا تو اس کو اپنا وہ وقت یاد آ گیا کہ وہ کون سا وقت تھا میں اپنے مصلے کو چھوڑ کر بالآخر اس کی چار پائی پر جا بیٹھا تھا، تو اس نوجوان کے دل پر خوف طاری ہوگیا کہ کہیں یہ میرا ایمان خراب کرنے تو یہاں نہیں آ گئی، میں نے تو اتنی مشکل سے اسکا تصور ذہن سے نکالا تھا، تو نوجوان پر اتنا خوف طاری ہوا کہ وہ وہیں پر گرا اور اسکی جان ہی چلی گئی اب اسکی وفات پر گھر والے بھی رنجیدہ اور اس عورت کو بڑا ہی غم تھا، خیر تین دن کے بعد اس عورت نے اس کے گھر والوں کو بتایا کہ میں تو اس نیت سے آئی تھی، تو انہوں نے کہا اب وہ تو اس دنیا سے چلا گیا اس کا ایک بھائی ہے، اگر تم مناسب سمجھو تو ہم اس سے پوچھ لیتے ہیں، اگر وہ تمہارے ساتھ نکاح کرلے تو تم اسکے ساتھ نکاح کرلو، اس نے کہا ٹھیک ہے، جب بھائی سے پتہ کیا تو اسنے کہا: ٹھیک ہے کہ اگر پہلے یہ ایسی عورت رہی ہے اور اب توبہ کی نیت کرچکی ہے تو میں اس کو اپنے نکاح میں قبول کرلوں گا، چنانچہ اس عورت کا اس کے بھائی کے ساتھ نکاح ہوا اور اس عورت کو اللہ تعالی نے سات بیٹے عطا فرمائے اور وہ ساتوں بیٹے بنی اسرائیل کے اولیاء میں سے گزرے، ایسی بدکار عورت بھی اگر توبہ کرتی ہے تو اللہ تعالی اسے سات ولیوں کی ماں بنا دیتے ہیں، وہ مولی کتنا کریم ہے۔

(درۃ الناصحین ص: ۲۰۵ - کتاب التوابین ۴۵ - سیلاب مغفرت ۱۱۹)

مالک بن دینار کی توبہ کا سبب

چنانچہ ایک بزرگ گزرے ہیں مالک بن دینارؒ، پولس کے محکمے میں شروع میں کام کرتے تھے اور شرابی کبابی قسم کے آدمی تھے، ایک بہت خوبصورت باندی انہوں نے خریدی اور اس سے ان کو بڑی محبت تھی، اس باندی سے ان کی ایک بیٹی ہوئی، وہ اپنی ماں سے بھی زیادہ خوبصورت تھی، ان کو اس بیٹی سے بہت پیار تھا یہ اکثر اس بیٹی کو اپنی گود میں اٹھائے رکھتے اور وہ بچی ان سے کھیلتی، ان سے باتیں کرتی، جب وہ دو سال کی ہوگئی، یہ جب بھی اسے لے کر گود میں بیٹھتے اور شراب پینے لگتے تو وہ گلاس ان کے ہاتھ سے لے کر گرا دیتی، کبھی ان کی داڑھی کے ساتھ کھیلتی مگر یہ اس کو کچھ نہ کہتے، اللہ کی شان کہ کسی بیماری کی وجہ سے دو سال کی عمر میں اس بچی کی وفات ہوگئی ان کے دل پر بڑا صدمہ ہوا، کئی دن مغموم رہے، ایک دن سوئے ہوئے تھے کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ قیامت کا دن ہے، ایک زوردار دھماکہ ہوا، جب انہوں نے دیکھا تو ایک بہت بڑا اژدہا ہے جو منہ کھولے ان کی طرف بھاگا چلا آرہا ہے، اب اس اژدہے کو دیکھ کر ان کی حالت بری، یہ پریشان، یہ بھاگنے لگے، بھاگتے جارہے ہیں، اژدہا پیچھے آرہا ہے، راستے میں ان کو ایک کمزور سا آدمی ملا، سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، بوڑھا تھا، انہوں نے اس سے کہا کہ مجھے اژدہے سے بچاؤ! وہ بوڑھا کہنے لگا میں تو کمزور ہوں میں تو بچا نہیں سکتا، البتہ تمہیں آگے یہ پہاڑیاں نظر آرہی ہیں تم ان کی طرف جاؤ! تو شاید بچنے کا کوئی سبب بن جائے، انہوں نے بھاگنا شروع کردیا، اژدہا ان کے پیچھے پیچھے.... ایک پہاڑی کی طرف جو بھاگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ آگے جہنم ہے، قریب تھا کہ یہ پہاڑی کی طرف جاتے تو جہنم میں گر جاتے، یہ وہاں سے پھر واپس بھاگے، جب انہوں نے وہاں سے ٹرن لیا تو اژدہا بھی ان کے پیچھے، اب اژدہا پہلے کی نسبت ان کے قریب ہوگیا تھا اور ان کو محسوس ہوا کہ شاید یہ اژدہا مجھے پکڑ لے گا اور ایک لقمہ بنالیگا، پھر بھاگے بھاگے واپس آئے تو وہی بوڑھا نظر آیا، انہوں نے پھر درخواست کی کہ

مجھے بچا لیجئے! اس نے کہا کہ میں تو کمزور ہوں، میں تو مدد نہیں کرسکتا، البتہ تم اس دوسری پہاڑی پر جاؤ! شاید تمہارے بچنے کی کوئی صورت نکل آئے، یہ دوسری پہاڑی کی طرف بھاگے اب اژدہا بھی تیز بھاگنے لگا، اتنا قریب آ گیا کہ ان کو یہ ڈر ہوا کہ بس اب تھوڑی دیر میں اژدہا مجھے اپنے منہ میں ڈال لیگا، اور اژدہا ایسی آواز نکال رہا تھا اور اتنا بڑا تھا، خوف کے مارے پسینے چھوٹ رہے تھے اور بری حالت تھی، یہ ذرا آگے گئے تو انہوں نے وہاں بہت سے مکانات بنے ہوئے دیکھے، وہاں ایک دربان تھا اس نے ان کو دیکھتے ہی اعلان کیا کہ بچو! باہر نکلو تم میں سے کوئی ہے جو اسکی شفاعت کرنیوالا ہو، تو اس بات کو سنتے ہی دروازے کھل گئے، لاکھوں بچے اس مکان میں سے باہر جھانکنے لگے، تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی دوسال کی بیٹی جو فوت ہوگئی تھی اچانک وہ سامنے آئی، اس نے چھلانگ لگائی اور ان کے قریب آ گئی، اس نے اپنے ہاتھ کا اشارہ جو کیا تو وہ اژدہا پیچھے بھاگ گیا، اب یہ بیٹی کو گود میں لے کر بڑے خوش ہو گئے، کہنے لگے بیٹی تو یہاں کیسے؟ تو بیٹی نے کہا:

{الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ} کیا ایمان والوں کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے ڈر جائیں،، وہ نیک بن جائے ان کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا، کہنے لگے،، بیٹی یہ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگی کہ یہ وہ گھر ہے کہ جب مسلمانوں کے چھوٹے بچے فوت ہوجاتے ہیں وہ یہاں پر پالے جاتے ہیں تا کہ قیامت کے دن وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت کرسکیں، آپ کو جب میں نے دیکھا تو میں آپ کی گود میں آ گئی، انہوں نے کہا کہ یہ اژدھے والا معاملہ کیا ہے؟ تو بچی نے کہا: کہ ابو! یہ اژدھا آپ کے گناہ ہیں جو اتنے زیادہ تھے کہ اتنے بڑے اژدھے کی صورت اختیار کر گئے اور اس بوڑھے کو جو آپ نے دیکھا، وہ آپ کے نیک اعمال ہیں، اگر آپ کے نیک اعمال زیادہ ہوتے تو وہ نوجوان بندے کی شکل میں ہوتا اور آپ کو اژدھے سے بچالیتا، گناہ تھوڑے ہوتے تو اژدھا چھوٹا ہوتا، اب وہ آپ کے نیک اعمال آپ کو بچا تو نہیں سکے مگر انہوں نے رہنمائی کردی کہ آپ

میری طرف آجائیں، چنانچہ اب میں نے آپ کو اژدھے سے بچالیا، تو ابو! اب آپ توبہ کرلیجئے، اللہ سے ڈر جایئے، اس خواب کے پورا ہوتے ہوئے ان کی آنکھ کھل گئی، انہوں نے سچی توبہ کرلی اور پھر اتنے بڑے ولایت کے مقام کو پانے والے بزرگ بن گئے، اللہ تعالی ہمیں بھی آج کی اس محفل میں سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(کتاب الکبائر ۱۹۴-نزہۃ البساتین حکایت ۱۵۱-کتاب التوابین ۲۰۵ لابن قدامہ)

کعب بن مالکؓ کی توبہ

غزوۂ تبوک کے لئے دس ہزار صحابہ جمعرات کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں چلے، تین ہزار صحابہؓ ایسے تھے جو مدینہ منورہ میں ہی رہ گئے، ان میں سے ایک کعب بن مالکؓ تھے، ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا، وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس دو اونٹنیاں تھیں، اس سے پہلے ایسی دو اونٹنیاں کبھی نہیں ہوئی تھیں، اور گھر میں بیویاں بھی تھیں میں نے سوچا کہ میں نے جہاد پر تو جانا ہی ہے، چلو ایک اور دن بھی گھر میں گزار لیتا ہوں، اس طرح گھر والے بھی خوش ہوجائیں گے اور میرے پاس تیز سواری ہے جس کی وجہ سے میں جلدی پہونچ جاؤں گا، بالفاظ دیگر انہوں نے یہ کہا کہ مال وجمال نے مجھے روک لیا، فرماتے ہیں کہ میں آج کل آج کل ہی کرتا رہا اور کہتا رہا کہ میں پہونچ جاؤں گا، مدینہ میں جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے، ان میں سے ایک دو کے علاوہ باقی سب منافقین ہی تھے، میں جانے کے لئے سوچتا ہی رہا، بالآخر پتہ چلا کہ وہ قافلہ واپس آرہا ہے، اب مجھے محسوس ہوا کہ مجھ سے تو بڑی غلطی ہوئی ہے، مجھے تو چلے جانا چاہئے تھا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے تو منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے اپنے عذر پیش کئے کہ ہم اس اس وجہ سے غزوہ میں نہ جاسکے، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قسموں کو سن کر .... ٹھیک ہے، ٹھیک ہے

.....فرماتے رہے۔

میں نے دل میں سوچا کہ میں جھوٹی قسم کھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خاموش کر دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ تو دلوں کی کیفیت کو جانتے ہیں، جھوٹ تو جھوٹ ہوتا ہے، لہٰذا مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلاکم وکاشت سچی بات کہہ دینی چاہئے، چنانچہ میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے سستی ہوگئی ہے، ورنہ میں جلدی بھی نکل سکتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، چونکہ تم نے وضاحت سے بات بتادی ہے اس لئے جب تک ہمیں اوپر سے اشارہ نہیں ہوگا ہم اس بات کا جواب نہیں دیں گے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو بھی فرمادیا کہ تم نے اس بندے سے نہیں بولنا۔

فرماتے ہیں کہ ایک میں تھا اور میرے علاوہ دو ساتھی اور بھی تھے، ایک مرارہ بن ربیعؓ اور دوسرے ہلال بن امیہؓ، ان دونوں کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا، وہ دونوں اپنے اپنے گھروں میں بند ہوکر رہ گئے، لیکن میں آتا جاتا رہا، اس طرح مجھے لوگوں کے ری ایکشن (ردعمل) کا پتہ چلتا رہتا تھا، میں نے ایک دن اپنے کزن ابوقتادہؓ سے بات کرنا چاہی لیکن اس نے مجھے جواب ہی نہ دیا، میں تو اسے اپنا جگری دوست سمجھتا تھا، لیکن اسنے بھی بے رخی کا مظاہرہ کیا، میں نے اس سے کہا، اے ابوقتادہؓ! کیا آپ جانتے ہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں؟ اس نے جواب دیا، اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، اس کا یہ جواب سن کر میں بہت ہی پریشان ہوا کہ اب میرا یہ حال ہے کہ مجھ سے کوئی بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔

میرے دل میں یہ غم تھا کہ اگر اسی حالت میں میری موت آگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازے کی نماز بھی نہیں پڑھیں گے، اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ناراض جائیں گے، اور یہ بھی خسارے سے کم نہیں

تھا، اس غم نے مجھے بے چین کر دیا۔

ایک مصیبت اور آ پڑی کہ یہ بات چلتے چلتے عیسائیوں کے بادشاہ شاہ غسان جبلۃ ابن ایہم تک جا پہونچی، اس نے کسی کے ذریعہ میری طرف ایک خط بھیجا، اس میں اس نے لکھا کہ تمہارے سردار نے تمہیں بہت مشکل میں ڈالا ہوا ہے، لہذا اگر تم میرے پاس آ جاؤ تو میں تمہاری مدد بھی کروں گا اور تمہیں عزت بھی دوں گا، میں نے اس کا وہ خط تو تنور میں پھینک دیا، لیکن مجھے دکھ اس بات کا تھا کہ شیطان کو حملہ کرنے کے لئے میں ہی ملا تھا کہ اب کافر مجھ سے طمع رکھنے لگ گئے ہیں، میں اتنا نیچے گر گیا ہوں اور میری حالت اتنی پتلی ہوگئی کہ کافروں کو مجھ سے اتنی بات کرنے کی جرات ہوگئی، اس کا یہ خط مجھ پر بجلی بن کر گرا۔

بڑی مشکل سے چالیس دن گزرے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام ملا کہ بیوی سے بولنا بھی بند کر دو.... بیوی تو بوڑھاپے کی لاٹھی ہوتی ہے، اس کی جتنی ضرورت جوانی میں ہوتی ہے اس سے زیادہ ضرورت بوڑھاپے میں ہوتی ہے کیونکہ سارے کام وہی سمیٹتی ہے..... جب بیوی سے نہ بولنے کا حکم ہوا تو پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی، میرے دوسرے ساتھی ہلال بن امیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں بوڑھا ہوں اور خدمت کی ضرورت ہے، فرمایا، ہاں تمہاری بیوی تمہارے باقی کام کر سکتی ہے لیکن تم حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکتے، مجھے بھی لوگ کہتے ہیں کہ تم بھی چلے جاؤ لیکن مجھے حجاب محسوس ہوتا ہے کہ میں کیسے جاؤں، میری یہ حالت ہوگئی کہ مجھے زمین کے اوپر سے زمین کے اندر کا زیادہ اچھا محسوس ہونے لگا، زمین اپنی پوری فراخی کے باوجود مجھے تنگ محسوس ہونے لگی۔ حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت (التوبہ ۱۱۸) {حتی کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی}

مجھے اللہ کے سواء کوئی ملجا وماوی نظر نہیں آتا تھا..... یہ ایسے ہی ہوتا ہے کہ آج کل

کے دنیا دار لوگ مہینہ کی ابتداء میں تنخواہ ہاتھ میں لے کر کہتے ہیں،، لوٹ لے موج بہار اور جب بیس پچیس دن گزر جائے اور قرضے چڑھنے لگ جائے تو کہتے ہیں۔

بلالو مدینے والے،، بندے کا یہی حال ہے کہ جب دکھ ہوتا ہے تو اللہ یاد آتے ہیں .... فرماتے ہیں کہ مجھے بھی رہ رہ کر کے خدا یاد آتا تھا کہ اے اللہ! اب میری نظریں تیری ہی رحمت کی منتظر ہیں، میں اللہ کی طرف رجوع کر کے روتا تھا۔

جب پچاس دن گزر گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں تھے، وہیں اللہ رب العزت نے وحی کے ذریعہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری توبہ کی قبولیت کی خوشخبری دے دی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو قبیلہ اوس کے حمزہ بن عمرؓ بھاگ کر میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے آکر بتایا، میں یہ خوشخبری سن کر اتنا خوش ہوا کہ میں نے جو دو کپڑے پہنے ہوئے تھے، میں نے وہیں اس کو ہدیہ میں دے دیئے۔

جب میں مسجد میں آیا تو حضرت طلحہؓ نے مجھے مبارک باد دی، فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ کی یہ مبارک باد مجھے کبھی نہیں بھولے گی؟ واقعی یہی بات ہے کہ مشکل وقت میں جو کوئی محبت کا بول بولے اور پیار کی نگاہ سے دیکھے، اس کا وہ احسان بندے کو زندگی بھر یاد رہتا ہے۔۔۔۔۔اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجھے مبارکباد دی، جس کی مجھے انتہائی خوشی ہوئی۔۔۔اللہ اکبر کبیرا وہ سچ بولا تھا۔اسکی برکت سے اللہ تعالی نے معاملے کو ٹھیک فرمادیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ سچ واقعی نجات دیتا ہے۔

(کتاب التوابین لابن قدامہ ۹۴ تا ۱۰۱-توبہ کے کمالات ۶۷)

ایک شرابی کی آہ وزاری

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سوئے ہوئے تھے۔ان کو خواب میں کسی بزرگ کی زیارت ہوئی اور فرمایا گیا کہ تمہارے پڑوسی کا جنازہ تیار ہے، تم جا کر اس

کا جنازہ پڑھو۔ سفیان ثوریؒ جانتے تھے کہ ان کا پڑوسی بڑا شرابی بندہ تھا۔ اب وہ اٹھ تو بیٹھے لیکن بڑے حیران تھے کہ اس پڑوسی کے بارے میں مجھے خواب میں فرمایا گیا کہ جاؤ اسکی نماز جنازہ پڑھ کے آؤ۔ پھر ان کے دل میں خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی وجہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اس کے اہل خانہ سے پچھوایا کہ اس کو موت کس حال میں آئی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک غافل سا بندہ تھا لیکن موت کے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور یہ اللہ تعالیٰ سے یوں فریاد کر رہا تھا:

''اے دنیا وآخرت کے مالک! اس شخص پر رحم فرما جس کے پاس نہ دنیا ہے نہ آخرت ہے۔

اس عاجزی کے صدقے اللہ تعالیٰ نے موت کے وقت اس کے گناہوں کو معاف فرمادیا..... سبحان اللہ

ایک عورت کی لاجواب توبہ

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں ایک عورت کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھی۔ کسی کو اس کا پتہ بھی نہیں تھا۔ یہ معاملہ اس کے اور اسکے پروردگار کے درمیان تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ احساس ڈالا کہ دنیا کی تکلیف تھوڑی ہے اور آخرت کی زیادہ ہے اور دنیا کی ذلت تھوڑی ہے اور آخرت کی زیادہ ہے۔ لہٰذا مجھے چاہیے کہ میں اپنے اس گناہ کو دنیا میں ہی پاک صاف کروا جاؤں۔ چنانچہ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم! نے اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس نے دوسری طرف سے آکر کہا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا رخ پھیر لیا۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مختلف اطراف میں رخ کیا اور اسنے چاروں طرف سے آکر بتایا کہ مجھ سے گناہ کبیرہ سرزد ہوا ہے..... چار مرتبہ کیوں رخ پھیرا؟.....

اس لئے کہ نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام اس سے چار مرتبہ گواہی لینا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس وقت تک حد جاری نہیں ہوسکتی جب تک گواہی نہ ہو۔

اس عورت نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میں نے گناہ کیا ہے اور وہ گناہ میرے پیٹ میں پل رہا ہے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھ پر حد جاری کر کے مجھے اس گناہ سے پاک فرمادیں، نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا، ابھی جاؤ اور جب وضع حمل ہوجائے تو پھر آنا۔ چنانچہ وہ چلی گئی۔

جب بچے کی پیدائش ہوگئی تو وہ بچے کو لے کر پھر آئی اور پھر عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اب آپ مجھ پر حد جاری کیجئے۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابھی اس بچے کو دودھ پلاؤ۔ چنانچہ وہ پھر واپس چلی گئی۔

دوسال دودھ پلانے کے بعد پھر نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھ پر حد جاری کردیجئے۔ اب کی بار جب وہ آئی تو بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا جسے وہ کھا رہا تھا..... وہ بتانا چاہتی تھی کہ اب یہ میرے دودھ کا محتاج نہیں رہا..... اب اس پر حد جاری کی گئی۔

غور کیجئے کہ اس نے وضع حمل سے پہلے اپنے گناہ کا اقرار کیا، پھر دوسال دودھ پلانے کے بھی گزرے۔ مگر اس میں ایسی استقامت تھی کہ وہ بار بار آتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ میں دنیا میں ہی اس بوجھ سے پاک ہوجاؤں۔ چنانچہ اس کو سنگسار کردیا گیا..... سنگسار کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں کوئی سخت بات کہہ دی مگر نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

''عمرؓ! اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس کی توبہ کے اجروثواب کو شہر والوں پر تقسیم کردیا جائے تو شہر کے سب گنہگاروں کی مغفرت ہوجائے''۔

(ترمذی شریف ۱۴۳۵-دارقطنی ۳۲۳)

بنی اسرائیل کی ایک رقت آمیز توبہ

عن وھب ابن منبہ قال

(وہب ابن منبہ فرماتے ہیں) **کان فی زمن موسی علیہ السلام شاب اثم** (حضرت موسیٰ علیہ کے زمانے میں ایک نوجوان تھا جو بڑا سرکش اور نافرمان تھا) **مسرف علی نفسہ** (اپنی جان پر بڑی زیادتی کرتا تھا) یعنی گناہ کرتا تھا۔ وہ اتنا برا تھا کہ بستی کے لوگ اس سے تنگ آ چکے تھے۔ سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ اس نوجوان کو یہاں سے نکال دیا جائے **فاخرجوہ من بینھم لسوء فعلہ** (ساری بستی والوں نے اس کے برے کاموں کی وجہ سے اسے بستی سے نکال دیا) **فحضرتہ الوفاۃ فی خربۃ علی باب البلد** (اس بندے کو شہر کے دروازے پر ویرانے میں موت آ گئی) **فاوحی اللہ تعالیٰ الی موسی** (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی)۔ **ان ولیا من اولیائی حضرہ الموت** (میرے اولیا میں سے ایک ولی کو موت آ گئی ہے)..... **فا حضرہ وغسلہ وصل علیہ** (آپ اس کے پاس جائیے، اس کو غسل دیجیے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھیئے)..... **وقل لمن کثر عصیانہ** (اور فرمائیے کہ جس بندے کے گناہ بہت زیادہ ہوں)..... **یحضر جنازتہ لاغفر لھم** (وہ اس کے جنازے میں شامل ہو جائے میں اس بندے کے گناہوں کو معاف کر دوں گا)..... **و احملہ الی لا حسن مثواہ** (اور اس کو قبر میں دفنا دیجیے، میں اس کے ساتھ اچھا معاملہ کروں گا)..... **فنادی موسی فی بنی اسرائیل** (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں اعلان کروا دیا)..... **فکثر الناس** (بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے)..... ہر بندہ چاہتا تھا کہ میرے گناہ معاف ہو جائیں کیونکہ وہ اللہ کے پیغمبر کی زبان سے مغفرت کی خوشخبری سن رہے تھے..... **فلما حضروہ عرفوہ** (جب لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے اس نوجوان کو پہچان

لیا).....فقالوا یا نبی اللہ (کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی!).....هذا هو الفاسق الذی اخرجناه (یہ تو وہی فاسق ہے جس کو ہم نے اپنی بستی سے نکال دیا تھا).....فتعجب موسی من ذلک (حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات پر بڑے حیران ہوئے).....فاوحی اللہ الیه (اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی).....صدقوا وهم شهداء (یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں) مگر معاملہ یہ ہے کہ.....انه لما حضرته الوفاة فی هذه الخربة (جب اس بندے کو اس ویرانے میں موت آئی.....نظر یمنة ویسرة (اس نے اپنی دائیں طرف بھی دیکھا اور بائیں طرف بھی دیکھا).....ولا قریباً (اور کوئی اپنا قریبی نظر نہیں آیا).....ورای نفسه غریبة (اس نے اپنے نفس کو غریب دیکھا).....وحیدة (اکیلا پایا).....ذلیلة (ذلیل پایا).....منکسرة (دل ٹوٹا ہوا پایا).....فرفع بصره الی السماء (پھر اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی).....وقال (اور کہا).....الهی عبد من عبادک (اللہ! تیرے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں).....غریب من بلادک (شہر سے نکالا گیا ہوں).....لو علمت ان عذابی یزید فی ملکک (اگر میں جان لوں کہ مجھے عذاب دینے سے آپ کی شاہی میں اضافہ ہو جاتا).....وعفوک (اور اگر آپ مجھے معاف کر دیں).....ایای ینقص من ملکک (اس سے آپ کی بادشاہی میں کوئی کمی آجاتی).....لما سألتک المغفرة (اللہ! میں آپ سے کبھی مغفرت کا سوال نہ کرتا).....ولیس لی ملجاء (اور نہیں ہے میری کوئی جائے پناہ).....ولا رجاء (اور نہیں کوئی میری امید گاہ).....الا انت (مگر تو ہی تو ہے).....وقد سمعت فیما انزلت انک قلت (میں نے سنا ہے کے آپ نے یہ آیت نازل کی ہے).....انی انا الغفور الرحیم (کہ میں بڑا بخشنے والا، بڑا رحیم ہوں).....فلا تخیب رجاءی (میری امید کو نہ توڑ دینا)

یا موسیٰ (اے موسیٰؑ).....افکان یحسن بی ان ارده (کیا یہ بات مجھے سجتی ہے کہ میں اس کی بات کو رد کر دیتا).....وهو غریب علی الصفة (اور وہ پردیسی تھا، اس

حال میں).....وقد توسل الی بی (اور اس نے مجھے میری رحمت کا واسطہ دیا)..... وتضرع بین یدی (اور میرے سامنے گڑگڑایا)..... وعزتی (مجھے اپنی عزت کی قسم).....لو سألنی فی المذنبین من اهل الارض جمیعا لوهبتهم له (اگر وہ پوری دنیا کے گناہگاروں کی بخشش کا سوال کرتا تو میں دنیا کے سارے گنہگاروں کی بخشش کر دیتا)..... لذل غربته یموسی انا الغریب (اے موسیٰ! میں پردیسی کی پناہ گاہ ہوں).....وحبیبه (اور میں ہی اس کا دوست ہوں) وطبیبه (اور میں ہی اس کا طبیب ہوں).....وراحمه (اور میں ہی اس پر رحمت کرنے والا ہوں)

(کتاب التوابین ۸۳)

سوچئے کہ اگر ایک نوجوان اپنے آپ کو اس حال میں دیکھتا ہے اور اللہ سے دعا مانگتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی وجہ سے اگر وہ ساری دنیا کے گنہگاروں کی بخشش کا سوال کرتا تو میں ساری دنیا کے گنہگاروں کو بخش دیتا۔ جب وہ اتنا کریم ہے تو کیا اتنے بڑے مجمع میں سے اللہ تعالیٰ ہم میں سے کسی ایک کی بھی فریاد کو قبول نہیں فرمائیں گے۔ کوئی تو ایسا مرد ہوگا، کوئی تو ایسی عورت ہوگی جس کے دل سے دعا نکلے گی اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ باقی سب کے گناہوں کی بھی بخشش فرمادیں گے۔ لہٰذا آج آپ پکی سچی توبہ کر کے پوری زندگی کے گناہوں کو بخشوا لیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہماری بخشش فرمادے۔ اور ہمیں آئندہ نیکوکاری اور پرہیزگاری کی زندگی نصیب فرمادے۔

دو بندوں کی عجیب مغفرت

ایک واقعہ قاری محمد طیب صاحب نے لکھا ہے..... پہلے تو میں اس واقعہ کو نقل کرنے سے گھبراتا تھا لیکن جب ان کے بیانات میں پڑھا تو اس کے بعد سنانے کی ہمت ہوگئی، ویسے میں نے بعد میں یہی واقعہ فوائد الفواد میں بھی پڑھا۔

.....اللہ تعالی قیامت کے دن دو بندوں کا حساب کتاب لیں گے، ان کے نامہ اعمال میں نیکیاں نہیں ہونگی، اللہ تعالی ان کو جہنم میں جانے کا حکم فرمادیں گے۔

جب اللہ تعالی ان کو کہیں گے کہ جاؤ جہنم میں، تو ان میں سے ایک تو جہنم کی طرف بھاگ پڑیگا اور دوسرا آہستہ آہستہ چلے گا اور پیچھے مڑمڑ کر دیکھے گا، پھر چلے گا اور پھر مڑ کے دیکھے گا، کچھ دیر کے بعد اللہ تعالی ان دونوں کو بلائیں گے ....اللہ بھاگنے والے سے فرمائیں گے کہ ہم نے تمہیں کہا: جاؤ جہنم میں، اور تم بھاگ ہی پڑے؟ وہ کہے گا: اے اللہ! میں دنیا میں تو آپ کے حکم ماننے میں کوتاہی کرجاتا تھا، اب آپ نے جہنم میں جانے کا حکم دیا تو میں نے سوچا کہ اس حکم کو تو پورا کرہی لوں، اللہ تعالی فرمائیں گے کہ اگر تو سمجھتا ہے کہ میرا حکم اتنا معزز ہے کہ اس پر عمل ہونا چاہئے تو پھر اس کی وجہ سے میں نے تیرے گناہوں کی مغفرت کردی لہٰذا اب تو جنت میں چلا جا..... پھر اللہ تعالی دوسرے آدمی سے فرمائیں گے کہ تم آہستہ آہستہ بھی جارہے تھے اور پیچھے مڑمڑ کر بھی دیکھ رہے تھے، اسکی کیا وجہ ہے؟ وہ کہے گا: یااللہ! زندگی بھر تیری رحمت میرے ساتھ رہی اور کبھی بھی آپ کی رحمتوں نے مجھے مایوس نہیں ہونے دیا، اگر آپ نے حکم دے دیا کہ جاؤ جہنم میں مگر میں قدم آگے اٹھاتا تھا اور پھر پیچھے مڑکر دیکھتا تھا کہ شاید تیری رحمت جوش میں آجائے، اللہ تعالی فرمائیں گے اچھا !اگر تجھے میری رحمت پر اتنا بھروسہ ہے تو میں نے تیرے لئے بھی اپنی جنت کے دروازے کھول دئے ہیں، تو بھی اس میں داخل ہوجا۔

آدھے ٹکڑے پر مغفرت

ایک راہب نے اپنے عبادت خانے میں ساٹھ سال عبادت کی، ایک دن اس نے اپنی کھڑکی سے باہر پانی کی جگہ میں جھانکا اور کہنے لگا: اگر میں نیچے اتر کر یہاں سے پانی پی لوں تو میں کسی کو دیکھوں گا بھی نہیں اور پانی بھی پی لوں گا، وضو بھی کرلوں گا، پھر میں واپس اپنی جگہ پر آجاؤں گا، چنانچہ وہ (عبادت خانے سے) نیچے اترا، ایک عورت آگئی اور اس

عورت کے جسم سے کپڑا ہٹ گیا، اس نے اس عورت کے حسن وجمال کو دیکھا تو وہ اپنے آپ کو روک نہ سکا (اپنے آپ کو کنٹرول نہ کرسکا) اور اس نے اس عورت سے زنا کا ارتکاب کرلیا، اس کے بعد وہ ایک جگہ پر غسل کے لئے داخل ہوا اور اسے موت آگئی، وہ اس حال میں تھا کہ اس کے آخری سانس تھے اس کے پاس ایک سائل آگیا (ایک مانگنے والا فقیر آگیا)، جب اس (فقیر) نے اس سے سوال کیا تو راہب نے اس کو اشارہ کیا کہ یہ میرا تھیلا ہے اور اس میں روٹی کا ٹکڑا ہے، اس کپڑے میں روٹی کا ٹکڑا تھا، مسکین نے اس کپڑے میں سے روٹی کا ٹکڑا لیا اور راہب مرگیا، اس راہب کی ساٹھ سال کی عبادت کا وزن کیا گیا تو زنا کا گناہ سب سے زیادہ بھاری نکلا..... اللہ اکبر کبیرا.....!!!

یہ بہت توجہ طلب بات ہے، ساٹھ سال کی عبادت ایک طرف اور زنا کا گناہ ایک طرف، ایک زنا کا گناہ ساٹھ سال کی عبادت پر بھاری ہوگیا، پھر روٹی کا ایک ٹکڑا رہ گیا تھا جو اس نے سائل کو دیا تھا، چنانچہ پھر اس ٹکڑے کو لایا گیا اور اس کی نیکیوں کے پلڑے میں ڈالا گیا، پھر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا اور اس بندے کو بخش دیا گیا۔ (اس آخری جملے پر حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ پر رقت طاری ہوگئی اور آپ آبدیدہ ہوگئے)

(کتاب التوابین لابن قدامہ ۷۸)

ذرا سوچئے کہ اخلاص کے ساتھ اگر چھوٹا سا عمل بھی کیا جاتا ہے تو میزان میں کتنا وزنی ہوتا ہے کہ وہ گناہوں کے پلڑے کو ہلکا کردیتا ہے۔

گناہوں کے ننانوے دفتر معاف

قیامت کے دن میری امت کے ایک بندے کو پیش کیا جائیگا، اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر ہوں گے ان میں سے ایک ایک دفتر اتنا بڑا ہوگا کہ جہاں تک نگاہ جائیگی وہ دفتر نظر آئیگا، اس سے یہ کہا جائیگا کہ یہ جو تیرے گناہ لکھے ہوئے ہیں ان کرتوتوں میں سے تو

کسی کا انکار کرتا ہے؟ تو وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! میں انکار نہیں کرتا، میں نے خطائیں کی ہیں، اس سے پوچھا جائیگا: کیا تمہارے اوپر میرے لکھنے والے فرشتوں نے کوئی ظلم کیا؟ (کیا کچھ زیادہ لکھ دیا ہے) وہ کہے گا: نہیں، اے پروردگار! نہیں، کہا جائیگا: کیا اللہ نے تیرے اوپر ظلم کیا؟ وہ بندہ اس بات کو سن کر ڈر جائیگا، وہ کہے گا: اے پروردگار! نہیں، آپ نے ظلم نہیں کیا (میں نے ہی اپنے پاؤں پر کلہاڑیاں ماری تھیں) اس سے کہا جائیگا: البتہ تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے اور آج کے دن تیرے اوپر کوئی ظلم نہیں کیا جائیگا، کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نکالا جائیگا جس پر کلمہ شہادت (**اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله**) لکھا ہوگا، پھر وہ بندہ پوچھے گا: اے پروردگار! گناہوں کے اتنے دفتروں کے مقابلے میں یہ کاغذ کا چھوٹا سا ٹکڑا کیا وقعت رکھتا ہے؟ اس سے کہا جائیگا: تمہارے اوپر ظلم نہیں کیا جائیگا، ایک پلڑے میں اس کے گناہوں کے ننانوے دفتروں کو رکھا جائیگا اور کاغذ کے اس ٹکڑے کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائیگا، گناہ ہلکے ہوجائیں گے اور وہ کاغذ کے ٹکڑے والا پلڑا بھاری ہوجائیگا، پھر اس سے کہا جائیگا: تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائیگا، کاغذ کا ٹکڑا اس لئے بھاری ہوجائیگا کہ اللہ کے نام سے کوئی چیز وزنی نہیں ہوسکتی۔

(سنن الترمذی ۲۶۳۹ - مسند احمد ۶۹۹۴)

چنگے سنگترے

ایک بزرگ تھے وہ جارہے تھے اچانک جذبے میں آکر زور زور سے اللہ، اللہ، اللہ، کہنے لگ گئے، جب ان کی طبیعت کچھ سنبھلی تو کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا؟ فرمایا، دیکھو یہ پھل بیچنے والا کیا کہہ رہا ہے، اس نے کہا: حضرت! یہ سنگترے بیچنے والا ہے اور سنگترے بیچنے کی صدا لگا رہا ہے، وہ کہہ رہا ہے لے لو سنگترے..... چنگے سنگترے.... چنگے سنگترے، فرمایا نہیں نہیں نہیں، سنو وہ کیا کہہ رہا ہے، حضرت وہ سنگترے بیچ رہا ہے، فرمایا

نہیں وہ بڑی گہری بات کہہ رہا ہے، حضرت کون سی بات کر رہا ہے، فرمایا وہ یوں کہہ رہا ہے، چنگے سنگ ترے.... چنگے سنگ ترے، جو چنگوں کے سنگ لگ گئے وہ تر گئے، جو نیکوں کے ساتھ لگ گئے وہ پار ہو گئے، ان کی کشتی کنارے لگ گئی، چنگے سنگ ترے، اب دیکھیں عام آدمی کو تو یہی پتہ ہے کہ پھل بیچ رہا ہے جب کہ ایک اللہ والے کی سوچ اس لفظ کو سن کے کدھر گئی؟ آخرت کی طرف گئی، یہ ہوتی ہے عقل معاد کہ جو دنیا کی چیزوں میں بھی بندے کو اللہ کی یاد دلاتی ہے، یہ اللہ والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

بابا یہ تو کھوٹے سکے ہیں

ایک بزرگ تھے کسی دکان پر سودا لینے گئے اور جب پیسے دئے تو دکاندار نے کہا: بابا جی! یہ پیسے تو کھوٹے ہیں، بابا جی تو رونے لگ گئے، دکاندار نے کہا: آپ روئیں نہیں میں آپ کو ویسے ہی سودا دے دیتا ہوں، فرمایا نہیں نہیں مجھے سودے کی ضرورت نہیں، اتنا روئے، اتنا روئے کہ لوگ حیران، کسی نے کہا کہ بابا جی اتنا کیوں رو رہے ہیں؟ اگر وہ آپ کو سودا نہیں دیتا تو پیسے ہم ادا کر دیتے ہیں، آپ سودا لے جائیں، وہ کہنے لگے: بچو! میں اسلئے نہیں رو رہا کہ سودا نہیں ملے گا، میں تو اس بات سے رو رہا ہوں کہ مجھے یہ خیال آیا کہ میرے پاس کچھ رقم تھی، میں اسے کھرا سمجھتا تھا، لیکن جب میں دکاندار کے پاس آیا تو دکاندار نے پرکھ کی اور کہا یہ سکے کھوٹے ہیں، پھر میں نے اپنے آپ سے کہا: او بندے! آج اپنے جن عملوں کو تم کھرا سمجھتے ہو اگر قیامت کے دن اللہ تعالی نے فرما دیا یہ کھوٹے ہیں تو پھر تمہارا کیا بنے گا، دنیا میں تو میں اور بھی پیسے لے لوں گا، سودا خرید لوں گا مگر آخرت میں تو اور عمل نہیں لا سکوں گا، مجھے تو آخرت یاد آ گئی۔

یہ عقل معاد کہلاتی ہے کہ دنیا کی باتوں میں سے بھی آخرت کی سوچ نکال لینا۔

چھٹکارے کا مدار رحمت پر ہے

بنی اسرائیل کا ایک عبادت گزار تھا، اس نے پانچ سو سال (۵۰۰) تک اللہ کی عبادت کی، اس کو اللہ رب العزت کے حضور پیش کیا جائیگا، اللہ تعالی فرمائیں گے اس کو میری رحمت سے جنت میں داخل کردو، وہ کہے گا: اللہ! میں نے تو پانچ سو سال عبادت بھی کی ہوئی ہے، اللہ تعالی فرمائیں گے: اچھا! اب اس بندے کو اللہ تعالی اپنی قدرت سے پیاس لگا دیں گے، اسکی وہ پیاس برداشت سے باہر ہو جائیگی، وہ ادھر ادھر پانی تلاش کرے گا، اس اضطراب کی حالت میں ایک فرشتہ پانی کا پیالہ لے کر اسکے سامنے آئیگا، وہ پانی دیکھ کر اپنے بس میں نہیں رہے گا، کہے گا: پانی دے دو، فرشتہ کہے گا: اس کے بدلے میں قیمت ادا کرو، پوچھے گا: کتنی قیمت؟ فرشتہ کہے گا: اتنے سال کی نیکیاں، وہ کہے گا: نہیں، پھر فرشتہ کہے گا: اتنے سال کی نیکیاں، ادھر پیاس بڑھتی جائیگی اور فرشتہ نہیں نہیں کہتا رہیگا، حتی کہ کرتے کرتے ایک وقت ایسا بھی آئیگا کہ یہ کہے گا کہ میں پانچ سو سال کی عبادت کی نیکیاں دیتا ہوں مجھے پانی کا ایک پیالہ پینے دو، تب پروردگار فرمائیں گے: میرے بندے! تیرے پانچ سو سال کی نیکیاں میرے پانی کے ایک پیالے کی قیمت نہ بن سکیں اور تو نے تو زندگی میں کتنے پیالے پانی پیا تھا، تو نے نعمتیں استعمال کی تھیں؟ تو کیسے کہہ سکتا ہے کہ تو نے میری نعمتوں کا حق ادا کر دیا ہے۔

(انوار ہدایت ۲۷۲- گناہوں کا سمندر اور رحمت الٰہی کی وسعت ۲۲۸ تا ۲۳۱ بحوالہ خطبات حکیم الاسلام سوم)

تیرے در پر کیسے آؤں؟

ایک اللہ والے تھے، وقت کے بادشاہ نے انہیں پیغام بھیجا کہ میں آپ کے لئے یہاں محل میں آپ کے قیام کا بندوبست کرتا ہوں لہذا آپ میرے پاس ٹھہریں، انہوں نے

جواب بھیجا: جناب! بالفرض میں آپ کے ہاں آؤں اور آپ اپنے ہی گھر کی کسی عورت کے ساتھ مجھے برائی کی حالت میں دیکھیں تو بتائیں کہ آپ کیا کریں گے؟ جب بادشاہ نے یہ سنا تو بڑا غصہ آیا اور کہا کہ یہ ایسا شقی بندہ ہے، ایسی سوچ رکھتا ہے، چنانچہ اس نے غصے سے بھرپور جواب بھیجوایا: اس کے بعد ان اللہ والوں نے بادشاہ کو جواب بھیجوایا: ''جناب! میں نے تو امکان پیش کیا تھا، اس امکان پر آپ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ ساتھ رکھنے کو تیار نہیں، جب کہ میرا پروردگار مجھے گناہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن وہ مجھے اپنی بندگی سے باہر نہیں نکالتا ..... میں اس پروردگار کا در چھوڑ کر تیرے در پر کیسے آؤں؟

(تنبیہ الغافلین بحوالہ اللہ بندوں سے کتنی محبت ۳۷۵)

پوری بستی دو پہاڑ کے نیچے دب گئی

ہمارے ایک قریبی تعلق والے دوست ہیں، ان کی کزن کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا، وہ ماشاء اللہ جوان العمر ہیں، ایک میجر کی بیوی ہیں، کہتی ہیں کہ میری ایک بیٹی چار سال کی ہے اور ایک بیٹا دو تین ماہ کا ہے، وہ، اسکا میاں اور دونوں بچے ایک ہی ڈبل بیڈ کے اوپر سو رہے تھے، وہ کہتی ہیں کہ اچانک چھوٹا بچہ ہلا جلا اور رویا، جیسے اسے فیڈ کی ضرورت ہو، گو مجھے بہت نیند آئی ہوئی تھی، مگر میں ماں تھی، میں اس نیند سے اٹھی کہ میں اپنے بچے کو فیڈ ردوں۔

اچانک میری نظر ساتھ والی دیوار پر پڑی، مجھے اس میں ایک دراڑ پڑتی نظر آئی، میں نے فوراً اپنے میاں کو جگایا کہ دیوار میں یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ اٹھا اور اس نے دیکھا تو وہ کہنے لگا کہ دیوار میں تو دراڑ آ رہی ہے، پھر اس نے جلدی سے بیٹی کو اٹھایا اور میں نے چھوٹے بیٹے کو اٹھایا، جیسے ہی ہم اپنے کمرے سے باہر نکلے، پیچھے ہمارے کمرے کی چھت زمین پر آ گری، ہمارے گھر کے فرنٹ پر ایک بالکونی تھی ہم درمیان میں ایک جگہ ٹریپ

ہو گئے، میرے میاں نے ایک بڑی اینٹ اٹھائی اور کھڑکی کو دے ماری، جیسے ہی کھڑکی ٹوٹی تو اس نے باہر چھلانگ لگا دی اور مجھے کہا کہ جلدی سے مجھے بچے پکڑاؤ، میں نے کھڑکی میں سے اسے بیٹا پکڑایا اور اس نے لے کر زمین پر لٹا دیا، پھر بیٹی کو پکڑ کر زمین پر ڈال دیا، میرے لئے کھڑکی پر چڑھ کر اتر نا ذرا مشکل ہو رہا تھا، اس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر کھینچا اور بازوؤں سے بھی پکڑ کر کھینچا اور بالآخر جیسے ہی میں باہر آ گئی، جس بالکونی میں ہم کھڑے تھے اس کی چھت بھی زمین پر آ گری، پھر میں نے بیٹے کو اٹھایا اور میرے میاں نے بیٹی کو اٹھایا اور ہم وہاں سے بھاگے، مگر ہم سے بھاگا ہی نہیں جا رہا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے بیس کیلو کا وزن ہمارے پاؤں کے ساتھ باندھ دیا ہے، پاؤں اٹھانا بھی مشکل تھا، وہاں زمین کی گریویٹیشنل فورس (کشش ثقل) بڑھ چکی تھی، وہ کہتی ہے میرا خاوند میجر تھا، وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ آج تو قدم اٹھانا مشکل ہو رہا ہے، ہم وہاں سے مشکل سے پچاس قدم پیچھے ہٹے ہوں گے کہ جب ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ہماری ساری بستی کے مکانات زمین کے اندر چلے گئے تھے، ہمیں فقط زمین نظر آ رہی تھی، کوئی مکان نظر نہیں آ رہا تھا۔

پوری بستی دھنس گئی

☆..... آپ حیران ہوں گے کہ سات دنوں کے بعد ایک ٹاور گرا، اس کے اندر سے اٹھارہ یا سولہ سال کا ایک نوجوان نکالا گیا اور اس نے نکلتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، لوگوں نے پوچھا: کیا تمہارے اوپر کوئی خوف نہیں؟ وہ کہنے لگا:

''کیوں؟ جب میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں تو زندگی اور موت کا مالک میں اسی کو سمجھتا ہوں، میں نیچے ملبے میں پھنس گیا تھا مگر میں نے دل میں سوچ لیا تھا کہ اگر میرے مولا کو میری موت مطلوب ہے تو میں مرنے کے لئے راضی ہوں اور اگر اسے بچانا مطلوب ہے تو میرا اللہ مجھے بچا دیگا۔''

دیکھئے! ایک نوجوان کا ایسا پختہ یقین تھا اور وہ بھی ملبے کے اندر پھنسا ہوا تھا۔

☆.....ایک بزرگ دسویں دن ملبے سے نکالے گئے، ان کی عمر پچاسی سال تھی، جب ان کو نکالا گیا تو ان پر بہت کمزوری تھی اور وہ کہنے لگے:

''ان دس گیارہ دنوں میں نہ میرا کوئی روزہ قضاء ہوا اور نہ ہی میری نماز قضا ہوئی میرے پاس گھڑی تھی، میں وقت کے حساب سے روزے کی نیت بھی کر لیتا تھا، افطاری کی نیت بھی کر لیتا تھا اور اپنے وقت پر میں تیمم کر کے نماز بھی پڑھ لیتا تھا''۔

تقوی پر خدائی فوج کا پہرہ

حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقیؒ کا ایک مدرسہ تھا، وہ دہلی سے اٹھارہ میل دور غازی آباد میں واقع تھا، وہ کئی ایکڑ اراضی پر پھیلا ہوا مدرسہ، آج بھی چل رہا ہے، اس مدرسے کے ناظم سے اس عاجز کی کسی نہ کسی ملک میں ملاقات بھی ہو جاتی ہے، وہ حالات سناتے رہتے ہیں، الحمدللہ! وہ بھی حضرت کے لئے صدقہ جاریہ ہے، اس مدرسے کا واقعہ،، تجلیات،، نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جب تقسیم ہند کا وقت آیا تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

اس مدرسے کے ایک استاذ سکھوں کی بستی کے قریب سے گزر رہے تھے، ایک سکھ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: میاں جی!..... یہ سکھ کسی مسلمان کو دیکھتے ہیں تو اسے میاں جی کہتے ہیں اور ہم انہیں دیکھ کر سردار جی کہتے ہیں۔۔۔۔اس نے کہا: میاں جی! کیا آپ نے اپنی حفاظت کے لئے کوئی فوج بلوائی ہوئی ہے؟ انہوں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا، ہماری بستی کے سکھ تین مرتبہ تلواریں اور دوسرے اسلحہ لے کر اس مدرسے کے مسلمانوں کو لوٹنے اور مارنے کے لئے نکلے ہیں، لیکن جب بھی ہم اس کے قریب پہونچتے تھے تو ہمیں فوجی چاروں طرف پہرہ دیتے نظر آتے تھے، یہ خدائی فوج ہوتی ہے جس کے ذریعے اللہ تعالی اپنے متقی بندوں کی دشمنوں سے حفاظت فرما دیتے ہیں۔

امام صاحب کا تقوی

آپ کی کپڑے کی دکان تھی، ایک مرتبہ ظہر کے بعد دکان بند کر کے گھر جانے لگے، کسی نے کہا: نعمان! کہاں جارہے ہو؟ فرمایا: آپ دیکھ نہیں رہے کہ آسمان پر بادل ہے، اس نے پوچھا اگر آسمان پر بادل ہے تو پھر آپ نے دکان کیوں بند کردی؟ فرمایا: میری کپڑے کی دکان ہے، جب آسمان پر بادل ہو تو لائٹ پوری نہیں ہوتی جس کی وجہ سے گاہک کو کپڑے کی کوالٹی کا صحیح پتہ نہیں چلتا، میں نے اس لئے دکان بند کردی کہ میرا کوئی گاہک کم قیمت کپڑے کو بیش قیمت کپڑا سمجھ کر نہ خرید لے، اللہ اکبر!!! آپ اتنا دھوکا بھی نہیں دینا چاہتے تھے۔

تقویٰ کے عجیب واقعات

.....سیدنا عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مال غنیمت کے اندر بہت سارا عطر آیا۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ نے کہا: جی! میں اس کو تقسیم کرتی ہوں۔ فرمایا: نہیں، آپ اس کو تقسیم نہیں کر سکتیں۔ پوچھا کہ کیوں؟ میں ٹھیک ٹھیک تقسیم کروں گی۔ حتی کہ ہاتھ پر بھی نہیں لگنے دوں گی۔ فرمایا: جب آپ عطر تقسیم کر رہی ہوں گی تو اس وقت آپ کو خوشبو تو آئے گی، میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری بیوی کو اس مال میں سے خوشبو مل جائے۔

کنز العمال ۳۵۹۶۲- جامع الاحادیث ۳۰۵۸۶

.....سیدنا صدیق اکبرؓ کی اہلیہ محترمہ چاہتی تھیں کہ کوئی سویٹ ڈش بنائیں۔ مگر آپ بیت المال سے بہت کم وظیفہ لیتے تھے۔ چنانچہ اس نے ایک مرتبہ سوچا کہ میں کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچاتی ہوں، جب اتنے پیسے ہو جائیں گے تو میں کوئی میٹھی چیز (حلوہ وغیرہ) بناؤں گی، چنانچہ وہ تھوڑا تھوڑا بچاتی رہی۔ بالآخر ایک دن اس نے حلوہ بنایا۔ خود بھی

کھایا اور کچھ حضرت کے سامنے بھی پیش کیا۔ حضرت نے پوچھا: یہ پیسے کہاں سے آئے؟ بتایا کہ میں نے اس طرح تھوڑے تھوڑے بچائے تھے اور آج میں نے اس سے یہ حلوہ بنایا۔ فرمانے لگے: تجربہ سے ثابت ہوا کہ اتنے پیسے ہماری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا اس کے بعد بیت المال سے اتنے پیسے لینے کم کر دیے..... یہ صفت انسان کے اندر تب آتی ہے جب اسے ایمانی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

فضائل اعمال اول ۵۱- الکامل لابن اثیر ۱ / ۳۹۷

.....ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا کچھ کام کر رہے تھے۔ جب انہوں نے وہ کام مکمل کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ علی! آپ نے کوئی امور خلافت کی بات کرنی ہے یا کوئی ذاتی مشورہ کرنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: جی میں کوئی ذاتی بات کرنے آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ رجسٹر بھی سمیٹ دیا اور پھونک مار کر چراغ بھی بجھا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے اور پوچھنے لگے: عمر! مہمان کے آنے پر چراغ جلایا کرتے ہیں، چراغ بجھایا تو نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''بھائی علی! آپ نے سچ کہا، مہمان کے آنے پر چراغ جلاتے ہیں بجھاتے نہیں، لیکن میں نے اس لیے بجھایا کہ مجھے اور آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی گفتگو کرتے رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے''۔

یہ چیز فقط عقل کی وجہ سے انسان کے اندر نہیں آتی بلکہ ایمان کی وجہ سے آتی ہے۔ اس ایمانی زندگی میں انسان دوسروں کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ وہ بندوں سے کچھ نہیں چاہتا، وہ فقط اللہ سے چاہ رہا ہوتا ہے۔

.....حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی دیکھ لیجیے۔ انہوں نے کیسی تقویٰ بھری زندگی گزاری! حالانکہ ان کا اتنا اختیار تھا کہ وہ چاہتے تو خزانے سے اپنی خواہشات کو پورا کر

سکتے تھے۔

.....سیدنا یوسف علیہ السلام کی مثال دیکھیے۔ان کو گناہ کی دعوت مل رہی تھی۔اگر وہ چاہتے تو اپنی خواہش کو پورا کر سکتے تھے مگر اللہ کے خوف نے ان کو اس چیز سے پیچھے ہٹا دیا۔یہ ہے ایمانی زندگی، کہ انسان کو دیکھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، انکار کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، فقط اللہ کے ڈر کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو گناہوں سے بچا رہا ہوتا ہے۔

مولانا محمد عبدالمالکؒ کا تقویٰ

امام العلماء والصلحاء حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ بڑا معروف تھا۔آپ سردیوں میں بھی اور گرمیوں میں بھی ہاتھ میں چھتری رکھتے تھے۔گرمیوں میں تو چھتری ہاتھ میں رکھنا سمجھ میں آتا ہے، دھوپ سے بچتے ہوں گے، لیکن سردیوں میں چھتری رکھنا تو سمجھ میں نہیں آتا۔چونکہ حضرت کی جماعت میں علماء کی کثرت تھی اس لیے ایک مرتبہ ایک عالم نے پوچھ لیا کہ حضرت! سردیوں میں چھتری ہاتھ میں رکھنے کی کیا حکمت ہے؟ جب انہوں نے اصرار کیا، تب حضرت نے راز کھولا۔فرمایا کہ عام لوگ تو سردی گرمی سے بچنے کے لیے رکھتے ہیں، میری ایک اور بھی نیت ہوتی ہے۔انہوں نے پوچھا کہ کونسی؟ فرمایا کہ راستہ چلتے ہوئے جب دیکھتا ہوں کہ دائیں طرف سے غیر محرم آرہی ہے تو میں اس طرف چھتری کر کے اپنا چہرہ چھپا لیتا ہوں اور جب بائیں طرف سے غیر محرم آرہی ہوتی ہے تو چھتری سے بائیں طرف آڑ کر لیتا ہوں، میں غیر محرم کے کپڑے کو بھی نہیں دیکھتا، تاکہ میرا اس کی طرف دھیان ہی نہ جائے، یہ ہے تقویٰ کہ غیر محرم کا چہرہ تو کیا دیکھنا، اس کے کپڑے کو بھی نہ دیکھا جائے۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ کا تقویٰ

پہلے زمانے میں صرف مرد ہی تقویٰ اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ اس زمانے کی

عورتیں بھی بہت زیادہ پارسا ہوتی تھیں۔عورتوں کے تقویٰ کا بھی ایک واقعہ سن لیجیے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ یہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے والدِ گرامی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔اس دوران ایک بوڑھی عورت آئی اور اس نے میرے والد صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا: ذرا توجہ سے سنیے گا! یہ مسئلہ پوچھا کہ میں روئی کاتتی ہوں۔ میں ایک رات چھت کے اوپر بیٹھ کر روئی کات رہی تھی۔حکومتِ وقت کی پولیس کا داروغہ گلی میں سے گزرا، اس کے ساتھ روشنی کا بڑا انتظام تھا، وہ وہاں کسی سے بات کرنے کے لیے رک گیا، جب روشنی بہت زیادہ ہوگئی اور مجھے روئی اچھی طرح نظر آنے لگی تو میں نے سوچا کہ میں ذرا جلدی کات لوں۔ چنانچہ میں نے جلدی جلدی روئی کاتی۔ جب وہ داروغہ ابنِ طاہر چلا گیا تو بعد میں مجھے خیال آیا کہ ان کا پیسہ تو مشتبہ قسم کا ہوتا ہے اور میں نے اس کی روشنی سے فائدہ اٹھایا ہے، اب یہ روئی میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: تم اس ساری روئی کو صدقہ کر دو، اللہ تمہیں اور رزق عطا فرما دیں گے۔حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر بڑا حیران ہوا کہ یہ کیا جواب ہوا۔ جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جتنی مقدار اس روشنی میں کاتی اتنا صدقہ کرو، لیکن ابا جی نے فرمایا کہ ساری روئی صدقہ کر دو۔اس کے بعد وہ عورت چلی گئی۔

کہتے ہیں کہ دو چار دن بعد پھر وہی بوڑھی عورت آئی اور کہا: جی میں نے امام صاحب سے مسئلہ پوچھنا ہے۔ چنانچہ وہ امام صاحب کے پاس جا کر مسئلہ پوچھنے لگی کہ میں رات کو چراغ کی روشنی میں روئی کاتتی ہوں تو کبھی کبھی چراغ کا تیل ختم ہو جاتا ہے، تو چاند کی روشنی میں کاتنے بیٹھ جاتی ہوں۔ چراغ کی روشنی میں روئی صاف نظر آتی ہے اور چاند کی روشنی میں صاف نظر نہیں آتی۔تو اب بتائیں کہ جب میں گاہک کو روئی بیچوں، تو کیا مجھے بتانا پڑے گا کہ یہ چراغ کی روشنی میں کاتی گئی ہے یا چاند کی

روشنی میں کاتی گئی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا، ہاں تمہیں بتانا پڑے گا۔ اس کے بعد وہ دعا دے کر چلی گئی۔

فرماتے ہیں کہ جب وہ چلی گئی تو امام صاحب بھی اس کا تقویٰ دیکھ کر حیران ہوئے اور مجھے فرمایا کہ اس عورت کے پیچھے جاؤ اور دیکھو تو سہی کہ یہ کس گھر کی عورت ہے۔ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں پیچھے گیا تو وہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں داخل ہوئی، پتہ چلا کہ یہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن تھی جس کو اللہ نے اتنی تقویٰ بھری زندگی عطا فرمائی ہوئی تھی.....اس وقت کی عورتیں بھی حرام اور مشتبہ چیزوں سے اتنا بچتی تھیں۔ قیامت کے دن تو یہ عورتیں بھی ہم سے آگے بڑھ جائیں گی۔

(طبقات الحنابلہ ۱/ ۴۲۷-مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان ۱/ ۲۴۹-البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۳۲۶-الوافی بالوفیات ۳/ ۳۷۸)

رونے کا ایک عجیب سبب

ایک آدمی بہت روتا تھا، اس سے پوچھا: بھئی! تم اتنا کیوں روتے ہو؟ تو وہ کہنے لگا:

''مجھے یہ بات سوچ کر رونا آتا ہے کہ میں نے جب گناہ کیا تو میں نے اپنے گناہ پر گواہ اس پروردگار کو بنایا جو مجھے سزا دینے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ نے سزا کو قیامت کے دن تک مؤخر کر دیا اور مجھے قیامت تک مہلت دے دی کہ تم نے اگر رو دھو کے منانا ہو تو منالو، اللہ کی قسم! اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ دو باتوں میں سے تو کس بات کو اختیار کرتا ہے، ساری مخلوق کے سامنے تیرا حساب کریں اور پھر تجھے جنت میں بھیج دیں یا تجھے کہا جائے کہ تو مٹی ہو جا، تو میں قیامت کے دن مٹی بن جانے کو اختیار کروں گا''

یعنی میں نہیں چاہوں گا کہ میرا نامۂ اعمال ساری مخلوق کے سامنے کھولا جائے۔

(گناہوں کا پہاڑ اور بخشش کا سیلاب ۱۱۸ بحوالہ کتاب التوابین)

جبرئیل علیہ السلام کا اضطراب

ایک دفعہ جبرئیل علیہ السلام نبی علیہ السلام سے ملنے کے لیے آئے، اس وقت جبرئیل علیہ السلام کانپ رہے تھے، رو رہے تھے، غلافِ کعبہ کے پاس گئے اور پھر اسے پکڑ کر انہوں نے دعا مانگی:

"اِلٰهِیْ وَ سَیِّدِیْ لَاتُغَیِّرْ اِسْمِیْ وَ لَاتُبَدِّلْ جِسْمِیْ"

"میرے اللہ! میرے سردار! میرے نام کو نہ بدلنا اور میرے جسم کو نہ بدلنا"

نبی علیہ السلام نے پوچھا: جبرئیل! آج آپ نے یہ کیا دعا مانگی؟ جواب میں جبرئیل علیہ السلام کہنے لگے:

"اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب سے ہم نے شیطان کو دھتکارے ہوئے دیکھا ہے، اس وقت سے دل پر اللہ تعالیٰ کا ایسا خوف ہے کہ میں یہ دعا مانگتا ہوں:

اے اللہ شیطان کا نام عزازیل تھا اور آج اسے ابلیس کہتے ہیں، اے اللہ! تو نے اس کا نام بدل دیا، پھر اسے اطاعت اور فرمانبردار لوگوں کے زمرے سے نکال کر اسے نافرمانوں کے زمرے میں شامل کر دیا (لہٰذا اب میں یہ دعا مانگتا ہوں کہ) اے اللہ! میرا نام نہ بدلنا اور میرے جسم کو فرمانبرداروں کے زمرے سے نکال کر کہیں نافرمانوں میں شامل نہ کر دینا"

ہم بھی اللہ رب العزت سے دعا مانگیں: اے کریم آقا! آپ کا در پکڑا ہے، آپ مہربانی فرما دیجئے، ہماری حاضری کو قبول کر لیجئے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا اضطراب

یہ وہ غم تھا جو صحابہؓ کو بھی ہر وقت لگا رہتا تھا، مثال کے طور پر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ جن کو نبی علیہ السلام کی مبارک زبان سے جنت میں بیوی ہونے کی خوشخبری مل چکی تھی، وہ رات کو تہجد پڑھتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچتی تھیں:

{وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ} (الزمر:۴۷)

''اوران کواللہ کی طرف سے ایسا معاملہ پیش آئے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرتے ہوں گے''

تو اس آیت پر رویا کرتی تھیں، ساری ساری رات یہ آیت پڑھتی رہتی تھیں، ذرا ہم بھی سوچیں کہ جو ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا، اگر ہمارے ساتھ قیامت کے دن ایسا معاملہ پیش آ گیا، تو پھر ہمارا کیا بنے گا۔

حضرت عمرؓ کا اضطراب

صحابہ رضی اللہ عنہم جب قرآن پڑھتے تھے تو جو آیتیں کفار کے بارے میں ہوتی تھیں وہ اپنے اوپر چسپاں کر کے رویا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک آیت پڑھی گئی۔

{اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا}

(الاحقاف:۲۰)

یہ آیت اگرچہ کفار کے بارے میں ہے، لیکن اسے سن کر عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کسی نے پوچھا: امیر المؤمنین! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا:

''کیا پتہ! کل کہیں عمر کو بھی یہی نہ کہہ دیا جائے!''

(رجال حول الرسول ۲۳-تاریخ المدینۃ المنورۃ ۲/ ۶۹۶-الریاض النضرۃ ۱/ ۱۷۲، ۱۷۳)

سیب کھانے پر خوف خدا

ایک بزرگ نہر کے کنارے جا رہے تھے، انکو بھوک بھی لگی ہوئی تھی، مگر فقیر بندے تھے خرچ کرنے کیلئے پاس کچھ تھا نہیں، نہر میں ایک سیب دیکھا جو بہتا ہوا جا رہا تھا انہوں نے سیب لیا اور اس کو کھا لیا، بھوکے بندے کی تو سمجھ بھی کام نہیں کرتی۔

ع پیٹ نہ پیّاں روٹیاں تو دے گنّا کھوٹیاں

کھانے کے بعد خیال گزرا کہ یہ سیب تو میرا نہیں تھا، یہ تو کسی اور کا تھا، میں نے بغیر اجازت کھالیا، مجھے اس بندے سے یا تو معافی مانگنی ہے یا قیمت ادا کرنی ہے، چنانچہ جدھر سے پانی آرہا تھا (اسٹریم، STREAM)، ادھر جانے لگے، آگے کچھ دور جانے کے بعد دیکھا کہ ایک باغ ہے، جس میں سیب کے درخت ہیں، سمجھ گئے یہاں سے گرا ہوگا، باغ کے مالک سے ملے، اور کہا کہ میں نے آپ کے درخت کا سیب کھالیا ہے لہذا یا تو معاف کر دیں یا قیمت لے لیں، اس نے کہا معاف تو میں نہیں کرتا، ہاں قیمت ادا کردو، کہنے لگے جو بھی قیمت ہوگی مزدوری کر کے دے دونگا، اس نے کہا میری ایک بیٹی ہے **بکماء اللسان** گنگی ہے زبان سے، **عمیاء العینین** آنکھوں سے اندھی ہے، **صماء الاذنین** کانوں سے بہری ہے، **قصیھۃ القدمین** پاؤں سے لولی لنگڑی ہے، لہذا اس کے ساتھ تم نکاح کرو اور ساری زندگی اس کی خدمت کرو اس کو خوش رکھو، یہ قیمت دینی پڑیگی۔

فکر میں پڑ گئے مگر دل نے کہا کہ دیکھو یہ مجاہدہ برداشت کرنا آسان، قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے ملزم بن کر کھڑا ہونا یہ بڑا مشکل کام، آخر کار تیار ہو گئے، نکاح ہوگیا، جب وہ اپنی بیوی کے پاس گئے تو حیران، چاند کا ٹکڑا آنکھیں خوبصورت، بولنے والی، سننے والی، سمجھنے والی، حیران ہو کر اس سے پوچھا کہ تم اپنے باپ کی ایک ہی بیٹی ہو یا کوئی اور بھی تمہاری بہن ہے؟ اس نے کہا میں ایک ہی بیٹی ہوں، خیر رات گزر گئی، اگلے دن سسر سے ملاقات ہوئی، سسر نے پوچھا کہ بتاؤ مہمان کو کیسا پایا، کہا آپ نے تو سچویشن کچھ اور ہی بتائی تھی، مگر وہ تو ایسی نہیں وہ بہت دانا، بینا، آپ کے بتلائے ہوئے ہر عیب سے مبرا ہے، انہوں نے فرمایا، ہاں! یہ میری بیٹی ظاہری حسن جمال بھی رکھتی تھی اور باطنی اعتبار سے بھی، حدیث کی عالمہ قرآن کی حافظہ ہے، میں چاہتا تھا اس کے لئے کوئی ایسا خاوند ڈھونڈھوں کہ جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو، کیونکہ جس کے دل میں خوفِ خدا نہ ہو وہ بیوی کے حقوق صحیح ادا نہیں کرسکتا، (اسی لئے سورۂ نساء پڑھ کر دیکھے ہر دوسری چوتھی آیت میں

اتقوا اللہ تقوا اللہ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا نہیں کریں گے وہ دوسروں کے حقوق کو صحیح ادا نہیں کرسکیں گے) تو میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا بندہ ملتا، جب تم نے ایک سیب کی وجہ سے معافی مانگی، تو میں نے کہا اس کے دل میں خوفِ خدا ہے اس لئے میں نے اپنی بیٹی کے لئے تمہیں خاوند کے طور پر تجویز کیا، دونوں ساتھ رہنے لگے، اللہ رب العزت نے انہیں بیٹا دیا جس کا نام انہوں نے نعمان رکھا، یہ نعمان بڑا ہوکر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔

بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ ۶/ ۲۳۷

خوفِ خدا پر بادل کا سایہ

چنانچہ ایک نوجوان تھا، اس کا دل ایک باندی سے لگ گیا اسکی تلاش میں رہنے لگا، کہ مجھے کوئی موقع ملے تا کہ صورت حال بتا سکوں، ایک دن وہ کام کرنے کیلئے نکلی، راستے میں مل گئی، اس نے اسے روکا، اور کہا کہ دیکھو میرے دل میں تمہارے ساتھ ایسا تعلق ہوگیا ہے کہ میں تمہارے بغیر رہ نہیں سکتا، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں، اس کے جواب میں اس نیک خاتون نے کہا کہ دیکھو! تم کو جتنی محبت مجھ سے ہے مجھے اس سے زیادہ محبت تجھ سے ہے لیکن میں اللہ رب العزت سے ڈرتی ہوں، ایسے اخلاص کے ساتھ اس نے بات کی کہ اس کے دل کی دنیا بدل گئی، سوچنے لگا کہ اس حرام محبت کو چھوڑ دو اور چلو علم حاصل کریں، نیکی اور تقویٰ والی زندگی گزاریں، چنانچہ جس بستی میں جدھر علماء رہتے تھے وہاں جانے لگا، راستے میں ایک بڑے میاں مل گئے، باتوں سے پتہ چلا کہ دونوں کو قریب قریب جانا ہے، فیصلہ کیا کہ ساتھ سفر کرتے ہیں، اللہ کی شان! گرمی کا دن تھا، چلچلاتی دھوپ تھی، مگر بادل نے سایہ کر دیا، نوجوان سوچنے لگا کہ بڑے میاں کی برکت سے سایہ ہے، اور بڑے میاں سمجھتے رہے کہ میری وجہ سے نوجوان پے سایہ ہے، چلتے گئے، اللہ کی

شان کہ جہاں راستے الگ ہونے تھے، تو کیا دیکھا کہ بادل نوجوان کے ساتھ سایہ کر رہا ہے، تو بڑے میاں نے کہا، نوجوان تیرا کونسا عمل اللہ کو پسند آیا کہ اللہ نے تجھے یہ نعمت عطا فرمائی؟ اس نے کہا میں تو گناہ گار ہوں، اور توبہ کی نیت سے چل پڑا ہوں، لیکن میرا اللہ کتنا قدرداں، کتنا مہربان ہے، کہ اسنے مجھے آخرت کی گرمی سے بچانا تو تھا ہی، توبہ کی برکت سے دنیا کی گرمی سے بھی مجھے بچانے کا انتظام کر دیا۔

(کتاب التوابین ۴۶)

یہ تو جہنم میں خود گئے

نبی علیہ الصلاہ والسلام ایک سفر سے واپس آرہے ہیں، ایک جگہ آپنے پڑاؤ ڈالا، بستی قریب تھی، ایک عورت تھی جس کا تنور تھا، اس نے لشکر کی روٹیاں بھی پکائیں، جب پکا کر فارغ ہوگئی تو صحابہ سے کہنے لگی کہ میں تمہارے صاحب سے بات کرنا چاہتی ہوں، تو صحابہ اسے نبی علیہ السلام کے پاس لے آئے، کہنے لگی اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں، فرمایا پوچھو، کہنی لگی میں ماں ہوں، تنور میں روٹیاں لگاتی ہوں، میرا ایک چھوٹا سا بچہ ہے، میں اس کو آگ کے قریب آنے نہیں دیتی، کہ اس کو کہیں گرم ہوا نہ لگ جائے، خود آگ میں ڈبکیاں لگاتی ہوں، روٹی لگانے اور نکالنے کیلئے، لیکن میں اپنے بچے پر اتنی مہربان ہوں کہ اسکو تنور کے قریب بھی آنے نہیں دیتی، تو اگر میں ماں ہو کر اپنے بچے کو گرم ہوا کا لگنا بھی پسند نہیں کرتی، تو آپ سے سنا ہے کہ ساری دنیا کی ماؤں کی محبتوں کو جمع کر دیا جائے اس سے بھی ستر گنا زیادہ بندوں سے اللہ پاک محبت کرتے ہیں تو اللہ پاک بندہ کا جہنم میں جانا کیسے پسند فرمائیں گے؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کر سر جھکایا، مبارک آنکھ سے آنسو آنے لگے روتے رہے روتے رہے، حتی کہ جبرئیلؑ اللہ کا پیغام لیکر

آئے، میرے محبوب اس عورت کو بتا دیں، وَمَا ظَلَمَهُمُ اللهُ وَلٰكِن كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا، اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری، کیونکہ اللہ تو چاہتے ہیں کہ یہ بچ جائے، لیکن بات یہ ہے کہ توبہ نہیں کرتے، توبہ کی طرف آتے ہی نہیں، بلکہ رب کی ماننے کے بجائے شیطان کو مانتے پھرتے ہیں، اور توبہ کو ڈلیٹ (DELETE) کرتے ہیں، تو یہ اپنے عمل کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے، ورنہ اللہ رب العزت تو بخشنے کو تیار ہے۔

(کذا فی المرقات واللمعات- گناہوں کے پہاڑ اور بخشش کا سیلاب ۲۱۲)

یہ رشتہ ہمیشہ سلامت رہے

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ایک آدمی کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائیگا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے تو شیطان کی مانتا رہا، گناہ کرتا رہا، وہ کہے گا شیطان مجھے گرا دیتا تھا، میں گناہ کر بیٹھتا تھا، لیکن میں بہت افسوس کرتا تھا، کہ مجھے ایسے نہیں کرنا چاہئے، توبہ کرتا تھا لیکن پھر شیطان گناہ کرواتا تھا، پھر میں توبہ کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بنانے کے خاطر حکم فرمائیں گے حالانکہ وہ تو عالم الغیب ہیں کہ اس کے نامۂ اعمال کو دیکھو، فرشتے کہیں گے واقعی یہ گناہ کرتا تھا، پھر شرمندہ ہوکر معافی مانگتا تھا، توبہ کرتا تھا، پھر گناہ کرتا تھا پھر توبہ کرتا تھا، ساری زندگی اسکا یہی معاملہ رہا، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ دیکھو میرے بندے کو شیطان گرا دیتا تھا مگر یہ پھر اٹھ کے کھڑا ہو جاتا، پھر شیطان گناہ کے ذریعہ گراتا یہ پھر اٹھ کے کھڑا ہو جاتا، اس نے شیطان سے ہار نہیں مانی، وہ گناہ کرانے سے باز نہیں آیا، مگر یہ توبہ کرنے سے بھی تو باز نہیں آیا، یہ استقامت والا بندہ ہے میں اس کو استقامت والوں کے ساتھ جنت عطا کرتا ہوں؛ تو آج کی اس رات میں ہم اپنے گناہوں سے سچی پکی توبہ کر کے ہم اپنے اللہ سے دعا

کریں، مولیٰ پچھلے گناہوں کو معاف کر دیجئے، آئندہ نیکوکاری کی زندگی عطا فرما دیجئے۔

اولاد کی بھی سرپرستی

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام ایک بستی میں پہنچے، بستی والوں نے کھانے کیلئے بھی نہ پوچھا، اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے ایک گھر کی دیوار جو گرنے والی تھی اسکو سیدھا کر کے درست کر دیا، حضرت خضر علیہ السلام سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ان لوگوں کا ہمارے ساتھ یہ برتاؤ، اور آپ نے پھر بھی اسکی دیوار درست کر دی، انہوں نے کہا کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی ہے، جبکہ اس کے والدین نیک تھے اور انہوں نے اِس دیوار کے نیچے ان دونوں یتیم کیلئے خزانہ چھپا دیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد اور ان کے بڑے ہونے کے بعد ان کو کام آئیگا، اب اگر یہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا، تو اس بستی کے لوگ لے لیتے اور یہ دونوں یتیم چھوٹے بچے محروم ہو جاتے، اس لئے میں نے دیوار سیدھی کر دی، تاکہ نہ دیوار گرے نہ خزانہ ظاہر ہو اور نہ یہ بچے محروم ہوں، تو دیکھئے ان یتیم بچوں کے والدین نیک، متقی، پرہیزگار تھے، اس بنا پر اللہ پاک نے حفاظت کا انتظام کس انداز میں کیا؟ اشارۂ خداوندی ہوا کہ میں ان کے اس خزانے کی حفاظت کر دوں وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (پ۱۶ آیت ۸۲ سورۂ کہف) اللہ تعالیٰ نیکوں کی اولاد کے ساتھ بھی اسپیشیل اور خاص معاملہ فرماتے ہیں، ہم اگر چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی ہمیں نصیب ہو جائے، اور ہماری اولاد کو بھی نصیب ہو جائے تو اس کا آسان نسخہ یہ ہے کہ ہم گناہوں سے جان چھڑائیں اور اللہ کے نیک بندوں میں شامل ہو جائیں۔

شہزادے گداگر بن گئے

☆ عمر بن عبدالعزیزؒ ایک بزرگ ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں حکومت بھی عطا

فرمائی مگر انہوں نے اپنے آپ کو نیکی کے راستے پر رکھا، سمپل سادہ زندگی گزاری، اور اپنے رب کو راضی کرنے میں لگے رہے، جب انکی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے ایک دوست نے کہا کہ عمر تم نے اپنے بچوں کے ساتھ بہت برا کیا۔ پوچھا کیسے؟ انہوں نے کہا کہ تم سے پہلے جو حاکم تھے، انہوں نے اپنی اولاد کیلئے اتنے خزانے چھوڑے، اتنی زمینیں چھوڑیں، اتنی جاگیریں دیں کہ آج ان کی اولاد عیش کی زندگی گزار رہی ہیں، تمہارے گیارہ بیٹے ہیں اور تم نے اپنے بیٹوں کے لئے کچھ بھی جمع نہیں کیا تمہارے بعد تمہاری اولاد کا کیا برا حشر ہوگا؟ یہ بات سن کر عمر بن عبدالعزیزؒ اٹھ کر بیٹھ گئے، فرمایا: میری بات سنو، اگر میں نے اپنی اولاد کی تربیت اچھی کی، انکو نیکی سیکھائی، نیکی کے راستے پر لگایا، تو اللہ کا وعدہ ہے **وھو یتولی الصالحین**۔ اللہ تعالیٰ نیکوں کا سرپرست ہے، میں اپنی اولاد کو اللہ کی سرپرستی میں دے کر جارہا ہوں، اور اگر یہ نیک نہیں بنے، بلکہ بدکار بنے، تو ان کی بدکاری پر میں ان کا کچھ تعاون نہیں کرنا چاہتا۔

جب عمر بن عبدالعزیز فوت ہوگئے اور انکے بعد جو بندہ حاکم اور بادشاہ بنا اس نے سوچا کہ اچھے اور نیک بندے مل جائیں، تاکہ مختلف علاقوں کے گورنر بناؤں، چنانچہ اس کو پورے علاقے میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے بیٹوں سے زیادہ پڑھا لکھا تربیت یافتہ، نیک سیرت بندہ نہیں ملا، اس نے ایک بیٹے کو گورنر بنایا، پھر دوسرے کو، پھر تیسرے کو بنایا، ہر ایک گورنر بنے، راحت وسکون کی زندگی گزارنے لگے، جبکہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پہلے والے حکام جنہوں نے اپنے بچوں کے لئے بڑی بڑی جاگیریں چھوڑی تھیں، ان کے اوپر ایسے حالات آئے کہ پورا خزانہ ختم ہوگیا اور میں نے ان کو جامع مسجد کے دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا اور عین اس وقت عمر بن عبدالعزیزؒ کے گیارہ بیٹے گیارہ صوبوں کے گورنر بنے ہوئے تھے۔

المعرفۃ والتاریخ ۱/ ۳۲۵-مختصر تاریخ دمشق ۶/ ۸۵

دومنٹ میں نور شتے

☆ ایک قاری صاحب جو ہمارے پیر بھائی، اور ہمارے حضرتؒ کے قریبی اور بڑے خادم تھے، مدینہ طیبہ میں ان کا گھر تھا اللہ نے انکو کثیر الاولاد بنایا، ان کے نو بیٹے ہوئے، بیٹیاں اس کے علاوہ، ماشاء اللہ انہوں نے سب کو نیکی پر لگایا، ہر بچہ ان کا عالم، حافظ، قاری، مفتی بنا، جب حضرت مرشد عالمؒ دنیا سے تشریف لے گئے، تو چند سالوں کے بعد ایک مرتبہ مسجد نبوی میں میرے سامنے قاری صاحب تشریف لائے، چہرے پر بہت ہی افسردگی کے آثار نظر آتے تھے، میں نے پوچھا قاری صاحب خیر تو ہے؟ کہنے لگے آج بہت پریشان ہوں، میں نے پوچھا، کس بات پر؟ انہوں نے کہا کہ بڑا بیٹا مفتی بن گیا جوان ہو گیا، اور اتنی بڑی فیملی صرف تین کمروں کے گھر میں رہتی ہے، اب اس کی شادی کرنی ہے، ہمارے پاس کوئی کمرہ نہیں کہ اس بچے کو شادی کر کے وہ کمرہ دے دیں۔

سعودی میں شادی کا خرچہ لڑکی والوں کے بجائے لڑکے والے کو کرنا پڑتا ہے، ہمارے یہاں تو لڑکی والے جہیز بنائے، خرچ کرے، ہر قسم کا بوجھ اٹھائے، اسی وجہ سے بچی کی پیدائش سے بعض لوگ پریشان ہو جاتے ہیں، وہاں الٹا معاملہ ہے لڑکی والوں کو کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا، تمام خرچہ لڑکے والے اٹھاتے ہیں.....تو کہنے لگے ہم اس ملک میں شادی کا پورا خرچہ کہاں سے اٹھائیں، میری تو تنخواہ اتنی کہ مشکل سے گھر کی دال روٹی مل جاتی ہے، اس سے زیادہ تو کچھ ہے نہیں۔

عجیب اتفاق کہ آج میرا ایک دوست آیا، اور اس نے مجھے آکر بہت جلی کٹی سنائی، اس نے کہا بڑے مولوی بنے پھرتے ہو، کیا کیا تم نے؟ تمہاری مت ماری گئی، تم دو کو ملا بنا دیتے خوش ہو جاتے، اس کے علاوہ کسی کو انجینئر بناتے، کسی کو ڈاکٹر بناتے، کسی کو بزنس مین بناتے، تو آج یہ بچے کمانے والے ہوتے، تمہارا بوجھ اٹھاتے، تم جیسا بھی کوئی بیوقوف ہوگا کہ

سب کو ہی ملّا، مولوی بنا دیا، اب یہ نہ کما سکتے ہیں نہ خود کھا سکتے ہیں نہ تمہیں کھلا سکتے ہیں، اب بیٹھ کر روؤ، وہ میرا بچپن کا دوست تھا، اتنا اس نے میرا دل توڑا کے مجھے محسوس ہونے لگا کہ شاید میں کوئی بڑا جرم کر بیٹھا، اس نے کہا اب جاؤ تلاش کرو اپنے بیٹے کے لئے رشتہ، جوتیاں چٹخا چٹخا کر بھی بیٹھ جاؤ گے، تو بھی رشتہ نہیں ملے گا، تو اس کی باتوں سے میں زیادہ ڈیپریشن میں آ گیا، لہذا آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ دعاء کریں، کہ اللہ تعالیٰ میرے بچے کا معاملہ آسان کر دے، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم سرکار کی خدمت میں سلام پیش کرنے کیلئے جا رہے ہیں،، آیئے آپ بھی چلئے، دعا کر دیجئے، ہم لوگ گئے سلام پڑھا دعا کی۔

اگلے دن مسجد نبوی میں عشاء کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے کہ قاری صاحب میٹھائی کا ایک ڈبہ لیکر مسکراتے ہوئے تشریف لائے، ہم نے پوچھا قاری صاحب کیا ہوا؟ کہنے لگے بس اللہ کی عجیب رحمت ہوئی، کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ ہمیں پتہ چلا کہ ایک پاکستانی انجینئر تھے جو ایکسیڈینٹ میں فوت ہو گئے، ان کے گھر میں بیٹی جوان ہے، جو پڑھی لکھی خوبصورت، خوب سیرت بہت ہی اچھی بچی ہے، کسی کے بتانے پر میں اپنی بیوی کو لے کر ان کے گھر گیا، جب میری بیوی ان کے گھر گئی، تو دو منٹ کے اندر اس نے پیغام بھیجا کہ میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہوں، میرا دل گھبرا گیا کہ انہوں نے میری بیوی کو نکال دیا کیا؟ یا نفی میں جواب دے دیا کیا؟ میں اپنی بیوی سے ملا پوچھا کیا ہوا؟ میری بیوی کا سانس پھولا ہوا تھا، کہنے لگی ہو گیا..... ہو گیا، میں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگی سب ہو گیا..... سب ہو گیا، میں نے کہا، اللہ کی بندی بتاؤ تو سہی کیا ہوا؟ اپنے سانس پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگی کہ بات یہ ہے کہ اتنی خوبصورت بچی ہے کہ میں کبھی زندگی میں تصور نہیں کر سکتی تھی، جب اس کی ماں سے بات کی تو ماں نے کہا کہ میرا خاوند دین دار تھا اور اس نے مجھے وصیت کی تھی، کہ ہر بیٹی کا رشتہ میں کسی دین دار عالم سے کروں، چونکہ میرے خاوند کی وصیت ہے اس لئے میں تو کسی عالم سے ہی کرونگی، کہنے لگی کہ ایک بات اور بتاؤں؟ میں نے کہا بتا دو، پھر خاموش ہو گئی، میں

نے پوچھا بتاتی کیوں نہیں؟ کہنے لگی، الحمدللہ ہمارے نو بیٹے ہیں، اور اسکی بھی نو بیٹیاں ہیں، اور ہر بیٹی ہمارے بیٹے سے دوسال چھوٹی ہے، ہم نے نو کی منگنی کر دی، ایک بڑا ہوگا ہم ان کی شادی کر دیں گے، اگلے بڑے ہونگے ان کی شادی کر دیں گے، میں آج دومنٹ میں نو بچوں کی منگنی کر کے آ گئی۔

دیکھا آپ نے اللہ پاک جب نیک لوگوں کی سرپرستی اور ذمہ داری لیتے ہیں تو کس طرح کام بنا دیتے ہیں اور جب خدا کی مدد نہیں ہوتی تو ایک ہی بیٹی کیوں نہ ہو مگر اس کا رشتہ نہیں آتا، اس وقت ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہے یہ ماں باپ ہی بہتر جانتے ہیں، پریشان ہوتے ہیں، کہتے ہیں حضرت کیا کریں، ہمارے یہاں آنسو نہیں تھمتے، ہم میاں بیوی چھپ چھپ کے روتے ہیں، بیٹی کا رشتہ مصیبت بن جاتا ہے، لیکن جب اللہ کی مدد آتی ہے تو چند منٹ میں نو بچوں کے رشتے طے ہو جاتے ہیں اور اللہ پاک "**وھو یتولیٰ الصالحین**" کا مشاہدہ کرا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا سرپرست ہے۔

ایک نوجوان کا دلچسپ اقرار

جرمنی میں ایک شہر ہے ''ہیمبرگ'' یہاں سب سے پہلے قرآن مجید پرنٹ ہوا، ایک رشیا میں ہوا، سن پیٹر برگ میں، اور ایک جرمنی میں ہوا، جب چھاپہ خانے بنے تو پہلا قرآن مجید ان جگہوں سے چھپا، اس شہر میں ایک دفعہ جانا ہوا، وہاں بیان ہوا، بیان کے بعد ایک پاکستانی انجینئر مجھے ملنے آئے، دیکھنے میں بہت خوبصورت، رنگ بڑا صاف، پرسنالیٹی بہت اچھی، کہنے لگے کہ میں آپ کو ایک بات بتاؤں؟ میں نے کہا بتلایئے، کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ داڑھی والوں کا بڑا فیور کرتے ہیں، میں نے کہا ہاں بات تو بالکل ٹھیک ہے، مگر تمہیں کیسے پتہ چلا کہنے لگا کہ مجھ پر جو بیتی ہے وہ کسی کو بتا نہیں سکتا، لیکن آپ کو میں ضرور بتاؤنگا، میں نے کہا بہت اچھا۔

کہنے لگا کہ میں پاکستانی انجینئر ہوں، جس دفتر میں کام کرتا ہوں، وہاں ایک جرمن لڑکی کام کرتی ہے، جو حسن اور جمال میں اپنی مثال آپ ہے، لوگ اس کو بیوٹی کوین یعنی ملکۂ حسن کہتے ہیں، وہ بھی انجینئر ہے، مگر اتنی سمجھ دار ہے، کہ وہ کسی بندے کو ضرورت سے زائد بات کرنے نہیں دیتی، دفتر کے جتنے نوجوان ہیں ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس سے میری شادی ہوجاتی، کوئی کسی ڈھنگ سے مخاطب کرتا، تو کوئی کسی ڈھنگ سے، لیکن وہ اتنا رعب رکھتی کہ دوسری کوئی بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی، نوجوان آپس میں بیٹھتے تو وداوٹ فول اسی کا ٹوپک ہوتا، کہ پتہ نہیں یہ کس قسمت والے کو ملے گی؟ پتہ نہیں یہ کس کی بات سنے گی؟

ایک دن دوپہر کے کھانے کا وقفہ تھا لوگوں نے کھانا کھایا، میں نے کھانا نہیں کھایا، وہ لڑکی قریب سے گزری، مجھ سے پوچھنے لگی کہ آپ نے کھانا نہیں کھایا، میں نے کہا مجھے آج کھانا نہیں کھانا ہے، کہنے لگی طبیعت ٹھیک ہے؟ میں نے کہا رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا ہے، میں نے روزہ رکھا ہے، کہنے لگی رمضان کیا ہوتا ہے، میں نے اسے بتایا، اس کو دلچسپی پیدا ہو گئی، چنانچہ اگلے دن پھر اس نے روزے کے بارے میں پوچھا مجھے تو بات کرنے کا موقع مل گیا، اب اسی ٹوپک (TOPIC) کو میں لمبا کرتا گیا، اور روزہ وغیرہ کے متعلق باتیں بتلانے لگا، جب کئی دنوں تک ہماری بات چیت اس ٹوپک پر ہونے لگی، تو وہ کہنے لگی کہ کوئی اہم جگہ بتادو جس سے میں اور باتیں معلوم کرسکوں، میں نے ایک اسلامک سینٹر کا پتہ بتادیا، کہ وہاں کے امام سے رابطہ کرو وہ عالم ہیں وہ تمہیں بتائیں گے، اس لڑکی نے وہاں رابطہ کیا اور اس کا امام کے ساتھ مستقل رابطہ ہوگیا، دینی باتیں معلوم کرنے لگی۔

چند دن کے بعد ایک دن دفتر آئی، تو دیکھا کہ وہ سر پر حجاب یعنی پردہ ڈال کر آئی ہے، ہم بڑے حیران، کسی نے پوچھا کیا ہوا، اس نے بتایا کہ میں مسلمان ہوگئی ہوں، اور میں نے امام صاحب کے پاس جا کر کلمہ پڑھ لیا ہے، کہنے لگے کہ میں بڑا خوش ہوا کہ پورے دفتر میں، میں ایک مسلمان ہوں اب میرا کام بن گیا، اب تو یہ میرے ساتھ رشتہ کریگی، کسی سے تو کر ہی نہیں سکتی، جس دن یہ ہوگا اس دن میں تو نوکری ڈے مناؤں گا، کہنے لگے اب میں

نے اس سے کھل کر اسلام کے متعلق باتیں کرنی شروع کر دی، وہ بھی میری باتیں خوب سنتی۔

جب چھٹیوں کا زمانہ آ گیا، چھٹیوں میں پہلے پروگرام بناتی تھی کہ کہیں ساحل سمندر چلی جاؤں، میں نے اس سے کہا تم مسلمان ہو چکی ہو، کیسے جاؤ گی؟ وہ کہنے لگی میں خود بھی جانا نہیں چاہتی، میں نے پوچھا پھر کیا کرو گی؟ کہنے لگی کہ میں ترکی جاؤں گی مسلمان ملک ہے، وہاں جا کر اسلام کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرونگی، میں نے اس کو کہا کہ ترکی میں کیا ہے؟ اصل اسلام تو پاکستان میں ہے، تم میرے ساتھ پاکستان چلو، تمہیں وہاں اسلام نظر آئے گا، عالم وہاں ملیں گے، کتابیں وہاں ملیں گی، مدرسے وہاں ملیں گے، اندر سے میرا دل کہہ رہا تھا کہ اللہ کرے یہ پاکستان ایک دفعہ آ جائے، کہنے لگی میں سوچوں گی چنانچہ اس نے دوسرے دن کہا کہ میں پاکستان جاؤں گی، اپنی ٹکٹ خود بک کروں گی اور وہاں ہوٹل بک کرا کر ہوٹل میں رہونگی، میں نے کہا نہیں نہیں، میرے گھر رہنا، میری والدہ ہے میری بہن ہے، میری بہن ایم اے ہے، میری والدہ بھی پڑھی لکھی ہے وہ دین کی بہت باتیں آپ کو بتلائیں گی، اس نے کہا کہ تم ان کو میرے ہوٹل میں لے آنا، میں ان سے بات چیت کرونگی، اگر میں مناسب سمجھوں گی تو تمہارے گھر ایک دن کیلئے آؤنگی، میں نے کہا چلو یہی بہتر ہے، میں نے اپنی بہن اور والدہ کو فون کیا، تیار رہو، منگیتر کو لے کر آ رہا ہوں، اور آتے ہی آپ لوگ اس کو تیار کر کے میری شادی کر دینا، اب جو باقی دس دن تھے وہ کٹتے ہی نہیں تھے، لوگوں کو راتوں میں خواب آتے ہیں، مجھے دن میں خواب آتے تھے کہ ہم پاکستان جا رہے ہیں اور وہ میری بیوی بنے گی، اور ایسی ہماری لائف ہوگی، اور میں خوش نصیب ہونگا، پوری برادری دیکھے گی کہ کیسی میری بیوی ہے، گھنٹوں ان خیالوں میں گم رہتا۔

کہنے لگا جس دن میں ایئرپورٹ پر پہنچا، تو میری نگاہیں اس کو تلاش کر رہی ہیں کہ پتہ نہیں آتی بھی ہے یا نہیں، تھوڑی دیر میں دیکھا آئی اور وہ بھی آ کر لائن میں کھڑی ہوگئی، اور مجھے بتایا کہ مسٹر فلاں ہم ساتھ چلیں گے، ہم لاہور اترے، لاہور میں ہمارا بڑا گاؤں تھا،

کاروبار تھا، ڈیفنس میں کوٹھی تھی، اور موٹر کا شوروم تھا، جس میں کروڑوں کی گاڑیاں تھیں، اور خاندان بڑا سمجھا جاتا تھا، مجھے تسلی تھی کہ یہ جائے گی جب سب کچھ دیکھے گی، تو اگلے دن نکاح کیلئے آمادہ ہو جائے گی، کہنے لگے لاہور ایئرپورٹ پر اسکو ایک مخصوص گاڑی لینے آئی ہوئی تھی، وہ کہنے لگی کہ اچھا میں جاتی ہوں، تھکی ہوئی ہوں، آرام کروں گی، کل دوپہر کو اپنی والدہ کو میرے پاس لے آنا، اگلے دن دوپہر کو والدہ اور بہن کو لے گیا، انہوں نے بات چیت کی، اس کو کہا کہ دیکھو! یہاں تمہیں کھانے کی تنگی، اور رہنے کی تنگی ہے، سب سے بہترین حلال کھانا ہمارے گھر میں ملیگا، تم ہمارے گھر میں آؤ ہم تمہیں کھانا کھلائیں گے، بہترین چائینیز بناتی ہوں، اور یہ کھانا وہ کھانا.....انہوں نے تو ایسی گردان پڑھی کہ عمدہ عمدہ کھانے کے لئے پیٹ بھرے بندے کے منہ میں بھی رال ٹپک جائے، بھوکے کو تو ٹپکتی ہی ہے، اس نے کہا اچھا میں آؤنگی، وہ ہمارے گھر آ گئی، اس نے محسوس کیا کہ گھر میں بھی کچھ عورتیں ہیں میں ان کے درمیان محفوظ رہ سکتی ہوں، میرے گھر رہنے لگی۔

میری والدہ نے ایک دم اس کو بیٹی بنالیا، کہ آج کے بعد آپ میری بیٹی، ایک میری بیٹی یہ ہے اور ایک آپ بیٹی ہو، اور میری بہن تو اس کے ساتھ فرینڈ بن گئی، کہنے لگی میں سوچتی تھی کہ زندگی میں کسی کو سہیلی بناؤنگی، آپ مجھے ملی ہو بس آپ کو میں نے سہیلی بنالیا، وہ سب کی باتیں سنتی، مگر چپ رہتی، میری بہن اور والدہ نے اس کو کہا کہ تم دونوں انجینئر ہو ایک جگہ کام کرتے ہو، کتنا اچھا جوڑ ہے، کیوں نہ ہم تمہاری شادی کر دیں، اور تم واپس جا کر میاں بیوی کی زندگی گزارو۔ اس نے جواب دیا میں تیار نہیں ہوں، والدہ مجھ سے کہنے لگی کوئی بات نہیں، ہم ایک دو دن میں تیار کر لیں گے۔

کہنے لگے ایک ہفتہ اسی میں گزر گیا، اور دوسرا ہفتہ جب شروع ہوا، تو مجھے فکر ہوئی، میں بڑا پریشان، میں نے اپنی بہن کو کہا کہ سنو، اگر یہ مجھ سے تیار نہیں تو میرے دو چھوٹے بھائی بھی ہیں، وہ بھی ماشاءاللہ نوجوان لکھے پڑھے ہیں، وہ اور زیادہ مجھ سے خوبصورت اور

ینگ (نوجوان) ہیں، میں نے کہا انکا رشتہ کردو، والدہ نے ان کے رشتہ پیش کئے اس نے اس کو بھی رجیکٹ کردیا، میری والدہ حیران کہ پتہ نہیں یہ چاہتی کیا ہے؟

کہنے لگے کیا بتاؤں؟ اللہ تعالیٰ داڑھی والوں کی کیسے فیور کرتا ہے، میرے ایک چچا تھے وہ تبلیغی جماعت میں جاتے تھے، اور انکا ایک بیٹا تھا جسکو انہوں نے جامعہ اشرفیہ میں پڑھا کر عالم بنایا، پوری برادری میں سب سے کمزور حالت ان کی تھی، پاؤں میں ہوائی چپل اور میلے کپڑے، سر پر معمولی ٹوپی، اسی حالت میں وہ پڑھتے تھے، معمولی کھانا کھاتے تھے، اتفاق سے میری والدہ کو کچھ دینے کیلئے میرا وہ کزن (چچازاد بھائی) میرے گھر آیا، اس لڑکی نے داڑھی والے بندے کو دیکھ لیا، تو میری والدہ سے پوچھا یہ کون ہے؟ امی نے بتادیا، کہ یہ میرے دیور کا بیٹا ہے اور عالم ہے، وہ کہنے لگی کہ اس سے اسلام کے بارے میں کچھ سوال پوچھ سکتی ہوں، امی نے کہا بہت اچھا، مگر اس عالم نے منع کردیا کہ میں عورت سے بات نہیں کرتا، امی نے منت سماجت کی تو تیار ہوگیا، لیکن ایسے جیسے کسی سے روٹھا ہوا ہوتا ہے، نہ اس کی طرف دیکھا نہ صحیح لہجے میں لڑکی سے بات کی، اس نے جو پوچھا بتلادیا، اور چلا گیا، لڑکی نے جاتے ہوئے کہا اپنا کوئی نمبر دے دیں میں فون سے آپ سے بات کر لیا کروں گی، اس نے فون نمبر دیدیا۔

دوسرے دن اس نے ایک گھنٹہ دین کے بارے میں معلومات حاصل کی، مولوی صاحب کچھ زیادہ ہی جانتے تھے، انہوں نے اسکو سب بتادیا، وہ لڑکی کہنے لگی کہ کیا آپ سے میں شادی کرسکتی ہوں؟ تو مولوی صاحب نے جواب دیا میں ابو سے پوچھونگا، وہ انجینئر کہنے لگا مجھے امی نے بتایا، کہ اس سے بات ہورہی ہے اب میں دعائیں مانگنے لگا کہ اس کے ابو منع کردیں، اس کے ابو نا کردیں، اس نے ابو سے پوچھا، ابو نے کہا بیٹا ہم نے تو دین کیلئے زندگی گزاردی، اگر اللہ نے آپ کا رزق وہاں رکھا ہے تو جاؤ اور وہاں جاکر دین کا کام کرو، اس نے ہاں کردی، جیسے ہی ہاں کی تو اس نے اس کے والد کو بلوایا، اور قریب کی مسجد میں چند شرعی گواہوں کی موجودگی میں لڑکی کا نکاح ہوگیا، اگلے دن اسکو لیکر اسلام آباد جرمن ایمبیسی

چلی گئی وہاں جا کر کہا میں جرمن ہوں، انجینئر ہوں، چھٹیاں گزارنے آئی تھی، یہ بندہ مجھے پسند آ گیا، میں نے شادی کر لی، اس کو ویزا لگا دیں، انہوں نے دس سال کا ملٹی پل ویزا لگا دیا، وہ مولوی صاحب کے ساتھ جرمنی پہنچ گئی اور ہم منہ دیکھتے رہ گئے، کہنے لگا اللہ تعالیٰ مولوی کا بڑا فیور کرتا ہے، میں نے کہا حقیقت یہ ہے "وھو یتولی الصالحین" اللہ تعالیٰ نیکوں کا سرپرست ہے؛ وہ ان کے کام سنوار دیتا ہے، ان کے لئے اللہ تعالیٰ ایسا سبب بنا دیتا ہے کہ بندے کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔

سرپرست کبھی انتقام بھی لیتا ہے

جب انسان توبہ کر کے نیکوکار بن جاتا ہے تو اللہ پاک اس کی طرف سے انتقام اور ایکشن لیتے ہیں، ان کی پشت پناہی، انکی مدد، انکے ساتھ خیر کا معاملہ فرماتے ہیں۔

☆ ملا جیونؒ ایک بزرگ گزرے ہیں، ایک مرتبہ ان سے بادشاہ کو کچھ کام پڑا، بادشاہ نے اپنے سپاہی کو بھیجا کہ جاؤ ملا صاحب سے فتویٰ پوچھ کر آؤ، ملا جیونؒ درس حدیث دے رہے تھے، درس کے دوران وہ آیا اور دروازے پے کھڑا ہو گیا، یہ درس دیتے رہے، ایک گھنٹہ اسے کھڑا رہنا پڑا، ایک گھنٹہ کے بعد اس کو موقعہ ملا، سوال پوچھا، انہوں نے جواب بتلا دیا، اس کو اندر اندر غصہ تھا، کہ انہوں نے مجھے ایک گھنٹہ کھڑا رکھا، اس نے بادشاہ کو جا کر کہا، کہ وہ تو آپ کو کچھ سمجھتا ہی نہیں، اور اس کے اتنے شاگرد ہیں، مجھے تو لگتا ہے کہ یہ آپ کے خلاف بہت بڑی ایک فورم (FORM) تیار کر رہا ہے، ابھی سے بندوبست کر لیں، دیکھئے! میں وردی کے ساتھ گیا، اور اس نے مجھے ایسے ڈیل کیا کہ جیسے میں اس کا چپراسی بھی نہیں ہوں، اس نے ادھر ادھر کی لگائی بجھائی کی، بادشاہ نے کہا کہ ملا جیون کو گرفتار کر کے لاؤ۔

جب اس نے حکم جاری کیا، تو ملا جیونؒ کا ایک شاگرد بادشاہ کا بیٹا ہی تھا، ان کے پاس پڑھتا تھا، اس نے جب ابو کی بات سنی تو وہ بھاگا، اور آ کر کہا کہ حضرت میرے والد نے

آپ کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا، پولیس آپ کے پاس آنے والی ہے، ملا جیونؒ نے فرمایا کہ اچھا پھر ایسا کرو کہ پانی لاؤ، ہم بھی وضو کرتے ہیں اور مصلیٰ پہ دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، اب اس نے وضو تو کرایا، بچہ سمجھ دار تھا، جب حضرت مصلیٰ پر گئے، تو وہ باپ کی طرف بھاگا، کہنے لگا ابو ملا جیونؒ نے وضو کر لیا، مصلیٰ پر کھڑے ہو گئے، اور دعا کیلئے انکے ہاتھ اٹھنے والے ہیں، اگر اٹھ گئے، تو پتہ نہیں پھر آپ کا مستقبل کیا بنے گا، بادشاہ کے سر پر تاج نہیں تھا، ننگے پاؤں بھاگتا آیا اور ملا جیونؒ کے پاس آکر پاؤں پکڑ لئے، حضرت آپ ہاتھ مت اٹھایئے، اگر آپ نے اٹھا دئے تو خدائے پاک انتقام لے لیگا اور میری نسلوں کا حشر تباہ ہو جائے گا۔

اگر میں جہنمی تو تجھے طلاق

امام شافعیؒ کے زمانے کا واقعہ ہے ایک علاقے کا کوئی گورنر تھا، حاکم تھا، وہ اپنی بیوی کے ساتھ اپنے گھر میں تنہائی کے لمحات میں تھا، خاوند اچھے موڈ میں تھا مگر بیوی کسی وجہ سے اس سے ناراض تھی، اب خاوند جتنا اس سے محبت و پیار کی باتیں کرتا، وہ بیوی اتنا اس سے چڑھتی اور اس سے بدتمیزی کرتی، حتی کہ جب خاوند نے بہت زیادہ اس سے محبت کا اظہار کیا تو عورت کا دماغ اس وقت گرم تھا، وہ بے وقوف آگے سے کہنے لگی کہ جہنمی پیچھے ہٹ ! مجھے ہاتھ مت لگا، اب جب اس نے اپنے خاوند کو جہنمی کہا تو آخر وہ بھی مرد تھا، اس کو غصہ آ گیا، اس نے کہا کہ اچھا اگر میں جہنمی تو پھر تجھے میری طرف سے طلاق، اب رات گزر گئی، صبح جب دونوں کا دماغ ٹھنڈا ہوا تو عورت کو بھی غلطی کا احساس ہوا کہ میں اپنے خاوند سے ناراض تھی مگر مجھے یہ لفظ تو نہیں کہنا چاہیئے تھا کہ جہنمی پرے ہٹ، میں نے تو غلطی کر لی، اب وہ اپنے خاوند سے پوچھنے لگی کہ جی ! کیا مجھے طلاق ہوگئی ؟ اس نے کہا : پتہ نہیں یہ تو conditional (شرطیہ) تھی، کہ اگر میں جہنمی ہوں تو تجھے میری طرف سے طلاق، لہذا مجھے علماء سے پوچھنا پڑے گا، خاوند نے علماء کو بلایا، علماء کہنے لگے اس کا جواب ہم تو نہیں

دے سکتے، اسلئے کہ کون گارنٹی دے کہ آپ جہنمی نہیں ہیں، کون فیصلہ کرسکتا ہے؟ یہ تو قیامت کے دن اللہ تعالی فیصلہ کریں گے، لہٰذا یہ بات top of the town (زبان زدعام) بن گئی، سیکڑوں علماء سے رابطہ کیا گیا مگر کوئی عالم، کوئی مفتی اس کا جواب نہیں دے پارہا تھا، بادشاہ پریشان تھا، وہ بھی اپنی اتنی خوبصورت بیوی کو طلاق نہیں دینا چاہتا تھا، بیوی بھی اب طلاق نہیں لینا چاہتی تھی۔

چنانچہ امام شافعیؒ کو کسی نے بتایا کہ جی فلاں علاقہ میں یہ واقعہ پیش آیا ہے، انہوں نے فرمایا مجھے وہاں لے چلو! میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں، چنانچہ امام شافعیؒ آئے اور انہوں نے حاکم سے پوچھا کہ کیا واقعہ پیش آیا؟ اس نے بتایا کہ اس طرح میری بیوی نے یہ الفاظ کہے اور میں نے اس کے جواب میں یہ الفاظ کہے، اب بتائیں طلاق ہوئی کہ نہیں؟ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ بادشاہ سلامت! اس کا جواب دینے کے لئے مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ باتیں پوچھنی پڑیں گی، اس نے کہا بہت اچھا، چنانچہ امام شافعیؒ نے اس سے کہا: بادشاہ سلامت! مجھے زندگی کا کوئی ایسا واقعہ بتایئے کہ جس میں آپ گناہ کرنے کا موقع رکھتے ہوں، گناہ کرنا آپ کے لئے آسان ہو مگر اللہ رب العزت کے ڈر کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ کو بچایا ہو، کوئی واقعہ ایسا سنائیں۔

بادشاہ سوچتا رہا، کہنے لگا: ہاں! ایک دفعہ میری زندگی میں یہ واقعہ پیش آیا، کیسے پیش آیا؟ کہنے لگا: ایک دفعہ جلدی میں اپنے دفتر کے کام سے فارغ ہوکر اپنے بیڈروم میں چلا گیا، جیسے ہی میں داخل ہوا، میں نے دیکھا کہ محل میں کام کرنے والی لڑکی میرے کمرے میں چیزوں کو سنوار رہی تھی، بستر کو ٹھیک کررہی تھی، جب میری اس کے چہرے پر نظر پڑی تو لڑکی حسن وجمال میں بہت پیاری تھی، چنانچہ میں نے دروازے کو لاک لگا دیا، بند کردیا، جب میں لاک لگا کر آگے بڑھا، تو لڑکی سمجھ گئی کہ میری نیت خراب ہے، وہ نیک تھی، پاک دامن تھی، تو میری طرف دیکھ کر اس نے کہا: **یاملک اتق اللہ** (اے بادشاہ اللہ سے ڈر)

جیسے ہی اس نے یہ لفظ کہا: اللہ سے ڈر، میرے دل میں ڈر آ گیا اور میں نے تالا کھول دیا اور لڑکی سے کہا چلی جاؤ! حالانکہ اگر میں چاہتا تو لڑکی سے اپنی خواہش پوری کر لیتا، مجھے کسی نے پوچھنا ہی نہیں تھا، مگر اس نیک بچی کے یہ الفاظ میرے دل پر بجلی بن کر گرے اور مجھے اللہ کا خوف آ گیا اور میں نے گناہ کے اس موقع سے بچنے کے لئے اس لڑکی کو واپس بھیج دیا اور یہ ایک ایسا گناہ ہے جو میں کر سکتا تھا مگر اللہ کے خوف کی وجہ سے میں نے نہیں کیا، جب اس نے یہ واقعہ سنایا، امام شافعیؒ نے اس سے کہہ دیا کہ آپ کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوئی، اس لئے کہ آپ جہنمی نہیں، بلکہ جنتی ہیں، جب انہوں نے یہ فتوی دیا سارے علماء ان سے بحث کرنے لگ گئے، آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ آپ کیسے جنت کا ٹکٹ دے سکتے ہیں؟ کیا پرمٹ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ کہیں کہ یہ جنتی ہے یہ جہنمی؟ آپ نے فرمایا: کہ یہ فتوی میں نے اپنی طرف سے نہیں دیا بلکہ یہ فتوی اللہ تعالی نے قرآن مجید میں خود عطا فرمایا ہے، جی قرآن مجید میں کیسے؟ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید کی آیت ہے {واما من خاف مقام ربه} اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا {ونهى النفس عن الهوى} (النازعات ۳۹) اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات میں پڑنے سے بچا لیا {فان الجنة هى الماوى} پس اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا، اللہ نے چونکہ فرما دیا، لہذا میں فتوی دیتا ہوں کہ اس کبیرہ گناہ سے بچنے کی وجہ سے یہ بندہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگا، جو بچی آج کے دور میں گناہ کی دعوت ملنے کے باوجود اپنے آپ کو مضبوط رکھتی ہے، اور اپنی عزت اور پاکدامنی کو محفوظ رکھتی ہے اور دعوت دینے والے کو no (نہیں) کا جواب دے دیتی ہے، ہٹ دفع ہو یہاں سے، کا جواب دے دیتی ہے، یہ لڑکی قیامت کے دن اللہ کی جنتوں میں داخل کی جائیگی، اور اللہ کا دیدار عطا کیا جائیگا، اللہ تعالی ہمیں بھی پاکدامنی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس آیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ: البتہ اسی قسم کا قصہ ہارون رشید کا زبیدہ کے ساتھ بھی ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ۶/ ۳۷۸)

اللہ اللہ اللہ

اِنَّ الشَّیۡطَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ

شیطان
اور
گناہ و معصیت

اللہ اللہ اللہ

برصیصا راہب کی گمراہی کا عبرتناک انجام

بنی اسرائیل میں برصیصا نامی ایک راہب تھا، اس وقت بنی اسرائیل میں اس جیسا کوئی عبادت گزار نہیں تھا، اس نے ایک عبادت خانہ بنایا ہوا تھا، وہ اسی میں عبادت میں مست رہتا تھا، اسے لوگوں سے کوئی غرض نہیں تھی، نہ تو وہ کسی کو ملتا تھا اور نہ ہی کسی کے پاس آتا جاتا تھا، شیطان نے اسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔

برصیصا اپنے کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا، وہ ایسا عبادت گزار تھا کہ اپنا وقت ہرگز ضائع نہیں کرتا تھا، شیطان نے دیکھا کہ جب دن میں کچھ وقت یہ تھکتے ہیں تو کبھی کبھی اپنی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھ لیتے ہیں، ادھر کوئی آبادی بھی نہیں تھی، اس کا اکیلا صومعہ تھا، اس کے ارد گرد کھیت اور باغ تھے، جب اس نے دیکھا کہ وہ دن میں ایک یا دو مرتبہ کھڑکی سے دیکھتے ہیں تو اس مردود نے انسانی شکل میں آکر کھڑکی کے سامنے نماز کی نیت باندھ لی..... اس نے نماز کیا پڑھنی تھی، فقط شکل بنا کر کھڑا تھا..... اب دیکھو کہ جس کی جو لائین ہوتی ہے اس کو گمراہ کرنے کے لئے اس کے مطابق (دل کش) بہروپ بناتا ہے۔

چنانچہ جب اس نے کھڑکی میں سے باہر جھانکا تو ایک آدمی کو قیام کی حالت میں دیکھا، وہ بڑا حیران ہوا، جب دن کے دوسرے حصے میں اس نے دوبارہ ارادتاً باہر دیکھا تو وہ رکوع میں تھا، بڑا المبا رکوع کیا، پھر تیسری مرتبہ سجدے کی حالت میں دیکھا، کئی دن اسی طرح ہوتا رہا، آہستہ آہستہ برصیصا کے دل میں یہ بات آنے لگی کہ یہ تو کوئی بڑا ہی بزرگ انسان ہے جو دن رات اتنی عبادتیں کرتا ہے، وہ کئی مہینوں تک اسی طرح شکل بنا کر قیام، رکوع

اور سجدے کرتا رہا، یہاں تک کہ برصیصا کے دل میں یہ بات آنے لگی کہ میں اس سے پوچھوں تو صحیح کے یہ کون ہے۔

جب برصیصا کے دل میں یہ بات آنے لگی تو شیطان نے کھڑکی کے قریب مصلی بچھانا شروع کر دیا، جب مصلی کھڑکی کے قریب آ گیا اور برصیصا نے باہر جھانکا تو اس نے شیطان سے پوچھا: تم کون ہو؟ وہ کہنے لگا: آپ کو مجھ سے کیا غرض ہے، میں اپنے کام میں لگا ہوا ہوں، مجھے ڈسٹرب نہ کریں، وہ سوچنے لگا کہ عجیب بات ہے کہ کسی کی کوئی بات سننا گوارہ ہی نہیں کرتا، دوسرے دن برصیصا نے پھر پوچھا کہ آپ اپنا تعارف تو کروائیں، وہ کہنے لگا: مجھے اپنا کام کرنے دو۔

اللہ کی شان کہ ایک دن بارش ہونے لگی، وہ بارش میں بھی نماز کی شکل بنا کر کھڑا ہو گیا، برصیصا کے دل میں بات آئی کہ جب یہ اتنا عبادت گزار ہے کہ اس نے بارش کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی، کیوں نہ میں اچھے اخلاق کا مظاہرہ کروں اور اس سے کہوں کہ میاں! اندر آ جاؤ، چنانچہ اس نے شیطان کو پیش کش کی کہ باہر بارش ہو رہی ہے، تم اندر آ جاؤ، وہ جواب میں کہنے لگا: ٹھیک ہے، مؤمن کو مؤمن کی دعوت قبول کر لینی چاہئے، لہٰذا میں آپ کی دعوت قبول کر لیتا ہوں، وہ چاہتا ہی یہی تھا، چنانچہ اس نے کمرے میں آ کر نماز کی نیت باندھ لی وہ کئی مہینوں تک اس کے کمرے میں عبادت کی شکل بناتا رہا، وہ دراصل عبادت نہیں کر رہا تھا، فقط نماز کی شکل بنا رہا تھا، لیکن دوسرا یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے، اس کو نماز سے کیا غرض تھی، وہ تو اپنے مشن پر تھا۔

جب کئی مہینے گزر گئے تو برصیصا نے اسے واقعی بہت بڑا بزرگ سمجھنا شروع کر دیا اور اس کے دل میں اس کی عقیدت پیدا ہونا شروع ہو گئی، اتنے عرصے کے بعد شیطان برصیصا سے کہنے لگا کہ اب میرا سال پورا ہو چکا ہے لہٰذا میں اب یہاں سے جاتا ہوں، میرا مقام کہیں اور ہے، روانہ ہوتے وقت ویسے ہی دل نرم ہو چکا تھا لہٰذا وہ

برصیصا سے کہنے لگا: اچھا میں آپ کو جاتے جاتے ایک ایسا تحفہ دے جاتا ہوں جو مجھے اپنے بڑوں سے ملا تھا، وہ تحفہ یہ ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی بھی بیمار آئے تو اس پر یہ پڑھ کر دم کر دیا کرنا، وہ ٹھیک ہو جایا کریگا، تم بھی کیا یاد کروگے کہ کوئی آیا تھا اور تحفہ دے گیا تھا، برصیصا نے کہا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، وہ کہنے لگا کہ ہمیں یہ نعمت طویل مدت کی محنت کے بعد ملی ہے، میں وہ نعمت تمہیں تحفے میں دے رہا ہوں اور تم انکار کر رہے ہو، تم تو بڑے نالائق انسان ہو، یہ سن کر برصیصا کہنے لگا: اچھا جی! مجھے بھی سکھا ہی دیں، چنانچہ شیطان نے اسے ایک دم سکھا دیا اور یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گیا کہ اچھا پھر کبھی ملیں گے۔

وہ وہاں سے سیدھا بادشاہ کے گھر گیا، بادشاہ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی، شیطان نے جا کر اس بیٹی پر اثر ڈالا اور وہ مجنونہ سی بن گئی، وہ خوبصورت اور پڑھی لکھی لڑکی تھی لیکن شیطان کے اثر سے اسے دورے پڑنا شروع ہو گئے، بادشاہ نے اس کے علاج کے لئے حکیم اور ڈاکٹر بلوا لئے، کئی دنوں تک وہ اس کا علاج کرتے رہے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

جب کئی دنوں کے علاج کے بعد بھی کچھ افاقہ نہ ہوا تو شیطان نے بادشاہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ بڑے حکیموں اور ڈاکٹروں سے علاج کروالیا ہے، اب کسی دم والے سے ہی دم کروا کر دیکھ لو، خیال آتے ہی اس نے سوچا کہ ہاں کسی دم والے کو تلاش کرنا چاہیئے، چنانچہ اس نے اپنے سرکاری ہرکارے بھیجے تاکہ وہ پتہ کر کے آئیں کہ اس وقت سب سے زیادہ نیک بندہ کون ہے، سب نے کہا کہ اس وقت سب سے زیادہ نیک آدمی تو برصیصا ہے اور وہ تو کسی سے ملتا ہی نہیں ہے، بادشاہ نے کہا کہ اگر وہ کسی سے نہیں ملتا تو ان کے پاس جا کر میری طرف سے درخواست کرو کہ ہم آپ کے پاس آجاتے ہیں۔

کچھ آدمی برصیصا کے پاس گئے، اس نے انہیں دیکھ کر کہا کہ آپ مجھے ڈسٹرب کرنے کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بادشاہ کی بیٹی بیمار ہے، حکیموں اور ڈاکٹروں سے

بڑا علاج کروایا ہے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، بادشاہ چاہتے ہیں کہ آپ بے شک یہاں نہ آئیں تا کہ آپ کی عبادت میں خلل نہ آئے، ہم آپ کے پاس بچی کو لے کر آجاتے ہیں، آپ یہیں اس بچی کو دم کر دینا، ہمیں امید ہے کہ آپ کے دم کرنے سے وہ ٹھیک ہوجائے گی، اس کے دل میں ایک خیال آیا کہ ہاں میں نے ایک دم سیکھا تو ہے، اس دم کو آزمانے کا یہ اچھا موقع ہے، چلو یہ تو پتہ چل جائیگا کہ وہ دم ٹھیک بھی ہے یا نہیں، چنانچہ اس نے ان لوگوں کو بادشاہ کی بیٹی کو لانے کی اجازت دے دی۔

بادشاہ اپنی بیٹی کو لے کر برصیصا کے پاس آ گیا، اس نے جیسے ہی دم کیا وہ فورا ٹھیک ہوگئی، مرض بھی شیطان نے لگایا تھا اور دم بھی اسی نے بتایا تھا لہذا دم کرتے ہی شیطان اس کو چھوڑ کر چلا گیا اور وہ بالکل ٹھیک ہوگئی، بادشاہ کو پکا یقین ہوگیا کہ میری بیٹی اس کے دم سے ٹھیک ہوئی ہے۔

ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد اس نے پھر اسی طرح بچی پر حملہ کیا اور وہ اسے پھر برصیصا کے پاس لے آئے، اس نے دم کیا تو وہ پھر اسے چھوڑ کر چلا گیا، حتی کہ دو چار دن کے بعد بادشاہ کو پکا یقین ہوگیا کہ میری بیٹی کا علاج اس کے دم میں ہے، اب برصیصا کی بڑی شہرت ہوئی کہ اس کے دم سے بادشاہ کی بیٹی ٹھیک ہوجاتی ہے۔

کچھ عرصے کے بعد اس بادشاہ کے ملک پر کسی نے حملہ کیا، وہ اپنے شہزادوں کے ہمراہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری کرنے لگا، اب بادشاہ سوچ میں پڑ گیا کہ اگر جنگ میں جائے تو بیٹی کو کس کے پاس چھوڑ کر جائیں، کسی نے مشورہ دیا کہ کسی وزیر کے پاس چھوڑ جائیں اور کسی نے کوئی اور مشورہ دیا، بادشاہ کہنے لگا کہ اگر اسکو دوبارہ بیماری لگ گئی تو پھر کیا بنے گا، برصیصا تو کسی کی بات بھی نہیں سنے گا، چنانچہ بادشاہ نے کہا کہ میں خود برصیصا کے پاس اپنی بیٹی کو چھوڑ جاتا ہوں ..... دیکھو شیطان کیسے جوڑ ملا رہا ہے .... بادشاہ اپنے تینوں بیٹوں اور بیٹی کو لے کر برصیصا کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ ہم جنگ پر جارہے ہیں، زندگی

اور موت کا پتہ نہیں ہے، مجھے اس وقت سب سے زیادہ اعتماد تمہیں پر ہے اور میری بیٹی کا علاج بھی تمہارے ہی پاس ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ یہ بچی تمہارے پاس ہی ٹھہر جائے، برصیصا کہنے لگا: توبہ توبہ!!! میں یہ کام کیسے کرسکتا ہوں کہ یہ اکیلی میرے پاس ٹھہرے، بادشاہ نے کہا :نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بس آپ اجازت دے دیں، میں اسکے رہنے کے لئے آپ کے عبادت خانے کے سامنے ایک گھر بنوا دیتا ہوں اور یہ اسی گھر میں ٹھہرے گی، برصیصا نے یہ سن کر کہا: چلو ٹھیک ہے، جب اس نے اجازت دے دی تو بادشاہ نے اس کے عبادت خانے کے سامنے گھر بنوا دیا اور بچی کو وہاں چھوڑ کر جنگ پر روانہ ہو گئے۔

اب برصیصا کے دل میں بات آئی کہ میں اپنے لئے تو کھانا بناتا ہی ہوں، اگر بچی کا کھانا میں ہی بنا دیا کروں تو اس میں کیا حرج ہے کیوں کہ وہ اکیلی ہے پتہ نہیں وہ اپنے لئے کھانا پکائے گی بھی یا نہیں، چنانچہ وہ کھانا بناتا اور آدھا خود کھا کر باقی آدھا کھانا اپنے عبادت خانے کے دروازے سے باہر رکھ دیتا اور اپنا دروازہ کھٹکھٹا دیتا، یہ اس لڑکی کے لئے اشارہ ہوتا کہ اپنا کھانا اٹھا لو، اس طرح وہ لڑکی کھانا اٹھا کر لے جاتی اور کھا لیتی، کئی مہینوں تک یہی معمول رہا۔

اس کے بعد شیطان نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ دیکھو، وہ لڑکی اکیلی رہتی ہے، تم کھانا پکا کر اپنے دروازے کے باہر رکھ دیتے ہو اور لڑکی کو وہ کھانا اٹھانے کے لئے گلی میں نکلنا پڑتا ہے، اگر کبھی کسی مرد نے دیکھ لیا تو وہ تو اس کی عزت خراب کر دیگا، اس لئے بہتر یہ ہے کہ کھانا بنا کر اس کے دروازے کے اندر رکھ دیا کرو تا کہ اس کو باہر نکلنا نہ پڑے، چنانچہ برصیصا نے کھانا بنا کر اسکے دروازے کے اندر رکھنا شروع کر دیا، وہ کھانا رکھ کر کنڈی کھٹکھٹا دیتا اور وہ کھانا اٹھا لیتی، یہ سلسلہ چلتا رہا۔

جب کچھ اور مہینے بھی گزر گئے تو شیطان نے اس کے دل میں ڈالا کہ تم خود تو عبادت میں لگے ہوتے ہو، یہ لڑکی اکیلی ہے، ایسا نہ ہو کہ تنہائی کہ وجہ سے اور زیادہ بیمار

ہوجائے، اس لئے بہتر ہے کہ اس کو کچھ نصیحت کر دیا کرو تا کہ یہ بھی عبادت گزار بن جائے، اور اس کا وقت ضائع نہ ہو، یہ خیال دل میں آتے ہی اس نے کہا کہ ہاں یہ بات تو بہت اچھی ہے لیکن اس کام کی کیا ترتیب ہونی چاہیئے، شیطان نے اس بات کا جواب بھی اس کے دل میں ڈالا کہ اسکو کہہ دو کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر آجایا کرے اور تم بھی اپنے گھر کی چھت پر بیٹھ جایا کرو اور اسے وعظ ونصیحت کیا کرو، چنانچہ اس نے اسی ترتیب سے وعظ ونصیحت کرنا شروع کردی، اس کے وعظ کا اس لڑکی پر بڑا اثر ہوا، اس نے نمازیں اور وظیفے شروع کر دیئے، اب شیطان نے اسکے دل میں یہ بات ڈالی کہ دیکھ تیری نصیحت کا اس پر کتنا اثر ہوا ایسی نصیحت تو ہر روز ہونی چاہیئے، چنانچہ اس نے روزانہ نصیحت کرنا شروع کر دی۔

اسی طرح کرتے کرتے جب کچھ وقت گزر گیا تو شیطان نے پھر اسکے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اپنے گھر کی چھت پر بیٹھتے ہو اور وہ اپنے گھر کی چھت پر بیٹھتی ہے، راستے میں گزرنے والے کیا باتیں سوچیں گے کہ یہ کون باتیں کر رہے ہیں، اس طرح تو بہت ہی غلط تأثر پیدا ہو جائیگا، اس لئے بہتر ہے کہ چھت پر بیٹھ کر اونچی آواز سے بات کرنے کے بجائے تم دروازے سے باہر کھڑے ہو کر تقریر کرو اور وہ دروازے کے اندر کھڑی ہو کر سن لے، پردہ تو ہوگا ہی صحیح، چنانچہ اب اسی ترتیب سے وعظ ونصیحت شروع ہوگئی، کچھ عرصے تک اسی طرح معمول رہا۔

اس کے بعد شیطان نے پھر برصیصا کے دل میں خیال ڈالا کہ تم باہر کھڑے رہ کر تقریر کرتے ہو، دیکھنے والے کیا کہیں گے کہ پاگلوں کی طرح ایسے ہی باتیں کر رہا ہیں، اس لئے اگر تقریر کرنی ہے تو چلو کواڑ کے اندر کھڑے ہو کر کرلیا کرو، وہ دور کھڑی ہو کر سن لیا کریگی، چنانچہ اب اس نے دروازے کے اندر کھڑے ہو کر تقریر کرنا شروع کر دیا، جب اس نے اندر کھڑے ہو کر تقریر کرنا شروع کر دی تو لڑکی نے اسے بتایا کہ اتنی نمازیں پڑھتی ہوں اور اتنی عبادت کرتی ہوں، یہ سن کر اسے بڑی خوشی ہوئی

کہ میری باتوں کا اس پر بڑا اثر ہو رہا ہے، اب میں اکیلا ہی عبادت نہیں کر رہا ہوتا بلکہ یہ بھی عبادت کر رہی ہوتی ہے، کئی دن تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔

بالآخر شیطان نے لڑکی کے دل میں برصیصا کی محبت ڈالی اور برصیصا کے دل میں لڑکی کی محبت ڈالی، چنانچہ لڑکی نے کہا کہ آپ جو کھڑے کھڑے بیان کرتے ہیں، میں آپ کے لئے چار پائی ڈال دیا کروں گی، آپ اس پر بیٹھ کر بیان کر دیا کرنا اور میں دور بیٹھ کر سن لیا کروں گی، اس نے کہا: بہت اچھا، لڑکی نے دروازے کے قریب چار پائی ڈال دی، برصیصا اس پر بیٹھ کر نصیحت کرتا رہا اور لڑکی دور بیٹھ کر باتیں سنتی رہی، اس دوران شیطان نے برصیصا کے دل میں لڑکی کے لئے بڑی شفقت و ہمدردی پیدا کر دی، کچھ دن گزرے تو شیطان نے عابد کے دل میں بات ڈالی کہ نصیحت سنانی تو لڑکی کو ہوتی ہے، دور بیٹھنے کی وجہ سے اونچا بولنا پڑتا ہے، گلی سے گزرنے والے لوگ بھی سنتے ہیں، کتنا اچھا ہو کہ یہ چار پائی ذرا آگے کر کے رکھ لیا کرے اور پست آواز میں گفتگو کر لیا کریں، چنانچہ برصیصا کی چار پائی لڑکی کی چار پائی کے قریب تر ہو گئی اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رہا۔

کچھ عرصہ اسی طرح گزرا تو شیطان نے لڑکی کو مزین کر کے برصیصا کے سامنے پیش کرنا شروع کر دیا اور وہ یوں اس لڑکی کے حسن و جمال کا گرویدہ ہوتا گیا، اب شیطان نے برصیصا کے دل میں جوانی کے خیالات ڈالنا شروع کر دیئے، حتی کہ برصیصا کا دل عبادت خانے سے اچاٹ ہو گیا اور اس کا زیادہ وقت لڑکی سے باتیں کرنے میں گزر جاتا، سال گزر چکا تھا، ایک دفعہ شہزادوں نے آ کر شہزادی کی خبر گیری کی تو شہزادی کو خوش وخرم پایا اور راہب کے گن گاتے دیکھا، شہزادوں کو لڑائی کے لئے دوبارہ سفر پر جانا تھا اس لئے وہ مطمئن ہو کر چلے گئے، اب شہزادوں کے جانے کے بعد شیطان نے اپنی کوششیں تیز تر کر دی، چنانچہ اس نے برصیصا کے دل میں لڑکی کا عشق پیدا کر دیا اور لڑکی کے دل میں برصیصا کا عشق بھر دیا، حتی کہ دونوں طرف برابر کی آگ سلگ اٹھی۔

اب جس وقت عابد نصیحت کرتا تو سارا وقت اس کی نگاہیں شہزادی کے چہرے پر جمی رہتیں، شیطان لڑکی کو ناز وانداز سکھاتا اور وہ سراپا نازنین رشک قمر اپنے انداز واطوار سے برصیصا کا دل لبھاتی، حتی کہ عابد نے علیحدہ چارپائی پر بیٹھنے کے بجائے لڑکی کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر بیٹھنا شروع کر دیا، اب اس کی نگاہیں جب شہزادی کے چہرے پر پڑی تو اس نے اسے سراپا حسن وجمال اور جاذب نظر پایا، چنانچہ اپنی شہوانی جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور اس شہزادی کی طرف ہاتھ بڑھایا، شہزادی نے مسکرا کر اس کی حوصلہ افزائی کی، یہاں تک کہ برصیصا زنا کا مرتکب ہو گیا، جب دونوں کے درمیان سے حیا کی دیوار ہٹ گئی اور زنا کے مرتکب ہوئے تو وہ آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنے لگ گئے، اسی دوران شہزادی حاملہ ہو گئی۔

اب برصیصا کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو کیا بنے گا، مگر شیطان نے اس کے دل میں خیال ڈالا کہ کوئی فکر کی بات نہیں، جب وضع حمل ہو گا تو نومولود کو زندہ درگور کر دینا اور لڑکی کو سمجھا دینا، وہ اپنا بھی عیب چھپائے گی اور تمہارا بھی عیب چھپائے گی، اس خیال کی آتے ہی ڈر اور خوف کے تمام حجاب دور ہو گئے اور برصیصا بے خوف وخطر ہوس پرستی اور نفس پرستی میں مشغول رہا۔

ایک وہ دن بھی آیا جب اس شہزادی نے بچے کو جنم دیا، جب بچے کو وہ دودھ پلانے لگی تو شیطان نے برصیصا کے دل میں ڈالا کہ اب تو ڈیڑھ دو سال گزر گئے ہیں اور بادشاہ اور دیگر لوگ جنگ سے واپس آنے والے ہیں، شہزادی تو ان کو سارا ماجرا سنا دیگی، اس لئے تم اسکا بیٹا کسی بہانے سے قتل کر دو تا کہ گناہ کا ثبوت نہ رہے۔

چنانچہ ایک دفعہ شہزادی سوئی ہوئی تھی، اس نے بچے کو اٹھایا اور قتل کر کے گھر کے صحن میں دبا دیا، اب ماں تو ماں ہی ہوتی ہے، جب وہ اٹھی تو اس نے کہا: میرا بیٹا کدھر ہے؟ اس نے کہا: مجھے تو کوئی خبر نہیں، مان نے ادھر ادھر دیکھا تو بیٹے کا کہیں سراغ نہ ملا، چنانچہ وہ اس سے خفا ہونے لگی، جب وہ خفا ہونے لگی تو شیطان نے برصیصا کے دل میں بات ڈالی

کے دیکھو! یہ ماں ہے، اور یہ اپنے بیٹے کو ہرگز نہیں بھولے گی، پہلے تو نہ معلوم یہ بتاتی یا نا بتاتی اب تو یہ ضرور بتا دے گی، لہٰذا اب ایک ہی علاج باقی ہے لڑکی کو بھی قتل کر دو، تا کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری، جب بادشاہ آ کر پوچھے گا تو بتا دینا کہ پس وہ بیمار ہوئی تھی اور مر گئی، جیسے ہی اس کے دل میں یہ بات آئی کہنے لگا کہ بالکل ٹھیک ہے، چنانچہ اس نے لڑکی کو بھی قتل کر دیا اور لڑکے کے ساتھ ہی صحن میں دفن کر دیا، اس کے بعد وہ اپنی عبادت میں لگ گیا۔

کچھ مہینوں کے بعد بادشاہ سلامت واپس آ گئے، اس نے بیٹوں کو بھیجا کہ جاؤ اپنی بہن کو لے آؤ، وہ برصیصا کے پاس آئے اور کہنے لگے: جی ہماری بہن آپ کے پاس تھی، ہم اسے لینے آئے ہیں، برصیصا ان کی بات سن کر رو پڑا اور کہنے لگا کہ آپ کی بہن بہت اچھی تھی، بڑی نیک تھی اور ایسے ایسے عبادت کرتی تھی، لیکن وہ اللہ کو پیاری ہوگئی تھی، یہ صحن میں اس کی قبر ہے، بھائیوں نے جب سنا تو وہ رو دھو کر واپس چلے گئے۔

گھر جا کر جب وہ رات کو سوئے تو شیطان خواب میں بڑے بھائی کے پاس گیا اور اس سے پوچھنے لگا: بتاؤ تمہاری بہن کا کیا بنا؟ وہ کہنے لگے: ہم جنگ کے لئے گئے ہوئے تھے، اسے برصیصا کے پاس چھوڑ کر گئے تھے، وہ اب فوت ہو چکی ہے، شیطان کہنے لگا: وہ فوت نہیں ہوئی تھی، اس نے پوچھا کہ اگر فوت نہیں ہوئی تھی تو کیا ہوا تھا؟ وہ کہنے لگا برصیصا نے خود یہ کرتوت کیا ہے اور اس نے خود اسے قتل کیا ہے اور فلاں جگہ اسے دفن کیا اور بچے کو بھی اس نے اسی کے ساتھ دفن کیا تھا، اس کے بعد وہ خواب میں ہی اس کے درمیانی بھائی کے پاس گیا اور اس کو بھی یہی کچھ کہا اور پھر اس کے چھوٹے بھائی کے پاس جا کر بھی یہی کچھ کہا۔

تینوں بھائی جب صبح اٹھے تو ایک نے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے، دوسرے نے کہا میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے تیسرے نے کہا کہ میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے، وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ سب کو ایک جیسا خواب آیا ہے، سب سے چھوٹے بھائی نے کہا: یہ اتفاق کی بات نہیں ہے بلکہ میں جا کر تحقیق کروں گا، دوسرے

نے کہا: چھوڑو بھائی یہ کون سی بات ہے جانے دو، وہ کہنے لگا: نہیں میں ضرور تفتیش کروں گا، چنانچہ چھوٹا بھائی غصے میں آکر چل پڑا، اسے دیکھ کر باقی بھائی بھی اس کے ساتھ ہولئے، انہوں نے جا کر جب زمین کو کھودا تو اس میں بہن کی ہڈیاں بھی مل گئی اور ساتھ ہی چھوٹے سے بچے کی ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی مل گیا۔

جب ثبوت مل گیا تو انہوں نے برصیصا کو گرفتار کرلیا، اسے جب قاضی کے پاس لے جایا گیا تو اس نے قاضی کے روبرو اپنے اس گھناؤنے اور مکروہ فعل کا اقرار کرلیا اور قاضی نے برصیصا کو پھانسی دینے کا حکم دے دیا۔

جب برصیصا کو پھانسی کے تخت پر لایا گیا اور اس کے گلے میں پھندا ڈالا گیا اور پھر پھندا کھینچنے کا وقت آیا تو پھندہ کھینچنے سے عین دو چار لمحے پہلے شیطان اس کے پاس وہی عبادت گزار کی شکل میں آیا وہ اسے کہنے لگا: کیا مجھے پہچانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ برصیصا نے کہا: ہاں میں تمہیں پہچانتا ہوں، تم وہی عبادت گزار ہو جس نے مجھے وہ دم بتایا تھا، شیطان نے کہا: وہ دم بھی آپ کو میں نے بتایا تھا، لڑکی کو بھی میں نے اپنا اثر ڈال کر بیمار کیا تھا، اسے قتل بھی میں نے تجھ سے کروایا تھا اور اگر اب تو بچنا چاہے تو میں ہی تمہیں بچا سکتا ہوں، برصیصا نے کہا: اب تم مجھے کیسے بچا سکتے ہوں؟ وہ کہنے لگا: تم میری ایک بات مان لو میں تمہارا یہ کام کر دیتا ہوں، اس نے پوچھا کہ میں آپ کی کون سی بات مانوں؟ شیطان نے کہا کہ بس یہ کہہ دو کہ خدا نہیں ہے، برصیصا کے تو حواس باختہ ہو چکے تھے، اس نے سوچا کہ چلو، میں ایک دفعہ یہ کہہ دیتا ہوں، پھر پھانسی سے بچنے کے بعد دوبارہ اقرار کرلوں گا، چنانچہ اس نے کہہ دیا، خدا موجود نہیں، عین اس لمحے میں کھینچنے والے نے کھینچ دیا اور یوں اس عبادت گزار کی کفر پر موت آ گئی۔

(تفسیر القرطبی ۱۸ / ۳۹-البدایہ والنہایہ ۲ / ۱۶۲-تلبیس ابلیس ۳۳-تفسیر قرطبی سورۂ حشر-تفسیر مظہری ۱۱ / ۲۵۸، اردو)

ایک فیشن ایبل لڑکی کا انجام

ایک آدمی نے اپنی بیٹی کی تعلیم کا کوئی خیال نہ کیا، حتی کہ اس کو خوب مال پیسہ دیا اور وہ خوبصورت لڑکی فیشن ایبل بن گئی، حتی کہ جوانی میں اس کو موت آ گئی، اس آدمی کی بڑی تمنا تھی بیٹی جوانی میں جدا ہوگئی میں کبھی اس کو خواب میں تو دیکھوں، میری بیٹی کس حال میں ہے، ایک دن اس نے خواب میں دیکھا کہ اپنی بیٹی کے قبر پہ کھڑا ہے اچانک اسکی بیٹی کی قبر کھل گئی کیا دیکھتا ہے، بیٹی بے لباس پڑی ہے اس نے اپنے ستر کو چھپایا مگر اس کی تو حالت عجیب تھی اس کا سر بالکل گنجا ہے اور اس کی شکل عجیب، اس نے پوچھا: بیٹی تیرا کیا حال ہے، کہنے لگی: ابو میں بے پردہ پھرتی تھی، جب یہاں قبر میں آئی میرے سر کو بہت بڑا بنا دیا گیا پہاڑوں کی طرح میرا ہر ہر بال بڑ کے درخت کی طرح بنا دیا گیا، جس کی شاخیں زمین میں دور تک پھیلی ہوتی ہے، پھر فرشتے آئے انہوں نے میرے ایک ایک بال کو نوچا اور جس طرح بڑ کے درخت کو کھینچ لے تو زمین میں گڑھے پڑ جاتے ہیں، ابو! ایک ایک بال کو نوچنے سے میرے سر کے اندر گڑھے پڑ گئے، اس لئے میرے سر کی جلد بھی چلی گئی فقط ہڈی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں، اس نے کہا بیٹی تمہارا چہرہ بھی وہ نہیں، کہنے لگی: ابو! آپ دیکھ رہے ہیں آپ کو میرے دانت نظر آ رہے ہیں، ہونٹ نہیں ہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے ہونٹوں پے سرخی لگی ہوئی تھی اور میں اسی طرح وضو کر کے نمازیں پڑھ لیتی تھی، فرشتے آئے انہوں نے کہا: تو طہارت کا خیال نہیں کرتی تھی، تیرا غسل بھی نہیں ہوتا تھا، چنانچہ انہوں نے میری سرخی کو جو کھینچا، یہ سرخی چپک گئی تھی میرے ہونٹوں سے، سرخی کے ساتھ اوپر اور نیچے کے دونوں ہونٹ بھی کٹ گئے، اس لئے آپ کو میرے بتیس دانت نظر آ رہے ہیں،

ہونٹ اوپر نہیں ہے، باپ نے کہا: بیٹی تیرے ہاتھوں کی انگلیاں زخمی نظر آتی ہے، لڑکی نے کہا: ابو میں ناخون پالش لگایا کرتی تھی فرشتے آئے کہنے لگے: تیرے ناخونوں کو ہم کھینچیں گے، انہوں نے میرے ایک ایک ناخون کو کھینچا ابو میرے ہاتھ پہ زخم ہیں میرے چہرے پہ زخم ہے، میرے سر پہ زخم ہے میں بتا نہیں سکتی، آپ نے مجھے اتنی محبت دی تھی، میں نے جو خواہش کی ابو آپ نے پوری کر دی، مجھے اتنی محبت دی میں تو غم، پریشانی کو جانتی نہیں تھی، شہزادیوں کی طرح آپ نے پالا، کاش ابو آپ مجھ پر ایک احسان کرتے مجھے کچھ دین کی سمجھ بھی بتا دیتے میں اس عذاب میں گرفتار نہ ہوتی، نہ میں خاوند کو بلا سکتی ہوں نہ میں آپ کو پیغام بھیج سکتی ہوں، اکیلی یہاں پڑی ہوں فرشتے آتے ہیں ہاتھوں میں گرز ہوتے ہیں میری پٹائی کرتے ہیں، ابو میرا دکھ بانٹنے والا کوئی نہیں، اس کی آنکھ کھل گئی تب اس کو احساس ہوا کہ کاش میں اپنی بیٹی کو دین سکھا تا میری بیٹی آگے جا کر جنت کی نعمتوں میں پل جاتی۔

تو جن بیٹیوں کو اتنے پیار محبت سے پالتے ہیں ان کو اگر ہم دیندار نہیں بنائیں گے یہ جہنمی فرشتوں کے ہاتھوں میں جائیں گی اور ان کی درگت بنیں گی۔

چند دانہ کم کر دینے پر پکڑ

منقول ہے کہ ایک شخص نے جو غلہ تولنے کا کام کرتا تھا، اپنے اس کام سے توبہ کی اور پھر ساٹھ برس تک عبادت کرتا رہا، جب فوت ہوا تو مرنے کے بعد اس کے دوست نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا تیرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ کہا اچھا معاملہ فرمایا مگر جنت میں جانے سے ان پندرہ قفیز (تول کا پیمانہ) کی وجہ سے روک دیا گیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اس غبار کو جمع کر کے محفوظ فرمائے ہیں، جو پیمانے کی تلی میں جم جایا کرتا تھا، اور میں اس کو جھاڑتا نہ تھا اور اس جمے ہوئے غبار کے نہ جھاڑنے سے خریداروں کو کسی قدر کمی رہتی تھی جو ایک عرصہ بعد پندرہ قفیز کے برابر ہو گئی۔

لہٰذا اے عزیز! بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے۔

امام غزالیؒ نے ایک بہت ہی پیاری اور عجیب بات کہی کہ سب سے بڑا عالم وہ ہے جس پر گناہوں کے نقصانات دوسرے کی نسبت زیادہ واضح ہو چکے ہوں۔

محشر کی رسوائی کا خیال

ایک نوجوان ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا، کہنے لگا حضرت آپ فرماتے ہیں بدنگاہی سے پرہیز کرو، نوجوان ہوں بازار سے گزرتے ہوئے میری نگاہ قابو میں نہیں رہتی، کیا کروں! میں نگاہ کو کیسے کنٹرول کروں، انہوں نے کہا کہ میں یہ راز سمجھاؤنگا، شرط یہ ہے کہ میرا کوئی کام کر دو، اس نے کہا جی حضرت کرنے کو تیار ہوں، فرمایا فلاں جگہ ایک بزرگ بازار کی طرف رہتے ہیں ان کو یہ دودھ کا پیالہ پہنچا کر آؤ، اس نے کہا میں پہنچا دیتا ہوں، فرمایا ایک بات اور بھی ہے کہ دودھ گرنے نہ دینا، اس نے کہا فکر نہ کریں، ایک قطرہ بھی گرنے نہ دونگا، انہوں نے کہا اچھا اگر گر گیا تو پھر ایک بندے کو ساتھ بھیجونگا وہ تمہیں دو تھپڑ وہیں لگائے گا، اس نے کہا منظور ہے، انہوں نے پیالہ ذرا لبا لب بھر دیا، اور ایک مضبوط انسان کو بھی ساتھ کر دیا، کہ جہاں دودھ کا کوئی قطرہ گرے، بھرے بازار میں دو جوتے اس کو لگا دینا، اب یہ صاحب ذرا سِرْیَس (SERIOUS) ہو گئے، پیالہ ہاتھ میں لیا، بڑے احتیاط سے چلتے ہوئے بچتے بچاتے بالآخر منزل پر پہنچ گئے، خوشیوں کے ساتھ واپس آئے کہ حضرت میں نے وہ دودھ اس بزرگ تک پہنچا دیا۔

اب آپ مجھے نظر کی حفاظت کا طریقہ بتائیے، انہوں نے کہا، دودھ تو آپ نے پہنچا دیا، مگر یہ بتاؤ آج راستے میں تم نے کتنی شکلوں کو دیکھا، کہنے لگا حضرت ادھر دھیان ہی نہیں تھا، کیوں دھیان نہیں تھا؟ عرض کیا کہ حضرت دل میں خوف تھا کہ اگر یہ پیالہ چھلک گیا تو ساتھ چلنے والا آدمی بھرے بازار جوتے لگائے گا، میری رسوائی ہوگی،

فرمانے لگے اللہ والوں کا یہی حال ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں اگر گناہ کے ذریعہ یہ دل کا پیالہ چھلک گیا تو قیامت کے دن سرے بازار رسوائی ہوگی، اسلئے ان کی بھی نگاہ ادھر اُدھر نہیں اٹھتی۔

نقصان دہ چیزوں سے بچنے کا خیال

ایک مرتبہ کھانے کی میز پر میرے ساتھ ایک سرجن تھے جو ہارٹ اسپیشلسٹ تھے، ان کو دیکھا کہ وہ سبزی کھا رہے ہیں، اور مرغا وغیرہ کئی چیزیں سامنے ہیں، صاحب خانہ نے کہا ڈاکٹر صاحب گوشت کھا لیجئے، بڑے اصرار پر انہوں نے تھوڑا سا گوشت لیا، ہم نے کہا جناب اور کھائیں، کہنے لگے میں سرجن ہوں، اور لوگوں کے دلوں کا آپریشن کرتا ہوں اور اس میں جمی ہوئی چربی دیکھتا ہوں، تو مجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ گوشت کھانے سے کیا نقصان ہوگا؟ اس لئے کھانے کی طبیعت نہیں ہوتی، اس دن مجھے خیال آیا، کہ اس بندے پر چونکہ چربی دار کھانے اور چربی کا نقصان زیادہ واضح ہو چکا ہے، اسلئے اس کے لئے چربی اور گھی والے کھانے سے بچنا کوئی مشکل کام نہیں، اسی طرح جب عالم کے اوپر گناہوں کی نقصانات زیادہ کھل جاتے ہیں، تو اس عالم کے لئے گناہوں سے بچنا کوئی مشکل کام نہیں رہتا بلکہ آسان بن جاتا ہے، اس کے دل میں یہ ڈر ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کہیں رسوائی اور ذلت نہ ہو، اس لئے ہمیں یہ دعاء سکھلائی گئی، اللّٰھم اِنّیٓ أسألُكَ مِن خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِه بَيْنِيْ وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ اللہ رب العزت کا خوف بھی بہت بڑی نعمت ہے، ہم اللہ رب العزت سے یہ نعمت مانگیں، کہ اے رب کریم ہمیں اتنا خوف عطا کر دیجئے جو ہمیں گناہوں سے بچالے۔

قوم سبا کا حشر

● ایک قوم گزری ہے، قومِ سبا، یمن کے علاقہ میں تھی، انکے بڑے باغات تھے، وہاں ایک بڑا ڈیم بنا ہوا تھا، اس میں پانی اکٹھا کرلیا کرتے تھے اور پھر راستہ کے دونوں طرف جو باغات تھے اسمیں پانی سیراب کرتے تھے، مفسرین نے لکھا ہے کہ اتنے بڑے باغات تھے کہ اگر کوئی بندہ ٹوکری لیکر جاتا تو اس سے پہلے کہ باغ ختم ہو، گرنے والے پھلوں سے ٹوکری بھر جاتی تھی، ہمیں اس کا اندازہ نہیں تھا کہ اتنا بڑا باغ ہوگا، ایک مرتبہ ایک ملک میں جانا ہوا، وہاں کیلے کا باغ دیکھا، ماشاء اللہ چالیس میل لمبا، گاڑی بھاگ رہی ہے، مگر باغ ختم نہیں ہوتا، میں نے اپنے ساتھی سے کہا آج ایک بات میرے دل میں اچھی طرح کھل گئی کہ قوم سبا کے باغات کیسے ہوں گے؟ جس کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ قومِ سبا کیلئے انکے گھروں میں بڑی نشانیاں ہیں، جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ راستے پر دائیں بھی باغ اور بائیں بھی باغ، كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ، اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اسکا شکر ادا کرو، بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ (پ ۲۲-ر۸-آیت ۱۵) کتنا پاکیزہ شہر ہے اور اللہ ان کی غلطیوں کو معاف کرنے والا ہے، ہر طرف سے انکے اوپر چین سکون، اطمینان تھا، مگر اللہ کی ان نعمتوں میں پڑ کر غافل بن گئے، اور نافرمانی کرنے لگے۔

(تفسیر حقانی ۴/ ۵۲ سورۂ سبا-تفسیر الطبری ۱۰/ ۷۷ ۳-تفسیر ابن کثیر ۶/ ۵۰۷ سورۂ سبا آیت ۱۵-تفسیر القرطبی ۱۴/ ۲۸۴)

بے مثال باغ بھی تباہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ انہوں نے ہمارے حکموں سے اعراض کیا تو ہم نے پانی کا طوفان بھیج دیا، پانی کا ایسا طوفان کہ اسکی بستی بھی

تباہ ہوگئی، باغ بھی تباہ ہوگیا، جہاں تک پانی گیا، سب ہاتھ سے نکل گیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ (پ۲۲) اور جب ہماری بات نہیں مانتے تو اسکا ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ایک اور بستی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً اللہ مثال بیان کرتے ہیں ایک بستی کی، جہاں اطمینان بھی تھا، امن بھی تھا، دو لفظ استعمال کئے، اطمینان یعنی اندر کا کوئی غم نہیں تھا، اور امن یعنی باہر کا بھی کوئی غم نہیں تھا۔ نہ اندر کی سازش، نہ دشمن کا ڈر، فرماتے ہیں يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ چاروں طرف سے اسکو رزق کی بہتات تھی، پھلوں اور میوں کے درخت تھے، انکو پھل ملتے تھے اور خوب خوشگوار زندگی گزارتے تھے، فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی نافرمانی اور ناقدری کی، نتیجہ کیا ہوا، اللہ فرماتے ہیں: فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (پ۱۴-ر۲۱-آیت ۱۱۲) اللہ نے اسکو خوف اور بھوک کا لباس پہنا دیا، اللہ اکبر! جیسے لباس بندے کے ساتھ ہوتا ہے، جدا نہیں ہوتا، ایسے ہی خوف اور بھوک اسکا لباس بن گئی، ہٹتی ہی نہیں تھی۔

گیارہ بیٹوں کا سر طشت میں

جب اللہ رب العزت روٹھ جاتے ہیں تو دن بدلتے دیر نہیں لگتی، جو پروردگار نعمتیں دینا جانتا ہے وہ پروردگار نعمتیں لینا بھی جانتا ہے، ڈرتے رہیں کہ اللہ ہم سے نعمتیں چھین نہ لے، ہم ناقدرے ہیں، ہم نے قدر نہیں کی جو کرنی چاہئے تھی، ناقدری کا انجام کس قدر خطرناک ہوتا ہے اسکی ایک مثال دیکھئے کہ:

مغل بادشاہ کے شہزادے نے قدر نہیں کی تو انجام کیا ہوا، بہادر شاہ ظفرؒ وقت کا بادشاہ ہے، اس کے پاس محل ہے، پری چہرہ بیویاں ہیں، خدام ہیں، جدھر جاتے ہیں،

خادمائیں فرشی سلام کرتی ہیں، لیکن پھر زندگی میں کیا وقت آیا؟ ہتھکڑی لگی ہوئی ہے، جیل کے اندر گیارہ بیٹوں کے سر کاٹ کر دشمن نے انکے سامنے رکھے، گیارہ بیٹوں کے سر کو دیکھ کر دل پر کیا گزری ہوگی، مجبور ہوکر کہہ دیا:

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں ☆ نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے ☆ میں وہ مشت غبار ہوں
کوئی مجھ پہ پھول چڑھائے کیوں ☆ کوئی مجھ پہ آنسو بہائے کیوں
کوئی مجھ پہ دیا جلائے کیوں ☆ میں وہ بیکسی کا مزار ہوں
میرا رنگ روپ بدل گیا ☆ میرا یار مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا ☆ میں اسی کی فصل بہار ہوں

(تاریخ اٹھارہ سو ستاون ۱۸۵۷)

گناہ کا شوق اور عذاب کا ڈر

ایک شخص حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے پاس آیا، نوجوان تھا، کہتا ہے حضرت! گناہ کا مرتکب ہوتا ہوں، چھوڑا بھی نہیں جاسکتا، ڈر بھی لگتا ہے کہ عذاب ہوگا تو کوئی طریقہ بتادیں کہ میں عذاب سے بچ جاؤں اور گناہ بھی کرتا رہوں۔

اللہ والے بڑے دانا بینا ہوتے ہیں، دھکے نہیں دے دیتے، وہ محبت و پیار سے بات سمجھاتے ہیں، دل میں اتارتے ہیں، حضرت نے فرمایا، ہاں، میں تجھے طریقہ بتاتا ہوں۔ وہ بڑا خوش ہوگیا۔ بات سننے کے موڈ میں آگیا، کہنے لگا! کہ حضرت! وہ کون سا طریقہ ہے کہ میں گناہ بھی کرتا رہوں اور میں عذاب وسزا سے بھی بچ جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ بھئی:

پہلی تجویز: تو یہ ہے کہ اگر گناہ کرنا ہی ہے تو اللہ رب العزت کی نگاہوں سے اوجھل ہوکر کرلیا کرو۔ اب وہ سوچتا رہ گیا۔ کہنے لگا، حضرت! یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اللہ رب

العزت کی نگاہوں سے اوجھل ہوکر گناہ کروں یہ تو ممکن ہی نہیں۔

دوسری تجویز: حضرت نے فرمایا، پھر دوسری تجویز یہ ہے کہ تم رزق کھانا چھوڑ دو، اللہ سے کہہ دینا کہ نہ تمہارا کھانا کھاتا تھا اور نہ تمہاری بات مانتا تھا۔ اس نے کہا، حضرت! یہ کیسے ممکن ہے کہ میں کھانا چھوڑ دوں؟ میں پھر زندہ کیسے رہوں گا؟

تیسری تجویز: حضرت نے فرمایا، پھر تیسری تجویز پیش کرتا ہوں اور وہ یہ کہ زمین وآسمان اللہ رب العزت ہی کا ملک ہے، اسی کی حکومت میں ہے اور بادشاہ کی نافرمانی اس کے ملک میں رہ کر کرنا یہ ٹھیک نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے باہر نکل کر نافرمانی کرنا، اللہ پاک بھی قرآن پاک میں عجیب انداز سے فرماتے ہیں یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (سورہ رحمٰن: ۳۳) ''اگر تمہارے اندر استطاعت ہے کہ زمین وآسمان کے کروں سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل کر دکھلاؤ، نکلو گے کس دلیل سے نکلو گے'' (جیسے گھڑے کی مچھلی کدھر جائے گی) کہا کہ حضرت! یہ بھی نہیں ہوسکتا۔

چوتھی تجویز: فرمانے لگے اچھا پھر ایک طریقہ اور بتاتا ہوں وہ یہ کہ جب ملک الموت آئیں روح قبض کرنے کیلئے تو انہیں کہہ دینا کہ تھوڑا انتظار کرلو تاکہ میں توبہ کرلوں، اس نے کہا: حضرت! وہاں تو انتظار کا تصور ہی نہیں اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (یونس: ۴۹) ''جب موت آتی ہے تو نہ ایک لمحہ آگے ہوتی ہے اور نہ پیچھے۔

پانچویں تجویز: فرمایا، ایک طریقہ اور بتاتا ہوں وہ یہ کہ جب قبر میں تم کو دفن کردیا جائے اور اس وقت منکر نکیر آئیں تم سے سوال پوچھنے کیلئے، تم کہہ دینا (NoAdmission without permission)، آج کل لوگ لکھ کر لگا دیتے ہیں، تو تم بھی کہہ دینا کہ بغیر اجازت کیوں آئے؟ اس نے کہا، حضرت! میں ان کو کیسے منع کرسکتا ہوں۔

چھٹی تجویز: فرمانے لگے، اچھا بھئی! ایک اور طریقہ بتاتا ہوں وہ یہ کہ جب قیامت کے دن تمہارے برے عملوں کو کھولا جائیگا اور پروردگار عالم فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس کو گھسیٹ کر تم جہنم میں ڈال دو تو اس وقت تم ضد کر کے کھڑے ہو جانا کہ میں تو نہیں جاتا۔ اس نے کہا کہ حضرت! میری کیا حیثیت ہے کہ فرشتوں کے سامنے ضد کر کے کھڑا ہو جاؤں، میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اب لوہا گرم تھا اور چوٹ لگانے کا وقت تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ اے بھائی! جب تیری حیثیت ہی کوئی نہیں تو تو اتنے بڑے پروردگار کی نافرمانی کیوں کرتا ہے؟

کہنے لگا، حضرت! آج سے میں گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور آج کے بعد وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

(تذکرۃ الاولیاء ۶۹)

چیونٹی کو چیونٹیوں نے قتل کر دیا

جھوٹ اس قدر ناپسندیدہ چیز ہے کہ انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات بھی اس سے نفرت کرتی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک چونٹی ایک مرتبہ اپنے بل سے نکلی، اسے بل سے باہر مری ہوئی ٹڈی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ملا، اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی کوشش میں ناکام رہی، چنانچہ اس نے وہ ٹکڑا وہیں چھوڑا اور چلی گئی، تھوڑی دیر کے بعد اس کے ساتھ کچھ اور چونٹیاں بھی آ گئیں تاکہ وہ سب مل کر اس ٹکڑے کو اٹھائیں اور لے جائیں۔

ایک آدمی یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے اس ٹکڑے کو زمین سے اٹھا کر کہیں چھپا دیا، سب چونٹیوں نے اس ٹکڑے کو ادھر ادھر تلاش کرنا شروع کر دیا، جب انہیں وہ ٹکڑا نہ ملا تو باقی

سب چونٹیاں چلی گئیں اور اطلاع دینے والی چونٹی وہیں گھومتی رہی، اس آدمی نے وہ ٹکڑا اسکے سامنے رکھ دیا، اس نے ٹکڑے کو پھر اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ کوشش بھی بے سود رہی، چنانچہ وہ پھر گئی اور ان چیونٹیوں کو بلا کر لے آئی، اس آدمی نے کئی مرتبہ ایسا کیا، بالآخران چونٹیوں نے تنگ آ کر اس چیونٹی کو گھیرے میں لے لیا اور اسکے جسم کا ایک ایک عضو الگ کر دیا۔

اس آدمی نے یہ واقعہ جب اپنے استاذ کو سنایا تو انہوں نے حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ دوسری چونٹیوں نے اس چونٹی کو اس لئے قتل کیا کہ اللہ تعالی نے ان کی فطرت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جھوٹ بری چیز ہے اور جھوٹے کو سزا ملنی چاہیئے، اگر چہ اس ٹکڑے کے نہ ملنے میں اس کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا لیکن چونکہ وہ چونٹی ان کے نزدیک جھوٹی ثابت ہو چکی تھی اس لئے انہوں نے مل کر اسے جان سے ہی مار دیا۔

(مفتاح دار السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم ۲۴۳)

پیسے کھرے مل گئے

امام اعظم ابوحنیفہؒ شروع میں کپڑے کی دکان کیا کرتے تھے.... اس امت کو تجارت دو بندوں نے ہی کر کے دکھائی ہے، صحابہؓ میں سے صدیق اکبرؓ نے اور ائمہ میں سے امام اعظمؒ نے .... ان کی دکان میں کپڑے کا ایسا تھان تھا جس میں کوئی داغ لگا ہوا تھا، اس لئے امام صاحبؒ نے اپنے ملازم سے کہا ہوا تھا کہ اگر تم سے کوئی بندہ یہ کپڑا خریدنے کے لئے آئے تو پہلے تم نے اسکو اس کپڑے کا یہ عیب دکھانا ہے، پھر بیچنا ہے، اللہ کی شان کہ وہ اس بات کو بھول گئی، چنانچہ ایک بندہ آیا اور وہ عام روٹین کے حساب سے وہ تھان خرید کر لے گیا، جب امام صاحبؒ نے دیکھا تو پوچھا: کیا وہ تھان بک گیا؟ ملازم نے کہا، جی ہاں، پوچھا: کب بیچا ہے؟ اس نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے بیچا ہے، امام صاحبؒ نے پوچھا کیا تم نے اسے کپڑے کا عیب دکھایا تھا؟ اس نے کہا: جی مجھے تو یاد ہی نہیں رہا، امام

صاحب نے پوچھا: وہ آدمی کس طرف کو گیا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ اس طرف کو گیا ہے۔

امام صاحبؒ نے اس کے دیے ہوئے سارے پیسے اٹھائے اور اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، امام صاحبؒ نے ایک بندے سے پوچھا کہ اس طرح کا بندہ آپ نے دیکھا ہے؟ اسنے کہا: جی ادھر کو گیا ہے، دوسرے سے پوچھا تو اس نے بھی اس کے جانے کی تصدیق کی، حتی کہ چلتے چلتے شہر کے کنارے پہنچے، وہاں پانی کا ایک جوہڑ تھا، اس جوہڑ کے قریب وہ آدمی موجود تھا، امام صاحبؒ نے اس آدمی کو حقیقت حال سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ میرے ملازم نے آپ کو بتانا تھا کہ اس کپڑے میں عیب ہے مگر وہ بھول گیا اور بتا نہ سکا، اب میں آپ کے پیسے لے کر آیا ہوں، اگر تم چاہو تو اپنے پیسے لے لو اور سودا ختم کر سکتے ہو، اور اگر چاہو تو اس سودے کو قبول کر لو، تمہیں اختیار ہے، اس نے کہا: جی آپ مجھے پیسے دے دیں، حضرت نے اسکو پیسے دے دیے تو اس نے لے کر وہ پیسے جوہڑ میں پھینک دئے، حضرت بڑے حیران ہوئے اور پوچھا: یہ آپ نے کیا کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: اگر آپ کا مال عیب والا تھا تو میں بھی کھوٹے پیسے دے کر آ رہا تھا، لہذا اب میں آپ کو صحیح پیسے دیتا ہوں، چنانچہ اس بندے نے حضرت کو اب صحیح پیسوں سے پیمنٹ کی۔

اللہ رب العزت نے سچ کے بدلے انکو کھوٹے پیسوں سے بچا لیا اور کھرے پیسے عطا کر دئے..... سچ ہمیشہ نجات دیتا ہے۔

اللہ اللہ اللہ

اللہ اللہ اللہ

شرم وحیاء
اور
عفت وپاکدامنی

اللہ اللہ اللہ

ایک زریں نصیحت

ایک نابینا کو رات میں پانی لانے کی ضرورت پڑ گئی، کہیں دور سے اس نے پانی کا گھڑا اپنے سر پر رکھا اور لاتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ میں چراغ جلا کر پکڑا ہوا تھا، اب دیکھنے والے بڑے حیران تھے، کہنے لگے آپ تو نابینا ہو، آپ کو اس روشنی سے فائدہ تو کوئی نہیں، آپ تو اپنے اندازے کے مطابق راستوں کے اوپر چلتے ہو تو آپ کو تو روشنی کی ضرورت ہی نہیں، اس نے کہا بالکل ٹھیک ہے، مجھے روشنی کی ضرورت نہیں لیکن رات کا اندھیرا ہے، آنکھوں والے جب اندھیرے میں چلتے ہیں تو ان کو صحیح پتہ نہیں چلتا، میں نے چراغ جلا کر اس لئے پکڑ لیا کہ کہیں کوئی آنکھوں والا مجھ سے نہ ٹکرائے اور اس کی وجہ سے میرا گھڑا نہ ٹوٹ جائے۔

اندھا کتنا سمجھدار تھا کہ اس نے چراغ اس لئے پکڑا تھا کہ دوسرے لوگ راستے کو دیکھیں اور مجھ سے نہ ٹکرائیں، اس لئے کہ اگر ٹکرائیں گے تو نقصان تو میرا ہوگا، جوان عورت کو بھی یہی سوچ رکھنی چاہئے اگر میں بے پردہ باہر نکلی، اگر کسی غیر محرم نے دیکھ لیا اور اس کی نظر میں فطور آ گیا، اگر میں نے کسی کے ساتھ تنہائی میں باتیں کیں، اگر میں نے کسی کے ساتھ ٹیلفون پر باتیں کرنا شروع کر دی اور ذرا سا بھی کسی کو موقع دیا تو عزت تو میری خراب ہوگی، دنیا کی بھی بدنامی اور اللہ کے ہاں کی بھی ناراضگی اور میں اس جہاد میں پھرنا کام ہو

جاؤں گی، اپنے رب کو کیا منہ دکھاؤں گی، اس لئے اس کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

(التذکرۃ الحمدونیۃ ۳/ ۲۳۰-نہایۃ الادب فی فنون الادب ۴/ ۲۵)

ایک باہمت لڑکی کا فیصلہ

ہمارے جامعہ میں ایک مرتبہ ایک بچی پڑھنے آئی، تو اس نے دوپٹہ اپنایا ہوا تھا، دسوی کا امتحان شاید پاس کر کے آئی تھی، اس نے میرے گھر والوں کو بتایا کہ میں غریب گھر کی بچی ہوں، میں نے حضرت کا بیان سنا، میرے دل میں بات آئی کہ میں دین کا علم پڑھوں، میرے والد کی حیثیت تو اتنی بھی نہیں کہ وہ مجھے کتاب خرید کر دے سکیں، البتہ میں ان سے اجازت لے سکتی ہوں کہ میں آگے اسکول پڑھنے کی بجائے مدرسہ پڑھوں گی، گھر والوں نے مجھے بتایا، ہم نے ان سے کہا کہ فوراً داخلہ دیدیں، انہوں نے کہا جی وہ تو پردہ ہی نہیں کرتی، ہم نے کہا انشاء اللہ جامعہ میں آئے گی تو پردہ بھی کریگی، کیوں نہیں کریگی؟ ہم نے اسے داخلہ بھی دیدیا، ہدیہ بھی دیدیا، اب ایک دو دن کے اندر بچی کی طبیعت بھی دین پر لگ گئی تھی اور اس نے باقی بچیوں کو بھی دیکھا کہ سب پردے میں آتی ہیں تو اب اس نے برقعہ میں آنا شروع کردیا، اللہ کی شان، ایسی ذہین بچی نکلی کہ چار سال ہمارے پاس پڑھی، چار سالوں میں ہر سال وہ جامعہ میں فرسٹ آتی رہی، عمر میں سب سے چھوٹی ہوتی تھی اور نمبر میں سب سے بڑی ہوتی تھی، ایسی فوٹوگرافک میموری میں نے اپنی زندگی میں بہت کم لوگوں کی دیکھی ہے، ایسی بلا کی ذہین تھی وہ بچی، حیران کر دیا اس نے، خیر وہ بڑی تقیہ نقیہ تھی، اس نے دینداری

پرہیزگاری کی زندگی اپنالی، ذکر واذکار کرنے لگ گئی، بیعت ہوئی، اسکی زندگی دین پر بہت لگ گئی، اب اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ اس نے جب برقعہ کرنا شروع کر دیا تو ماں باپ کو فکر لگ گئی کہ بیٹی کو تو ہم نے پڑھنے بھیجی تھی، مولون بننے کے لئے تو نہیں بھیجی تھی، انہوں نے جامعہ میں پیغام بھجوایا کہ جی ہم نے اپنی بچی کو پڑھنے کے لئے بھیجا تھا، اسلئے تو نہیں بھیجا تھا کہ اسکو مولوی بنادیں، خیر ہم نے سن لی یہ بات، اب معاملہ چلتا رہا، اب اس بچی نے الحمدللہ سب غیر محرموں سے پردہ کرلیا، وہ قریبی رشتہ دار تھے، یا دوسرے تھے اب اس پر اور تلملائے، انہیں دنوں میں اسکی ایک کزن کی شادی تھی، تو اس کے والدین نے کہا کہ تم نے بھی ہمارے ساتھ جانا ہے، وہ آئی چھٹی لینے کے لئے، تو اہلیہ نے اس سے پوچھا: بھئی آپ وہاں جارہی ہو، تو پھر آپ کے لئے تو مشکل بن جائے گی، وہ کہنے لگی جی میں نے دل سے پردہ کرلیا، فکر مت کریں، میں شادی بھی اٹینڈ کروں گی، سب کاموں میں حصہ بھی لوں گی اور بے پردگی بھی نہیں ہونے دوں گی۔ اللہ اکبر

پھر واپسی میں آکر اس نے بتایا کہ میں برقعہ میں گئی، سات دن اس گھر میں برقعہ کی حالت میں رہی، اتارا ہی نہیں، کہنے لگی میں نے برقعہ ہی میں رہ کر برتن بھی دھوئے، کیچن کے کام بھی کئے، گھر میں میرے کزن پھرتے تھے، کسی کو جرأت نہیں تھی مجھ سے بات کرنے کی، ڈرتے تھے مجھ سے، اور میں اپنے برقعہ میں اپنے کام بھی کر رہی ہوتی، کہنے لگی اس طرح میرے کزن جو میرے ساتھ ہنسی مذاق پہلے کرتے تھے، انہوں نے بڑی کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح اسکو دیکھیں، سات دن نہ دیکھ سکے، تو میری امی

کو کہنے لگے کہ لگتا ہے کہ تیری بیٹی کو برقعہ میں ہی موت آئے گی، تو وہ کہنے لگی امی بھی مجھ سے خوش میں نے وہاں وقت گزارا، میں نے وہاں کام کیا، جب میں لڑکیوں میں ہوتی تو چہرے سے پردہ ہٹا لیتی اور جب میں ادھر ادھر ہوتی تو میں اپنے چہرے پر پردہ کر کے آنکھیں کھلی ہوتیں، تو میں اپنا کام کرتی، اب اگر ایک بچی دل سے پردہ کو اپناتی ہے تو وہ ایسے جشن میں بھی اپنے آپ کو غیر محرم سے بچا سکتی ہے، تو کیسے کوئی کہہ سکتا ہے کہ جی پردہ کرنے سے رشتہ داریوں میں فرق پڑ جاتا ہے۔

کافروں کی مشابہت پر پکڑ

انڈیا میں ایک بڑی عمر کے آدمی تھے۔ وہ فوت ہو گئے۔ کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا: جی! آگے کیا بنا؟ کہنے لگے: میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ اس نے پوچھا: وجہ کیا بنی؟ کہنے لگے: ایک مرتبہ ہندوؤں کی ہولی کا دن تھا اور وہ ایک دوسرے پر رنگ ڈالتے پھر رہے تھے، میں اپنے گھر سے کسی دوسری جگہ پر جا رہا تھا۔ راستے میں مجھے پان کھاتے ہوئے تھوک پھینکنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اس وقت مجھے اپنے سامنے ایک گدھا نظر آیا، میری طبیعت میں کچھ ایسی بات پیدا ہوئی کہ میں نے یہ کہہ دیا: ارے گدھے! تجھے کسی نے نہیں رنگا، آ! میں تجھے رنگ دیتا ہوں، یہ کہہ کر میں نے اپنی پان والی تھوک گدھے پر پھینک دی، اللہ تعالیٰ نے میرے اس عمل پر پکڑ لیا کہ تم نے کافروں کے عمل کے ساتھ مشابہت اختیار کی، چنانچہ اس وجہ سے میری قبر کو جہنم کا گڑھا بنا دیا گیا۔

صحابۂ کرام میں عیب پوشی

ایک مرتبہ صحابۂ کرام بیٹھے تھے، نماز کا وقت قریب تھا، اچانک یوں محسوس ہوا کہ کسی کا وضو ٹوٹا اور بدبو محسوس ہوئی، صاف ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی اٹھ کر جاتا اور وضو کر کے آتا اور جو محفل سے اٹھ کر جاتا تو سب کے سامنے اس کی سبکی ہوتی، ہے تو یہ قدرتی چیز مگر شرمندگی محسوس ہوتی ہے، اس سے پہلے کہ کوئی اٹھ کر جائے، عبداللہ بن عباسؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر اجازت ہو تو ہم سب دوبارہ وضو کر کے نہ آجائیں؟ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہت اچھا! سب کے سب صحابہ کرام گئے اور دوبارہ وضو کر کے آئے تاکہ یہ پتہ نہ چلے کہ کس کا وضو خطا ہوا تھا، ایک دوسرے کے عیبوں پر پردے ڈالتے تھے، مسلمان بھائی کو شرمندہ نہیں کرتے تھے۔ اللہ اکبر!

(لطائف علمیہ ۴۱)

اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْد

شکر وامتنان

اور

صبر وتوکل

فیل ہونے پر بھی اللہ شکر

میرے بھائی جان کا ایک شاگرد تھا جو دسویں جماعت میں فیل ہو گیا اور وہ شہر ہی چھوڑ کر چلا گیا، وہ آٹھ نو سال تک نظر نہ آیا، ایک دن وہ راستے چلتے ہوئے بھائی جان کو مل گیا، انہوں نے پوچھا: تم اتنا عرصہ نظر ہی نہ آئے، کہاں رہتے ہو؟ وہ کہنے لگا:

''استاذ جی! اللہ کا مجھ پر فضل ہوا کہ میں میٹرک میں فیل ہو گیا''

اس نے اپنے استاذ کے سامنے یہ بات کہہ دی، بھائی جان بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے، چنانچہ پوچھا کہ فیل ہونے کے بعد پھر کیا کام کیا؟ کہنے لگا: پھر میں شرم کی وجہ سے شہر چھوڑ کر فیصل آباد چلا گیا، وہاں جا کر میں نے چھابی لگانا شروع کر دی، جب کام چل پڑا تو میں نے ایک دکان کے سامنے تھیلے پر بنیانیں بیچنا شروع کر دی، اس کے بعد اور کام بڑھ گیا جس کی وجہ سے میں نے ایک چھوٹی سی دکان کرایہ پر لے لی، پھر اور کام بڑھا تو میں نے کپڑے کی ایک دکان بنالی، اس کے بعد دوسری دکان بنالی، الحمدللہ، آج نو سال کے بعد میں کپڑے کی تھوک کی دو دکانوں کا مالک ہوں، شکر ہے کہ میں فیل ہو گیا، اگر پاس ہو گیا ہوتا تو آج میں کہیں کلرک ہوتا، تو جو پاس ہو جاتے ہیں وہ کلرک بن کر ناشکری کرتے ہیں کہ ملتا کچھ نہیں اور جو فیل ہو جاتے ہیں وہ فیل ہونے پر بھی اللہ کا شکر ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

نیو یارک کے سفر میں انگریز کا شکر

مجھے ایک مرتبہ پیرس سے نیو یارک جانے کا موقع ملا، میرے ساتھ والی سیٹ پر ایک انگریز خاتون آ کر بیٹھ گئی، اس کے ساتھ ایک بچی تھی، جس کی عمر تقریباً دو سال تھی، میں کتاب پڑھنے میں مشغول رہا، تھوڑی دیر بعد ایئر ہوسٹس نے کھانا لا کر پیش کیا، چونکہ سفر

کے دوران ادھر ادھر کے کھانا کھانے سے نقصان ہوتا ہے اس لئے میں نے وہ کھانا کھانے سے انکار کر دیا، مگر اس خاتون نے کھانا لے لیا، چاول پکے ہوئے تھے، وہ ایک چمچ میں تھوڑے سے چاول لے کر بچی کے منہ میں ڈالتی اور جب بچی چاول کھا لیتی تو ماں اسے کہتی، Say Thank you، (کہو، آپ کا شکریہ!) وہ بچی معصوم زبان سے کہتی، Thank you (جی، آپ کا شکریہ) وہ ہر لقمے پر اسے Thank you (تھینک یو) کہلواتی، میں چونکہ قریب ہی بیٹھا تھا اس لئے اگرچہ میں دیکھ نہیں رہا تھا مگر پتہ چل رہا تھا کہ ہو کیا رہا ہے، میں نے اندازہ لگایا کہ اس کھانے کے درمیان تقریباً پینتیس (۳۵) مرتبہ اپنی بچی کی زبان سے Thank you کا لفظ کہلوایا، اب یہ بتائیں کہ یہ شکر ادا کرنے والی بات اس بچی کی گھٹی میں پڑ گئی یا نہیں پڑی، آپ مجھے بتائیں کہ کون سی مسلمان ماں ہے جو اپنے بچے کو یہ سبق دیتی ہے، روایت ہماری تھی اور اسے اپنا غیروں نے لیا اور ہم اس سے محروم ہو گئے۔

فرزند کی تیاری پر حضرت اسماء کا صبر

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ٹکراؤ حجاج بن یوسف کے ساتھیوں سے ہوا تو دشمن بہت زیادہ تھے، عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ چند سو ساتھی تھے جو ایک ایک کر کے شہید ہو گئے تھے، پھر ان کو بھی اندازہ ہو گیا کہ آج میری زندگی کا آخری دن ہے، چونکہ وہ اپنے گھر کے دروازے پر ہی تھے اس لئے ان کے دل میں خیال آیا کہ میں اپنی والدہ کو آخری وقت میں جا کر سلام ہی کر لوں، چنانچہ وہ اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس پہنچ گئے، حضرت اسماءؓ اس وقت بوڑھی ہو چکی تھیں اور آنکھوں پر موتیا اترنے کی وجہ سے بنائی چلی گئی تھی، دیکھ نہیں سکتی تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عرض کیا: امی! میں آپ کو آخری مرتبہ سلام کرنے آیا ہوں، پوچھا: بیٹا! تمہیں کس بات کی پریشانی ہے؟ عرض کیا: امی! مجھے یہ خوف ہے کہ جب یہ لوگ مجھے شہید کر دیں گے تو میری لاش کو کاٹ ڈالیں گے، قیمہ بنا ڈالیں گے، مثلہ کر دیں گے،

بوڑھی ماں کہتی ہے: بیٹا! جب بکری کی جان نکال لی جاتی ہے تو پھر اس کی بوٹیاں کریں یا کھال اتاریں، اس سے بکری کو کوئی فرق نہیں پڑتا، حضرت نے عرض کیا: اچھا امی! میں سلام کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور اب واپس جارہا ہوں، ماں نے کہا: واپس تو چلے جانا مگر جانے سے پہلے ذرا میرے قریب ہوجا، میں تیری شکل تو نہیں دیکھ سکتی، مگر میں چاہتی ہوں کہ تمہارا بوسہ لوں اور تمہارے جسم کی خوشبو سونگھ لوں، بالآخر ماں نے اپنے بیٹے کو رخصت کرتے ہوئے تین باتیں کہیں، کہا:

☆ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ یہ عبداللہ میرا وہ بیٹا ہے جو سردیوں کی لمبی راتوں میں تیرے سامنے مصلے پر کھڑا رہتا تھا۔

☆ اے اللہ! یہ میرا وہ بیٹا ہے جو گرمی کے لمبے دنوں میں تیری رضا کی خاطر روزہ رکھتا تھا۔

☆ اے اللہ! یہ میرا وہ بیٹا ہے جس نے خدمت کے ذریعہ اپنے بڑوں کا دل خوش کردیا، اے اللہ! تو بھی اس سے راضی ہوجا۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ باہر آئے اور آتے ہی شہید ہوگئے۔

(حیاۃ الصحابہ ۱۳۱-سیر الصحابہ ۶/ ۲۶۲-خطبات طارق جمیل)

بڑھاپا مستقل مرض ہے

(۱) ایک بڑے میاں ڈاکٹر کے پاس گئے۔

اس نے کہا: ڈاکٹر صاحب! نظر کمزور ہوگئی ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: بڑھاپا ہے۔

اس نے پھر کہا: ڈاکٹر صاحب! اونچا سنائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: بڑھاپا ہے۔

اس نے کہا: ڈاکٹر صاحب! میرے چار پانچ دانت بھی گر گئے ہیں۔

ڈاکٹر نے کہا: بڑھاپا ہے۔

اس نے کہا: ڈاکٹر صاحب! مجھے چیزیں یاد نہیں رہتیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا: بڑھاپا ہے۔

جب ڈاکٹر نے بار بار کہا کہ بڑھاپا ہے، بڑھاپا ہے، تو بوڑھے کو غصہ آیا اور غصے میں کہنے لگا: یہ کیا؟ بڑھاپا ہے، بڑھاپا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا: بڑے میاں! یہ بھی بڑھاپا ہے۔

(کتاب النحو ا ۱۴ ایک مشقی حکایت)

(۲) ایک انجینئر اپنے کمرے میں بیٹھا کوئی ڈرائینگ بنا رہا تھا، اس کا اکلوتا بیٹا بھی گھر میں تھا، اس کی بیوی کسی کام کے سلسلے میں کہیں گئی ہوئی تھی، اس لئے بچہ بھی اسکو سنبھالنا تھا، اب بچہ بھی اسی کے کمرے میں تھا، کبھی وہ اس کتاب کو چھیڑتا کبھی وہ اس کتاب کو..... ہم نے اکثر وبیشتر دیکھا ہے کہ انجینیئر زاور ڈاکٹرز کے کمروں کی حالت عجیب ہوتی ہے، کہیں کتابیں پڑی ہوتی ہیں، کہیں کاغذ بکھرے ہوئے ہوتے ہیں اور ان بے چاروں کے پاس ان کو ترتیب سے اور صفائی سے رکھنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی، ان کی گاڑیاں بھی قابل دید ہوتی ہیں اور ان کے کمرے بھی قابل دید ہوتے ہیں، ہاں! اگر کوئی صفائی رکھنے والا ہو تو الگ بات ہے، ورنہ اکثر وبیشتر ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے، اپنی اپنی طبیعت ہوتی ہے ..... بہر حال انجینئر کے ہر طرف کاغذ بکھرے ہوئے تھے، ادھر بھی کاغذ ادھر بھی کاغذ، چنانچہ جب بچہ کسی کاغذ کو ہاتھ لگاتا تو وہ کہتا: بیٹا! یہ ڈرائنگ ہے، اس کو ہاتھ نہ لگاؤ، پھر وہ دوسرے کاغذ کو ہاتھ لگاتا تو وہ کہتا: بیٹا! اسے ہاتھ نہ لگاؤ یہ میرا قیمتی کاغذ ہے، اب وہ کام کر ہی نہیں پا رہا تھا، بچہ اسے خوب ڈسٹرب کر رہا تھا، اس کا یہ بھی جی نہیں چاہ رہا تھا کہ میں اپنے بچے کو ڈانٹوں یا کمرے سے نکالوں، آخر اس کا بیٹا تھا، دل کا ٹکڑا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ میں اس بچے کو کہیں مصروف کرتا ہوں، چنانچہ اس کے سامنے ایک اخبار پڑا ہوا تھا اور اس کے اوپر پوری دنیا کا نقشہ بنا ہوا تھا، اس نے کیا کیا؟ اس نے قینچی لی اور اس دنیا کے نقشے کے آٹھ دس ٹکڑے کر دئے اور بچے سے کہا: بیٹا! میں تمہیں ٹیپ بھی دیتا ہوں اور میں تمہیں یہ چند کاغذ دیتا ہوں، اگر تم ان کو ترتیب سے جوڑ کر لاؤ گے تو میں تمہاری پسند کی ونیلا آئس کریم تمہیں لے کر دوں گا، وہ بچہ تھا اس لئے ونیلا آئس کریم کا نام سن کر خوش ہو گیا، چنانچہ وہ ٹیپ اور کاغذ کے ٹکڑے لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا، اب انجینئر صاحب نے سکھ کا سانس لیا کہ اب یہ دو گھنٹے وہیں مصروف رہیگا اور میں اپنا کام نکال لوں گا۔

ابھی پانچ منٹ نہیں گزرے تھے کہ بچہ واپس آیا اور کہنے لگا: ابو جی! میں نے اپنا کام کر لیا ہے، آپ دیکھیں، جب اس نے وہ کاغذ لے کر اپنے سامنے رکھا تو بڑا حیران ہوا کہ سمندر سے سمندر ٹھیک ملے ہوئے ہیں، پہاڑوں سے پہاڑ ٹھیک ملے ہوئے ہیں، ملکوں کی حدود بالکل اپنی جگہ پر تھیں اور اس بچے نے بالکل ٹھیک سب چیزوں کو جوڑ دیا، وہ حیران ہو گیا کہ اگر میں انجینئر بھی جوڑنے بیٹھتا تو مجھے بھی اتنا وقت لگتا اور بچے نے تو کمال کر دیا کہ پانچ منٹوں میں جوڑ کر لے آیا، چنانچہ وہ حیران ہو کر بچے سے پوچھنے لگا: بیٹا! تم نے اتنا جلدی یہ نقشہ کیسے جوڑ لیا؟ تو بچے نے مسکرا کر اس کاغذ کو الٹ دیا، جب اس نے الٹ کر رکھا تو اس نے دیکھا کہ دوسری طرف ایک عورت کی بڑی سی تصویر بنی ہوئی تھی، بچے نے وہ تصویر جوڑی اور دوسری طرف سے دنیا کا نقشہ خود بخود جڑ گیا۔

تو بھئی! ہوسکتا ہے کہ یہ مسئلہ ہماری نظر میں دنیا کا نقشہ جوڑنے کی طرح مصیبت ہو اور ہوسکتا ہے کہ دوسرے بندے کے سامنے اس تصویر کو جوڑنے کی طرح بہت آسان ہو، اس لئے غصے میں آنے اور پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ جو بندہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے اس کی زندگی کے اندر خوشیاں آجاتی ہیں۔

خواجہ عبدالمطلب کا صبر وتحمل

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب تھے، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہونے کی سعادت حاصل تھی، عبدالمطلب بہت خوبصورت تھے، جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے کچھ بال پیدائشی طور پر سفید تھے اسی نسبت سے ان کا نام شیبہ رکھا گیا تھا، اللہ تعالی کی شان کہ کچھ عرصے کے بعد ان کے والد وفات پا گئے، ان کی والدہ کا نام سلمی تھا، وہ مدینہ منورہ آ گئیں، بچہ اپنی والدہ کے پاس پرورش پاتا رہا حتی کہ ابتدائی جوانی کی عمر کو پہنچا۔

مکہ مکرمہ کا رہنے والا ایک حارثی شخص کسی کام کے لئے مدینہ گیا تو اس نے چند لڑکوں کو تیر اندازی کا مقابلہ کرتے دیکھا، ان میں سے ایک نوجوان جو دیکھنے میں بھی خوبصورت تھا اور جس کی شخصیت میں جاذبیت بھی تھی وہ جب بھی نشانہ لگاتا ٹھیک نشانے پر تیر لگتا، پھر وہ خوشی سے اشعار پڑھتا: لوگو! میں مکہ کے رہنے والے قبیلہ قریش کا فرزند ہوں، میرے نشانے ٹھیک لگتے ہیں، حارثی کو اس پر بڑا پیار آیا، چنانچہ اس نے پوچھا: یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ مکہ میں پیدا ہوا تھا کچھ عرصے بعد اس کے والد فوت ہو گئے اور یہ اپنی والدہ کے ساتھ یہاں اپنے ننھیال آیا ہوا ہے، وہ ان کے سارے قبیلے والوں کو جانتا تھا۔ واپسی پر اس نے آ کر ان کے چچا (جن کا نام مطلب تھا) سے کہا کہ تم اتنے مہمان نواز ہو، اتنے سخی اور اتنے اچھے اخلاق والے ہو، کیا تمہیں پتہ نہیں کہ تمہارا بھتیجا کتنی مشکل میں وقت گزار رہا ہے؟ اسے اپنے پاس لاؤ اور اس کی اچھی تربیت کرو۔

اس شخص نے انہیں اتنا برانگیختہ کیا کہ اس نے قسم کھالی کہ جب تک میں اپنے بھتیجے کو مکہ نہیں لاؤں گا اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا، چنانچہ مطلب مدینہ آئے ان کی والدہ سے بات کی خاندان والوں نے بھی ماں کو سمجھایا کہ بچہ بڑا ہو گیا ہے، اگر یہ تمہارے پاس رہے گا تو صحیح معنوں میں عزت کا مقام نہیں پا سکے گا اور اگر وہ اپنے دادیہال میں چلا

جائیگا تو ان کا بڑا قبیلہ ہے اور وہ اشراف ہے اس لئے وہاں اس کا نمایا مقام ہوگا، چنانچہ انہوں نے شیبہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

اب یہ خوبصورت نوجوان پیچھے بیٹھا ہے اور اس کے چچا آگے بیٹھے ہیں، جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور کسی بندے نے دیکھا تو سمجھا کہ مطلب اپنے لئے غلام لائے ہیں، تو اس نے ان کو عبدالمطلب کہہ دیا، اس کے بعد یہ نام ایسا معروف ہوا کہ ان کو شیبہ کے بجائے عبدالمطلب کہا جانے لگا۔

حدائق الانوار ۹۰

اس نوجوان کو اللہ رب العزت نے یتیمی کے دن تو دکھائے مشقتوں کے دن تو دکھائے مگر ان کے بعد ان کو انعام ملنا تھا.... انعام کیا ملا؟..... ان کو خواب آیا کہ فلاں جگہ پر زمزم ہے اگر وہاں سے زمین کو کھودو تو بند چشمہ نکل آئیگا، ان دنوں مکہ مکرمہ میں پانی نہیں تھا، لوگوں کے لئے وہاں رہنا مشکل تھا، نہ جینے کو پانی نہ پینے کو پانی، چنانچہ عبدالمطلب نے زمین کی کھودائی شروع کردی، وہ اکیلے ہی زمین کھودتے رہے، بالآخر وہ دن بھی آیا جب انہوں نے زمزم کے چشمے کے دہانے پر بڑی چٹان کو توڑا اور نیچے سے پانی نکل آیا، اس کے بعد اللہ تعالی نے عبدالمطلب کو بیت اللہ کا متولی بنادیا۔

چونکہ اللہ تعالی نے ان کو بیت اللہ کا متولی بنانا تھا اس لئے اس سے پہلے اللہ تعالی نے ان کو مشکل اور تنگی کے حالات دکھائے، یہ تربیت ہوتی ہے اللہ تعالی کی طرف سے۔

(سیرۃ المصطفیٰ ۳۲-ساقی کوثر ۷۷)

(۲) عبدالمطلب نے منت مانی کہ اگر میرے دس بیٹے ہوئے تو میں ان میں سے ایک کو اللہ کے نام پر قربان کردوں گا، اللہ کی شان کہ دس بیٹے بھی مل گئے، اب انہوں نے سوچا کہ میں اپنی قسم کو پورا کروں، لیکن بیٹوں میں سے کس کو ذبح کروں؟ اس کے لئے قرعہ ڈالا، قرعہ ان کے بیٹوں میں سے ایسے بیٹے کے نام آیا جو بہت ہی خوبصورت تھا، اس کا نام

عبداللہ تھا، لوگوں نے کہا: بھئی! بچے کو ذبح نہ کرو، بلکہ بچے اور اونٹوں کے درمیان تم قرعہ ڈال لو، چنانچہ انہوں نے بچے کے نام اور دس اونٹوں کے نام قرعہ ڈالا مگر قرعہ عبداللہ کے نام نکلا..... پھر دس اونٹ اور بڑھا دیے، بیس اونٹ اور عبداللہ..... قرعہ عبداللہ کے نام نکلا ..... پھر تیس اونٹ اور عبداللہ..... قرعہ عبداللہ کے نام نکلا..... اونٹ بڑھتے گئے، بڑھتے گئے، حتی کہ جب سو اونٹوں کی تعداد رکھی گئی تو اب قرعہ اونٹوں کے نام آنکلا، چنانچہ عبدالمطلب نے عبداللہ کے بدلے میں سو اونٹوں کو قربان کیا، اس لئے عبداللہ کو ذبیح اللہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو ان کے والد نے اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کی تھی۔

سبل الہدی ۱/ ۲۴۶-الروض الانف ۱/ ۲۷۰

ایک مرتبہ ایک بدو آیا، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: **یا ابن ذبیحین**..... تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ہاں! میں اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے ہوں اور وہ ذبیح اللہ تھے اور میں عبداللہ کا بیٹا ہوں اور عبداللہ بھی ذبیح اللہ تھے۔

سبل الہدیٰ ۱/ ۲۴۶-المستدرک ۴۰۳۶

حضرت عبداللہ جب جوان ہوئے تو ان کی جوانی اور خوبصورتی کو دیکھ کر لوگوں کو رشک آتا تھا، یہود نے اپنی کتابوں میں نشانیاں پائی تھیں، چنانچہ ان کو پتہ تھا کہ جو شخص نبی آخر الزماں کا والد بنے گا، اس کی پیشانی پر نور چمکے گا، چنانچہ ان یہودیوں کی عورتیں بھی ایسے نوجوان کو تلاش کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ مکہ سے مدینہ جانے لگے، تو راستے میں فاطمہ نامی عورت نے حضرت عبداللہ کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا، فرمایا: میں تو اس طرح نکاح نہیں کرسکتا، اس نے کہا: اگر نکاح نہیں کرسکتے تو ویسے ہی میرے ساتھ ملاقات کرلو، حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا ہوں جو انسان کے لئے ذلت اور رسوائی کا سبب بنے اور واقعی جن پشتوں میں نبوت کا نور آگے منتقل ہوتا ہے وہ کبھی زنا جیسے جرم کا ارتکاب نہیں

کیا کرتیں..... چنانچہ حضرت عبداللہ مدینہ پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں بنو زہراء نامی ایک قبیلہ تھا، ان کی ایک جوان العمر لڑکی تھی جن کا نام آمنہ تھا، وہ بہت اچھے اخلاق والی، بہت ہی نیک تربیت والی اور نیک فطرت والی بچی تھی، شکل بھی تھی، عقل بھی تھی، نیک بھی تھی، اور ہر نعمت اس کے پاس تھی، چنانچہ اسے حضرت عبداللہ کے لئے پسند کیا گیا اور پھر انکے ساتھ ان کا نکاح ہوا۔

نکاح کے بعد جب حضرت عبداللہ واپس آئے تو یہی فاطمہ نامی عورت پھر حضرت عبداللہ کو دیکھ کر کہنے لگی: اب آپ کے چہرے پر وہ نور نظر نہیں آرہا جو مجھے پہلے نظر آتا تھا، حقیقت میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد سے اپنی والدہ کے بطن میں منتقل ہو چکے تھے، اب دیکھئے! عبدالمطلب پر بھی امتحان آیا اور پھر حضرت عبداللہ پر بھی امتحان آیا۔

تاریخ مدینہ ودمشق ۳/ ۴۰۴- دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/ ۸۷- سبل الہدی ۱/ ۳۲۷

(۳) شادی کے چند مہینوں کے بعد مکہ مکرمہ کا ایک قافلہ تجارت کے لئے بلد شام کی طرف گیا، حضرت عبداللہ بھی اس قافلے کے ساتھ گئے، اب شادی کے ابتدائی دنوں میں میاں بیوی میں جدائی دل کو بڑا اداس کرتی ہے، تو بی بی آمنہ بھی بہت اداس ہوئیں، حضرت عبداللہ نے وعدہ کیا کہ اداس نہ ہو، میں جلدی آجاؤں گا، اور ساتھ یہ بھی کہا کہ جب قافلے کے آنے کی گھنٹی بجے تو اس وقت تم دروازے پر آنا، میرا استقبال کرنا، میں بھی تمہیں محبت سے ملوں گا، یہ وعدہ کر کے عبداللہ چلے گئے۔

کچھ وقت بلاد شام میں تجارت کے لئے گزارا، جب وہاں سے واپس تشریف لانے لگے تو مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ کو بخار ہو گیا، اور ایسے بیمار ہوئے کہ ان کے لئے سفر کرنا ممکن نہ تھا چنانچہ مدینہ میں سسرال کے یہاں قیام کر لیا۔

جب وہ قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا اور گھنٹی بجی تو بی بی آمنہ بہت خوش ہوئیں کہ میرے شوہر آگئے، چنانچہ دروازے پر آئیں، قافلے کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، مگر عبداللہ

نہ آئے، بی بی آمنہ اور زیادہ پریشان ہوئیں، پتہ چلا کہ وہ بیمار ہیں اور مدینہ طیبہ میں ہیں، لہذا ان کے قریبی رشتہ دار مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، اللہ کی شان کہ رشتہ دار ابھی مدینہ پہنچے بھی نہیں تھے کہ حضرت عبداللہ اٹھارہ سال کی جوانی کی عمر میں اللہ کے پاس چلے گئے، بی بی آمنہ کی عمر تو اٹھارہ سال سے بھی کم ہوگی، اتنی چھوٹی عمر میں بی بی آمنہ بیوہ ہوگئیں، اب سوچیے کہ بی بی آمنہ پر کیا بیتی ہوگی۔

سبل الہدی ۱/ ۳۳۱

صبر پر بھی اور شکر پر بھی

ایک بیوی بہت خوبصورت تھی جب کہ خاوند بہت بدصورت اور شکل کا انوکھا تھا رنگ کالا تھا بہرحال زندگی گزر رہی تھی، نیک معاشرے میں زندگیاں گزر جایا کرتی ہیں، ایک موقع پر خاوند نے بیوی کی طرف دیکھا تو مسکرایا خوش ہوا بیوی دیکھ کر کہنے لگی کہ ہم دونوں جنتی ہیں، اس نے پوچھا یہ آپ کو کیسے پتہ چلا، بیوی نے کہا: جب آپ مجھے دیکھتے ہیں خوش ہوتے ہیں شکر یہ ادا کرتے ہیں اور جب میں آپ کو دیکھتی ہوں تو صبر کرتی ہوں شریعت کا حکم ہے صبر کرنے والا بھی جنتی ہے اور شکر کرنے والا بھی جنتی ہے۔

(تراشے ۱۱۷ بحوالہ کشاف ۱/ ۵۷۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کا صبر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں جب اپنے چچا حضرت امیر حمزہؓ کو دیکھا انکی لاش کا مثلہ بنا پڑا تھا، ان کا دل نکال لیا گیا تھا اور ان کی آنکھیں نکال لی گئیں تھیں، کان کاٹ دیئے گئے تھے، ہندہ نے ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں پہنا تھا اب سوچئے پیچھے لاش کا کیا حال ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت آزردہ ہوئے آنکھوں میں

سے آنسو آ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت پابندی لگا دی کہ میری پھوپھی حضرت حمزہؓ کی بہن آپؓ کو دیکھنے کے لئے آئے گی دوسری عورتوں کی طرح تو ایسا نہ ہو کہ وہ دیکھے اور اسے صدمہ پہنچے، گھر کی عورتیں اپنے اپنے مردوں کو دیکھنے کے لئے آ گئیں کہ نہلائیں دفنائیں تو اس وقت میں آپ کی پھوپھی جو تھی وہ بھی آ گئیں مگر صحابہؓ نے روک دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہے کہ آپؓ اپنے بھائی کی لاش کو نہیں دیکھ سکتیں، انہوں نے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے کیوں منع فرما دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسکی لاش کو دیکھنے کا حوصلہ نہ رکھو گی، پوچھنے لگی اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے بھائی کی لاش پر رونے کے لئے نہیں آئی، میں تو اپنے بھائی کو مبارکباد دینے کے لئے آئی ہوں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا: اچھا پھر تمہیں دیکھنے کی اجازت ہے۔

سوچئے کتنا بڑا دل کر لیا کہ میں تو اپنے بھائی کو مبارکبادی دینے کے لئے آئی ہوں۔

(اسد الغابۃ ۳/ ۷۷ ۳- الکامل فی التاریخ ۱/ ۲۹۷- البدایۃ والنہایۃ ۴/ ۷ ۴- تاریخ الاسلام للذہبی ۲/ ۲۰۸)

ایک صابرہ عورت کی داستان

ہمارے قریبی لوگوں میں سے ایک آدمی سے واقعہ پیش آیا وہ ۱۹۷۱ء سے پہلے مشرقی پاکستان کے اندر کام کرتا تھا، اسکے بڑے بڑے Gas Stations تھے کروڑو روپے کا مالک تھا بلکہ اربوں کا مالک تھا سیکڑوں کی تعداد میں اسکے گیس اسٹیشن تھے، اللہ کی شان دیکھئے اتنے مال پیسے والا تھا کہ اس کا ایک کام کرنے والا اس کے دو لاکھ روپے چوری کر کے بھاگ گیا اس نے اس کے خلاف کوئی ایکشن نہ لیا، کچھ عرصے کے بعد وہ پھر واپس آ گیا رونے دھونے لگا مجھ سے غلطی ہوگئی اس نے وہ دو لاکھ بھی معاف کر دیئے اور اس کو نوکری پر بحال کر دیا، سوچئے کہ وہ کتنا کاروبار اور مال رکھنے والا بندہ ہوگا جسے پرواہ ہی نہیں تھی وہ دو لاکھ روپے کی۔

اتنا کچھ اس کی مال جائیداد تھی لیکن جب جنگ میں ڈھاکہ علیحدہ ہوا تو یہ اس حال میں کراچی اترا کہ اس کی بیوی کے سر پر فقط دوپٹہ تھا دونوں جیبیں خالی تھیں کچھ ہاتھ میں نہیں تھا، سب کچھ وہاں چھوڑ آیا، اب کراچی میں اس کے بھائی تھے، ان کے گھر آ کر ٹھہرے وہ خود یہ واقعہ سناتے تھے کہ جب میں آیا تو مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ میں زندہ ہوں، میں کروڑوں اربوں پتی انسان اور آج ایک پیسہ بھی میرے پاس نہیں میں کس سے مانگوں گا، میں کیسے زندگی گزاروں گا، کہنے لگے قریب تھا کہ میرا Nerves Break Down ہوجائے مگر بیوی نیک تھی، دیندار تھی، پہچان گئی کہ میرے خاوند کے اوپر یہ حالات آ گئے، چنانچہ جب ہم کھانے کے دسترخوان پر بیٹھتے تو میرے بھائی اور ان کے بچے بھی ہوتے تو میری بیوی یہ واقعہ چھیڑتی اور کہتی کہ ہمارے اوپر اتنا بڑا صدمہ آیا میں عورت ہوں میں زیادہ گھبرا گئی ہوں اور میرے خاوند کو تو اللہ نے پہاڑ جیسا دل دے دیا ہے انہوں نے اس کو ہاتھوں کی میل بنا کر اتار دیا، ان کو تو پرواہ ہی نہیں، کہنے لگے: میں اندر دل سے خوف زدہ تھا اور وہ ایسی باتیں کرتی کہ سن سن کر مجھے تسلی ہونے لگی کہ جب میری بیوی کو کوئی غم نہیں تو پھر میں کیوں اتنا پریشان ہو رہا ہوں، میں Depression کا شکار کیوں ہو رہا ہوں، چنانچہ ایسی باتیں کرتی کہ ان کا دل تو بہت بڑا ہے انہوں نے تو اتنے مال کو ہاتھوں کی میل سمجھ لیا ہے، ان کو تو اللہ نے پہلے بھی بہت دیا وہی پروردگار ہے اب ان کو یہاں بھی بہت دے دیگا یہ تو قسمت کے بادشاہ ہے، قسمت کے دھنی ہیں، جب اس نے ایسی ایسی باتیں کیں تو کہنے لگے میری طبیعت بحال ہوگئی، ہم نے مشورہ کیا، بھائی سے ادھار لے کر ایک ٹرک خریدا اس کو کرائے پر چلانا شروع کر دیا میں نے محنت کی میرے مولیٰ نے میری مدد کی کہنے لگا: پانچ سال کے بعد سیکڑوں ٹرکوں کی کمپنی کا میں پھر مالک بن گیا، آج پھر اربوں پتی بن کر زندگی گزار رہا ہوں مگر میں اپنی بیوی کا احسان کبھی نہیں اتار سکتا جس نے اس حالت میں بھی مجھے سنبھال لیا۔

حضرت حسن کے صبر وضبط کی انوکھی مثال

سیدنا حسینؓ کا واقعہ ہے کہ گھر میں مہمان آئے، باندی کو حکم دیا کہ کچھ پیش کیجئے، شوربے کا ایک پیالہ تھا وہ گرم کر کے لے آئی، جب گرم کر کے لے آئی، دروازے سے داخل ہونے لگی تو قدرتا دیکھ کہیں رہی تھی اور قدم کہیں اٹھا رہی تھی، اچانک پاؤں اٹکا تو شوربے کا پیالہ آپؓ کے جسم مبارک پر آ گرا، اب جب گرم گرم شوربا گرے تو بدن جلتا ہے اور کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ کتنا غصہ آتا ہے؟ تو آپ نے غصے کے ساتھ باندی کی طرف دیکھا کہ اتنی careless (غیر ذمہ دار) ہے۔

تو آخر وہ بھی اسی گھر کی باندی تھی پہچان گئی کہ طبیعت میں جلال ہے تو جیسے ہی انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے آگے سے قرآن کی یہ آیت پڑھی، کہنے لگی:

والکاظمین الغیظ

''غصے کو پی جانے والے''

قرآن مجید میں ایمان والوں کی کچھ خوبیاں پروردگار نے گنوائیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ''غصے کو پی جانے والے'' تو جب اس نے یہ الفاظ کہے تو آپؓ نے فوراً اپنے غصے کو کنٹرول کیا اور اسکی طرف مسکرا کر دیکھا، تو پھر اس نے اگلے الفاظ پڑھ دئے:

والعافین عن الناس

''لوگوں کو معاف کر دینے والے''

آپؓ نے فرمایا: اچھا چلو میں نے تیری غلطی کو معاف کر دیا، تو اس نے اگلے الفاظ بھی کہہ دئے:

واللہ یحب المحسنین

''اور اللہ نیکوکاروں کو پسند فرماتے ہیں''

آپ نے فرمایا: جا میں نے تجھے اللہ کے راستے میں آزاد کر دیا۔

کہاں اتنا غصہ ہے کہ اسے سزا دی جائے اور کہاں قرآن کریم کے دو الفاظ سنتے ہیں تو اپنے آپ کو اس قدر بدل ڈالتے ہیں کہ جس کو سزا دینی تھی اس کو اللہ رب العزت کے راستے میں آزاد کر دیا۔

نوٹ: اس قسم کے واقعات چند بزرگوں سے منقول ہیں۔

تفسیر روح البیان ۲/ ۷۸-مختصر تاریخ دمشق ۵/ ۳۴۹-البدایہ والنہایہ ۹/ ۱۲۵-تفسیر قرطبی آل عمران آیت ۱۳۴-المستطرف ۱/ ۴۱۷

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تحمل

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں ایک یہودی آیا۔ ذرا دور کے علاقے کا تھا۔ اسے وہیں رات ہوگئی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اب تجھے دیر ہوگئی ہے اس لیے آج مہمان کے طور پر یہیں ٹھہر جاؤ۔ وہ ٹھہر گیا۔

رات کو اس کو کھانا دیا گیا، اس نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر اس کو بستر میں سلا دیا گیا۔ رات کو اس کا پیٹ خراب ہو گیا، حتیٰ کہ بستر میں ہی اس کا پاخانہ نکل گیا۔ اس کے کپڑے بھی خراب ہو گئے، جسم بھی خراب ہو گیا اور بستر بھی خراب ہو گیا۔ اسے شرم بھی آئی۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں وہاں سے راتوں رات نکلا اور کہیں جا کر نہایا اور کپڑے دھوئے۔ اس نے وہیں سے واپس جانے کا ارادہ کیا لیکن پھر اسے خیال آیا کہ میں تو اُٹھ کر آ گیا مگر فلاں چیز وہیں بھول آیا ہوں۔

اب شرم کے مارے اسے واپس تو آنا پڑا کیونکہ وہ چیز وہ چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ جب وہ واپس آیا تو فجر ہو چکی تھی۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز کے بعد مہمان کا پتہ کرنے گئے تو پتہ چلا کہ مہمان تو غائب ہو چکا ہے۔ اور بستر سے نجاست کی بدبو آرہی ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ کو نہیں بتایا، بلکہ خود پانی بھر کے لائے اور خود اس نجاست کو صاف فرمانے لگے۔ جب آپ بستر کو صاف فرما رہے تھے تو اس وقت وہ یہودی آیا۔ اس نے جب اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا: میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں، یہ اخلاق واقعی اللہ کے نبی کے ہی ہو سکتے ہیں.....اللہ اکبر کبیرا

ماتحتوں کے ساتھ تحمل مزاجی

.....ایک نوجوان تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جہاں کہیں ان کو اچھی کھجور کا درخت ملتا وہ کھجور توڑ کر کھا لیتے تھے۔ علاقے کا دستور یہ تھا کہ اگر پھل کہیں گرا پڑا ہو تو جو چاہے اٹھا کے کھالے، اس بات کی عام اجازت تھی، لیکن درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے کے لیے مالک سے اجازت لینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ نوجوان تھے۔ ان کو جہاں پھل پسند آتا، درخت پر چڑھ جاتے اور خوشہ توڑ کر کھانا شروع کر دیتے۔

ایک مرتبہ ایک مالک نے ان کو پکڑ لیا اور اس نے ان کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ نوجوان کہتے ہیں کہ جب مجھے نبی علیہ السلام کے پاس لایا گیا تو پہلے تو میں بڑا ڈرا کہ آج میرا ہاتھ کٹے گا۔ لیکن جب اس مالک نے بتایا کہ یہ نوجوان میری کھجوریں توڑتا ہے تو نبی علیہ السلام نے میری طرف دیکھا اور مجھے بلایا، جب میں قریب گیا تو نبی علیہ السلام نے شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر رکھا۔ میرا آدھا خوف تو وہیں ختم ہو گیا۔ پھر نبی علیہ السلام نے مجھ سے سوال پوچھا: تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ میں نے بتایا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھوک لگتی ہے تو میں کھجوریں توڑ کر کھا لیتا ہوں۔ تو نبی علیہ السلام نے ڈانٹا نہیں۔ بلکہ جواب میں سمجھایا کہ دیکھو، نیچے گری

ہوئی کھجور ہو تو اٹھا کر کھالیا کرو، اس کی اجازت ہوتی ہے۔ البتہ درخت پر چڑھ کر توڑنا مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ میں نے اسی وقت کہا: جی میں آج کے بعد ایسا نہیں کروں گا۔ نبی علیہ السلام نے جب میری زبان سے یہ الفاظ سنے تو آپ خوش ہوئے اور پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے دعا فرمائی،

''اے اللہ! اس کے فقر کو ختم کر دے۔ اس کی بھوک کو ختم کر دے۔''

کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے دعا سننے کے بعد میرے دل میں ایسی ٹھنڈک پڑی کہ اس کے بعد میں نے زندگی میں یہ عمل کبھی دوبارہ نہیں کیا..... یہ ہوئی ہے اصلاح کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اور ہم اصلاح کیسے کرتے ہیں؟..... جو جتنا زیادہ قریبی ہوتا ہے اتنا ہی اس سے زیادہ غصے سے پیش آتے ہیں۔

(ترمذی ۱۲۸۸)

صبر کا ایک اہم فائدہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہیں، ایک صاحب آئے ان کی کسی بات پہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے رنجش تھی، انہوں نے سخت باتیں کرنا شروع کر دیں، وہ باتیں کرتے رہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی سنتے رہے اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بھی سنتے رہے، جب بات بڑھنے لگی تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، اپنی طرف سے صفائی پیش کی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جانے کے لئے کھڑے ہو گئے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جا رہے ہیں؟ فرمایا: ابو بکر! جب یہ شخص تمہارے بارے میں ایسی بات کر رہا تھا تو اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا تھا جو تمہاری طرف سے اس بندے کو جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے خود جواب دینا شروع کیا تو وہ فرشتہ بھی چلا گیا اور اب میں بھی اس مجلس سے اٹھ کر جا رہا ہوں..... تو بھئی! یہ کتنا آسان

طریقہ ہے کہ اللہ رب العزت کو اپنا مددگار اور کارساز بنالیا جائے، صبر کرلیا جائے کیونکہ اس کا بدلہ اللہ کی مدد کی شکل میں ملتا ہے۔

(ابوداؤد ۴۸۹۶، باب فی الانتصار ۶۷۱-شعب الایمان ۶۲۴۲)

پوری سلطنت کی قیمت ایک پیالہ پانی

ہارون رشید کو پیاس لگی اس نے پانی مانگا، ٹھنڈا پانی لایا گیا، عارف باللہ حضرت ابن سماکؒ وہاں موجود تھے، وہ کہنے لگے ہارون پانی پینے سے پہلے میری بات سننا پوچھا بتایئے، کہنے لگے یہ بتائیں اگر آپ کو سخت پیاس لگ جائے اور پیاس ایسی کہ برداشت سے باہر، حلق بالکل خشک ہو اور پوری دنیا میں پانی کہیں بھی نہ ہو اور ایک شخص کے ہاتھ میں پانی کا پیالہ ہو، تو آپ بتائیں کہ کتنی قیمت دے کر اس پانی کے پیالے کو خریدیں گے، اس نے کہا کہ میں آدھی سلطنت دے دونگا، اور پانی کا پیالہ خرید کر پیؤنگا، انہوں نے کہا اچھا آپ نے پانی پی لیا، اور پینے کے بعد اگر پیشاب بند ہوگیا، نکلتا نہیں، اور جانتے ہیں کہ پیشاب بند ہونے کی حالت میں انسان مچھلی کی طرح تڑپتا ہے، اسے برداشت نہیں ہوتا، تو آپ مچھلی کی طرح تڑپنے لگیں، ادھر ایک طبیب جس کے پاس ایسی دوا ہے جس سے پیشاب ہو جائے، تو آپ بتائیں اس طبیب کو کتنی قیمت دیکر وہ دوا خریدیں گے، اس نے کہا آدھی سلطنت دے کر خریدونگا، انہوں نے کہا کہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی یہ پوری سلطنت کی قیمت پانی کا ایک پیالہ پینے اور پھر اسے جسم سے نکالنے کے برابر ہے، جبکہ تو نے تو زندگی میں ہزاروں پیالے پانی پیا ہوگا، تو تم نے اللہ پاک کی کتنی نعمت استعمال کی ہوگی؟ بتلاؤ اس کی قیمت کیا ہوگی؟

(البدایہ والنہایہ ۱۰ / ۲۳۴-فلسفۃ المال عند الغزالی ۲-تاریخ الاسلام ذہبی ۱۳ / ۱۵-
تاریخ الخلفاء ۱ / ۲۴۹-تاریخ الام والملوک ۵ / ۲۲-الکامل تاریخ ۳ / ۱۱۷)

اب لیٹ کر سونا کہاں میسر

ہمارے ایک ساتھی جو ڈاکٹر ہیں وہ ایک مرتبہ ملنے کیلئے آئے، کھانا وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے کہا کہ بھئی سو جاؤ، وہ کہنے لگے کہ دیوار کے ساتھ تکیہ لگا دیں میں اوٹ لگا کے بیٹھ جاؤں گا، پوچھا کیوں؟ کہنے لگے مجھے ایک مرض ہے، ہم جو کھانا کھاتے ہیں تو وہ ہماری خوراک کی نالی میں نیچے جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے درمیان میں ایک وَوْل (VALUE) بنا دیا ہے، وائپر (VIPER) بنا دیا ہے، جب اوپر سے کھانا جاتا ہے، تو کھل جاتا ہے کھانا اندر چلا جاتا ہے، کھانا واپس آنا چاہے تو وہ بند ہو جاتا ہے، وہ آنے نہیں دیتا، اسلئے کھانا کھا کر کوئی بندہ سر کے بل کھڑا ہو جائے تو یہ نہیں ہوتا کہ وہ منہ کے راستے سے نکل جائے، وہ وَوْل گویا نَنْ رِیٹُرن وَوْل (NONE RETURN VALUE) ہے۔ کہنے لگا میرا وَوْل لِک (LEAK) ہو گیا ہے، میں ذرا لیٹتا ہوں تو میرے پیٹ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ میرے منہ کے راستے باہر آجاتا ہے، پچھلے کئی سالوں سے بیٹھ کر رات گزارتا ہوں، لیٹ کر سونے کا مزہ اب میں زندگی میں حاصل نہیں کر سکتا، اس دن مجھے احساس ہوا کہ یا اللہ لیٹ کر آرام کی نیند سو جانا یہ کتنی بڑی آپ کی نعمت ہے۔

کڑوا پھل مزے کے ساتھ

مولانا رومؒ نے سلطان محمود اور ایاز کے عجیب وغریب واقعات لکھے ہیں:

☆ سلطان محمود ایک نیک بادشاہ تھا، غزنہ کا رہنے والا تھا، ایک دیہاتی نوجوان اسکی خدمت میں آیا، بادشاہ کو وہ پسند آ گیا، بادشاہ اسے اپنی خدمت میں رکھتا تھا، اس سے مشورہ کرتا تھا، اس وقت جو وزراء تھے، ان کو یہ بات بری لگتی کہ نہ اسکی شکل ہے، نہ

عقل ہے، نہ تعلیم ہے، نہ کوئی لائق بندہ ہے، پتہ نہیں بادشاہ کو اسکی کون سی بات پسند ہے، تو وہ اندر اندر ہی جلتے رہتے، چنانچہ اس کوشش میں لگے رہتے کہ کبھی کوئی ایسا موقع ملے کہ ہم بادشاہ سے یہ بات کریں، ایک دن انہوں نے بات کی کہ بادشاہ سلامت! آخر کیا چیز ہے کہ آپ اس پر اتنے فدا ہیں، جو محبت کی نظر اس پر اٹھتی ہے وہ ہم پر نہیں، بادشاہ نے کہا کہ اچھا، ہم بتلائیں گے، اگلے دن بادشاہ نے ایک پھل کا انتظام کیا جو انتہائی کڑوا تھا، کاشیں بنوائیں، اور ان معترضین کو ایک ایک کاش دی، جس نے منہ سے لگائی تھوتھو کر کے پھینک دی کہ بہت کڑوی ہے، بادشاہ سلامت یہ بہت کڑوی ہے، بادشاہ نے ایاز کو دیکھا کہ وہ اس پھل کو بڑے مزہ سے کھا رہا ہے، کوئی ناگواری کے آثار نہیں، چہرے کے اوپر کوئی غلط تأثر محسوس نہیں، کھلے چہرے کے ساتھ، مسکراتے چہرے کے ساتھ کھا رہا ہے، بادشاہ نے پوچھا ایاز! کیا یہ کڑوا نہیں ہے، بادشاہ سلامت کڑوا تو ہے، تو پھر آپ مزہ سے کھا رہے ہو؟ جی بادشاہ سلامت! میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جس ہاتھ سے میں آج تک میٹھی چیزیں لیکر کھاتا رہا، اگر آج کڑوی بھی مل گئی تو اسے خوشی سے کیوں نہ کھاؤں؟ بادشاہ نے کہا دیکھو اس کے اندر کس درجہ کی قدر دانی ہے، کہ جس بادشاہ کے ہاتھوں آج تک میٹھی چیز ملتی رہی اور میں کھاتا رہا، آج اگر کڑوی بھی مل گئی تو شکوہ کی کیا ضرورت ہے؟ لہذا مسرت کے ساتھ کھاتا رہا، جبکہ تم لوگ تو تھوتھو کرنے لگے، تمہارے اندر قدر دانی نہیں، جس پروردگار کی طرف سے ہمیں زندگی بھر خوشیاں ملتی رہتی ہیں، کبھی کوئی بیماری آگئی، تکلیف آگئی تو بے صبری کی کیا ضرورت؟ کاش کہ اس ان پڑھ نوجوان والی صفت ہمارے اندر بھی آجاتی۔

(حکایات رومی ۵۷)

اپنی اوقات نہ بھولئے

☆ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایاز کی شکایت کی کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت! ہم تو پہلے ہی سے کہتے تھے کہ یہ ٹھیک آدمی نہیں ہے اور اب تو ثابت ہو چکا، ہمارے پاس پروف ہے، بادشاہ نے پوچھا کہ کیا پروف ہے؟ کہنے لگا بادشاہ سلامت! ایک الماری اس نے بنائی ہے، جسے تالا لگا کر رکھتا ہے، روزانہ اسکو کھول کر دیکھتا ہے، کسی دوسرے بندے کو چابی نہیں دیتا، خود جب کھولتا ہے تو اس وقت اکیلا ہوتا ہے، میرا پکا گمان یہ ہے کہ اس نے آپ کے خزانے سے کچھ چرایا ہے، اور وہ ہیرے موتی اس الماری میں رکھے ہوا ہے، ٹھیک آدمی نہیں ہے۔

بادشاہ نے ایاز کو بلایا اور کہا، کیا تمہاری ایسی کوئی الماری ہے؟ اس نے کہا جی ہے، اسکی چابی ہے؟ جی ہے، بادشاہ نے کہا لاؤ، وہیں کھڑے کھڑے بادشاہ نے اس سے چابی لی، اور معترضین کو کہا کہ جاؤ اسکے اندر جو کچھ ہے لے کر آؤ، اعتراض کرنے والے بڑے خوش کہ آج اسکا پول کھلے گا، اس کے اندر جو خزانہ جمع کیا ہے آج بادشاہ کو پتہ چل جائے گا، تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی وہاں سے دو چیزیں لے کر آیا ایک بوسیدہ سا لباس، اور ایک پرانا جوتا، بادشاہ نے کہا اس الماری میں اور کچھ نہیں؟ اس نے کہا نہیں اس میں اور کچھ نہیں، بادشاہ نے کہا ایاز! تم نے یہ رکھا ہوا ہے، جی بادشاہ سلامت، میں نے الماری میں یہی چیزیں رکھی ہیں، کیا تم روز دیکھتے ہو، جی روز دیکھتا ہوں، کیا وجہ ہے؟ ایاز نے کہا بادشاہ سلامت! جب میں پہلے دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا یہ میرا لباس اور یہ میرا جوتا تھا، آپ نے مجھے اپنے قریب کر لیا، میں نے اپنے نفس کو اپنی اوقات یاد دلانے کیلئے ان چیزوں کو سلامت رکھا ہے، روز دیکھتا ہوں اور اپنے نفس سے کہتا ہوں ایاز دھوکے میں نہ پڑنا، تیری اوقات یہ تھی، اب جو کچھ تیرے پاس ہے تیرے اوپر بادشاہ کی عنایت ہے۔

(معارف مثنوی ۳۴۶)

کاش کہ ہم اپنے پروردگار کی ان نعمتوں کا شکر ادا کریں، کیا ہم اس دنیا میں سب کچھ لے کر آئے تھے، نہیں بلکہ جب آئے تھے تو کچھ نہیں تھا، بدن پر کپڑے نہیں تھے، گھر نہیں تھا، اولاد نہیں تھی، عقل پوری نہیں تھی، کچھ نہیں تھا، جو دیا میرے پروردگار نے دیا، جس پروردگار نے اتنی نعمتیں دیں، ہم اس پروردگار کے حکم کو سن کر اس کو توڑتے ہیں اور احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے کس کے حکم کو توڑا ہے۔ اللہ اکبر کبیرا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

تواضع وانکساری

سید الانبیاءؐ کی عجز بھری دعائیں

عاجزی کے ساتھ دعاء مانگنا دعاء کی قبولیت کی کنجی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی عاجزی کے ساتھ دعاء مانگتے تھے: **اللّٰھم اِنک تسمع کلامی وتری مکانی تعلم سری وعلانیتی لایخفی علیک شیء من امری وانا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقر المعترف بذنبی۔ اسئلک مسئلة المسکین ابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل وادعوک دعاء الخائف الضریر ودعاء من خضعت لک رقبته وفاضت لک عبرته وذل لک جسمه ورغم لک انفه اللھم لاتجعلنی بدعائک شقیا وکن لی رؤوفا رحیما یاخیر المسئولین ویاخیر المعطین** (یا اللہ تو سنتا ہے میری بات کو اور دیکھتا ہے میری جگہ کو اور جانتا ہے میرے پوشیدہ کو اور ظاہر کو، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی اور میں مصیبت زدہ، محتاج، فریادی، پناہ چاہنے والا ہوں جو ترساں ہراساں، اقرار کرنے والا ماننے والا اپنے گناہوں کا ہے۔ تجھ سے بے کس کا سا سوال کرتا ہوں، تیرے سامنے گڑگڑاتا ہوں جیسے ایک گنہگار ذلیل گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے خوفزدہ اور آفت رسیدہ شخص کی طرح طلب کرتا ہوں اور اس شخص کی طرح کہ جسکی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو، آنسو بہہ رہے ہوں، تیرے سامنے اس نے اپنے جسم کو گرایا ہوا ہو اور تیرے سامنے اپنی ناک رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! مجھے اپنے سے دعاء مانگنے میں ناکام نہ کر اور میرے واسطے بہت مہربان اور رحیم ہو جا اے سب سے بہتر جن سے مانگا جائے اور سب دینے والوں سے بہتر)

(المعجم الکبیر للطبرانی ۹/ ۷۷ ۳- الجامع الصغیر ۱۱۳۱)

سبحان اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کے ایک ایک لفظ سے اللہ رب العزت

کی عظمت اور اپنی عاجزی سامنے آتی ہے۔ جب طائف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی پیاری دعاء مانگی، فرمایا:

اللّٰھم الیک اشکوا ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس یاارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعیدیتجھمنی ام الی عدو ملکته امری ان لم یکن بک علی غضب فلاابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی اعوذ بنوروجھک الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیاوالاخرةمن ان ینزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولاحول ولاقوةالا بک (اے اللہ! میں آپ ہی سے شکایت کرتا ہوں اپنی کمزوری اور بے کسی اور لوگوں میں ذلت اور رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے، کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے، یا کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہوگئیں اور جس سے دنیا وآخرت کے سارے کام درست ہوجاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کو اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ نہ تیرے سواء کوئی طاقت ہے نہ قوت)

اس طرح عاجزی سے مانگی ہوئی دعائیں اللہ رب العزت کے ہاں قبولیت پاتی ہے۔

(زادالمعاد ۳/۳۱-فیض القدیر ۲/۱۵۱-الدعاءللطبرانی-عندالکرب والشدائد ۳۱۵)

تواضع پیدا کرنے کا انوکھا انداز

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے کہا، ذرا ممبر کے قریب ہوجاؤ۔ وہ ممبر کے قریب ہوگئے پھر آپ نے ممبر پر چڑھ کر فرمایا،، عمر! تو وہی تو ہے کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا اور وہ اس کے صلہ میں مجھ کو چھوہارا دیتے تھے، وہی کھا کر بسر کرتا تھا، یہ کہہ کر آپ ممبر سے نیچے تشریف لے آئے، صحابہ کرام حیران ہوکر پوچھنے لگے، اے امیر المومنین! آپ نے ہمیں اکھٹا کر کے کیا بات کی ہے؟ فرمایا، اب یہ فتوحات کا زمانہ ہے مال غنیمت آرہا ہے، دشمن قیدی بن کر آرہے ہیں، میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ تیرے دور خلافت میں اتنی فتوحات ہورہی ہے، چنانچہ میں نے اپنے نفس کے اندر دکھاوا، تکبر اور عجب ختم کرنے کیلئے اپنے نفس کو خطاب کیا ہے کہ عمر! تم وہی تو ہو جس کی ناداری ایسی تھی کہ پہلے پانی لا کر بھرا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایسی بات کہی جس سے طبیعت میں شکستگی آتی ہے۔

(الفاروق ۴۸۳-الطبقات الکبریٰ ۳/ ۲۹۳-شخصیۃ عمر بن الخطاب ۸/ ۳۳)

پیر فضل علی قریشی کی تواضع

ایک مرتبہ حضرت مولانا پیر فضل علی قریشیؒ اپنے گھر سے مسجد میں تشریف لے آئے اور وہاں جتنے بھی ذاکرین موجود تھے ان سب کو اکھٹا کرلیا۔ جب سب مرید آکر بیٹھ گئے تو حضرت نے فرمایا، فقیرو!۔۔۔ پھر خاموش ہوگئے۔ لوگ حیران ہوئے کہ حضرت کیا کہنا چاہتے ہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا، بھئی! ایک مرتبہ کچھ ایسا معاملہ بنا کہ میرے پیٹ میں ہوا بھر گئی اور بہت ہی تکلیف دہ کیفیت بن گئی۔ ہوا پیٹ سے خارج نہیں ہورہی تھی اور مجھ سے تکلیف برداشت نہیں ہورہی تھی۔ میرا پیٹ پھول گیا کہ میں زمین پر لیٹ کر تڑپنے لگا اور مجھے دن میں تارے نظر آنے لگے۔ سب لوگ سوچنے لگے کہ یہ بھی کوئی بتانے والی بات ہے۔ جب کافی دیر تک حضرتؒ اسکی تفصیل بتاتے رہے تو پھر بعد میں ایک سوال پوچھا۔ فرمایا، فقیرو! جو شخص اپنے

پیٹ سے گندی ہوا کے خارج ہونے کا محتاج ہو، کیا وہ بھی کوئی بڑا بول بول سکتا ہے۔ سب نے کہا نہیں۔ جب سب نے نفی میں جواب دیا تو پھر حضرتؒ نے بات شروع کی کہ آج رات مجھے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا: فضل علی قریشی! تو نے متبع سنت لوگوں کی ایسی جماعت تیار کی ہے کہ، من حیث الجماعت، اس وقت پوری دنیا میں کہیں بھی ایسی جماعت موجود نہیں ہے،، دراصل حضرت صاحبؒ یہ خواب سنانا چاہتے تھے، لیکن دل میں محسوس کیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مقام بیان کر رہے ہیں۔ گویا انہوں نے اپنے نفس کو پہلے دوا پلا دی تا کہ اس میں دکھاوا نہ آجائے۔

تصنع سے بھی بچنا چاہئے

ایک مرتبہ حضرت قریشیؒ انڈیا میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ سفر کی وجہ سے ان کے جسم میں تھکاوٹ کے آثار تھے۔ کپڑوں پر مٹی وغیرہ بھی پڑ گئی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقیؒ نے عرض کیا، حضرت! ابھی لوگ آپ سے ملاقات کے لئے آئینگے، طلبہ بھی آئینگے ان میں آپ کا بیان بھی ہوگا، اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے اپنے کپڑے تبدیل فرمالیں۔ حضرت نے فرمایا،، تو مجھے تصنع سکھاتا ہے،،؟ اگر حضرت صدیقیؒ یوں بات کرتے کہ حضرت! سفر کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں تھکاوٹ ہے، کپڑے میلے ہیں، آپ ذرا نہا لیجئے اور صاف کپڑے پہن لیجئے، آپ کی طبیعت بحال ہو جائیگی تو حضرت یہ کام کر لیتے، چونکہ انہوں نے یہ کہا کہ اساتذہ اور طلبہ نے آنا ہے اس لئے آپ کپڑا بدل لیجئے، اس لئے حضرت نے ٹالتے ہوئے جواب دیا کہ تو مجھے تصنع سکھاتا ہے۔ چنانچہ حضرت اسی طرح بیٹھے رہے، اسی حالت میں سب سے ملاقات کی۔ جب سب لوگ ملاقات کر کے اپنے کمروں میں چلے گئے تو حضرت قریشیؒ نے فرمایا، خلیفہ صاحب! لاؤ آپ کی بات بھی مان لیتا ہوں، مجھے کپڑے تبدیل کروا دو۔ چنانچہ اس وقت حضرت نے نہا کر کپڑے تبدیل کر لئے۔ اندازہ لگائیے کہ یہ ایک چھوٹا سا عمل تھا مگر وہ بھی اللہ کی رضا

کے لئے کرنا تو گوارا تھا مگر مخلوق کے لئے کرنا گوارا نہیں تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی انکساری

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بیٹھے ہوئے تھے، چراغ کی لو کم ہوگئی جس کی وجہ سے چراغ بجھنے کے قریب ہوگیا، اب وہ امیر المومنین تھے، وہ چاہتے تو خادموں میں سے کسی کو حکم کردیتے کہ چراغ کو ٹھیک کردو، مگر وہ خود اٹھے اور انہوں نے خود ہی چراغ کو درست کردیا، کسی نے کہا جی! آپ کسی غلام کو یہ حکم دیدیتے، فرمایا: جب میں اسے ٹھیک کرنے کے لئے اٹھا تو اس وقت بھی عمر بن عبدالعزیز تھا اور جب میں نے اس کو ٹھیک کرلیا تو اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں، سبحان اللہ! مٹنے والے ایسے مٹتے ہیں اور اللہ رب العزت مٹنے والوں کو دنیا میں ایسے نوازتے ہیں۔

(الزہد لاحمد ۱۷۴۰-شعب الایمان للبیہقی ۱۲/ ۱۴۹-الوافی بالوفیات ۴/ ۴۵۱-
تاریخ قضاۃ اندلس ۱/ ۹۷-قدوۃ الحکام ۵۹-البدایہ والنہایہ ۱۲/ ۷۰۳)

امام ابوحنیفہؒ کی انکساری

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے زمانے میں دو عالم تھے۔ ایک کا نام زرعہ قاص تھا اور دوسرے کا نام عمر بن زر تھا۔ یہ چونکہ معمر تھے اس لئے امام اعظمؒ کی والدہ محترمہ ان سے مسئلہ دریافت کرکے مطمئن ہوجاتی تھیں۔ اگر انہیں کوئی مسئلہ پوچھنا ہوتا تو وہ امام اعظمؒ کو فرماتیں کہ مجھے انکے پاس لے جاؤ، میں ان سے مسئلہ پوچھنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ امام صاحبؒ اونٹنی نکالتے۔ اپنی والدہ کو اونٹنی پر بٹھاتے اور خود اونٹنی کی نکیل پکڑ کر پیدل چلتے۔ جب چل رہے ہوتے تھے تو لوگ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ یہ کون ہے، جس کی سواری کی نکیل نعمان (امام اعظمؒ) پکڑ کر جارہے ہیں۔ چونکہ حضرت اس وقت استاذ بن چکے تھے اور کثیر تعداد میں ان کے شاگرد بھی تھے۔ اس لئے لوگ ان کو دیکھ کر راستے میں

ادب کی وجہ سے کھڑے ہوجاتے تھے اور حضرت خاموشی سے چلتے رہتے تھے، جب ان دونوں میں سے کسی ایک کے گھر پہنچتے اور دروازے پر دستک دیتے تو وہ باہر آتے۔ امام صاحبؒ ان کو فرماتے کی میری والدہ صاحبہ تشریف لائیں ہیں اور یہ آپ سے کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتی ہیں، جب والدہ صاحبہ مسئلہ پوچھتیں تو کئی مرتبہ ان دونوں کو اس مسئلہ کا جواب نہیں آتا تھا تو وہ امام صاحبؒ سے پوچھتے کہ اس کا جواب کیا ہے۔ امام صاحبؒ آہستہ سی آواز میں ان کو اس مسئلہ کا جواب خود بتادیتے تھے اور وہ لوگ اونچی آواز سے ان کی والدہ کو جواب سنادیتے تھے۔ اب والدہ جب ان کی زبان سے سنتیں تو مطمئن ہوجاتیں۔ ساری عمر یہی ہوتا رہا اور امام اعظمؒ نے اپنی والدہ کو یہ بھی نہ کہا۔ امی! جو مسئلہ آپ ان سے پوچھنے کے لئے جائینگی وہ اسکا جواب مجھ سے پوچھ کر بتائیں گے۔ دراصل امام صاحبؒ نے والدہ کے ادب کا خیال رکھا اور ان کے دل کے سکون کو مقدم رکھا۔ انکی یہی تواضع تھی جس نے ان کو امام اعظم بنادیا۔ اللہ تعالی نے ان کو اتنی عزت دی کہ دور صحابہ میںؓ ان کا فتوی چلتا تھا ۱۲۰ھ میں حضرت مسند ارشاد پر بیٹھ چکے تھے اور اس وقت صحابہ کرام دنیا میں کہیں نہ کہیں موجود تھے۔

(القصاص المذکرین ۱/ ۳۱۰-تحذیر الخواص ۱/ ۲۳۱-تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۶۶-الاسرار المرفوعۃ ۱/ ۷۱-الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیہ ۱/ ۳۶)

مولانا حسین علی کی انکساری

میانوالی کے علاقہ ''واں بھچراں'' میں ایک بزرگ گزرے ہیں ان کا نام مولانا حسین علیؒ تھا، وہ بڑے ہی سادہ اور موحد آدمی تھے، ان کی سادگی کو دیکھ کر لوگ سمجھتے تھے کہ شاید کوئی دیہاتی بندہ ہے، ایک مرتبہ ملتان میں ایک جلسہ میں بیان ہونا تھا، اس جلسہ میں امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو بھی مدعو کیا گیا تھا، حضرت شاہ صاحبؒ کی وجہ سے مجمع بہت زیادہ تھا مسئلہ یہ بنا کہ جلسہ شروع ہونے کا وقت قریب تھا

اور حضرت ابھی پہونچے بھی نہیں تھے، لوگ تلاش میں نکل کھڑے ہوئے کہ کیا ہوا، ہم نے حضرت کا استقبال کرنا تھا، لیکن وہ ابھی پہونچے ہی نہیں، تلاش کرتے ہوئے ایک مسجد میں گئے تو دیکھا کہ حضرت مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، پوچھا حضرت! آپ کہاں سے آئے، ہم نے تو آپ کا استقبال کرنا تھا، فرمایا، میں اسی لئے سادگی کے ساتھ آ گیا ہوں کہ میں استقبال کے قابل نہیں ہوں، جب حضرت بیان کے لئے بیٹھے تو خطبہ میں ارشاد فرمایا: **یاایھا الناس ضرب لکم مثل فاستمعوا لہ** (اے لوگوں تمہارے سامنے مثالیں بیان کی جاتی ہیں پس انہیں غور سے سنو) حضرتؒ نے ایسے درد دل سے یہ آیت پڑھی کہ مجمع کے ہر بندے کے دل میں توحید کا مزہ آ گیا، بعد میں حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنی پوری تقریر اسی آیت پر کی، فرمایا کہ دیکھو! اللہ والے ایک چھوٹی سی آیت پڑھتے ہیں اور مجمع کے دلوں کو تڑپا کے رکھ دیتے ہیں ..... سبحان اللہ! طبیعت میں تواضع دیکھو اور آگے فیض دیکھو۔

حضرت قاری طیب صاحبؒ کی تواضع

ایک مرتبہ حضرت مرشد عالمؒ کی ملاقات قاری محمد طیب صاحبؒ سے ہوئی، حضرت قاری صاحب بہت بڑے عالم تھے۔ شکل وصورت کے اعتبار سے بھی بہت ہی خوبصورت، نفیس، اور نازک بدن تھے، ہمارے حضرتؒ نے ان کو حرم میں دیکھا۔ ان کا چہرہ چمک رہا تھا، حضرت مرشد عالمؒ ان کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ملنے کے بعد پوچھا، حضرت! آپ نے یہ چہرہ کیسے بنایا؟ جیسے ہی میں نے یہ سوال پوچھا، قاری صاحب فورا کہنے لگے ''یہ میں نے نہیں بنایا، بلکہ میرے شیخ نے بنایا ہے'' دیکھیں، انہوں نے اس اچھائی کی نسبت اپنی طرف نہیں کی بلکہ اپنے شیخ کی طرف کی، یہ تواضع ہے اگر کوئی اپنی طرف اچھائی کی نسبت کرے کہ میں نے یہ کیا..... میرا تجربہ اتنا ہے ..... میں اتنا سمجھدار ہوں..... تو بس پھر انسان خطرے میں ہوتا ہے۔

عاجزی بھرے کلمات کی فوری قبولیت

ایک مرتبہ حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقیؒ انڈیا کے دورے پر گئے۔ انہوں نے راستے میں ایک بیری دیکھی.... بیری دوطرح کی ہوتی ہے۔ ایک بیری کا تنا بڑا ہوتا ہے اور کافی اوپر جا کر بیر لگتے ہیں اور ایک بیری جھاڑی کی شکل میں ہوتی ہے وہ چھوٹی سی ہوتی ہے مگر بیروں سے بھری ہوئی ہوتی ہے ..... تو انہوں نے جھاڑی نما بیری راستے میں دیکھی۔ حضرت کو اس وقت بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ وہاں سے بیر توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ بیر کھاتے ہوئے ان کو خیال آیا کہ یہ چھوٹی سی بیری ہے اور اللہ تعالی نے اس پر اتنے سارے بیر لگا دئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں رو کر اللہ تعالی سے دعا مانگنے لگا۔ اے اللہ! یہ چھوٹی سی بیری ہے، تو نے اسے اتنے سارے پھل عطا فرما دیئے ہیں، میں بھی تیرا چھوٹا سا بندہ ہوں، اللہ! مجھے بھی پھل عطا فرما دے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ عاجزی کے یہ کلمات اللہ تعالی کے یہاں ایسے قبول ہوئے کہ جب میں اگلے شہر میں گیا تو ایک قطب مدار مجھ سے بیعت ہوا اللہ اکبر!!!۔

جو الف کی طرح کھڑا رہا محروم رہا

ایک بچہ کو باپ نے پڑھنے کے لئے بھیجا، جب وہ پڑھ کر واپس آیا تو باپ نے پوچھا، بیٹا! آج استاذ نے کیا سبق پڑھایا؟ بچے نے کہا، جی استاذ نے پڑھایا ہے کہ۔۔ الف خالی ہوتی ہے.... ہمارے زمانے میں ایسے ہی پڑھایا کرتے تھے کہ الف خالی، با کے نیچے ایک نقطہ ''ت'' کے اوپر دو نقطے، حروف کی پہچان کروانے کے لئے اس طرح پڑھاتے تھے .... تو بچے نے کہا کہ استاذ نے پڑھایا ہے کہ الف خالی ہوتا ہے واقعی جو ''الف'' کی طرح بن کے رہتا ہے وہ فیض سے خالی رہتا ہے۔ اور جو جھکتا ہے اللہ رب العزت اس پر رحمت فرما دیتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں کہ ''الف'' کھڑی کھڑی نظر آتی ہے اور ''ب'' لیٹی لیٹی نظر آتی

ہے۔لیکن ''ب'' کو وصلی کہتے ہیں۔وصلی کا مطلب یہ ہیکہ یہ ایک کو دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔معلوم ہوا کہ جس کے اندر جھکاؤ ہوتا ہے،اللہ تعالی بھی ایسے بندوں کو اللہ کے ساتھ جوڑنے کے لئے قبول فرما کر اسکے فیض کو جاری فرمادیتے ہیں۔

تین ستارے کی تواضع

حضرت اقدس تھانویؒ نے جس سال دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا تو دارالعلوم کی انتظامیہ نے طلبہ کی دستار بندی کے لئے ایک جلسے کا اہتمام کیا،حضرت اقدس تھانویؒ کچھ اور طلبہ کو لے کر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیش ہوئے،تو شیخ الہندؒ نے پوچھا:اشرف علی! کیسے آئے ہو؟ عرض کیا:حضرت!ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ دارالعلوم کی انتظامیہ ہماری دستار بندی کے لئے جلسہ کررہی ہے،ہم جیسے نالائق طلبہ کی دستار بندی ہوگی تو دارالعلوم کی بدنامی ہوجائیگی،لہذا آپ انہیں منع فرمادیں،یہ سن کر شیخ الہندؒ جلال میں آگئے اور فرمانے لگے:اشرف علی!تم ابھی اپنے اساتذہ کے سامنے ہوتے ہو اس لئے تمہیں اپنا آپ نظر نہیں آتا،جب ہم نہیں ہوں گے تو تم ہی تم ہوگے۔

(اشرف السوانح ۱/۳۱)

اور واقعی وہ وقت بھی آیا کہ جب تم ہی تم کا سماں تھا،یوں انہوں نے اپنے آپ کو مٹایا اور اللہ رب العزت نے اٹھایا.....

مونچھوں اور پلکوں کے مابین ایک دلچسپ مناظرہ

کچھ لوگوں نے اپنی مونچھیں بڑھائی ہوئی ہوتی ہیں۔جو مونچھیں منہ کے اوپر ہوتی ہیں ان کو اچھی طرح سے کاٹنا چاہیے اور جو کناروں پر ہوتی ہیں ان کو بڑھا سکتے ہیں۔یہ مونچھیں اٹھی ہوئی ہوتی ہیں اور پلکیں جھکی ہوئی ہوتی ہیں۔ایک مرتبہ مونچھوں میں اور پلکوں میں مناظرہ ہوگیا۔

مونچھیں کہنے لگیں: ہم اعلیٰ ہیں۔ گویا انہوں نے بڑائی کا دعویٰ کر دیا۔ چنانچہ جیسے وہ دعویٰ کرتی گئیں، پلکیں ان کا جواب دیتی گئیں۔ بالآخر مونچھوں نے کہا: دیکھو! انسان اپنی شان دکھانے کے لیے مجھے تاؤ دیتا ہے۔..... جب ایک دوسرے کے سامنے اپنی بڑائی ظاہر کرنا ہو تو یہ دنیا دار قسم کے لوگ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہیں..... گویا مونچھوں نے کہا: انسان کی شان ہم سے ہے۔

پلکوں نے جواب دیا: جناب! جب ادب اور تعظیم کا وقت آتا ہے تو وہاں پلکوں کا نام آتا ہے۔..... ذرا بتائیں کہ جب ادب اور تعظیم کا وقت آتا ہے تو کیا کوئی یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی مونچھیں نیچی کر دیں؟ ہر کوئی پلکیں بچھانے کی بات کرتا ہے: ؎

اے بادِ صبا! کچھ تو ہی بتا مہمان جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم پلکیں بچھانے والے ہیں

مونچھوں نے کہا: جناب! جوانی کی معرفت ہم سے ہے۔ جوانی کی پہچان ہم سے ہے۔

پلکوں نے کہا: جی! قینچی بھی تو تم پر ہی چلائی جاتی ہے، تمہیں ہی کاٹا جاتا ہے۔

مونچھوں نے کہا: دیکھو! لوگ ہمیں بنا سنوار کر رکھتے ہیں، یعنی وہ بل دے کر رکھتے ہیں۔

پلکوں نے کہا: جب انسان کی ناک بہتی ہے تو پھر تمہارے ہی اوپر گرا کرتی ہے۔

تو مونچھوں کو بڑا بننے کی یہ سزا ملی۔ دیکھو! کیسی سزا دی اللہ نے۔ ناک صاف کرنے لگو تو مونچھ والوں کی مونچھوں پہ لگ جاتی ہے۔ مومن کو تو صاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لیے اس کو تو کوئی پرواہ نہیں ہوتی، لیکن جو بے چارے رکھتے ہیں ان کو بڑی پریشانی ہوتی ہے۔

نمرود کا تکبر کیسے ٹوٹا؟

نمرود نے بڑائی کا دعویٰ کیا تھا۔ دیکھا! پروردگار نے اسے کیسی سزا دی۔ ایک مچھر، وہ بھی لنگڑا..... ناک کے اندر چلا گیا۔ جب وہ دماغ کے اندر جا کر ڈنک لگاتا تھا

تو اسے درد ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ نوکروں سے کہتا تھا کہ ذرا میرے سر کی خدمت کر دیجیے۔.....کیا مطلب؟.....کہ دو چار تھپڑ لگا دیجیے۔ جب وہ تھپڑ لگاتے تھے تو مچھر رک جاتا تھا، اور جب تھپڑ لگنا بند ہو جاتے تو وہ کارروائی شروع کر دیتا.....وہ مچھر اس دور کا مجاہد تھا۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی تو دین والوں سے دین کا کام لیتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی مجاہد کھڑا کر دیتے ہیں۔.....جب تک تھپڑ لگتے رہتے خاموش بیٹھا رہتا اور جب لگنے بند ہو جاتے تو کارروائی تیز کر دیتا۔

جب تھپڑ مارنے والے تھک گئے تو وہ کہنے لگے: جناب! ہم سے تو اب تھپڑ نہیں مارے جاتے۔ وہ سن کر بڑا پریشان ہوا۔ چنانچہ اس نے وزیر سے کہا کہ اب تو کوئی تھپڑ مارنے والا ہی نہیں رہا، اس نے کہا: بادشاہ سلامت! میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔ اس نے پوچھا: وہ کیا؟ وزیر کہنے لگا؟ جناب! آپ سے ملنے والے لوگ بہت کثرت کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ آپ کو سلام کرنے کی بجائے آپ کے سر پر تھپڑ مارا کریں۔

اس نے قانون بنا دیا۔ چنانچہ نمرود کے دربار میں جو بھی آتا تھا وہ سلام کرنے کی بجائے اس کے سر پر تھپڑ لگاتا تھا۔ دیکھا! اللہ تعالیٰ نے اس کی ''میں'' کیسے نکالی!

(تفسیر الدر المنثور ۳/۲۰۵-تفسیر عبد الرزاق ۱/۳۶۷-تفسیر الطبری ۴/۵۷۳-ابن کثیر ۴/۵۶۶)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

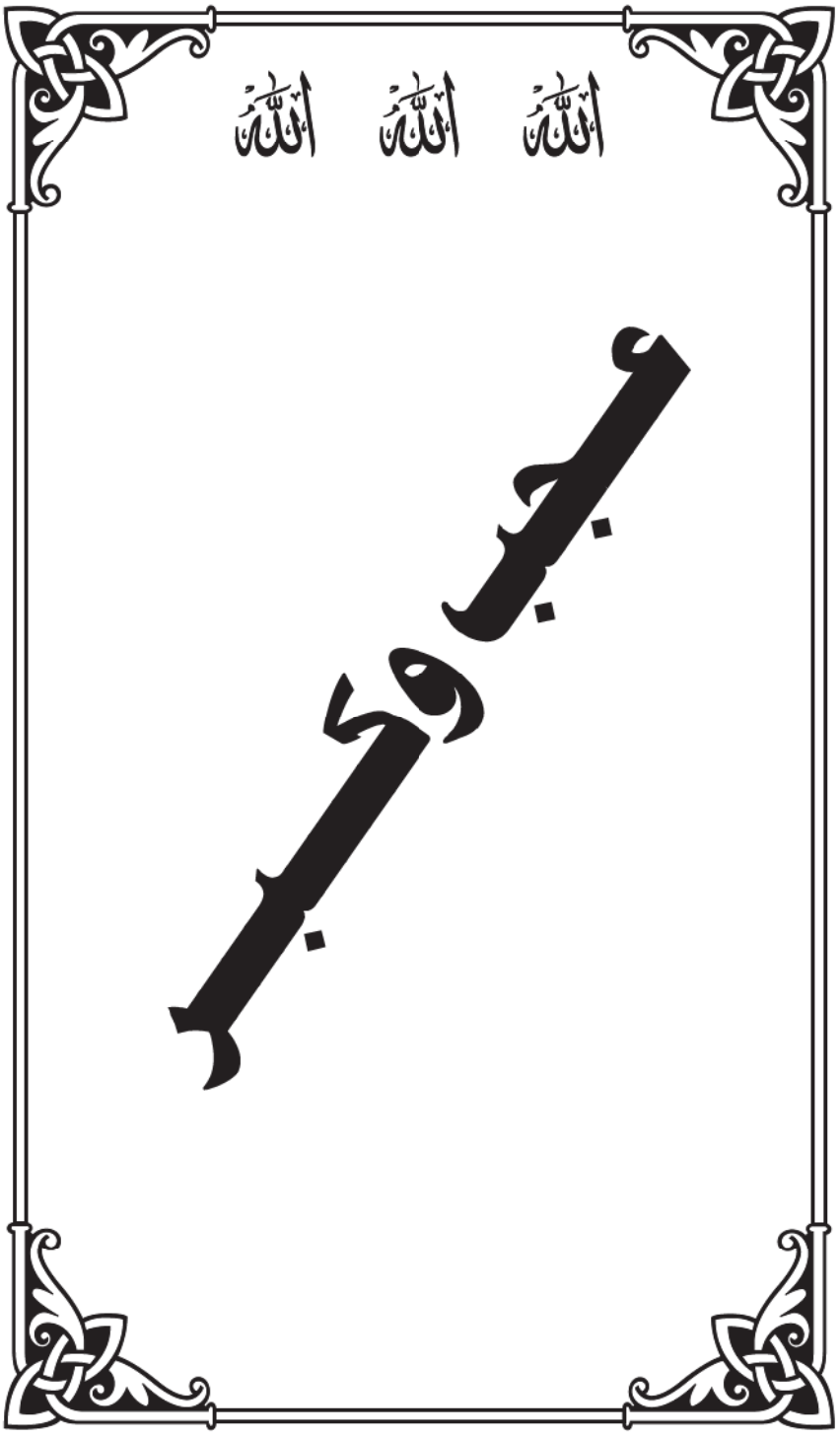
اللہ اللہ اللہ
عجب وکبر

اللہ اللہ اللہ

کبر کا انجام بد

ہمارے ایک دوست تھے، اپنی بیٹی کا واقعہ وہ سنایا کرتے تھے، اللہ نے انکو بیٹی دی، جو چاند جیسی خوبصورت تھی، ذہین اتنی کہ میڈیکل ڈاکٹر بن گئی، سینکڑوں رشتہ اسکے آئے، دیکھنے میں حور پری تھی اور ایم بی بی ایس اوپر سے بن گئی، بڑے بڑے رشتے آئے، مگر اسمیں تکبر تھا جو آتا اسکو حقارت سے ٹھکرا دیتی، اسکی کہیں نظر جمتی ہی نہیں تھیں، نیک رشتے بھی آئے، مال والے رشتے بھی آئے، ذرا ماں باپ نے رشتے کی بات کی وہ اس میں دس عیب نکالتی کہ یہ بھی کوئی رشتہ ہے، آجاتے ہیں ٹکے ٹکے کے لوگ، ہمیشہ تکبر کی بات کرتی، ماں باپ اسے سمجھاتے، بیٹی نعمت کی ناقدری نہ کر، جہاں تیرا دل مطمئن ہوتا ہے، بتاؤ ہم تمہارا رشتہ کردیں گے، اسے کوئی پسند ہی نہ آیا، خوبصورت سے خوبصورت نوجوان، نیک سے نیک نوجوان، بڑی عزت والی فیملی کے نوجوان، ہر ایک کو وہ حقارت سے ٹھکرا دیتی، وہ خود کہتے تھے میری بیٹی پر اللہ کی پکڑ آ گئی، اللہ کی پکڑ کیسی آئی کہ ایک مرتبہ اس نے کوئی آپریشن کیا تو اس آپریشن تھیٹر میں پتہ نہیں کیا ہوا کہ اسکے ہاتھ کی انگلیوں کی جلد مردہ ہونی شروع ہوگئی، ایک دو مہینہ کے اندر یہ دونوں ہاتھ کی جلد بالکل مردہ ہوکر بوڑھوں جیسی ہوگئی، اب ایسی حور پری لیکن ہاتھ دیکھو تو بوڑھوں والے، ہر وقت ہاتھ چھپائے رکھتی تھی، دستانے پہنے رکھتی تھی، اب رشتے بھی آنے بند ہوگئے، جو عورت آتی اسے دیکھتی، اس کے ہاتھ دیکھتی کہتی مجھے اپنے بیٹے کے لئے یہ نہیں لینا، انتظار کرتے کرتے عمر بتیس سال ہوگئی، اب اسکو پتہ چلا کہ اب میرا رشتہ کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا، جتنا تکبر کرتی تھی اللہ نے اتنی ہی

ناک رگڑ وائی، اب نمازیں پڑھتی ہے اب سجدے کرتی ہے، اب روتی ہے، اب دعائیں مانگتی ہے، اب اسکا رشتہ کرنے والا کوئی نہیں، اسکے والد کوئی عمل پوچھنے آئے اور آ کر انہوں نے یہ خود تفصیل بتائی، کہنے لگے اتنی پریشان ہے کہتی ہے کہ دنیا میں اللہ نے میری زندگی کو جہنم بنا دیا، اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال دیا تھا، دماغ خراب ہو گیا، جب اللہ تعالیٰ نعمت دے تو انسان نعمت کی قدر کرے، جھکے اللہ کے سامنے، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اسکے ساتھ کیا معاملہ کیا، تو کئی مرتبہ سزا ایسے ملتی ہے کہ بندے کو پتہ بھی نہیں چلتا۔

جانوروں کی تحقیر کا وبال

انڈیا کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بڑے میاں جا رہے تھے، ہندوؤں کا ہولی کا دن تھا، انکی وفات ہو گئی تھی، تو ان کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا بنا؟ کہنے لگے میری قبر کو جہنم کا گڑھا بنا دیا، انہوں نے پوچھا وجہ کیا بنی؟ تو انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ ہولی کا دن تھا اور میں پان کھاتا ہوا جا رہا تھا، مجھے تھوک پھینکنے کی ضرورت تھی، تو سامنے گدھا تھا، ایسے ہی پتہ نہیں کیا دل میں آیا، میں نے وہ تھوک پان والی گدھے پر ڈالی اور کہا اے گدھے تجھے رنگنے والا کوئی نہیں تھا، کہنے لگے اس بات پر مجھ سے سوال کیا گیا کہ تم نے دشمنوں کے ساتھ جو یہ مشابہت اختیار کی اس وجہ سے تمہاری قبر کو جہنم کا گڑھا بنا دیا، اتنی سی بھی مشابہت پروردگار پسند نہیں کرتے۔

ایک صاحب تھے گورمینٹ آفسر، رشوت کا پیسہ خوب لیتے تھے اور قدرتا انہوں نے کوٹھی ایسی جگہ لی جہاں مسجد بالکل ساتھ تھی، صبح کے وقت مسجد میں اذان ہوئی، وہ شرابی کبابی بندہ اسکی آنکھ کھل گئی، اسکو بڑا غصہ آیا، اس نے مؤذن کو اگلے دن بلا کر کہا کہ فجر میں میری نیند میں خلل ہوتا ہے، اذان اسپیکر میں مت دیا کرو، اس نے آ کر نمازیوں کو بتایا، نمازیوں نے کہا یہ کون نئے صاحب آ گئے بھائی، تمہاری نیند

میں خلل آتا ہے تم جاؤ، جہاں تمہارا دل چاہے، کیوں مسجد کے ساتھ گھر لیا، بوڑھوں نے کہا ہم تو انتظار میں ہوتے ہیں ہماری نظر کمزور ہم گھڑیوں کے وقت دیکھ نہیں سکتے، اذانیں سن کر ہم مسجد میں آتے ہیں، مسلمانوں کی آبادی ہے، تم میاں اذان دو، اس مؤذن نے اگلے دن پھر اذان دی، اس کی آنکھ کھلی اسکو غصہ آیا، اسی وقت مسجد میں آکر اس نے مؤذن کے دو تھپڑ لگا دئے، بس اللہ تعالیٰ کی اس پر پکڑ آ گئی، ہوا یہ کہ اسکے آدھے دھڑ پر فالج ہوا اور دونوں ہاتھ اس کے سینے کے ساتھ لگ گئے بیکار، اب جب دفتر کے کام کا نہ رہا تو اگلوں نے چھٹی کرا کے گھر بٹھا دیا، چھٹی ہوگئی، علاج پر بھی پیسہ خوب لگ رہا تھا، اس کی چوں کہ افسرانہ طبیعت تھی، حاکمانہ طبیعت تھی تو گھر میں بھی ڈانٹ ڈپٹ ذرا ذرا سی بات پر کرتا، کبھی نوکروں کو ڈانٹ رہا ہے، کبھی بچوں کو ڈانٹ رہا ہے، کبھی بیوی کو ڈانٹ رہا ہے، ایک دفعے کی ڈانٹ تو برداشت کر لیتے ہیں، مگر روز روز کی ڈانٹ ڈپٹ تو برداشت نہیں ہوتی، بچوں نے ماں سے کہا یہ کیا مصیبت ہے ہمارے لئے یہ تو لگتا ہے کوئی تھانیدار آ گیا گھر میں، بیوی نے کچھ کہا بیوی کو ڈانٹنے لگا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ روز بیوی کو ڈانٹ پڑتی، روز گندی گالیاں زبان سے نکلتیں، کچھ دن تو وہ برداشت کرتی رہی، کچھ دن کے بعد اس نے اپنے بچوں کو لیا کہنے لگی، میں میکے جا رہی ہوں، تو جانے تیرا کام جانے، وہ اسی بیمار حالت میں چھوڑ کر چلی گئی، اس نے بھائی کو فون کیا کہ بیوی مجھ سے بے وفائی کر گئی، تم آؤ میری خدمت کرو، خیر بھائی آیا، وہاں سے گھر لے گیا، مگر طبیعت تو ہر جگہ ایک ہی ہوتی ہے، اب اسکے بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ اسکی بیوی کو کچھ کہہ دیتا، اب جب انکے گھر میں یہ ہونے لگا تو بچوں نے باپ سے کہا کہ ابو یہ کیا مصیبت آ گئی، ایک دن بھائی نے اسے سمجھایا کہ بھائی تم کیوں لوگوں کے ساتھ ایسی بری زبان استعمال کرتے ہو؟ وہ اسکو بھی ڈانٹنے لگ گیا تو زن مرید بن گیا ہے، اور یہ اور وہ، اب بچوں نے دیکھا کہ ہمارے ابو کو بھی

ڈانٹ رہا ہے، تو انہوں نے پلان بنایا، جوان بچے تھے، انہوں نے اگلے دن صبح اٹھا کر چارپائی سے اسکو باہر لا کر سڑک پر ڈال دیا، اس دوران ہوا کیا تھا کہ اس کے نچلے والے دھڑ کے اوپر فالج بھی ہوا اور دونوں ٹانگیں بھی سینہ کے ساتھ لگ گئیں، اب زندہ لاش نہ ہاتھ ہلتا ہے نہ پاؤں ہلتا ہے، اب جب بھائی کے بچوں نے سڑک پر ڈال دیا، گرمی کا موسم نو بجنے لگے تو زمین بھی گرم ہونے لگی اور اچھی بھلی گرمی ہوتی ہے، اب بھوکا بھی تھا، پیاسا بھی تھا، زمین بھی گرم، پسینہ بھی آرہا ہے، اب سوچنے لگا کہ کون ہے میرا کہ جس کو میں کہوں، چنانچہ افسر صاحب نے آنے جانے والے مسافروں سے اللہ کے نام پر بھیک مانگنی شروع کر دی، اللہ کے نام پر دیدو، ایک نوجوان بچے کو ترس آیا، اس نے پانچ روپے دینے چاہے، کہنے لگا میں ان کا کیا کروں گا؟ مجھے تو بھوک لگی ہوئی ہے، کھانا لاؤ، پانی لاؤ، اس نے قریب ہوٹل سے روٹی لے کر دیدی، کہنے لگا مجھے کھلا دو، اسنے کہا میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے، بھئی وہ رکھ کر جانے لگا، تو اس نے سوچا کہ بھئی ایسا نہ ہو کہ یہ رکھ کر چلا جائے تو کوئی کتا ہی اٹھا کر لے جائے، میں تو کچھ کر بھی نہیں سکتا، کہنے لگا، مجھے پکڑا دو، اب پکڑے کہاں، یا تو منہ میں پکڑے ہاتھ کی انگلیاں ہلتی نہیں، سوچ سوچ کر اسکا جو پاؤں اسکے سینہ پر آیا ہوا تھا، اس نے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان روٹی کو پکڑا اور اسکو چبا کر کتے کی طرح کھانے لگ گیا (**ومن یھن اللّٰہ فمالہ من مکرم**) جسے اللہ ذلیل کرنے پر آتا ہے اسے عزت دینے والا پھر کوئی نہیں ہوتا، اللہ کی پکڑ میں نہ آئے بندہ، جب انسان اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتا ہے تو مخلوق کی نظروں سے خود بخود گر جاتا ہے، لوگ دل سے عزت نہیں کرتے، اب یہ جو وقت کے حکام ہوتے ہیں ان کے سامنے تو سب جھکتے پھرتے ہیں، ان کی دل سے عزت کوئی نہیں کرتا، سامنے ان کے بچھ رہے ہونگے، جب وہ وہاں سے ہٹیں گے تو بڑی گالی نکال دیں گے۔

کبر نے امیر کو فقیر بنا دیا

ایک تاجر تھا، جسے اللہ نے بہت زیادہ مال سے نوازا تھا، اس نے اپنے من پسند کی ایک خوبصورت لڑکی سے شادی کی، بڑا اچھا محل بنوایا، بیٹھا اپنی بیوی کے ہمراہ کھانا کھا رہا تھا، دروازے کے اوپر دستک ہوئی تو کسی سائل نے آواز دی، اَجْرُ کُمْ عَلیَ اللّٰہِ بیوی کی عادت تھی وہ اپنے دروازے سے کسی سائل کو خالی نہیں جانے دیتی تھی، اس نے خاوند سے اجازت مانگی، اگر آپ اجازت دیں تو میں ان میں سے ایک روٹی سائل کو دے دیتی ہوں، اس نے کہا دے دو، اس نے جا کر اس کو ایک روٹی دی، تو جانے آنے میں جو منٹ آدھا منٹ لگا تو خاوند کا موڈ آف ہو گیا، واپس آ کر کھانا کھانے لگی، تو وہ بولنے لگا یہ بدمعاش لوگ ہوتے ہیں، بہانے بنا لیے ہیں مانگنے کے، کماتے کیوں نہیں، غرض خوب اس نے باتیں کیں، بیوی نے کہا کہ بھئی وہ اللہ کے نام پر مانگنے آیا ہے، اس کا معاملہ اللہ جانے، مگر اس نے بڑے متکبرانہ انداز میں گفتگو کی اور اللہ کو اس کا تکبر ناپسند آیا، یاد رکھنا جو پروردگار دینا چاہتا ہے وہ پروردگار لینا بھی جانتا ہے، حالات بدل گئے، چنانچہ کاروبار کے اندر نقصان ہونے لگ گیا، One way down نقصان ہوتے گئے، حتی کہ اس کو اپنا کاروبار ختم کرنا پڑ گیا، ایک وقت آیا کہ اپنا مکان بیچنا پڑا اور ایسا بھی وقت آیا اس نے اپنی بیوی کو بھی طلاق دے کر فارغ کر دیا، وہ اللہ کی نیک بندی اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی کہ اللہ میرے ساتھ خیر کا معاملہ فرمائے، کچھ عرصے کے بعد ایک اور تاجر تھا، اس نے اس کی طرف نکاح کا پیغام بھجوایا، چونکہ اس کو اللہ نے حسن وجمال بھی دیا تھا اور فضل وکمال میں نیکوکاری بھی عطا فرمائی تھی، ماں باپ نے نکاح کا پیغام قبول کر لیا، اس کی شادی ہو گئی، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ کچھ عرصے کے بعد یہ اپنے خاوند کے ساتھ بیٹھی کھانا کھا رہی تھی، دروازے پر دستک ہوئی، کسی نے اللہ کے نام پر مانگا، اس نے خاوند سے اجازت چاہی، عادت کے مطابق کہ اگر

اجازت ہوتو میں سائل کو دے دوں، اس نے کہا دے دو، یہ ایک روٹی لے کر گئی جب جا کر دروازہ کھولا تو اس نے کیا دیکھا کہ اس کا جو پہلا شوہر تھا اتنا بڑا تاجر، آج اس کے دروازے پر سائل بن کر کھڑا ہے، اللہ کے نام پر نا مگ رہا تھا، اس نے چیخ ماری، خاوند بھاگا میری بیوی کو کیا ہوا، دیکھا تو رنگ پیلا، بڑی پریشان، پوچھا کہ کیا بنا، اس نے کہا میرے دروازے پر میرا پہلا خاوند سائل بن کر کھڑا ہے، اس نے بھی اسے دیکھا، پہچانا اور کہنے لگا کیا تم نے مجھے پہچانا، میں وہی سائل ہوں جو ایک مرتبہ تمہارے دروازے پر سائل بن کر گیا، اللہ نے سائل کو گھر اور بیوی کا مالک بنا دیا اور گھر کے مالک کو دروازے پر سائل بنا کر کھڑا کر دیا۔

(نزہۃ المجالس ۱/ ۱۹۴-علمی مضامین ۲۶۴)

سینہ بے کینہ کا انعام

نبی علیہ السلام نے ایک صحابی کو آتے دیکھا تو فرمایا: یہ جنتی ہے، جنت کی بشارت تو سب کے لیے تھی لیکن By name (نام لے کر) یوں کسی کو Pin point (نشاندہی) کر کے کہنا کہ یہ جنتی ہے، بڑے اعزاز کی بات تھی۔ ایک دوسرے صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ محفل میں موجود تھے، فرمانے لگے کہ میں نے دل میں سوچا کہ اب میں ان کے ساتھ دوستی لگاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ یہ کون سا ایسا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے نبی علیہ السلام نے ان کو نام لے کر جنت کی بشارت دی۔

چنانچہ انہوں نے ان سے کہا کہ بھئی! میں آپ کے یہاں تین دن کے لیے مہمان رہنا چاہتا ہوں، انہوں نے کہا، بہت اچھا، ان کے دن رات کے معمولات دیکھے، تین دن کے بعد کہنے لگے: بھئی! میں تو اس لیے آیا تھا کہ آپ کا کوئی عمل دیکھوں، جو دوسروں سے بڑھ کر ہو، مجھے تو کوئی ایسا عمل نظر نہیں آیا جو دوسرے صحابہ نہ کرتے ہوں، آپ کے اعمال بھی ویسے ہی ہیں، کوئی انوکھی چیز نظر نہیں آئی، مگر یہ کیا وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے آپ کا نام

لے کر فرمایا ہے کہ یہ جنتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ دیکھیں! میرے اندر کوئی اور عمل تو نہیں جو دوسروں سے زیادہ بڑھا ہوا ہو، مگر ایک چیز میرے اندر ضرور موجود ہے، انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ کہنے لگے کہ وہ عمل یہ ہے کہ جب میں رات کو سونے لگتا ہوں، میں ہمیشہ نیت کر کے سوتا ہوں کہ جن لوگوں نے مجھے دکھ دیا، تکلیف پہنچائی اور میرے دل میں ان کے بارے میں غصہ ہو، میں نے ان سب کو اللہ کے لیے معاف کر دیا، میں اپنے سینے سے کینے کو ختم کر کے سوتا ہوں، شاید میرا یہ عمل اللہ کو پسند آ گیا ہو اور پروردگار نے مجھے دنیا میں جنت کی بشارت دے دی۔

(شعب الایمان بیہقی ۶۱۸۱ - البدایۃ والنہایۃ ۸ / ۸۰ - مجمع الزوائد ۸ / ۱۵۰)

اللہ اللہ اللہ

الحیاء شعبة من الایمان

حسن معاشرت
اور
حسن اخلاق

اللہ اللہ اللہ

مثبت سوچ

سوچ کے دو انداز

دو قیدی تھے، ان کو جیل میں ڈالا گیا، ان کو تھوڑے سے وقت کے لئے نکالا گیا تا کہ وہ تازہ ہوا کے اندر چل پھر لیں، پھر دس پندرہ منٹ کے بعد ان کو دوبارہ قید کر دیا گیا، جب دوبارہ جیل میں بند ہو گئے تو ایک نے کہا: یار! لگتا ہے کہ باہر بارش ہوئی ہے، دوسرے نے کہا: ہاں مجھے بھی لگتا ہے کہ باہر بارش ہوئی ہے، ایک نے پوچھا: تمہیں کیسے پتہ چلا؟ اس نے کہا: میں نے زمین پر دیکھا کہ بہت کیچڑ تھا اور ہر طرف گند پھیلا ہوا تھا، پھر اس نے دوسرے سے پوچھا: تمہیں کیسے پتہ چلا؟ وہ کہنے لگا کہ میں نے درختوں کو دیکھا کہ ان کے پتے دھلے ہوئے تھے اور پودوں کے پھول بہت ہی مہک رہے تھے اور تر و تازہ نظر آ رہے تھے، مجھے اس سبزے کو دیکھ کر محسوس ہوا کہ بارش ہوئی ہے، یہی مثبت اور منفی سوچ کا فرق ہے کہ دیکھیں! دو بندے ہیں، ایک کی نظر نیچے کیچڑ پر پڑی اور دوسرے کی نظر پھولوں اور پتوں پر پڑی۔

تعبیر کا فرق

ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کے کئی دانت گر گئے، وہ بڑا پریشان ہوا کہ خواب میں میں نے دانت گرتے ہوئے دیکھے، اس نے صبح تعبیر کرنے والے کو بتایا، اب وہ تعبیر کرنے والا ذرا رف قسم کا بندہ تھا، اس نے خواب سن کر کہا: بادشاہ سلامت! آپ کے دانت گرے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے سامنے اپنے کئی رشتہ داروں کو مرتے

دیکھیں گے، اب جیسے ہی اس نے تعبیر بتائی تو بادشاہ کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے کہا، اسے دو چار جوتے لگا دو اور یہاں سے بھگا دو، یہ ایسی بری تعبیر بتا رہا ہے، اس کے بعد وہ پھر بھی خواب کی وجہ سے پریشان تھا کہ آخر اس کی کوئی نہ کوئی تعبیر تو ہوگی، چنانچہ ایک اور بندے کو بلایا گیا، وہ بندہ ذرا سمجھدار تھا، اس کو بات کرنے کا سلیقہ آتا تھا، لہٰذا جب اس نے خواب سنا تو اس نے کہا: بادشاہ سلامت! یہ بہت اچھا خواب ہے، آپ کو مبارک ہو، بادشاہ نے پوچھا: کیسے؟ اس نے کہا: آپ اپنے تمام رشتہ داروں سے زیادہ لمبی عمر پائیں گے، بادشاہ اس تعبیر سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ اس کو انعام دے کر روانہ کر دو۔

اب دیکھئے باتیں تو دونوں کی ایک جیسی ہیں لیکن ان کو پیش کرنے کا انداز مختلف ہے، ایک انداز سے بندہ ناراض ہو جاتا ہے اور دوسرے سے بندہ خوش ہو جاتا ہے۔

(حکایات لطیف ۱۰)

مثبت سوچ سے دشمن مغلوب

بائبل کے اندر ایک واقعہ ہے طالوتؑ اللہ کے پیغمبر تھے .... اس واقعہ کا اشارہ قرآن مجید کے اندر بھی ہے..... مگر بائبل کے اندر اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ان کا مقابلہ جالوت کے ساتھ ہوا۔

جالوت ایک بڑا لحیم شحیم انسان تھا اور بہت جنگ جو قسم کا بندہ تھا، اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک ظالم انسان بھی تھا، طالوتؑ اس کے مقابلے میں آئے، طالوتؑ کے ساتھ تھوڑے سے بندے تھے اور جالوت کے ساتھ زیادہ بندے تھے، اور طالوتؑ ضعیف العمر بھی ہو چکے تھے۔

بندے کی جیسی عمر ہوتی ہے اس کی آبزرویشن بھی ویسی ہوتی ہے، جب طالوتؑ نے جالوت کو دیکھا تو انہیں وہ لحیم وشحیم نظر آیا، چنانچہ بائبل کے الفاظ ہے کے انہوں نے اسے دیکھتے ہی کہا: It is very difficult to kill him

because hi is very big

اسے مارنا تو بہت مشکل ہے کیونکہ یہ تو بہت بڑا ہے۔

اس وقت ان کے ساتھ ایک نوجوان بھی تھا جس کا نام داؤدؑ تھا، اس نوجوان نے جب جالوت کو دیکھا تو دیکھتے ہی مسکرایا اور کہنے لگا:

It is very easy to kill him , because he is very big'i

will never miss him '

اسے مارنا تو بہت آسان ہے کیونکہ یہ تو اتنا بڑا ہے، میرا نشانہ کبھی خطا ہو ہی نہیں سکتا۔

اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ داؤدؑ نے اس پر ایک پتھر پھینکا جو اس کے ماتھے پر لگا اور یہیں اس کی موت آ گئی، اسی طرح اللہ تعالی نے طالوتؑ کو فتح عطا فرمادی، سچی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر امید اور مثبت سوچ ہوتی ہے اللہ تعالی ان کے لئے راستے بھی کھول دیا کرتے ہیں۔

دلوں کی کشتی پلٹ دیجئے

ایک مرتبہ حضرت علی ہجویریؒ کو کسی دریا کو عبور کرنا تھا..... دریائے سندھ جیسے بڑے دریا کو عبور کرنے میں کوئی آدھا پونہ گھنٹہ لگ جاتا ہے، کیونکہ آدمی دریا کو بالکل سیدھا کراس نہیں کرسکتا، بلکہ ذرا اپ اسٹریم جا کر دور سے وہ کشتی چلاتے ہیں اور چونکہ اوپر سے ہوا کا دباؤ بھی ہوتا ہے اس لئے کہ پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہتے ہوئے ترچھا کراس کیا جاتا ہے..... حضرت کشتی پر بیٹھ گئے اور سفر شروع کر دیا، ہوا بہت تیز چل رہی تھی، آپ کے سر کے اوپر ٹوپی تھی خیال آیا کہ ٹوپی اڑ کر پانی میں نہ چلی جائے، چنانچہ حضرت نے ٹوپی اتار کر جیب میں ڈال لی اور ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو گئے۔

حضرت نے ایک دو دن پہلے سر کا حلق کروایا تھا..... ٹنڈ کروانے کو حلق کروانا کہتے ہیں، جب نئی نئی ٹنڈ ہوتی ہے تو بڑی خوش نما نظر آتی ہے..... وہاں کشتی میں ہی قریب سے ایک بچہ گزرا تو اس نے دیکھا کہ اتنا صاف ستھرا ہے، چنانچہ اس نے سر پر ہاتھ پھیرا تو بڑا ملائم نظر آیا، اس نے جا کر دوسرے کو بتا دیا، اب دوسرا لڑکا بھی ہاتھ پھیرنے کے لئے آیا، اس کو بھی بڑا اچھا لگا، اس نے جا کر تیسرے کو بتایا، وہ تیسرا ذرا شرارتی قسم کا تھا، جب وہ آیا تو اس نے آ کر سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور ٹھوکا بھی لگا دیا، اس پر باقی بچے ہنسنے لگے، یہ اللہ کے بندے اللہ کے ذکر میں مست بیٹھے رہے، انہیں احساس ہی نہ ہوا کہ بچے کیا کہہ رہے ہیں، ایک دوسرے بچے نے تھپڑ بھی لگا دیا۔

ان بچوں کی بدتمیزی کو دیکھ کر قریب کے مردوں اور عورتوں نے ہنسنا شروع کر دیا، اب یہ شغل بن گیا کہ بچہ آتا اور ان کے سر پر تھپڑ لگاتا اور ساری کشتی کے لوگ ہنسنے لگتے، ان کے لئے مذاق بن گیا، جب کشتی والوں نے مذاق اڑایا تو پھر اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے بندے کا مذاق اڑانے پر جلال آ گیا، حدیث قدسی میں آیا ہے، **من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب**: جو میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔

چنانچہ جب انہوں نے یہ بدتمیزی کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت گنج بخش کے دل میں الہام فرمایا کہ،، اے میرے پیارے! یہ اتنی بدتمیزی کر رہے ہیں آپ کی شان میں گستاخیاں کر رہے ہیں اور آپ کا اتنا صبر کہ اس کو برداشت کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، اگر آپ بددعا کریں تو میں اس پوری کشتی کو ہی الٹ دیتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ جیسے ہی ان کے دل میں یہ الہام ہوا تو حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی: اے اللہ! اگر آپ کشتی الٹنا ہی چاہتے ہیں تو ان سب کے دلوں کی کشتی الٹ دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی، کہتے ہیں کہ اس کشتی میں جتنے مرد اور عورتیں

تھیں، ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالی نے موت سے پہلے ولایت کا نور عطا فرما دیا۔

یہ ہوتی ہے مثبت سوچ، اللہ والوں کی ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ ایسے حالات میں بھی ان کی زبان سے بددعا نہیں نکلتی، بلکہ ان کی زبان سے دعائیں نکل رہی ہوتی ہیں۔

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے

ایک بادشاہ اپنے وزیر کے ساتھ جا رہا تھا اس نے اپنے وزیر سے پوچھا: یہ جو کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، اس کا کیا معنی ہے؟ وزیر با تدبیر تھا، اس نے کہا: بادشاہ سلامت! آپ کو میں یہ بات آنکھوں سے دکھا سکتا ہوں، مگر آپ ذرا کسی وقت عام کپڑے پہن کر میرے ساتھ چلیں، بہت اچھا، چنانچہ ایک دن بادشاہ نے اپنا تاج اور اپنے کپڑے اتار کر عام لوگوں کا لباس پہن لیا اور وزیر کے ساتھ باہر محل سے نکل گیا، چلتے چلتے ایک بندہ آگے آ رہا تھا تو وزیر نے بادشاہ سے پوچھا کہ بادشاہ سلامت یہ کیسا آدمی ہے؟ اس نے کہا: بے وقوف لگتا ہے، جاہل ہے، لگتا ہے کوئی تمیز نہیں ہے اس کو، اس نے کہا: ٹھیک، آیئے ذرا پھر اس بندے سے سنیں، وزیر اس بندے کے پاس گیا، سلام دعا کی، کہنے لگا سناؤ یار! آج کل ہمارا بادشاہ کیسا ہے؟ کہنے لگا: پتہ نہیں کہاں کا بے وقوف بادشاہ بن گیا ہے؟ اس کو سمجھ ہی نہیں ہے، وہ بادشاہ بننے کے لائق ہی نہیں ہے، اس نے بھی آگے سے ایسے ہی الٹے سیدھے کمنٹس دے دیے۔

خیر تھوڑا سا اور آگے گئے تو وزیر کی نظر ایک اور نوجوان پر پڑی، اس نے بادشاہ سے پوچھا: بادشاہ سلامت! اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا: بھلا آدمی نظر آتا ہے، اس نے کہا: آئیں اب ذرا اس سے پوچھتے ہیں، وزیر نے اس سے جا کے پوچھا: سناؤ بھئی! ہمارا بادشاہ کیسا ہے؟ کہنے لگا! یار! بہت ہی سمجھدار ہے، اور اس نے تو رعایا کو بہت ہی خوش کر رکھا ہے، اور ہم لوگ تو بڑے خوش قسمت ہیں کہ ہمارا بادشاہ اس قدر قابل ہے، اب وزیر نے بادشاہ کو کہا: کہ دیکھیں آپ ذہن میں دوسروں کے بارے میں جو

خیالات آرہے تھے، آپ کے بارے میں وہی خیالات دوسرے بندوں کے دل میں آرہے تھے، یہ ہے کہ ''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے''۔

سر پر راکھ پھر بھی شکر

حضرت بایزید بسطامیؒ نئے کپڑے پہنے، نہائے دھوئے مسجد کی طرف جارہے تھے، رستے میں ایک عورت کو پتہ نہیں تھا اس نے اپنے گھر کی چھت سے کچھ گندگی، کچھ راکھ نیچے گلی میں پھینکی، اس کو پتہ نہیں تھا کہ کوئی نیچے سے گزر رہا تھا یا نہیں آپ بالکل نیچے تھے، وہ ساری راکھ آپ کے سر کے اوپر آپڑی، چنانچہ سر میں بھی راکھ پڑ گئی، کپڑوں پر بھی راکھ پڑ گئی، لوگ حیران تھے کہ آپ کی طبیعت میں غصہ آئے گا، لیکن آپ الحمدللہ، الحمدللہ، الحمدللہ، کہنے لگے، آپ نے فرمایا بلکہ میں دل میں یہ سوچ رہا تھا، اے اللہ! میں تو اس قابل تھا کہ میرے سر پر آگ کے انگارے برسائے جاتے، فقط تو نے تو میرے سر پر راکھ ڈال کر معاملہ ہلکا کر دیا۔

تو سوچئے ان کے سر پر راکھ پڑی اور ابھی بھی سوچتے ہیں کہ میرا سر انگارے برسائے جانے کے قابل تھا، یہ تو مولا نے ترس فرما دیا، کہ راکھ کے ساتھ معاملہ نمٹ گیا۔

(سلوک واحسان مفتی فاروق صاحب-صبر وتحمل کی روشن مثالیں ۴۶ بحوالہ روح کی بیماریاں)

ازدواجی زندگی

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زوجہ مطہرہ کی دلداری

☆ ایک میدان جنگ سے واپسی کا وقت تھا، اس وقت عورتیں اپنی ضرورت سے فارغ ہونے کے لئے اپنے خاوندوں کے ساتھ باہر نکل جاتی تھیں، ٹوائلٹ تو بنے نہیں ہوتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کے ساتھ گئے، رات کا وقت تھا، کھلا میدان تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ کو فرماتے ہیں: حمیرا! آؤ دوڑ لگائیں، اب دیکھیں! کتنی عجیب بات لگتی ہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ کے ساتھ دوڑنے لگے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جیتنے دیا، جب وہ جیت گئیں تو بہت خوش ہوگئیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے، اندازہ لگایئے کہ بیوی کو خوش کرنے کے لئے اگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس دوڑ میں تھوڑی دیر کے لئے پیچھے رہ سکتے ہیں تو کیا عام خاوند اپنی بیوی کے لئے خاموش نہیں ہوسکتا؟ کچھ عرصے کے بعد دوبارہ پھر اسی قسم کی صورت حال ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! دوڑیں، پھر جب دوڑ لگائی تو اب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے، اور مسکرا کے فرمایا: حمیرا! "تلک بتلک" پہلے تم جیب گئی تھی اب میں جیت گیا، میں نے تمہارا حساب برابر کر دیا۔

تو دیکھو! بیوی کی دل لگی کے لئے ایسی باتیں ہیں۔

(ابوداؤد شریف باب فی السبق علی الرجال ۲۵۷۸- مسند احمد ۲۶۲۷۷)

☆ ایک مرتبہ عید کا دن تھا، باہر کچھ حبشی نوجوان کھیل رہے تھے، دوڑ رہے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا: کہ عائشہ! کیا آپ یہ کھیل دیکھنا چاہوگی؟ فرمایا: جی دیکھنا چاہوں گی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کھڑے ہوگئے کہ عائشہ صدیقہؓ کو اپنی اوٹ میں لے لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو پر عائشہ صدیقہؓ نے اپنی تھوڑی رکھی اور اس طرح وہ کھیل دیکھنے لگیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کے بعد پوچھتے کہ تم دیکھ رہی ہو؟ بس کریں! فرمایا: نہیں ابھی اور دیکھنا چاہتی ہوں، دو تین مرتبہ ایسا ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں یہ کھیل بہت اچھا لگا۔

(ترمذی مناقب عمر ۴۰۵۵-السنن الکبری للنسائی ۸۹۰۸)

اب دیکھئے! کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم (پردے کی آیت نازل ہونے سے پہلے) یہ کھیل خود اپنی بیوی کو دکھا رہے ہیں۔

☆ چنانچہ عائشہ صدیقہؓ کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو عورتوں کی کہانی سنائی کہ کنویں پر پانی بھرنے کے لئے نو عورتیں اکٹھی ہوئیں، ایک نے کہا کہ تم بالکل آج کھری کھری بات سنا دو! تو ایک نے کہا: میرا خاوند ایسا ہے، ایسا ہے، دوسری نے کہا: میرا خاوند ایسا..... تیسری نے کہا ایسا..... اب دیکھو! اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی کو ان عورتوں کی کہانی سنا رہے ہیں اور فرمایا کہ ان میں سے ایک عورت ''ام زرع'' تھیں، اس نے ابوزرع، کے بارے میں کہا کہ وہ مجھے اتنا محبت سے رکھتا ہے، وہ مجھے اتنا کھلاتا ہے، اس نے مجھے سونے سے لاد دیا، اس نے مجھے اتنی محبت دی، یہ باتیں سنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! ابوزرع، ام زرع سے جتنی محبت کرتا تھا میں اس سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں۔

(بخاری ۵۱۸۹-شمائل ترمذی ۲۵۳-مسلم ۶۴۵۸-المعجم الکبیر للطبرانی ۱۸۷۹۰)

اب بتائیں کہ خاوند اگر ایسی بات بیوی سے کریگا تو اس کی زندگی میں خوشیاں

آجائیں گی، اس کو تو اپنا گھر بستا نظر آجائیگا۔

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ایک دفعہ جارہی تھی، عائشہ صدیقہؓ دوسرے اونٹ پر سوار تھیں، (اللہ کی شان) وہ اونٹ بھاگ گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ وہ اونٹ بھاگ رہا ہے تو فرمایا: واعروساہ (ہائے میری دلہن)۔

(مسند احمد ۲۶۱۵۵-غایۃ المقصد ۲/ ۱۴۴۸)

اب اندازہ لگائیے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ شادی کا دن نہیں تھا، سالوں گزر گئے تھے شادی کو، اس وقت جب عائشہ صدیقہؓ کا اونٹ بھاگا تیزی کے ساتھ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: واعروساہ (ہائے میری دلہن) تو جب خاوند اس طرح بیوی کے ساتھ پیار کرے تو بیوی کیوں نہیں گھر کو آباد کریگی۔

حضرت عائشہؓ کا برملا اظہار تعلق

ام المومنین سیدہ عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا برملا اظہار فرماتی تھیں چنانچہ بات چیت کے دوران ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! آپ مجھے مکھن اور کھجور کو ملا کر کھانے سے بھی زیادہ مرغوب ہو، عائشہؓ مسکرائیں اور فورا جواب میں کہا: اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے مکھن اور شہد کو ملا کر کھانے سے بھی زیادہ مرغوب ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے اور فرمایا: عائشہ تیرا جواب بہت بہتر ہے، اب دیکھئے! خاوند نے جو بات کہی بیوی نے ایک قدم آگے بڑھ کر بات کی۔

(اللآلی المصنوعۃ ۱/ ۳۷۴)

اہل خانہ کے ساتھ تحمل مزاجی

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خانہ کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر رحیم وکریم تھے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''اگر میں کبھی کسی بات پر غصے میں آجاتی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا کر میری طرف دیکھتے اور فرماتے: اے مُنّی سی عائشہ!''

عمر تھوڑی تھی اس لیے فرماتے ''اے مُنّی سی عائشہ!''۔ اب دیکھیے کہ اس ایک لفظ میں کتنے پیار کا میسج ہے جو بیوی کو پہنچ رہا ہے۔

.....ایک مرتبہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کسی بات پر نبی علیہ السلام سے گفتگو کر رہی تھیں، سیدنا صدیق اکبرؓ بھی تشریف لے آئے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ابوبکر! ہمارے درمیان فیصلہ کر دو۔ انہوں نے کہا: بہت اچھا۔ معاملہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ! تم بتاؤ گی یا میں بتاؤں؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہی بتائیں، مگر ٹھیک ٹھیک بتائیں۔ بیوی کا آخر ناز کا تعلق ہوتا ہے۔ جیسے ہی انہوں نے کہا کہ آپ ہی بتائیں مگر ٹھیک ٹھیک بتائیں، تو سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے سیدہ عائشہؓ کو ایک تھپڑ لگانے کا ارادہ کیا اور کہا، تجھے تیری ماں روئے، کیا نبی علیہ السلام ٹھیک ٹھیک نہیں بتائیں گے؟ جب تھپڑ لگا تو سیدہ عائشہؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے آ کر چھپ گئیں تا کہ ابو سے دوسرا تھپڑ نہ پڑ جائے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکر! ہم نے آپ سے فیصلہ کروانا تھا، کسی کو سزا تو نہیں دلوانی تھی۔ اچھا آپ جائیں ہم اپنا فیصلہ خود کر لیتے ہیں۔ صدیقِ اکبرؓ چلے گئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ عائشہؓ کی طرف مڑ کر دیکھا اور فرمایا:

''دیکھا! تجھے میں نے بچایا ہے نا۔''

بس اتنی سی بات سے آپس کی بات ختم ہو گئی۔

(ابوداؤد ۴۹۹۹-موسوعۃ التخریج ۱/ ۱۲۴۸۵)

خاوند کی فرمانبرداری پر مغفرت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں ایک میاں بیوی اوپر کی منزل

پر رہتے تھے اور نیچے کی منزل پر بیوی کے ماں باپ رہتے تھے، خاوند کہیں سفر پر گیا اور اس نے بیوی کو کہہ دیا کہ تمہارے پاس ضرورت کی ہر چیز ہے، تم نے نیچے نہیں اترنا، چنانچہ یہ کہہ کر خاوند چلا گیا، اللہ کی شان دیکھیں کہ والد صاحب بیمار ہو گئے، وہ صحابیہ عورت سمجھتی تھی کہ خاوند کی اجازت کی شریعت میں کتنی اہمیت ہے، اب یہ نہیں کہ اس نے سنا کہ والد بیمار ہیں تو وہ نیچے آ گئی، نہیں، اس نے اپنے خاوند کی بات کی قدر کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھجوایا کہ میرے خاوند نے مجھے گھر سے نکلتے ہوئے منع کر دیا تھا (اس سے رابطہ بھی ممکن نہیں تھا اس زمانے میں کوئی سیل فون بھی نہیں ہوتے تھے کہ دوبارہ پوچھ لیا جاتا) تو اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اب مجھے نیچے جانا چاہیئے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، آپ کے خاوند نے چونکہ آپ کو منع کر دیا تو آپ نیچے نہ آئیں، اب ذرا غور کیجئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی یہ بات فرما رہے ہیں کہ آپ خاوند کی اجازت کے بغیر نیچے مت آئیں، چنانچہ وہ نیچے نہیں آئی، اللہ کی شان کہ اس کے والد کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی حتی کی والد کی وفات ہو گئی، جب والد کی وفات ہو گئی تو اس صحابیہ نے پھر پیغام بھجوایا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اپنے باپ کا چہرہ آخری مرتبہ دیکھ سکتی ہوں، میرے والد دنیا سے چلے گئے، میرے لئے کتنا بڑا صدمہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: چونکہ تمہارے خاوند نے تمہیں روک دیا تھا اس لئے تم اوپر ہی رہو اور اپنے والد کا چہرہ دیکھنے کے لئے نیچے آنا ضروری نہیں، وہ صحابیہ اوپر ہی رہی، سوچئے اسکے دل پر کیا گزری ہو گی، کتنا صدمہ اس کے دل پر ہوا ہو گا! اس کے والد کا جنازہ پڑھایا گیا، اس کو دفن کر دیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیٹی کی طرف پیغام پہنچایا، کہ ''اللہ رب العزت نے تمہارا اپنے خاوند کا لحاظ کرنے کی وجہ سے تمہارے باپ کے سب گناہوں کو معاف فرما دیا''

تو معلوم ہوا کہ آپ اپنے گھر میں جو کام بھی کریں خاوند سے اجازت لے لیں۔

ایک خاتون کا صبر و تحمل

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بہن رملہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کی شادی ہو گئی۔ایک موقع پر خاوند غصے میں آ گیا۔وہ بولتا رہا، بولتا رہا، اور یہ چپ کر کے بیٹھی رہیں، سنتی ہی رہیں۔ خیر، اس نے جو اپنا جلال دکھانا تھا وہ دکھا دیا، کچھ دیر بعد بندہ خود ہی تھک جاتا ہے۔جب وہ تھک کر چپ ہو گیا اور نارمل ہوا تو بیوی کو اندازہ ہو گیا کہ اب یہ نارمل بات کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے خاوند کی طرف مسکرا کر دیکھا، ان کو مسکراتے دیکھ کر خاوند بھی مسکرایا۔ اس کو مسکراتا دیکھ کر فرمانے لگیں: مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ تمہارا علاج مسکراہٹ کی ایک نظر ہے، میں نے تمہارے غصے کو برداشت کر لیا اور میری ایک ہی مسکراہٹ تمہارے کام آ گئی۔ جھگڑا ہی ختم ہو گیا.....عورتوں میں بھی ایسی قوت برداشت تھی۔ یہ قوت برداشت تو بہت ضروری ہے، ورنہ انسان دنیا میں بھی کامیاب زندگی نہیں گزار سکتا۔

ایک دلچسپ صلح

قاضی موسیٰ بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں ایک میاں بیوی کا جھگڑا پیش ہوا جھگڑا کیا تھا؟ میاں بیوی ایک دوسرے سے ذرا خفا تھے۔ بیوی چاہتی تھی کہ یہ مجھے طلاق دے دے اور میرا مہر مجھے دے دے۔ مہر کی رقم بہت زیادہ تھی اس لیے خاوند کہتا تھا کہ میں طلاق تو دے سکتا ہوں مگر مہر نہیں دوں گا۔

مقدمے کے گواہوں میں سے کسی نے کہا: جی مجھے کیا پتہ کہ پردے میں لپٹی کون عورت ہے؟ اگر یہ اپنا چہرہ کھول دے تو پہچان کر تصدیق کر سکتا ہوں کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ وہ کوئی قریبی غیر محرم بندہ ہو گا۔ تو قاضی نے کہا: ہاں ایسے موقع پر گواہ اگر کہیں تو شرعاً وہ دیکھ سکتے ہیں {اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا} کا یہی معنی ہے کہ ضرورت کے وقت ایسا کیا جا سکتا ہے۔ اب خاوند نہیں چاہتا تھا کہ میری بیوی کسی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولے۔ قاضی نے تو کہہ دیا کہ اگر گواہ

مطالبہ کریں گے تو اس کو اپنی شناخت ثابت کرنا پڑے گی۔ خاوند نے جیسے ہی بات سنی، وہ کہنے لگا: قاضی صاحب! آپ میری بیوی کو چہرہ کھولنے کے لیے مت کہیں، میں اس کا پورا مہر پانچ سو دینار دینے کے لیے تیار ہوں۔ جب خاوند نے یہ بات کہی کہ میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ یہ غیر کے سامنے چہرہ کھولے، میں پانچ سو دینار دے کر اس کی بات مان لیتا ہوں، تو بیوی کے دل میں بھی یہ احساس پیدا ہوا کہ جب میرا خاوند میرے بارے میں اتنا غیرت مند ہے تو پھر میں بھی اس ارادے سے باز آجاؤں۔ چنانچہ وہ کہنے لگی، قاضی صاحب! نہ میں خاوند سے طلاق چاہتی ہوں اور نہ ہی حق مہر مانگتی ہوں۔ چنانچہ قاضی صاحب نے دونوں کو ہنسی خوشی واپس گھر بھیج دیا۔ (تاریخ بغداد ۱۳ / ۵۲-الانساب للسمعانی ۲ / ۳۸۴)

ایک خاوند کی ناگفتہ بہ حالت

ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو بیوی کو ماں باپ سے ملنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ایک صاحب نے نو سال تک اپنی بیوی کو اس کے ماں باپ کے گھر نہیں جانے دیا۔ خود سال میں دو مرتبہ اپنے والدین کو ملنے کے لیے جاتا تھا، لڑکی کے والد حج کے موقع پر مجھے ملے، ان کی آنکھوں سے اتنے موٹے موٹے آنسو ٹپک رہے تھے، وہ کہنے لگے کہ نو سال سے ہم اپنی بیٹی کی شکل دیکھنے کو ترس رہے ہیں۔

جب ان سے پوچھا: کیوں نہیں جانے دیتے؟ تو جواب دیا کہ بس میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ یہیں رہے۔ اس کو اس طرح باندھ کے رکھنے کا کوئی شرعی حق ہے تمہارا؟ خود سال میں ماں باپ کا خیال کرنے کے لیے دو چکر اور بیوی کو نو سال میں ایک دفعہ بھی نہیں جانے دیا، خود ہر تیسرے دن ماں باپ کو فون کرتے ہیں اور بیوی کو نو سال میں ایک مرتبہ بھی فون نہیں کرنے دیا۔ یہ دین دار لوگوں کا حال ہے، ہم فاسق و فاجر کی کیا بات کریں!؟ صوفی صاحب کی زندگی کا یہ حال ہے، کیا یہ عورت قیامت کے دن اپنے حق کا مطالبہ نہیں کریگی؟ پھر سمجھ لگ جائیگی، بعض لوگ تو ایسے خاوند کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بڑا اچھا خاوند ہے

جو بیوی پر حاوی ہے، نہیں یہ تو سراسر ظلم ہے۔

بیوی پر زیادتی کا انجام

ہم نے ایک آدمی کو دیکھا اپنی زندگی میں بڑا افسر تھا، اس نے ساری زندگی اپنی بیوی کو بہت دبا کر رکھا، بچے اس کے پڑھ لکھ کر بڑے افسر بن گئے، انہوں نے ماں کو دیکھا کہ اس نے بہت مظلومیت کا وقت گزارا ہے، وہ سارے ماں کے ساتھ ہو گئے، اب ادھر یہ صاحب بوڑھے ہو گئے، تو ایک دن بیوی نے کہا کہ جناب گھر پر سے چھٹی، بیٹوں نے بھی کہہ دیا جو امی کہہ رہی ہیں، وہی ہوگا، اب تک آپ نے جو مرضی آئی وہ کیا، اب امی کی مرضی چلے گی، گھر سے اسکو نکال دیا گیا، کچھ دن وہ مسجد میں رہا نہ کوئی اس کا کھانا پکانے والا؟ نہ کوئی اسکو پاس بٹھانے والا، اتنا اس کا بڑھاپا خراب ہوتے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہم کانپا کرتے تھے، اسے دیکھ کر، دھکے کھاتا تھا، روتا تھا بیٹھ بیٹھ کر، گناہ جوانی میں کئے اللہ تعالیٰ نے اسکی سزا بڑھاپے میں دی۔

غلط نخرے کا انجام

چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک غریب گھر کی لڑکی تھی جو کہ خوبصورت تھی، ایک نیک امیر گھرانے کے بچے نے اس کی طرف شادی کی آفر بھیجی..... شادی ہوگئی، ماں باپ بھی خوش تھے کہ بچی کی شادی اچھی جگہ ہوگئی ہے، اس کے بھائیوں کے لئے بھی کوئی روزگار کی صورت نکل آئیگی اور بچی خود بھی خوش رہے گی، جب یہ گھر پہنچی تو خاوند نے اس کے ساتھ بہت زیادہ محبت کا اظہار کیا، یہ اس محبت کو دیکھ کر نخرے میں آ گئی، خاوند جتنا زیادہ محبت کا اظہار کرتا یہ اتنا اس کی طرف سے سرد مہری کا ثبوت دیتی، خاوند بہت زیادہ اس کی دلجوئی کرتا، صبح شام اس کی رٹ لگی تھی تم میرے گھر کی ملکہ ہو، تم نے میرے گھر کو جنت بنا دیا، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی اچھی خوبصورت بیوی مجھے مل جائیگی، یہ جتنا زیادہ اپنی تعریفیں

سنتیں اتنی زیادہ نخرے میں آتی، خیر کچھ دن گزرے، ایک دن روتی دھوتی اپنے گھر واپس آ گئی، خاوند اس کو میکے چھوڑ کر چلا گیا، ماں نے پوچھا: بیٹی کیا ہوا؟ کہنے لگی خاوند بہت زیادہ محبت کے موڈ میں تھا، مجھے پیار کر رہا تھا کہ میں اس کے ساتھ محبت کا اظہار کروں اور میں ایسے گم صم تھی جیسے مجھ پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا، بالآخر تنگ آ کر اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں اس قدر تم سے محبت کرتا ہوں کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ کہنے لگی کہ پتہ نہیں کہ کیا میرے دماغ پر پردہ پڑا کہ میں نے اس وقت نخرے میں آ کر کہہ دیا کہ نہیں مجھے تم سے محبت نہیں ہے، بس یہ لفظ کہنے تھے کہ خاوند غصے میں آ گیا اور کہنے لگا کہ جب تمہیں مجھ سے محبت ہی نہیں تو جاؤ! جہاں محبت ہو وہیں زندگی گزارنا، میری طرف سے تمہیں تین طلاق ہے، اب جب شادی کے ایک مہینے بعد اسکو طلاق ہوگئی اور پھر ماں باپ کے گھر میں اس کو رہنا پڑا تب اس کی آنکھیں کھلیں۔

''لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی''

پھر اس کے بعد اس کی دوسری شادی نہ ہوسکی، اس لئے کہ جو اچھے رشتے تھے کنواری لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے اور اسکے نام پر تو شادی کا دھبہ لگ چکا تھا، اور جو رشتے آتے تھے وہ بہت بوڑھے شادی شدہ لوگوں کے آتے تھے، ان سے شادی کرتے ہوئے یہ گھبراتی تھی، تو اس نوجوان، خوبصورت لڑکی کی زندگی روتے دھوتے ہی گزر گئی۔

حضرت احمد علی لاہوریؒ کی زوجہ کا جواب

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سکھ گھرانے سے تھے، اسلام قبول کر لیا، دار العلوم دیوبند میں پڑھنے آ گئے، یہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے سسر بڑے سمجھ دار آدمی تھے، انہوں نے احمد علی کو اس وقت پہچانا جبکہ احمد علی احمد علی نہیں تھا، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ یہ ولایت کبری کے مقام کے لوگوں میں سے تھے، مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے تھے،

ان کا درس قرآن بہت مقبول تھا، بہت مانی ہوئی غیر متنازع شخصیت تھی، اپنی شادی کا واقعہ سناتے ہیں، ذرا شوق وتوجہ سے سنیں، فرماتے ہیں کہ میرے سسر کو بیوی نے اطلاع دی کہ میری بیٹی کی عمر پوری ہوگئی کوئی مناسب رشتہ ہوتو اس کا فرض نبھائیں، تو میرے سسر پنجاب کے مدارس میں اپنی بیٹی کے لئے مناسب بچہ ڈھونڈھنے کے لئے نکلے، مدارس میں راؤنڈ کرتے کرتے بالآخر دارالعلوم میں پہنچے، شیخ الہندؒ کے خصوصی دوست تھے، ان سے ملاقات ہوئی تو دورۂ حدیث کے طلباء پر نظر ڈالی، فوراً ان کی نظر میرے اوپر ٹک گئی، انہوں نے شیخ الہندؒ سے پوچھا کہ یہ بچہ شادی شدہ ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں اسے کون لڑکی دے گا، یہ سکھ گھرانے کا لڑکا ہے اور یہاں کئی دفعہ بیٹھا ہوتا ہے، پڑھنے کے لئے تو اسکی ماں جو سکھ ہے وہ آتی ہے اسے گالیاں نکال کر چلی جاتی ہے، چپ رہتا ہے بے چارہ، اس درویش کو کون بیٹی دے گا؟ انہوں نے کہا کہ اچھا آپ ان سے پوچھیں اگر یہ تیار ہوں، تو میں اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کردوں گا؟ فرمایا پوچھ لیتے ہیں، شیخ الہندؒ نے پوچھا تو کہنے لگے کہ حضرت میں بے یار ومددگار سا بندہ ہوں، اگر کوئی مجھے اپنا بیٹا بنائے اور اپنی بیٹی کا رشتہ دے تو میں تو اس سنت پر عمل کرلوں گا اور اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہوسکتی ہے؟ انہوں نے بتادیا، چنانچہ سسر نے کہا کہ کل عصر کے بعد ہم ان کا نکاح پڑھ دیں گے، فرمانے لگے کہ میں کمرے میں آگیا، اب میں نے اپنے دوستوں کو بتادیا کہ بھئی کل میرا نکاح ہونا ہے، لہٰذا یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سب لڑکوں میں پھیل گئی، اب لڑکے آنے شروع ہوگئے، جناب کوئی کچھ کہہ رہا ہے، ایک نے کہا بھئی بات یہ ہے کہ یہ جو تم نے کپڑے پہنے ہوئے ہیں یہ تو بہت میلے کچیلے پرانے ہیں، تم کسی سے ادھار لے کر دوسرے پہن لو، میں نے کہہ دیا بھائی بات یہ ہے کہ میں نے کبھی کسی سے ادھار نہیں مانگا، جو ہیں میرے اپنے ہیں، میں کسی سے لے کر نہیں پہنتا، ساتھی نے کہا اچھا اگر آپ کسی سے ادھار نہیں مانگ سکتے تو مت مانگئے، ایسا کرے کہ

کل ان کپڑوں کو آپ دھو کر صاف کر کے پھر پہن لینا، مجمع میں کم از کم صاف کپڑوں میں تو بیٹھو گے، فرمانے لگے میری بدبختی آ گئی کہ میں نے ہاں بھر لی، اگلے دن سبق ختم ہوا تو میں نے دھوتی سی باندھی اور کپڑے اتارے اور ان کو دھوڈالا، اللہ کی شان سردیوں کا موسم اوپر سے بادل آ گئے، اب ظہر کا وقت بھی قریب آ گیا، میرے کپڑے گیلے میں مسجد کے پیچھے جا کر کپڑوں کو لہرا رہا ہوں اور اللہ سے دعا مانگ رہا ہوں، اللہ میرے کپڑے خشک کر دے، وہ تو نہ ہونے تھے نہ ہوئے اور ظہر کی اذان ہوگئی، اب مجھے مجبوراً گیلے کپڑے پہن کر سردی کے موسم میں مجمع میں بیٹھنا پڑا، اب سب کہیں کہ جی دولہا کون ہے؟ اب سب کی نظر مجھ پر پڑے اور پتہ چلے گیلے کپڑے سردی میں پہن کے بیٹھا ہے، فرمانے لگے میرے سسر کو اللہ نے وہ سونے کا دل دیا تھا انہوں نے دیکھا کہ کل یہی کپڑے تھے اور میلے تھے، آج یہی ہیں اور گیلے ہیں، اس کا مطلب یہ کہ اس بچے کے پاس دوسرا جوڑا ابھی نہیں ہے، ان کے دل پر اس بات کا کوئی اثر ہی نہ ہوا وہ تو میری پیشانی کے نور کو دیکھ رہا تھے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

تو کہنے لگے انہوں نے میرا نکاح پڑھ دیا، جب میں فارغ ہو گیا، دورۂ حدیث سے اور رخصتی ہوگئی تو جب میں بیوی کو لے آیا تو ابتدائی ایک دو مہینہ میرے پاس رہی، ان میں بھی اسے فاقہ کرنا پڑا، کیوں کہ میرے پاس تو کچھ ہوتا نہیں تھا، جو ملتا ہم دونوں کھا لیتے ورنہ فاقہ سے دن گزارتے۔

مہینہ کے بعد وہ اپنے میکے گئی جیسے بچیاں جاتی ہیں شادی کے بعد، تو فرماتے ہیں کہ جب وہ اپنے گھر گئی تو اسکی ماں نے پوچھا بیٹی تو نے اپنے گھر کو کیسا پایا؟ فرمانے لگی، اتنی تقیہ نقیہ پاکباز وہ بچی تھی اپنی ماں سے کہنے لگی کہ امی میں تو سنتی تھی کہ مر کر جنت میں جائیں گے اور میں تو جیتے جاگتے جنت میں پہنچ گئی ہوں، اللہ اکبر کبیرا! اتنی صابرہ شاکرہ تھی

کہنے لگے بس پھر اللہ تعالیٰ نے میرے گھر میں برکتیں دینی شروع کر دیں، جب خاوند ایسا ہو اور بیوی ایسی ہو تو پھر برکتیں کیوں نہ ہونگی، چنانچہ حضرت فرمانے لگے ایک وہ وقت تھا کہ کھانے کو نہیں ملتا تھا اور ایک آج احمد علی پر وہ وقت ہے کہ میرے کھانے کے لئے طائف سے پھل آتے ہیں اور پھر انہوں نے فرمایا کہ سرگودھا کے علاقہ کے بڑے بڑے لوگ جو سرگودھا کے کلیار ہیں، ان کی بیویاں آج میرے گھر میں آکر برکت کے لئے جھاڑو دے کر جاتی ہیں، اتنے بڑے لین لارڈوں کی بیویاں برکت کے لئے میرے گھر میں آکر جھاڑو دے رہی ہیں، آج اللہ کا مجھ پر اتنا کرم ہے۔

تو کتنی عجیب بات ہے کہ سکھ گھرانے کا بچہ جس کا کوئی اپنا نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے اسکو دنیا میں ایسی عزتیں عطا فرمادیں، چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ اپنی وفات کے بعد وہ علماء میں سے کسی بڑے عالم کو خواب میں نظر آئے، اس نے پوچھا حضرت آگے کیا بنا تو حضرت کثیر البکاء تھے (کثرت سے روتے تھے) خوف خدا ہر وقت دل پر رہتا تھا، فرمانے لگے اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہوئی تو پروردگار نے فرمایا احمد علی تو اتنا روتا کیوں تھا؟ کہنے لگے جب مجھ سے پوچھا تو مجھے خیال آیا کہ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے "من نوقش الحساب فقد عذب" جس سے حساب کتاب میں پوچھ شروع ہو گئی وہ نہیں بچے گا، تو میں ڈر گیا اور جب میں ڈرا تو پروردگار نے فرمایا احمد علی اب بھی ڈر رہے ہو، آج تمہارے ڈرنے کا نہیں خوش ہونے کا دن ہے، ہم نے تمہیں معاف کر دیا اور جس قبرستان میں تمہیں دفن کیا وہاں کے سب گنہگاروں کو بھی ہم نے معاف کر دیا، چنانچہ ان کی قبر کی مٹی سے خوشبو آیا کرتی تھی، ہزاروں انسانوں نے ان کی قبر کی مٹی اٹھا کر گھر لے جانا شروع کر دیا تھا، تو علماء متوجہ ہوئے، پھر انہوں نے مل کر مستقل دعا مانگی اے اللہ! بس جو چیز ظاہر ہو رہی ہے، اس ظہور کو ختم کر دے، ورنہ لوگ مٹی ہی نہیں چھوڑیں گے، اللہ تعالیٰ نے اتنے صلحاء کی دعا کو قبول کر لیا، تب جا کر ان کی قبر سے خوشبو آنی بند ہو گئی، اللہ تعالیٰ عزتیں عطا فرما دیتے ہیں، جس کا اپنا کوئی نہیں ہوتا ساری دنیا پھر اس کی بن جاتی

ہے، جسکو کھانے کے لئے روٹی نہیں ملتی، اسکو کھانے کے لئے پھر طائف سے پھل آیا کرتے ہیں، ماشاء اللہ میرے دوستو آج کے زمانے میں تو یہ آسان ہے، جب بحری جہاز آتے جاتے تھے اس زمانہ میں طائف سے پھل آنا کوئی آسان کام نہیں تھا، تو اللہ رب العزت دنیا میں عزتیں عطا فرماتے ہیں۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کو یہ مقام کیسے ملا؟

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ بہت ہی زیادہ نازک مزاج تھے ان کے تو واقعات بہت ہی زیادہ ہیں مگر روحانی مقام اتنا تھا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے تھے: اللہ رب العزت نے مجھے ایسا کشف دیا کہ میں پوری دنیا کو اس طرح دیکھتا ہوں جیسے ہتھیلی پر پڑے ہوئے کسی دانے کو دیکھتا ہوں، یہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس کشف کے حاصل ہونے کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ اس وقت پوری دنیا میں مرزا مظہر جان جاناں جیسا دوسرا کوئی بزرگ موجود نہیں، تو جن کے بارے میں ایک محدث، ایک مفسر یہ کہہ رہا ہو اس مرزا مظہر جان جاناںؒ کو جو یہ مقام ملا، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کی بیوی ذرا تیز زبان تھی، بات بات پر ذرا سخت لفظ بول دیتی تھی، تو انہوں نے اپنی بیوی کی اس ایذاء پر صبر کیا، اللہ نے ان کو ولایت کا اتنا اونچا مقام عطا فرمایا۔

(حقوق النساء-ارواح ثلثہ ۳۵)

حضرت مرشد عالم کا حسن سلوک

ہمارے حضرت مرشد عالم حضرت غلام حبیب نقشبندیؒ نے اپنا واقعہ سنایا، فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ وضو کر رہا تھا اور اہلیہ صاحبہ وضو کروا رہی تھیں ..... بیویاں بوڑھاپے میں لاٹھی کی مانند ہوتی ہیں ..... حضرت نے فرمایا کہ اس دوران مجھے کچھ غلط فہمی ہوئی، یعنی اہلیہ صاحبہ اس طرح پانی نہ ڈالا جیسے میں ڈالنا چاہتا تھا، چنانچہ میں نے ان کو جھڑک دیا، اہلیہ

صاحبہ صبر والی تھی لہذا وہ جھڑک سن کر خاموش ہوگئیں، پھر جب میں وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو مجھے ایک حدیث پاک یاد آ گئی کہ جو کسی کا دل دکھائے بغیر مسجد میں آئے، اللہ تعالی اس کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں، اور میں تو بیوی کا دل دکھا کر آ رہا ہوں، فرماتے ہیں کہ جماعت کا وقت ہو چکا تھا میں مسجد کے صحن سے واپس اپنے گھر گیا اور جا کر اپنی اہلیہ صاحبہ سے معذرت کر لی اور انہیں خوش کر کے مسجد میں گیا اور پھر سوچا کہ اب میرا اللہ میری اس عباد ت سے خوش ہوگا اور اسے قبول فرمائے گا۔

معمولی عمل کی وجہ سے مغفرت

دارلعلوم دیوبند کے جو پہلے معلم تھے ان کا نام تھا ملّا محمود، اور جو پہلے طالب علم تھے ان کا نام تھا محمود حسن، جو بعد میں شیخ الہند بنے۔ تو پڑھانے والا بھی محمود اور پڑھنے والا بھی محمود، ملا محمود کی وفات ہوگئی۔ کسی کو خواب میں نظر آئے، اس نے پوچھا کہ حضرت! آگے کیا بنا؟ فرمایا: ایک ایسے عمل کی وجہ سے مغفرت ہوگئی جو مجھے یاد بھی نہیں تھا۔ اس نے پوچھا: جی کونسا عمل تھا؟ فرمایا کہ ایک مرتبہ بیوی روٹی پکاتے ہوئے آٹے میں نمک ڈالنا بھول گئی۔ میں کھانا کھانے کے لیے بیٹھا تو محسوس بھی ہوا مگر میں نے جتلانا مناسب نہ سمجھا، برداشت کر لیا کہ آخر انسان ہے، بھول ہو ہی جاتی ہے۔ میرے اس برداشت کے عمل کو اللہ نے قبول کر کے میرے گناہوں کی مغفرت کر دی.....اللہ اکبر!!!

ایک بزرگ کی تحمل مزاجی

ایک بزرگ تھے۔ ان کو بیوی نے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا اور کہتی تھی کہ بس مجھے جدا کر دو۔ کسی قریبی رشتہ دار کو پتہ چلا۔ اس نے آ کر کہا کہ حضرت! سنا ہے کہ آپ کی بیوی آپ سے طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ فرمانے لگے: ہاں میں کیسے غیبت کروں، وہ میری بیوی جو ہے؟ وہ چپ ہو گیا۔ بیوی کے اصرار پر بالآخر

انہوں نے اسے طلاق دے دی۔ اس کے بعد وہ رشتہ دار پھر آیا۔ کہنے لگا: سنا ہے کہ آپ نے طلاق دے دی ہے، مجھے اب تو ذرا تفصیل بتا دیں۔ فرمانے لگے: جب وہ میری بیوی تھی، تب تو میں نے اس کی غیبت کرنا گوارا نہیں کی تھی، اب تو وہ میرے لیے اجنبیہ ہو چکی ہے، میں اجنبیہ کی غیبت کیسے کروں؟ .....قوت برداشت دیکھئے۔

جاہل ان پڑھ کا عفو و درگزر

ہمارے قریب کے دیہات کا ایک واقعہ ہے۔ ایک نوجوان جس کی تعلیم بھی نہیں تھی اور شکل بھی عام سی تھی۔ یعنی شکل بھی عام سی، عقل بھی عام سی اور تعلیم بھی نہیں تھی۔ اس کی ایک خوبصورت کزن تھی۔ اس نوجوان نے کہا: میں اپنی اسی کزن سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ماں باپ نے بھی ادھر زور دیا۔ لڑکی والوں نے لڑکی سے پوچھا تو لڑکی نے تو شروع میں ہاں کر دی۔ نکاح ہو گیا۔ رخصتی بھی ہو گئی۔ لیکن جب وہ آ کر اس کے پاس رہی تو اب اسے پتہ چلا کہ یہ تو پکا جاہل ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ نہ عقل ہے نہ شکل ہے، زندگی کیسے گزرے گی؟ چنانچہ اس لڑکی نے دل ہی میں اس نوجوان کو ناپسند کرنا شروع کر دیا۔ مگر خاموش رہی۔

شادی کے تین چار دن بعد عام طور پر دلہنیں اپنے ماں باپ کے گھر جاتی ہیں۔ یہ لڑکی بھی گھر گئی۔ اس کے دل میں یہ بات تھی کہ اب میں دوبارہ اس گھر میں کبھی نہ آؤں تو زیادہ اچھی بات ہو گی۔ مگر اسے ماں باپ کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ کیونکہ ایک تو قریب کا رشتہ تھا اور دوسرا شروع میں ہاں بھی کر چکی تھی۔

دو چار دن بعد خاوند لینے کے لیے آ گیا۔ ماں باپ نے کہا کہ بیٹی! تیاری کرو، تمہارا میاں تمہیں لینے آیا ہے، جاؤ اس کے ساتھ۔ چنانچہ اس نے اپنا سامان باندھا

اور اس کے ساتھ چل پڑی۔

انہیں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانا تھا۔ راستے میں اس نے خاوند سے کہا: مجھے پیاس لگی ہے۔ قریب ہی ایک کنواں تھا۔ خاوند نے جا کر ایک طرف گٹھڑی رکھی اور کنویں کے ڈول کے ذریعے پانی بھرنے لگا۔ بیوی کے دل میں شیطان نے ایک ایسی بات ڈالی کہ اس نے پیچھے سے اپنے خاوند کو کنویں میں دھکا دے دیا۔ جب دھکا دیا تو خاوند کنویں میں جا گرا۔ اس نے دل میں سوچا کہ اب یہ مر کھپ جائے گا اور ہمیشہ کے لیے اس سے جان چھوٹ جائے گی۔

اب وہ واپس ماں باپ کے گھر چلی گئی اور اس نے ان کے پاس جا کر عورتوں والا مکر کیا۔ عورتیں مکر میں تو مشہور ہوتیں ہیں {وَ جَاءُوْ اَبَاهُمْ عِشَاءً يَّبْكُوْنَ} جیسے اخوان یوسف نے مکر کیا تھا ویسے ہی اس نے بھی مکر کیا۔ وہ روتی ہوئی گھر پہنچی۔ ماں باپ نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ خاوند مجھے بٹھا کر کہیں چلا گیا۔ میں اتنی دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی۔ میں اکیلی تھی، مجھے ڈر لگنے لگا، کوئی غیر مرد آ جاتا تو میرا کیا ہوتا؟ مجھے جان کا بھی خطرہ تھا اور عزت کا بھی خطرہ تھا، وہ تو بڑا بے پروا سا آدمی ہے۔ اس لیے میں واپس آ گئی ہوں۔ یہ سن کر ماں باپ کو بھی بڑا غصہ آیا کہ اس نے ہماری بیٹی کو اس طرح لاوارث چھوڑ دیا اور خود کہیں چلا گیا، یہ ایسا بے وقوف انسان ہے۔

اب ادھر کی بات سنیں، جب خاوند پانی میں گرا تو جان بچانے کے لیے اس نے ہاتھ پاؤں مارے تو اس کا ہاتھ اس رسے پر پڑ گیا جس کے ساتھ ڈول بندھے ہوتے تھے۔ اس نے اس رسے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور ڈوبنے سے بچ گیا، کافی دیر کے بعد اس نے ہمت کی اور آہستہ آہستہ رسے پر چڑھتے چڑھتے باہر نکل آیا۔ باہر نکل کر اس نے سوچا کہ میں کیا کروں؟ اس نے دل ہی دل میں کہا کہ مجھے توقع نہیں تھی کہ میری

بیوی میرے ساتھ ایسا معاملہ کرے گی، کوئی بات نہیں، میں دوبارہ چلا جاتا ہوں۔

چنانچہ اب وہ دوبارہ سسرال کے گھر آیا۔ اتنے میں کپڑے بھی خشک ہو گئے تھے۔ جیسے ہی وہ سسرال کے گھر میں داخل ہوا تو لڑکی کے والدین نے اس کو بہت جلی کٹی سنائیں۔ کہنے لگے: تو کیسا بے عقل انسان ہے کہ تو ہماری بیٹی کو اکیلے چھوڑ کر چلا گیا! تو بڑا بے پروا ہے، تجھے اس کا ذرا خیال نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا، اس نے خاموشی سے سنا اور آخر میں صرف اتنا کہا کہ ہاں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ بہر حال آپ اپنی بیٹی کو بھیج دیں، ہمیں گھر جانے میں دیر ہو رہی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ بہت شرمندگی کا اظہار کر رہا ہے تو انہوں نے پھر بیٹی سے کہا، کوئی بات نہیں اب تم چلی جاؤ۔

اب بیٹی تو چل پڑی لیکن اس کے دل میں ایک بات بار بار آنے لگی کہ اگرچہ یہ ان پڑھ تھا، اگرچہ یہ بے عقل تھا، شکل اچھی نہیں تھی۔ مگر اس نے میرے ماں باپ کے سامنے میرا عیب تو چھپایا ہے، اس کا دل بڑا ہے نا! اگر یہ میرے ماں باپ کے سامنے میری حرکت کھول دیتا تو میں تو ماں باپ کو چہرہ دکھانے کے قابل ہی نہ رہتی۔ اس ایک بات پر اس لڑکی کے دل میں خاوند کی ایسی محبت پیدا ہوئی کہ اس نے اپنی بقیہ پوری زندگی اپنے خاوند کی محبت میں گزار دی۔

بیوی کی تلخی برداشت کرنے کی وجہ

ایک صحابی رضی اللہ عنہ تھے ان کی بیوی تیز مزاج کی تھی..... اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ جو کمزور ہوتا ہے اس کی زبان زیادہ چلتی ہے اور جو طاقتور ہوتا ہے اس کا ہاتھ زیادہ چلتا ہے۔ اس لیے عورت کی زبان زیادہ چلتی ہے اور مرد کا ہاتھ زیادہ چلتا ہے..... ان صحابی رضی اللہ عنہ نے سوچا اب میں کیا کروں۔ پھر خیال آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت سخت مزاج ہیں ہر کسی کو سیدھا کر کے رکھتے ہیں، درہ ہر وقت ان

کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہ سیدھا کر دیتے ہیں، ان سے جا کر مشورہ کرتا ہوں۔ میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، اندر حضرت عمرؓ کی اہلیہ محترمہ اونچی آواز سے باتیں کر رہیں تھی، وہ حضرت عمرؓ سے کسی بات پر جھگڑا کر رہی تھیں۔ حضرت عمرؓ بڑے تحمل سے سن رہے تھے۔ جب ان صحابیؓ نے یہ دیکھا کہ حضرت عمرؓ بھی اپنے گھر والوں سے ایسی باتیں سن رہے ہیں۔ تو واپس جانے کی سوچی، اتنے میں حضرت عمرؓ باہر آئے، فرمایا: السلام علیکم، انہوں نے جواب میں وعلیکم السلام کہا اور کہا کہ میں واپس جاتا ہوں۔ پوچھا: واپس کیوں جاتے ہو؟ کہنے لگے: آیا تو اس لیے تھا کہ آپ کی طبیعت کے اندر سختی اور نظم وضبط ہے۔ اس لیے آپ مجھے اجازت دے دیں گے کہ اچھا اگر یہ معاملہ ہے تو پھر یہ کرو اور وہ کرو۔ لیکن آپ تو یہاں اس سے بھی زیادہ سن رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ان کو بٹھایا اور فرمایا: یہ میری بیوی بھی ہے.....

یہ میری دھوبن بھی ہے۔

یہ میری باورچن بھی ہے۔

یہ میرے گھر کی بھنگن بھی ہے۔

یہ میرے بچوں کو پالنے والی بھی ہے۔

جب میری خاطر وہ یہ تمام کام کر رہی ہے تو کیا میں اس کے سخت الفاظ کو برداشت نہیں کر سکتا؟

(عشرۃ النساء وللنسائی ۲۸-الزواجر علی اقتراف الکبائر ۲/ ۳۴۲-الکبائر للذہبی ۱۷۲)

ایک خاتون کا انوکھا انداز شکایت

سیدنا عمرؓ کے پاس کعب اسدی تشریف فرما تھے، ایک خاتون آئی اور آ کر کہنے لگی: امیر المومنین! میرا خاوند بہت نیک ہے، ساری رات تہجد پڑھتا رہتا ہے، اور سارا دن روزہ

رکھتا ہے، اور یہ کہہ کر خاموش ہوگئی، عمرؓ بڑے حیران کہ خاتون کیا کہنے آئی ہے؟ اس نے پھر یہی بات دہرائی کہ میرا خاوند بہت نیک ہے، ساری رات تہجد میں گزار دیتا ہے اور سارا دن روزہ رکھتا ہے، اس پر کعبؓ بولے: اے امیر المومنین! اس نے اپنے خاوند کی بڑے اچھے انداز میں شکایت کی ہے، کیسے شکایت کی؟ امیر المومنین! جب وہ ساری رات تہجد پڑھتا رہیگا اور سارا دن روزہ رکھے گا تو پھر بیوی کو وقت کب دیگا؟ تو کہنے آئی ہے کہ میرا خاوند نیک تو ہے مگر مجھے وقت نہیں دیتا۔

چنانچہ عمرؓ نے اس کے خاوند کو بلایا تو اس نے کہا: ہاں میں مجاہدہ کرتا ہوں، یہ کرتا ہوں، وہ کرتا ہوں، حضرت عمرؓ نے حضرت کعبؓ سے کہا کہ آپ فیصلہ کریں، حضرت کعبؓ نے ان صاحب سے کہا کہ دیکھو! شرعاً تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ وقت گزارو، ہنسی خوشی اس کے ساتھ رہو، اور کم از کم ہر تین دن کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستری کرو، خیر وہ میاں بیوی تو چلے گئے، تو عمرؓ نے ابی بن کعب سے پوچھا: آپ نے یہ شرط کیوں لگائی کہ ہر تین دن کے بعد بیوی سے ملاپ کرو؟ انہوں نے کہا: دیکھیں! اللہ رب العزت نے مرد کو زیادہ سے زیادہ چار شادیوں کی اجازت دی، چنانچہ اگر چار شادیاں بھی کسی کی ہوں تو تین دن کے بعد پھر بیوی کا نمبر آتا ہے، تو میں نے اس سے کہا کہ تم زیادہ سے زیادہ تین دن عبادت کر سکتے ہو تین دن کے بعد ایک دن رات تمہاری بیوی کا حق ہے، تمہیں گزارنا پڑیگا، تو دیکھو شریعت انسان کو کیا خوبصورت باتیں بتاتی ہے۔

(تفسیر القرطبی سورۃ النساء ۵/ ۱۹- بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب ۲/ ۴۵۴)

عفو درگزر

دندان مبارک شہید ہونے پر بھی دعائیں

غزوۂ احد میں جب کفار نے زور کیا، اس وقت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دانت مبارک بھی شہید ہوئے اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ صحابہ کرام موجود تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا اور ایک صحابیؓ نے بڑھ کر کہا کہ اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کافروں کے لیے بددعا ہی کر دیجیے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔''

پھر نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْن

(اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ مجھے جانتے نہیں ہیں)

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپا لے
جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ
وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

(عیون الاثر ۲/۴۲۱-الشفا ۱/۱۰۵)

وحشی کی معافی کا معاملہ

اس سے بھی بڑھ کر یہ بات دیکھیے کہ وہ وحشی جس نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ پہلے تو اس نے بھی بھاگنے کی سوچی، پھر کہنے لگا: نہیں جاتا، بلکہ سیدھا نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ سامنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی جانب سے آئے اور اونچی آواز سے کلمہ پڑھ دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وحشی نظر آئے۔ اب تو وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے، نبی علیہ السلام نے ان کے کلمہ پڑھنے کو قبول کر کے ان کو معاف بھی کر دیا۔ البتہ اتنا فرما دیا: وحشی! اتنا زیادہ سامنے نہ آیا کرو، تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے چچا یاد آجاتے ہیں..... تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں عفو ودرگزر کی ہزاروں مثالیں آپ کو ملیں گیں۔ تاریخِ انسانیت میں کوئی دوسری ایسی مثال نہیں کہ کسی نے اپنے دشمنوں کو اتنا معاف کیا ہو۔

(سبل الہدیٰ ۴/ ۲۱۷- سیر الصحابہ- سیرۃ ابن ہشام ۳/ ۷۶)

زہر کھلانے والی عورت کی معافی

جب خیبر فتح ہوا تو ایک یہودیہ عورت نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے کھانا بھجوایا جس میں زہر تھی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی لقمہ منہ میں ڈالا کہ فوراً پہچان لیا، لیکن زہر نے اپنا اثر کر دیا۔ یہودیہ عورت کو پکڑا گیا اور اس نے اپنا جرم تسلیم بھی کر لیا، لیکن اس نے معافی مانگ لی۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ عورت کو بھی معاف فرما دیا۔

(جمع الوسائل ۱/ ۲۱۴- الرحیق المختوم ۳۴۷- الروض الانف ۴/ ۸۱)

ابوجہل کے بیٹے کی معافی

جب مکہ فتح ہوا تو ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو بہت ڈر تھا کہ میرے والد نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا اب اس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ یہ فتح مکہ کے دن وہاں سے بھاگ گئے۔ ان کی بیوی حضرت ام حکیمؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کلمہ پڑھ لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد کہنے لگیں، جی آپ میرے خاوند کو بھی معاف فرما دیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بھی معاف کر دیا۔

اب ام حکیمؓ اپنے خاوند کو تلاش کرنے کے لیے نکلیں۔ جب ایک جگہ دریا کے کنارے پر پہنچیں تو پتہ چلا کہ خاوند کشتی کے ذریعے ابھی یہاں سے روانہ ہوا ہے۔ انہوں نے بھی کشتی کرایہ پر لے لی اور ملاح سے کہا کہ ذرا جلدی چلو کہ مجھے اگلی کشتی میں سوار ایک آدمی سے ملنا ہے۔ چنانچہ دریا میں کشتی کے سامنے کشتی لائی گئی اور انہوں نے اپنے خاوند سے پوچھا: جی آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ کہا کہ میں آپ کی جان کی امان لے کر آئی ہوں، چلیں اپنے گھر چلتے ہیں۔ وہیں زندگی گزاریں گے۔

چنانچہ عکرمہ واپس آ گئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آئے۔ ابھی دور ہی تھے کہ ایک صحابی کی نظر پڑی تو وہ صحابیؓ دوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ کو بتائیں کہ ابوجہل کا بیٹا آیا ہے۔ وہ اتنا بڑا دشمن ہے۔ نبی علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے۔ جیسے ہی ان صحابیؓ نے کہا کہ جی عکرمہ آئے ہیں۔ تو نبی علیہ السلام جلدی سے اٹھے، سر پر عمامہ رکھنے کا وقت بھی نہ ملا اور فوراً باہر نکل کر فرمایا:

''اے مہاجر سوار! تیرا آنا مبارک ہو۔''

ابوجہل وہی تھا جس نے نبی علیہ السلام کو شہید کرنے کی پلاننگ کی تھی۔ اس کے

بیٹے کے ساتھ بھی ایسا عفو و درگزر کا معاملہ.....!!!

(نور الیقین ۱۶۶-السیرۃ الحلبیہ ۳/۳۹-الروض الانف ۴/۱۶۷)

ابوسفیانؓ کی معافی کا اعلان

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیجیے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کے مشورے میں بھی وہ موجود تھے۔ اور غزوۂ خندق کے موقع پر تو وہ کافروں کے بہت بڑے لیڈر بن کر آئے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی علیہ السلام نے ان کو بھی معاف کر دیا اور ساتھ یہ بھی فرما دیا:

من دخل دار ابی سفیان فھو آمن

(جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ بھی امان پا گیا)

(مسلم شریف ۴۷۲۴ فتح مکہ-سیرت حلبیہ ۲/۳۴۳)

ہندہ کے ساتھ عفو و درگزر

ابوسفیان کی بیوی کا نام ''ہندہ'' تھا۔ یہ بہت ہی زیادہ جابر عورت تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے غلام وحشی کے ذریعے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ احد میں شہید کروایا تھا۔ اس نے منت مانی ہوئی تھی۔ چنانچہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو یہ آئی، اس نے خنجر سے آپ کے سینہ کو چیرا، جسم سے دل بھی نکال دیا اور کلیجے کو چبایا، پھر کان کاٹے، پھر آنکھیں نکالیں۔ گویا لاش کو مسخ کر کے رکھ دیا۔

جب نبی علیہ السلام نے اپنے چچا کی لاش کو دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بھائی کی لاش دیکھنے سے منع کر دیا تھا اور فرمایا کہ اس کی لاش دیکھنے نہ آنا، تم برداشت نہیں کر سکو گی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے چچا کی اس المناک شہادت پر بہت صدمہ ہوا کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین قسم کا رشتہ تھا۔

.....حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے چچا بھی تھے۔

..... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوست بھی تھے۔اور

..... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دودھ شریک (رضائی) بھائی بھی تھے، کیونکہ ایک باندی نے دونوں کو بچپن میں دودھ بھی پلایا تھا۔

سوچئے اس المناک واقعہ کی وجہ سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل پر کتنا گہرا زخم لگا ہوگا۔

جب مکہ فتح ہوا تو وہ ہندہ جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کے ساتھ یہ سارا معاملہ کیا تھا وہ آئی، اس نے کلمہ پڑھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے پر اس کی اس غلطی کو معاف فرمادیا۔

(اخلاق رسول اکرم ۲/ ۱۲۷-سبل الہدیٰ ۵/ ۲۵۴)

صفوان بن امیہ کے ساتھ عفو و درگزر

مکہ مکرمہ میں ایک اسلحہ ڈیلر تھا۔اس کا نام صفوان بن امیہ تھا۔ یہ اس زمانے میں اتنا بڑا اسلحہ ڈیلر تھا کہ اس کے پاس ہزاروں کی تعداد میں نیزے اور تلواریں سٹاک میں موجود رہتی تھی، جب قبیلے آپس میں لڑتے تھے تو اس سے ہتھیار کرایہ پر لے جاتے تھے۔حتی کہ جب غزوۂ حنین کے لیے نبی علیہ السلام تشریف لے جانے لگے تو خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے تلواریں اور نیزے ادھار لیے تھے۔

اس نے ایک آدمی کو تیار کیا جس کا نام عمیر بن وہب تھا۔ اس سے کہا کہ دیکھو، تمہارے اہلِ خانہ کے خرچہ کی ساری ذمہ داری میں لیتا ہوں، پوری زندگی ان کو میں خرچہ دوں گا۔ یہ تلوار میں آپ کو دے رہا ہوں، یہ زہر میں بجھی ہوئی ہے۔اس کو لے کر مدینہ منورہ جاؤ اور مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام پر حملہ کرو۔اس کو پکا یقین تھا کہ اگر اس تلوار کی خراش بھی لگ گئی تو وہ دوسرے بندے کے مرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ زہر میں بجھی ہوئی تھی۔عمیر اس کے لئے تیار ہوگیا۔

چنانچہ وہ مدینہ طیبہ آیا۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ ایک صحابیؓ نے اسے دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ..... ''بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں''..... چنانچہ انہیں نے عمیر کو گرفتار کر لیا اور نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے صفوان بن امیہ نے اس مشن کے لیے روانہ کیا تھا۔ اب آپ مجھے معاف فرما دیں کیونکہ میں غربت سے تنگ ہو کر یہ کام کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر بن وھب کو بھی معاف کر دیا۔ اس کے بعد وہ واپس مکہ مکرمہ چلا گیا۔

الروض الانف ۳/ ۱۱۴- السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۳/ ۲۱۲- دلائل النبوۃ لابی نعیم ۴۰۰

کچھ عرصہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو عمیر بن وہب نے تو آ کر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا۔ لیکن صفوان بن امیہ کو پکا پتہ تھا کہ میرے تو قتل کے احکام جاری ہو جائیں گے، چنانچہ وہ جان بچا کر بھاگا۔ وہ چاہتا تھا کہ یمن چلا جائے لیکن عمیر بن وھب نے جب اسلام قبول کیا تو اس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ، اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) صفوان بن امیہ اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ گیا ہے، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس کی جان کو امان دے دیں، بخش دیں۔ نبی علیہ السلام نے معاف فرما دیا۔

عمیر کہنے لگا کہ اگر میں صفوان کو آپ کی طرف سے معافی کا بتاؤں گا بھی، تو وہ میری بات کا یقین نہیں کرے گا، لہٰذا آپ کوئی نشانی دے دیں تا کہ اس کو یقین آ جائے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا مبارک عمامہ اتار کر دے دیا اور فرمایا کہ میرا عمامہ اس کے پاس لے جاؤ، یہ نشانی کے طور پر اسے دکھا دینا۔

اب عمیر بن وہب چلے۔ راستے میں صفوان ملے اور کہا کہ صفوان! آئیں واپس

چلیں۔ اس نے کہا کہ مجھے جان کا خطرہ ہے۔ عمیر نے کہا: میں ان سے جان بخشی کا وعدہ لے چکا ہوں۔ اس نے پوچھا: تیرے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ عمیر کہنے لگے: دیکھو وہ اتنے رحیم وکریم ہیں کہ انہوں نے اپنا عمامہ بطور نشانی عطا فرما دیا ہے۔ جب صفوان نے عمامہ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ چنانچہ وہ واپس آیا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا، میں نے سنا ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں۔ کہنے لگا کہ میں نے تو ابھی اسلام لانے کا ارادہ نہیں کیا۔ آپ مجھے دو مہینے کی مہلت دے دیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں دو مہینے کی بجائے چار مہینے کی مہلت دیتا ہوں، جب تمہارا جی چاہے اس وقت کلمہ پڑھ لینا۔ اللہ رب العزت نے صفوان کے دل پر ایسا اثر ڈالا کہ چار مہینے گزرنے سے پہلے اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

اسد الغابۃ ۲/ ۲۰- سیر اعلام النبلاء ۳/ ۴۹۲

بیٹی کے قاتل کو معافی کا پروانہ

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینبؓ کی شادی اپنے کزن ابو العاص سے ہوئی۔ ایک موقع پر ابو العاص نے ان کو اجازت دی کہ اگر آپ چاہیں تو میرے پاس مکہ مکرمہ میں رہیں اور اگر چاہیں تو مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ہجرت کا ارادہ فرما لیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی کنانہ سے کہا کہ تم ان کو مدینہ میں چھوڑ آؤ۔ ادھر سے نبی علیہ السلام نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیج دیا تھا جو مکہ سے تھوڑے فاصلے پر انتظار میں تھے۔ چنانچہ سیدہ زینبؓ جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔

جب مکہ سے باہر نکلنے لگیں تو کافروں کو پتہ چل گیا۔ ابوسفیان سب سے زیادہ خفا تھا کہ یہ تو قریشِ مکہ کی بڑی بے عزتی ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام کی بیٹی دن دہاڑے اتنی جرأت کے ساتھ چلی جائے اور ہم اس کا راستہ نہ روک سکیں، چنانچہ وہ آیا اور کہنے لگا: ہم اس کو جانے نہیں دیں گے۔

اس موقع پر ایک نوجوان ھبار بن الاسود بھی موجود تھا جو حضرت زینبؓ کا رشتے میں کزن لگتا تھا..... بعض اوقات قریبی رشتہ دار ہی وقت آنے پر زیادہ تکلیف کا باعث بنتے ہیں..... اس نے آکر حضرت زینبؓ کی سواری کی ٹانگ پر وار کیا۔ جب اونٹنی پر وار ہوا تو وہ اونٹنی بدکی اور سیدہ زینبؓ نیچے گر پڑیں۔ اس وقت وہ امید سے بھی تھیں۔ نیچے پتھریلی زمین تھی، چنانچہ حمل کی حالت میں اونٹ کی بلندی سے عورت گرے تو کیا ہوتا ہے؟ وہی ہوا کہ بالآخر حمل ضائع ہو گیا، اس قریبی رشتہ دار کی وجہ سے اتنی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

خیر، ابوسفیان نے کہا کہ آج تم ان کو واپس لے جاؤ اور کل چپکے سے اس کو یہاں سے نکال لینا، ہم پھر اس کا راستہ نہیں روکیں گے، بات کرنے والوں کو ہم اتنا تو کہہ دیں گے کہ ہاں ہم نے ایک مرتبہ ان کا راستہ روکا تھا۔ چنانچہ سیدہ زینبؓ کو اسی تکلیف کی حالت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑا۔ اس زمانے میں سواری پر اس سفر کے لیے پندرہ دن لگتے تھے۔ سوچیں کہ ایسی تکلیف اور پھر مشقت بھرا سفر۔

جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ پہنچیں تو تکلیف کی وجہ سے ان کی حالت بہت بری ہو چکی تھی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنے جگر گوشہ کو اس حالت میں دیکھا تو مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور فرمایا کہ میری اس بیٹی کو دین کی خاطر جتنا ستایا گیا اتنا کسی دوسرے کو نہیں ستایا گیا۔ اور یہی زخم بالآخر بعد میں وفات کا سبب بھی بنا۔

اب سوچئے کہ جو بندہ ایسا زخم لگائے کہ بیٹی کی موت ہی واقع ہو جائے وہ کتنا بڑا

دشمن ہوتا ہے! بندے کا بس چلے تو اس کا گلا ہی گھونٹ دے، اور اس کی گردن جسم سے جدا کر دے.....لیکن ہوا کیا؟.....جب مکہ فتح ہوا تو ھبار بن الاسود کو بھی اپنے کیے کا پتہ تھا۔ وہ جدہ کی طرف بھاگا کہ میں کسی دوسرے ملک میں چلا جاؤں۔ راستے میں خیال آیا کہ میں نے جو کیا سو کیا، مگر سنا یہ ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبر علیہ السلام تو بہت معاف کرنے والے ہیں، چلو آزما ہی لیتا ہوں۔

چنانچہ وہ واپس آیا اور آتے ہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کہنے لگا: جی آپ مجھے معاف کر دیں۔ میں نے واقعی بہت برا کام کیا تھا۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کے اس قاتل کے گناہ کو بھی معاف کر دیا.....ہم لوگوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو معاف نہیں کر سکتے۔ او جی فلاں نے محفل میں یوں کہا! فلاں نے میرے بارے میں یوں کہا! ہم ان کو معاف نہیں کر سکتے، اور ایسے شخص کو معاف کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔

السیرۃ الحلبیہ ۳/۳۸-مختصر تاریخ دمشق ۸/۱۳۲

عثمان بن ابی طلحہ کے ساتھ تحمل مزاجی کا مظاہرہ

جب مکہ فتح ہوا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا، یہ وہ شخص تھا جس کے پاس بیت اللہ شریف کی کنجی تھی، جب وہ آئے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''بیت اللہ کی کنجی دو'' اس نے کنجی دے دی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا، اندر تشریف لے گئے، صحابہ کرامؓ بھی ساتھ تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے اندر عبادت کر لی اور پھر دعا بھی مانگ لی اور باہر نکلنے لگے تو جو جلیل القدر صحابہؓ ساتھ تھے ان میں سے ہر ایک کے دل کی تمنا تھی کہ یہ کنجی ہمیں ملے.....دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جب کسی کو حکومت ملتی ہے تو وہ اسی

کو نوازتا ہے جو اس کا اپنا ہوتا ہے اور جو مخالف ہو اس کے منہ سے تو لقمہ بھی چھیننے کی کوشش کی جاتی ہے..... سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، سب جلیل القدر صحابہ کرام موجود تھے اور ہر ایک کے دل کی تمنا یہ تھی کہ بیت اللہ کی کنجی ہمیں دی جائے۔ اور کنجی بردار بننے کی سعادت ہمیں نصیب ہو جائے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ کا دروازہ بند کروایا، باہر تشریف لائے، عثمان بن طلحہ کھڑا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بلا کر فرمایا:

''عثمان! کیا تجھے وہ ہجرت والا دن یاد ہے جب میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانا چاہتا تھا اور میرے دل کی بڑی تمنا تھی کہ میں بیت اللہ کے اندر داخل ہو کر اپنے رب کی عبادت کروں؟ اس وقت میں نے تمہیں کہا تھا کہ بیت اللہ کا دروازہ کھولو اور تم نے کھولنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس وقت میں نے یہ الفاظ کہے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ جس حیثیت سے آج تم کھڑے ہو اس حیثیت میں میں ہوں گا اور جس حیثیت میں میں کھڑا ہوں اس حیثیت میں تم ہو گے۔ عثمان! میرے اللہ نے میری بات کو پورا فرما دیا۔ آج تیرے ہاتھ خالی ہیں اور بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہے، لیکن عثمان! میں تیرے ساتھ وہ نہیں کروں گا جو تو نے میرے ساتھ کیا تھا، میں یہ بیت اللہ کی کنجی تمہیں ہی واپس دیتا ہوں۔ یہ قیامت تک تمہاری نسل میں باقی رہے گی''..... اللہ اکبر کبیراً

(ابن کثیر ۱/ ۵۱۶ سورۃ النساء- امتاع الاسماع ۱۳/ ۳۸۴)

حضرت عمرؓ کا معافی مانگنا

ایک مرتبہ سیدنا بلالؓ بیٹھے ہوئے تھے، کوئی بات چلی تو عمرؓ نے کوئی سخت لفظ استعمال کر دیا، جب عمرؓ نے سخت لفظ استعمال کیا تو بلالؓ کا دل جیسے ایک دم بجھ جاتا ہے اس

طرح سے ہو گیا اور وہ خاموش ہو کر وہاں سے اٹھ کر چلے گئے، جیسے ہی وہ اٹھ کر گئے، عمرؓ نے محسوس کر لیا کہ انہیں میری اس بات سے صدمہ پہنچا ہے، چنانچہ عمرؓ اسی وقت اٹھے، بلالؓ کو آ کر ملے، کہنے لگے: اے بھائی! میں نے ایک سخت لفظ استعمال کر لیا، آپ مجھے اس کے لئے معاف کر دیں، انہوں نے کہا: جی جی، مگر عمرؓ کو تسلی نہیں ہو رہی تھی اس لئے کہ وہ ذرا خاموش خاموش تھے، دل جو دکھا تھا، تو جب عمرؓ نے دیکھا کہ بلال کا دل خوش نہیں ہو رہا تو بات کرنے کے بعد بلالؓ کے سامنے زمین پر لیٹ گئے اور کہا: بھائی! میرے سینے پر اپنے قدم رکھ دو! میری غلطی کو اللہ کے لئے معاف کر دو! بلالؓ کی آنکھوں سے آنسو آ گئے، امیر المومنین! میں ایسی حرکت کیسے کر سکتا ہوں؟ جو بڑے حضرات تھے اپنی زندگی کے معاملے کو ایسے سمیٹا کرتے تھے۔

معاف کرانے سے پہلے معاف کر دیا

ایک بزگ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حج پر گئے ہوئے تھے ایک جگہ جا رہے تھے ان کا تھیلا ان کے ہاتھ میں تھا ایک نوجوان آیا اور ان سے ان کا تھیلا چھینا اور بھاگ گیا ذرا آگے گیا تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا جیسے بینائی چلی گئی، اس نے رونا شروع کر دیا، لوگوں نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ کہنے لگا: میں نے فلاں جگہ پر ایک بوڑھے میاں کا تھیلا چھینا ہے اور مجھے لگتا ہے وہ کوئی مقبول بندے تھے کہ میری بینائی چلی گئی، مجھے ان کے پاس لے چلو، میں ان سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ لوگ اس کو اس جگہ پر لے گئے، وہاں وہ بڑے میاں نہیں تھے، قریب ہی ایک حجام تھا، اس سے پوچھا: تو کہا کہ وہ نماز پڑھنے آتے ہیں پھر چلے جاتے ہیں، آپ اگلی نماز تک انتظار کریں، میں نشاندہی کر دوں گا۔

اگلی نماز تک وہ بزرگ آ گئے، اس حجام نے ان کی نشاندہی کر دی، اب وہ نوجوان ان سے معافی مانگنے لگا اور کہنے لگا: حضرت! آپ مجھے معاف کر دیں، مجھ سے غلطی ہو گئی،

میں بڑا شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں، اب وہ فرمانے لگے کہ میں نے تو آپ کو اسی وقت معاف کر دیا تھا، جب بار بار اس نے معافی مانگی اور بار بار انہوں نے کہا کہ میں نے تو اسی وقت آپ کو معاف کر دیا تھا تو لوگ بڑے حیران ہو گئے، کسی نے پوچھا: حضرت! اس نے آپ کا تھیلا چھینا اور آپ کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا! وہ بزرگ کہنے لگے: ہاں مجھے ایک خیال آ گیا تھا جس کی وجہ سے میں نے معاف کر دیا تھا، پوچھا! کیا خیال آ گیا تھا؟

اس نے کہا کہ میں نے علماء سے مسئلہ سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کو حساب کتاب کے لئے پیش کیا جائیگا، جب تک پوری امت کا حساب و کتاب پورا نہ ہو جائیگا میں اس وقت تک جنت میں قدم نہیں رکھوں گا،، میرے دل میں خیال آیا کہ اس نے میرا تھیلا چھینا، اگر میں نے معاف نہ کیا تو قیامت کے دن میرا یہ مقدمہ پیش ہوگا، اور جتنی دیر اس مقدمے کے فیصلے میں لگے گی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں جانے میں اتنی دیر ہو جائیگی، میں نے معاف کر دیا، کہ نہ مقدمہ پیش ہوگا اور نہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں جانے میں دیر لگے گی۔

کاش! ہمیں بھی اس نسبت کا لحاظ ہوتا اور ہم بھی اپنے جھگڑے سمیٹ لیتے، ہم نے آج زندگی کے اندر کتنے معاملات کو بکھیرا ہوا ہے! ہم بھی اس نسبت کی لاج رکھیں یہ نسبت بڑی عجیب ہے۔

(ملفوظات فقیہ الامت قسط اول ص: ۹۲)

حسن اخلاق

دشمنوں کے دل کیسے جیتے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عظیمہ کا یہ عالم کہ آپ ہجرت فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جی چاہتا تھا کہ روانگی سے پہلے میں بیت اللہ شریف کے اندر جاؤں اور اندر جا کر دو رکعت نفل پڑھوں اور اللہ رب العزت کے سامنے دعا کروں، سجدہ ریز ہو جاؤں۔ آپ نے اس بندے کو بلایا جس کا نام عثمان تھا اور وہ بنی شیبہ میں سے تھا، اس کے پاس بیت اللہ شریف کی چابی ہوتی تھی۔ اس سے کہا کہ بھئی! ذرا بیت اللہ کا دروازہ کھول دو تا کہ میں دو رکعت پڑھ لوں۔ اس نے آگے سے کہا کہ نہیں کھولتا، وہ مسلمان نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا: بھئی! کھول دو۔ کہنے لگا کہ نہیں کھولنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی بڑی تمنا تھی لیکن اس نے پوری نہ ہونے دی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ نہیں مان رہا، اس وقت آپ نے فرمایا: عثمان! ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جیسے تم چابی ہاتھ میں لے کر اس وقت کھڑے ہو، ایسے میں چابی ہاتھ میں لے کر کھڑا ہوں گا۔ اور جیسے میں تم سے مانگ رہا ہوں، ایسے ہی تم میرے سامنے خالی ہاتھ کھڑے ہو گے۔ سوچو! اس وقت کیا ہو گا؟ جب آپ نے یوں فرمایا تو اس کو غصہ آ گیا، وہ آگے سے بکواس کرنے لگا کہ شیخ چلی کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں چابی آئے۔ اس نے بہت ادھر ادھر کی باتیں کیں، محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے جدا ہونا تھا، مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو دیکھ کر فرمایا:

''مکہ! دل نہیں چاہتا کہ تجھے چھوڑ دوں، مگر تیرے شہر کے بسنے والے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے، اس لیے میں یہاں سے ہجرت کر کے جا رہا ہوں''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی سے ہجرت فرمائی۔ جب فتح مکہ کا وقت آیا تو نبی علیہ السلام فاتح بن کر داخل ہوئے۔ اس وقت مکہ کے لوگوں کی حالت عجیب تھی۔ سب عورتیں یہ سمجھتی تھیں کہ آج مسلمان ہم سے گن گن کر بدلہ لیں گے۔ بعض یہ سمجھتی تھیں کہ آج پورے مکہ میں کسی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہے گی..... مال محفوظ نہیں رہے گا..... جان محفوظ نہیں رہے گی۔ مسلمانوں کو ہم نے اتنا تنگ کیا تھا کہ یہ ہم سے گن گن کر بدلہ لیں گے۔ اس لیے وہ ڈر سے گھروں میں چھپی ہوئی تھیں۔ آدھی رات کا وقت ہو گیا اور کوئی مسلمان کسی گھر میں داخل نہیں ہوا۔ اس پر عورتیں بڑی حیران ہوئیں۔ انہوں نے مردوں سے کہا جائیں پتہ کریں، مسلمان ہیں کہاں؟ یہ کوئی Planning تو نہیں کر رہے۔ جب مردوں نے آ کر دیکھا کہ مسلمان حرم کے اندر ہیں، کوئی سجدہ کر رہا ہے، کوئی بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر رو رہا ہے، کوئی مقام ابراہیم پر سجدے میں ہے، سب اللہ رب العزت کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ بڑے حیران ہوئے۔

چنانچہ جب اگلا دن ہوا تو نبی علیہ السلام نے عثمان کو بلایا، وہ چابی لے کر آیا۔ نبی علیہ السلام نے اس سے چابی لے لی، بیت اللہ کا دروازہ کھولا، بتوں کو توڑا، صاف کر دیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز ادا فرمائی۔ جب باہر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بیت اللہ کو تالہ لگا دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو تالہ لگایا تو اس وقت وہاں پر عجیب منظر تھا..... کیونکہ مکہ مکرمہ والے سمجھ رہے تھے کہ وہ بڑا خوش نصیب ہوگا جس کے ہاتھ میں آج آپ چابی دیں گے۔ قریش کے لوگ بھی قریب ہو گئے، جو آپ کے خدام تھے وہ بھی قریب ہو گئے۔ ہر صحابی کے دل میں تمنا تھی کہ مجھے بیت اللہ کا چابی بردار بنا دیا جائے۔

جب کوئی فاتح بن کر داخل ہوتا ہے تو وہ دشمن کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے،

ساری دنیا کا دستور یہی ہے، مگر یہ تو ایک نرالا فاتح تھا، جس نے ساری دنیا کو اخلاق کا درس دینا تھا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے جب تالہ لگا دیا تو اس وقت عثمان آپ کے سامنے تھا۔

آپ نے فرمایا: عثمان! اس وقت کو یاد کرو، جب میں نے تم سے چابی مانگی تھی اور تم نے دینے سے انکار کیا تھا۔ دیکھو! آج چابی میرے ہاتھ میں ہے، تم خالی ہاتھ میرے سامنے کھڑے ہو۔ اس وقت وہ کہنے لگا کہ جی! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسا تو نے میرے ساتھ کیا تھا، میں تمہارے ساتھ ویسا نہیں کروں گا۔ میں یہ چابی تمہیں واپس دیتا ہوں۔ اگرچہ تم کافر ہو مگر بیت اللہ کی چابی کی ذمہ داری میں تمہیں سونپتا ہوں۔ جب آپ نے چابی اس کے ہاتھ میں دی تو وہ کہنے لگا، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے چابی تو دے دی، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کا تالہ بھی کھول دیجیے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چابی قیامت تک تمہارے خاندان میں چلتی رہے گی۔

ہم جیسا کوئی ہوتا تو بدلے لیتا کہ تم نے اس وقت یہ کیا تھا اور وہ کیا تھا.....تو دیکھیے! اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا اخلاق تھے۔ اسی کو اخلاق عظیمہ کہتے ہیں اور یہ اخلاق ہمیں اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

سبل الہدی والرشاد ۵ / ۲۴۴-امتاع الاسماع ۱۳ / ۳۸۴-التفسیر المظہری

دوستوں کے دل کیسے جیتے

نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تشریف لے جا رہے تھے اور ایک صحابی ساتھ تھے۔ ایک جگہ رکے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک درخت سے دو مسواک بنائے، ان میں سے ایک مسواک سیدھی اور خوب صورت تھی اور ایک ذرا ٹیڑھی تھی، نبی علیہ السلام نے سیدھی مسواک

اس صحابی کو دے دیا اور ٹیڑھی مسواک اپنے پاس رکھ لی، اس صحابیؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سیدھی مسواک آپ کے پاس ہو۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ سیدھی اور خوبصورت مسواک آپ کے پاس ہو۔ دیکھا! کیسی تعلیمات دی ہیں!..... شریکِ سفر اگر کوئی ہے تو اس کا بھی حق بنا دیا۔ اگر زندگی کا چند قدموں کے لیے چلتے ہوئے کوئی شریک بن جاتا ہے تو اس کا حق ہے، تو جو ایک گھر میں پیدا ہوئے، ایک ماں باپ کے نورِ نظر ہیں، ان کا ایک دوسرے پر کتنا حق ہوگا؟

چھوٹوں کے دل کیسے جیتے؟

نبی علیہ السلام چھوٹے بچوں کو بھی پیار سے سمجھاتے تھے۔ ایک لڑکپن کی عمر کے صحابی تھے جسے ہم (Teen ager) کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے عادت تھی کہ لوگوں کے درختوں سے جو پھل مجھے پسند آتا میں توڑ کے کھالیا کرتا تھا۔ اس وقت کا پھل کھجور ہی تھا۔ ایک دفعہ کھجور کے مالک نے مجھے پکڑ کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے مجھے پاس بلایا، میرا گمان تھا کہ مجھے ڈانٹ پڑے گی، مجھے مار پڑے گی، لوگوں کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ مگر نبی علیہ السلام نے مجھے کچھ کہنے کے بجائے مجھ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ تم بغیر اجازت لوگوں کے پھل کیوں کھاتے ہو؟ میں نے کہا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اچھے لگتے ہیں، تو جس درخت کے پھل اچھے لگتے ہیں، وہ میں کھاتا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے پیار سے فرمایا: دیکھو! جو پھل درخت پر لگے ہوتے ہیں، وہ ملکیت ہوتے ہیں اور جو پھل نیچے گر جاتے ہیں، اگر تم چاہو تو ان کو اٹھا کر کھالیا کرو۔ ایک اصول بتا دیا، جو جائز تھا۔ اس کے بعد نبی علیہ السلام نے دعا فرمائی: اے اللہ! اس کی بھوک دور فرما دے۔ اور دعا دیتے ہوئے نبی علیہ السلام نے اسے قریب کیا اور اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا۔ وہ

صحابیؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا محبت بھرا ہاتھ جب میرے سر پر آیا تو نبی علیہ السلام کی بات ایسے میرے دل میں بیٹھ گئی کہ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا کہ آج کے بعد بغیر اجازت کے کسی کے پھل نہیں کھایا کروں گا۔

اب ذرا آنکھ بند کر کے ہم اپنے بارے میں سوچیں کہ اگر ہمارے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تو ہم کیا کرتے؟ یا تو زبان سے کچھ بول دیتے یا ہاتھ سے کچھ کر دیتے، معاملے کو بگاڑ بیٹھتے، وہ بچہ سدھرنے کی بجائے الٹا دشمن بنتا اور پہلے سے زیادہ اسی کام کو کرنے پر آمادہ ہوتا۔ یہی بنیادی فرق ہے، اگر اچھے اخلاق سے انسان بات کرے تو وہ دوسرے کے دل میں اتر جاتی ہے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے اچھے اخلاق کی تعلیم دی۔ ہر انسان اسی بات کا پابند ہے کہ وہ اچھے اخلاق اور اچھی عادات کو اپنائے۔ جو بندہ بھی دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے گا، دوسروں کے بارے میں مثبت سوچ رکھے گا، دوسروں کو فائدہ دینے کی نیت رکھے گا، یقیناً وہ ان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے گا۔ ایسا انسان اللہ رب العزت کی نظر میں قیمتی ہے۔

(المستدرک ۵۸۷۵-سنن الترمذی ۱۳۳۵-المعجم الکبیر ۴۳۳۲-سنن البیہقی ۱۹۴۴۶)

دیہاتیوں کے دل کیسے جیتے

ایک شخص دیہات سے آئے، مسلمان ہوئے، محفل میں بیٹھے۔ کافی دیر بیٹھنے کے بعد جب مجلس برخاست ہوئی تو ان کو پیشاب کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ جو اٹھے اور مسجد نبوی کے ساتھ خالی جگہ پر، جو کہ مسجد ہی کا حصہ تھا، پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ عام طور پر باہر دیہاتوں میں لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، صحابہؓ نے دیکھا تو انہوں نے اس کو منع کرنے کی کوشش کی مگر نبی علیہ السلام نے ان کو منع کر دیا کہ اسے کچھ نہ کہو۔ جب وہ فارغ ہو گئے تو نبی علیہ السلام نے ان کو بلایا اور محبت کے ساتھ پاس بٹھا کر فرمایا: دیکھو! مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ عظیم ہیں، بڑے ہیں، اس کے گھر کو

پاک رکھنا چاہیے اور گندگی سے بچانا چاہیے۔

اتنے پیارے انداز سے سمجھایا کہ اس کے خانے میں بات بیٹھ گئی۔ وہ صحابیؓ بڑے خوش ہوئے اور حیران بھی ہوئے کہ مجھ سے اتنی بڑی غلطی ہوئی لیکن انہوں نے نہ مجھے طعنہ دیا، نہ شرمندہ کیا اور نہ انہوں نے مجھے ڈانٹا بلکہ مجھے اچھے اخلاق سے بات سمجھائی، جب وہ جانے لگے تو نبی علیہ السلام نے ان کو کچھ کپڑے ہدیہ اور تحفہ میں دے دیے، جب نبی علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ پیدل جا رہے ہیں تو آپ کے پاس ایک سواری تھی، وہ سواری بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہدیہ میں دے دی، جب انہیں کپڑے بھی مل گئے اور سواری بھی مل گئی تو وہ بڑے حیران ہوئے۔ انہوں نے کپڑے پہن لیے اور سواری پر بیٹھ گئے اور اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔ جب وہ اپنی بستی میں داخل ہونے لگے تو دور سے ہی اونچی اونچی آواز سے پکارنے لگے..... اے میرے چچا!..... اے میرے ماموں!..... اے فلاں، اے فلاں، لوگوں نے پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اتنی اونچی اونچی چیخ لگا رہا ہے۔ کہنے لگا کہ میں ایک ایسے معلم کو دیکھ کر آیا ہوں کہ میں نے تو زندگی میں کبھی ایسی شخصیت نہیں دیکھی۔ میں نے اتنی بڑی غلطی کی لیکن انہوں نے میرے ساتھ اتنا پیار کا سلوک کیا..... مجھے معاف بھی کر دیا، کپڑے بھی دیے اور سواری بھی دی۔ دیکھو! کیسے اخلاق تھے ان کے! جب بستی والوں نے یہ سنا تو کہنے لگے: اچھا! اگر اتنے اچھے اخلاق والے ہیں تو ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں گے۔ اس بستی سے تین سو آدمی ان کے ساتھ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے آ کر کلمہ پڑھ لیا۔ یوں نبی علیہ السلام نے دل جیتے تھے..... اور یوں اسلام پھیلا۔

یہودی کے ساتھ حسن معاملہ

یہودیوں کا ایک عالم تھا، ان کا نام زید بن سعنہ تھا، ان کا قصہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

زین بن سعنہ یہودی کے علماء میں سے ایک عالم تھے اور ان کے پاس مال بھی تھا،

وہ اسلام لائے اوران کا اسلام بہت اچھا تھا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی غزوات میں حصہ بھی لیا، جب وہ تبوک سے مدینہ کی طرف آرہے تھے تو راستے میں ان کی وفات ہوگئی۔

ان سے عبداللہ بن سلام نے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نبوت کی تمام علامات دیکھ لیں، سوائے دو کے جن کا مجھے پتہ نہ چل سکا۔

وہ صفتیں کون سی تھیں؟ تورات میں لکھا ہوا تھا،، آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم ان کے غصے کا پر غالب ہوگا، اور اگر اسکے ساتھ کوئی جہالت کا برتاؤ کریگا تو ان کا حلم اور زیادہ بڑھ جائیگا۔

فرماتے ہیں: یہ دو علامت ایسی تھی جو مجھے ڈھونڈھنی تھیں، چنانچہ فرماتے ہیں :اب میں پلاننگ کر رہا تھا تا کہ مجھے کوئی موقع ملے اور میں ان کے ساتھ میل جول کرسکوں کہ (معلوم ہو) ان کا حلم کتنا ہے۔

کہتے ہیں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے حجرات میں سے نکلے اور حضرت علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ایک آدمی اپنی سواری پر آیا، جیسے دیہاتی ہوتا ہے وہ کہنے لگا: اے اللہ کے پیارے حبیب! (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں قریہ کے لوگ ایمان لے آئے، اگر آپ ان کو کوئی مدد بھجوانا چاہیں تو آپ ان کو بھیج سکتے ہیں، انکو قحط آ گیا، اس وقت اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز نہیں تھی، زید کہتے ہیں: میں ذرا قریب ہوا اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کہتے ہیں تو فلاں باغ کی اتنی کھجوریں آپ مجھے بیچ دیں۔

مقصد یہ تھا کہ میں ابھی دیتا ہوں، آپ مجھے کھجوریں دے دینا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں کھجوروں کا اتنا وزن دوں گا، اس باغ کی کھجوروں کی شرط نہیں (یہ بیع سلم کہلاتی ہے) میں نے کہا: چلو ٹھیک ہے، پس سودا ہوگیا اور میں نے آپ کو اسی

(۸۰) دینار دے دیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اسی (۸۰) دینار اس بندے کو دے دیے، اور فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے لئے لے جاؤ، زید کہتے ہیں: ابھی مقررہ دن سے دو تین دن باقی تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے جنازے کے لئے تشریف لائے، اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ بھی تھے، جب جنازہ پڑھ لیا تو میں آیا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص اور تہبند کے جوڑے پکڑ لیا اور بڑے غصے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

پھر میں نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تم میرا حق نہیں دو گے؟ اللہ کی قسم! یہ عبدالمطلب کی اولاد کے لوگ قرض کی ادائیگی میں بہت برے ہیں۔

یعنی ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں، اس نے جان بوجھ کر غصہ دلانے والی بات کی۔

کہتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کی طرف دیکھا اور ان کی آنکھیں میری طرف لگ گئیں۔

پھر عمرؓ نے یہ فرمایا: اے اللہ کے دشمن! تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ رہا ہے، اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا، اگر مجھے اس حق کے فوت ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیرا سر اڑا کے رکھ دیتا۔

اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کو بڑے سکون کے ساتھ اور مسکراتے ہوئے دیکھا۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! میں اور وہ تیرے ایسے رویے کے محتاج نہیں، یعنی تیرا رویہ اور ہونا چاہئے تھا۔

وہ یہ کہ تو اس سے کہتا کہ تو اچھی طرح سے اپنا قرضہ مانگ اور مجھے کہتا کہ جی آپ قرضے کی ادائیگی میں جلدی کریں۔

پھر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! جاؤ اور اسے اس کی کھجوریں دے دو اور بیس صاع کھجوریں زیادہ دینا، اسلئے کہ تو نے اس کو دھمکی دی ہے۔

زید فرماتے ہیں کہ عمرؓ میرے ساتھ گئے، انہوں نے مجھے کھجوریں دیں اور انہوں نے بیس صاع کھجوریں زیادہ دیں، پھر میں نے اسلام قبول کرلیا۔

اللہ اکبر کبیرا!۔۔۔۔اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کفار کے ساتھ معاملات کا یہ سبق فرمادیا۔

(اخلاق النبی اصبہانی ۱/ ۴۷۵-امتاع الاسماع ۲/ ۲۳۶-المعرفۃ والتاریخ ۱/ ۲۳۹-اسد الغابۃ ۱/ ۴۰۰)

کافر بچی کے سر پر نبی کی چادر

جب قبیلہ طے کا قافلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو اس وقت ایک نوجوان لڑکی کا بچہ گم ہوگیا، وہ ماں تھی اور وہ بھاگتی پھر رہی تھی کہ میرا بیٹا کہاں ہے، اس حالت میں اس کے سر سے چادر بھی اتر گئی۔

وہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگئی، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک ایک صحابیؓ کو دے کر فرمایا کہ اس لڑکی کو دے دو تا کہ وہ سر ڈھانپ لے، وہ صحابی کہتے ہیں: اے اللہ کے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تو ایک کافر کی بیٹی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چہ کافر کی بیٹی ہے، مگر بیٹی تو ہے، آج اگر تو اس کے سر کو ڈھانپے گا تو کل اللہ تعالی قیامت کے دن تیرے عیبوں پر رحمت کی چادر عطا فرمادیں گے۔

احترام انسانیت کا یہ درس اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عطا فرمایا۔

حاتم طائی کی بیٹی سے حسن اخلاق

حاتم طائی کی بیٹی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی، اس وقت وہ کافرہ تھی، مگر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کیا،

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے، **اصابت خیل رسول اللہ ﷺ ابنة حاتم، فقدم بها علی رسول اللہ ﷺ فی سبایا طیٔ فجعلت ابنة حاتم فی حظیرة بباب المسجد فمر بها رسول اللہ ﷺ فقامت الیه وکانت امراة جزلة، فقالت: یارسول اللہ ﷺ! هلک الوالد وغاب الوافد، فامنن علی من اللہ علیک، قال من وافدک، قالت عدی بن حاتم قال الفار من اللہ ورسوله ثم مضی رسول اللہ ﷺ وترکنی حتی مر بی ثلاثا فاشار الی رجل من خلقه ان قومی فکلمیه، فقمت فقلت: یارسول اللہ ﷺ! هلک الوالد وغاب الوافد، فامنن علی من اللہ علیک قال: قد فعلت، فلا تعجلی حتی تجدی ثقة یبلغک بلادک ثم آذنینی فسئالت عن الرجل الذی اشار الی فقیل علی ابن ابی طالب وقدم رکب من بلی فاتیت رسول اللہ ﷺ فقلت: قدم رهط من قومی قالت: فکسانی رسول اللہ ﷺ وحملنی، واعطانی نفقة فخرجت حتی قدمت الشام علی اخی عدی بن حاتم فقال لها عدی ماترین فی امر هذا الرجل، قالت اری ان تلحق به۔**

جب قبیلہ طے کے لوگ گرفتار ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے گئے تو ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی، مسجد کے دروازے کے سامنے ایک جگہ تھی وہاں حاتم طائی کی بیٹی کو الگ رکھا گیا، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب سے گزرے تو وہ کھڑی ہوگئی، وہ بڑی سمجھدار عورت تھی، وہ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد فوت ہوگئے ہیں اور میرا محافظ بھائی بھی قریب نہیں ہے، میرے اوپر احسان کیجئے، اللہ آپ پر احسان کرے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تیرا محافظ کون ہے ؟ کہنے لگی: (میرے بھائی) عدی بن حاتم۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول سے فرار ہونے والا''

چونکہ عدی بن حاتم اس مقابلے سے پہلے ہی فرار ہوگیا تھا اس لئے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

وہ کہتی ہے: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور مجھے چھوڑ دیا، حتی کہ تین مرتبہ ایسا ہوا، میں نے تین مرتبہ درخواست کی، مگر اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو کر چلے جاتے تھے، پیچھے ایک بندہ تھا اس نے مجھے اشارہ کیا کہ کھڑی ہو اور پھر بات کرلے، میں پھر کھڑی ہوگئی اور (چوتھی مرتبہ) کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد فوت ہو گئے ہیں اور میرا محافظ بھائی قریب نہیں ہے میرے اوپر احسان کیجئے، اللہ آپ پر احسان کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! میں نے تیرا کام کر دیا ہے، جلدی نہ کر، کوئی ایسا بندہ ڈھونڈھ جو تجھے تیرے گھر حفاظت سے پہنچا دے، یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے خاموش تھے کہ کوئی ایسا بندہ نہیں مل پا رہا تھا، کیونکہ وہ ایک عورت تھی اس کو بھیجنا بڑی ذمہ داری کا کام تھا، اس کی جان، اس کے مال اور اس کی عزت کی حفاظت ضروری تھی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تمہیں کوئی ایسا بندہ مل جائے تو پھر تم مجھے بتا دینا۔

پھر میں نے ارشاد کرنے والے آدمی کے بارے میں پوچھا: بتایا گیا کہ وہ علی بن ابی طالب ہیں۔

آخر سواروں کا ایک وفد بھی گرفتار ہو کر پیش ہوا۔

چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میری قوم کے کچھ بے اعتماد بندے آ گئے ہیں۔

وہ کہنے لگے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کپڑے بھی دئے مجھے سواری بھی دی اور جانے کا خرچ بھی دیا، پھر میں وہاں سے نکلی، حتی کہ میں شام میں عدی بن حاتم کے پاس پہنچ گئی، تو عدی نے اس سے پوچھا کہ اس بندے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

کہنے لگیں: میں چاہتی ہوں کہ تو بھی اسکے غلاموں میں شامل ہو جا۔

چنانچہ عدی بن حاتم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۷/ ۷۰۱-اسد الغابۃ ۱/ ۱۳۶۵)

احترام انسانیت کا نبوی نمونہ

ثمامہ بن اثال ؓ ایک صحابی ہیں، وہ یمامہ میں رہتے تھے، ان کی طرف سے مکہ والوں کو گندم آیا کرتی تھی، جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کو پتہ چلا کہ مکہ والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ آج کے بعد گندم کا ایک بھی دانہ ادھر سے مکہ کو نہیں پہنچے گا، چنانچہ مکہ والے مصیبت میں پڑ گئے۔

حدیث پاک میں ہے، جب ثمامہ بن اثال ؓ مکہ میں آئے تو کہہ دیا کہ جب تک میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں گے یمامہ سے گندم کا ایک بھی دانہ نہیں آئیگا۔

پھر کیا ہوا؟ مکہ والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک رقعہ لکھا، آپ تو رشتہ داریوں کو جوڑنے کا حکم دیتے ہیں، ہماری گندم بند ہوگئی اور ہم بھوک کی وجہ سے مرنے لگے ہیں، آپ رحم فرمائیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب لکھا کہ اے ثمامہ ؓ! ان کی گندم نہ روکو، چنانچہ اللہ تعالی کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر مکہ والوں کی گندم دوبارہ شروع ہوگئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ Respect of Humanity (احترام انسانیت) کی وجہ سے۔

(ابوداؤد ۳۶۸)

ایثار کا نادر واقعہ

ابوالحسن نوریؒ سے بادشاہ وقت نے اپنی مرضی کا کوئی فتوی مانگا، مگر انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ بادشاہ نے تین علماء کو گرفتار کروایا، وہ چاہتا تھا کہ ان کو سزا دی جائے، لہٰذا غصے میں آ کر اس نے ان کے قتل کے احکام جاری کر دئے۔

جب جلاد قتل کرنے لگا تو بادشاہ نے دیکھا کہ ابوالحسن نوریؒ سب سے آگے کھڑے ہیں، اسے ان کے ساتھ عقیدت بھی تھی، وہ چاہتا تھا کہ باقی دو کو قتل کر دیا جائے اور ان کو میں کسی بہانے سے معاف کر دوں، اس لئے وہ کہنے لگا کہ یہ جگہ ٹھیک نہیں ان کو فلاں جگہ پر قتل کرو، اس کا مقصد تھا کہ ان کی ترتیب بدل جائیگی، جب دوسری جگہ پر ان کو دیکھا تو ابوالحسن نوریؒ پھر آگے کھڑے تھے، وہ بڑا حیران ہوا اور اس نے ان کو قریب بلایا اور کہا کہ یہاں ان کو قتل کرو، تیسری جگہ پھر ابوالحسن نوریؒ آگے کھڑے ہو گئے، بادشاہ نے حیران ہو کر اب ان کو اپنے قریب بلا لیا، اور حقیقت بتادی کہ میں چاہتا ہوں کہ پہلے دوسروں کو قتل کر دیا جائے، مگر ہر دفعہ آپ ہی آگے کھڑے نظر آئے، آخر کیا وجہ ہے ؟ ابوالحسن نوریؒ نے فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جب میں آگے کھڑا ہوں تو جتنی دیر اس جلاد کو مجھے قتل کرنے میں لگے گی میرے ان بھائیوں کو اتنی دیر کے لئے زیادہ زندہ رہنے کا موقع مل جائیگا۔

(تذکرۃ الاولیاء ۲۰۸-تاریخ بغداد ۵ / ۱۳۴-احیاء العلوم ۲ / ۱۷۳)

ایک بچے کے ایفاء عہد پر پوری قوم مسلمان

ایک نوجوان کسب حلال کے لئے کسی دوسرے شہر میں گیا، ایک دن چھٹی تھی، چنانچہ اس نے سوچا کہ آج میں شکار کرتا ہوں لہذا وہ پرندوں کا شکار کرنے کے لئے نکلا، اللہ کی شان کہ جب اس نے ایک پرندے کی طرف تیر پھینکا تو نشانہ خطا ہوا اور وہ تیر ایک کھیلتے ہوئے عیسائی لڑکے کو جا کر لگا، جیسے ہی اسے تیر لگا اس کی یہیں ڈیتھ ہو گئی۔

وہ نوجوان بچے کو اٹھانے کے لئے بھاگا، اتنے میں بچے کے والدین بھی آ گئے، اس نے بتایا کہ میں نے ارادتا تو ایسا نہیں کیا، میں نے تو اپنی طرف سے پرندے کو تیر مارا تھا، مگر نشانہ خطا ہو گیا، آگے یہ کھیل رہا تھا اور تیر اسے لگ گیا، اس بچے کے رشتہ داروں نے اس کے والدین سے یہ کہا ہمیں تو نہیں پتہ کہ اس نے ارادتا تیر مارا ہے یا غلطی سے لگا ہے، چنانچہ انہوں نے بچے کے والدین کو مشورہ دیا کہ اس پر مقدمہ کر دیا جائے، قاضی مسلمان ہے، لہٰذا ہمیں توقع ہے کہ جو حقیقت ہے وہ کھل جائیگی، ہمیں انصاف ملیگا، چنانچہ اس نوجوان پر مقدمہ کر دیا گیا۔

جب نوجوان کو قاضی کے سامنے پیش کیا تو قاضی نے پوچھا: کیا ایسا واقعہ ہوا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں ہوا ہے، قاضی نے کہا: پھر دو میں سے کوئی ایک بات اختیار کر لو، یا تو اس کے ورثاء کو راضی کو لو اور اگر راضی نہیں ہوتے ہیں تو پھر .....{ان النفس بالنفس} (جان کے بدلے جان)..... کہ مصداق تمہیں پھانسی دی جائیگی، چنانچہ اس نوجوان نے اس بچے کے والدین کو راضی کرنے کے کوشش کی مگر وہ کسی صورت پر راضی ہو ہی نہیں رہے تھے، لہذا قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ اسکو جیل میں بھیج دیا جائے اور اگلے جمعہ کو جب نماز جمعہ پڑھ کر سزائیں دی جائیں گی تو اسکی سزا کا فیصلہ بھی سنا دیا جائیگا، چنانچہ اس نوجوان کو جیل بھیج دیا گیا۔

جیل کا سپرنٹنڈنٹ عیسائی تھا، اس نوجوان نے اس سے رابطہ کیا اور کہنے لگا: میں مسلمان ہوں مجھ سے یہ معاملہ ہوا ہے اور میرے پیچھے میرا خاندان بھی ہے، بچے بھی ہے اور ان کو میرے اس معاملے کا پتہ نہیں، اگر آپ مجھے اپنی ذمہ داری پر Release, (رہا) کر دیں تو جمعہ سے پہلے واپس آ جاؤں گا..... عیسائیوں کے دلوں میں اس زمانے میں مسلمانوں کے ایفائے عہد کی اتنی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ عیسائی کہنے لگا: ٹھیک ہے تم چلے جاؤ اور جمعہ سے پہلے آ جانا، اس نے قتل کے مجرم کو جیل سے گھر بھیج دیا۔

جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد جب قاضی نے پوچھا: فلاں بندہ کہاں ہے؟ جیل

کے سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ میں نے اسے اپنی ذمہ داری پہ بھیجا تھا مگر ابھی تک وہ آیا نہیں، قاضی نے کہا :ٹھیک ہے، باقی مقدمات نمٹنے تک ہم انتظار کریں گے اور اگر اس وقت تک بھی وہ نہ آیا تو اس نوجوان کے بدلے میں ہم آپ کو پھانسی دیں گے کیونکہ آپ نے اس کو چھوڑا تھا۔

اب عیسائی اور زیادہ پریشان ہوئے کہ بندہ بھی ہمارا مرا، اور اب افسر بھی ہمارا پھانسی چڑھائیگا، اس دوران قاضی دوسروں کے مقدمات سمیٹنے میں لگ گیا، جب آخری بندہ نمٹ گیا تو قاضی نے جیل سپرنٹنڈنٹ کو بلایا اور کہا کہ اب ہم یہ حد آپ پر قائم کریں گے، یہ بات سننے کے باوجود جیل سپرنٹنڈنٹ کے چہرے پر پریشانی کے آثار بالکل نہیں تھے، چنانچہ وہ آرام سے قاضی کے قریب آ گیا، لوگ حیران تھے کہ آج یہ کیا ہو رہا ہے۔

اتنے میں کسی نے کہا جی آپ تھوڑی دیر کے لئے انتظار کرلیں کہ دور سے کوئی آدمی آتا نظر آ رہا ہے، قاضی نے کہا ٹھیک ہے، چند منٹ انتظار کر لیتے ہیں، چنانچہ چند منٹ کے اندر وہی نوجوان دوڑتا ہوا آیا، وہ پسینے میں شرابور تھا، اس نے آتے ہی سب سے پہلے اس جیل سپرنٹنڈنٹ سے معافی مانگی اور کہا کہ میرے راستے میں ایک دریا تھا مجھے تیرنا نہیں آتا تھا اور مجھے کشتی کے انتظار میں دیر ہوگئی، جس کی وجہ سے میں اپنے وعدے پر پورا نہیں اتر سکا، ورنہ میں وقت سے پہلے پہنچ جاتا، بہرحال اب میں پہنچ چکا ہوں مجھے قاضی صاحب کے سامنے پیش کردیں، جب عیسائیوں نے اس نوجوان کی ایفائے عہد کی یہ بات سنی تو بچے کے ورثاء نے قاضی سے کہا: قاضی صاحب! اس نوجوان نے اگر عہد پورا کرنے کی یہ مثال پیش کردی ہے تو ہم آپ کی موجودگی میں دو باتیں کرتے ہیں۔

.....ایک تو بچے کے قتل کا مقدمہ واپس لیتے ہیں۔

.....دوسرا اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

ایک وہ وقت تھا کہ کافر ہمارے عملوں کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ حقیقی معنوں میں مسلمان ہیں۔

خیر خواہی نے مسلمان بنا دیا

جس زمانے میں بغداد مسلمانوں کا مرکز تھا، اس وقت کافروں نے ایک نوجوان کو بغداد میں بھیجا کہ ذرا مسلمانوں کے ماحول معاشرے کا پتہ کر کے آؤ کہ ان کے اندر وہ کیا چیز ہے جسکی وجہ سے یہ پوری دنیا میں غالب آتے جارہے ہیں؟

جب وہ بغداد میں پہنچا تو اس وقت وہ تھکا ہوا بھی تھا اور اسے بھوک بھی لگی ہوئی تھی، چنانچہ اس نے سوچا کہ میں ہوٹل سے کھانا کھالیتا ہوں، وہ ہوٹل میں کھانا کھانے کے لئے گیا، جب وہ کھانا کھا رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ کوئی دوسرا بندہ اس کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہے، یہ سمجھا کہ میں اس کے لئے پردیسی اور اجنبی ہوں، شاید اسی وجہ سے مجھے بار بار دیکھ رہا ہے، جب وہ کھانا کھانے کے بعد پیسے ادا کرنے کے لئے کاؤنٹر پر آیا تو کاؤنٹر والے نے کہا: جناب! آپ کی پیمنٹ ہو چکی ہے، اس نے پوچھا: جی! میری پیمنٹ کیسے ہو چکی ہے؟ اس نے کہا: آپ کے سامنے ایک مسلمان بیٹھا تھا، اس نے دیکھا کہ آپ پردیسی ہیں، وہ اپنے پیسے بھی دے گیا اور یہ کہہ کر گیا کہ یہ بھائی آج میرا مہمان ہے، لہذا اس کے پیسے بھی میں ادا کرتا ہوں، چنانچہ وہ آپ کی پیمنٹ بھی کر کے چلا گیا، اور اس کو اتنی طمع بھی نہیں تھی کہ وہ آپ کو اطلاع دیتا اور آپ کی زبان سے شکریہ کا لفظ سن لیتا، یہ سن کر وہ حیران ہوا کہ مسلمان ایسے لوگ ہوتے ہیں۔

اس کے بعد وہ آگے بڑھا ایک دکان پر اسے کوئی چیز خریدنی تھی، چنانچہ اس نے دکاندار سے پوچھا: کہ آپ کے پاس فلاں چیز موجود ہے؟

دکاندار نے کہا: ہاں موجود ہے۔

اس نے پوچھا: اس کی قیمت کتنی ہے؟

دکاندار نے کہا: اتنی

اس نے کہا: اچھا! آپ مجھے ایک عدد دے دیجئے۔

دکاندار نے کہا: جناب! آپ میری ایک بات مان لیجئے کہ یہی چیز آپ کو سامنے والی دکان سے اسی دام میں مل جائیگی، آپ وہاں سے خرید لیں۔

چنانچہ یہ وہاں پہنچا اور اسے وہی چیز اتنے ہی دام میں وہاں سے مل گئی، مگر اس کے دل میں خلش پیدا ہوئی کہ پہلے دکاندار نے انکار کیوں کیا؟ لہٰذا وہ لوٹ کر پہلے کے پاس آیا۔

اس نے پوچھا: جناب کیا آپ کے پاس یہ چیز موجود نہیں تھی، یا آپ دینا نہیں چاہتے تھے؟

دکاندار نے کہا: جناب میرے پاس یہ چیز موجود تھی، میں نے سوچا کہ آج میرے پاس اتنے گاہک آچکے ہیں کہ میرے بیوی بچوں کا گزارا اچھا ہوجائیگا، میں نے دیکھا کہ میرے سامنے والے بھائی کے پاس آج تھوڑے گاہک آئے ہیں، میں نے سوچا کہ اگر آپ اس سے کوئی چیز خرید لیں گے تو اسے بچت ہوجائیگی اور آج رات اس کی بیوی بچوں کا گزارہ ہوجائیگا۔

ایک وقت تھا دکاندار ایک دوسرے کے اتنے خیر خواہ ہوتے تھے۔

نوٹ: اس قسم کا ایک واقعہ مفتی تقی صاحب مدظلہ نے ذکر فرمایا ہے۔

اصلاحی واقعات ۲۷۳

حسن سلوک واخلاق پر اکابر کے واقعات

(۱).....چنانچہ ایک عالم حضرت شیخ الہندؒ کو ملنے کے لئے آئے تو راستے میں ایک ہندو بھی اس کے ساتھ ہوگیا، اب یہ گھبرانے لگے کہ یہ میرے ساتھ تو ہوگیا ہے، پتہ نہیں حضرت شیخ الہندؒ اس کو پسند بھی کرے یا نہیں، ملنے کے لئے آئے، حضرت نے دونوں کو کھانا کھلایا اور سلادیا، وہ عالم کہتے ہیں کہ جب رات کو میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ وہ ہندو مہمان سویا ہوا ہے اور شیخ الہندؒ جیسے بڑے بزرگ اور عالم بیٹھے ہوئے اسکے پاؤں دبا رہے ہیں۔

بیس بڑے اولیاء ۱۵۸-ارواح ثلثہ ۴۰۴-مجالس حکیم الامت ۲۶۱

(۲)..... حضرت مدنیؒ ایک مرتبہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے، ایک ہندو بیت الخلاء میں گیا تو اس نے دیکھا کہ بہت گندگی پڑی ہوئی تھی، اتنی گندگی کہ کوئی آدمی وہاں پر کہیں بھی فراغت حاصل نہیں کر سکتا تھا، وہ واپس آ گیا اور بڑا شکوہ کر رہا تھا کہ لوگ صفائی کا خیال نہیں کرتے، گندگی مچادی ہے، کوئی دوسرا بندہ ٹوائلٹ استعمال ہی نہیں کر سکتا، اس کی یہ بات سن کر حضرت مدنیؒ چپکے سے اٹھے اور جا کر انہوں نے بیت الخلاء کو دھو کر صاف کر دیا اور واپس آ کر کہنے لگے کہ میں نے ابھی بیت الخلاء استعمال کیا ہے، اب تو بہت صاف ہے، چنانچہ وہ ہندو گیا اور اس نے بیت الخلاء کو استعمال کیا اور واپس آ کر کہنے لگا کہ میں آپ کا بہت مخالف تھا لیکن آپ کے اس عمل نے تو مجھے آپ کا عاشق بنا دیا، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے واقعی اللہ کو راضی کر لیا تھا۔

مآثر شیخ الاسلام ۴۰۹

(۳)..... حضرت مفتی شفیعؒ نے لکھا ہے کہ مجھے اللہ رب العزت نے جب مفتی اعظم بننے کی توفیق دی تو اس کی وجہ ایک بڑھیا کی دعائیں تھیں، میں ایک دفعہ جا رہا تھا، ایک بڑھیا کنوئیں سے پانی بھر کر گھر لے جانا چاہتی تھی وہ انتظار میں تھی کہ کوئی میرے سر پر گھڑا رکھ دے، میں نے دیکھا کہ بڑھیا کمزور ہے اور گھڑا وزنی ہے، یہ کیسے اٹھائیگی؟ کہتے ہیں کہ میں نے اسے کہا کہ مجھے آپ راستہ بتائیں، میں گھڑا آپ کے گھر پہنچا دیتا ہوں چنانچہ میں نے اپنے سر پر گھڑا رکھ لیا اور اسکے گھر پہنچا آیا، اس بڑھیا نے مجھے اتنی دعائیں دیں کہ اسکی دعاؤں سے اللہ مجھے اتنا علمی مقام عطا فرما دیا۔

علامات محبت ۲۹۳ بحوالہ خدمت خلق

بلی پر رحم کیا تو کیا ملا

حضرت باقی باللہؒ کا واقعہ ہے، سمرقند کے رہنے والے تھے، ایک رات انہوں نے تہجد پڑھی، سخت سردی تھی، ٹھٹھر رہے تھے، تو سخت سردی کی وجہ سے مصلے سے اٹھ کر واپس

اپنے بستر میں آنے لگے تو کیا دیکھا کہ بستر میں ایک بلی گھس گئی تھی، تو انہوں نے سوچا کہ بلی کی نیند خراب نہ ہو، واپس آکر مصلے پر بیٹھ گئے اور بقیہ رات سردی میں ٹھٹھرتے گزار دی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ رب العزت کی طرف سے ان کے شیخ کو بشارت ملی کہ جائیں اور وہاں ان سے ایک عظیم شخصیت بیعت ہونگے، لہٰذا وہ وہاں آئے اور وہاں ان سے حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے بزرگ بیعت ہوئے۔

ہمارے مشائخ تو جانوروں کی ضرورت کو بھی اپنی ضرورت پر فوقیت دیتے تھے۔

حضرات القدس دفتر اول ۲۲۳

مولانا روم کو معرفت کی دولت

کسی نے مولانا رومؒ سے پوچھا کہ آپ نے مثنوی لکھی تو اس میں بڑی معرفت کی باتیں لکھیں، یہ معرفت کیسے ملی؟ انہوں نے فرمایا: ایک کتے کی وجہ سے، پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگے کہ میں ایک مرتبہ جارہا تھا، کھیتوں کے درمیان چھوٹا سا راستہ تھا، پگڈنڈی تھی اور اس پر ایک کتا سویا ہوا تھا، تو میں نے سوچا کہ میں قریب سے گزروں گا تو کتے کی نیند خراب ہوگی، میں تھوڑی دیر کے لئے رک گیا، تھوڑی دیر کے بعد کتا خود ہی اٹھ کر چلا گیا، پھر میں آگے چلا تو مجھے اللہ تعالی کی طرف سے یہ بات القاء کی گئی کہ تو نے کتے کے آرام کا بھی خیال رکھا، اسکے بدلے ہم تمہیں اپنی معرفت عطا فرمائیں گے، چنانچہ اللہ تعالی نے کتنی معرفت کی باتیں میری زبان سے کہلوادیں!۔

(مخزن اخلاق)

ہم سے تو بہروپیا اچھا

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دربار میں ایک بہروپیا اپنا بھیس بدل کر آیا، بادشاہ نے پہچان لیا، بہروپیے نے انعام مانگا کہ میں نے سانگ رچایا ہے، بادشاہ نے کہا: بھئی! میں

نے تو پہچان لیا جب نہیں پہچان سکیں گے تو انعام بھی دیں گے۔

بہروپے نے کہا: بہت اچھا، چنانچہ وہ چلا گیا، وہ سوچ میں پڑ گیا کہ میں کونسا روپ اختیار کروں کہ ان کو پتہ نہ چل سکے؟ بالآخر اس کے دل میں بات آئی کہ بادشاہ اللہ والوں کا بڑا قدردان ہے، یہ خیال آنے کے بعد اس نے شہر کے باہر جا کر ایک جگہ اپنی جھونپڑی لگالی اور اللہ کا ورد کرنا شروع کر دیا، جو آدمی بھی پاس جاتا وہ اسے واپس بھیج دیتا، جب اسی طرح وہ ذکر میں لگا رہا تو آہستہ آہستہ اس کی شہرت ہوگئی، لوگوں نے آکر دعائیں کروانا شروع کر دیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کو بھی ان کا پتہ چل گیا، ان کی عادت تھی کہ جب انکو پتہ چلتا کہ کوئی اللہ والا ہے تو خود اس کے پاس ملنے کے لئے جاتے تھے، چنانچہ وہ خود بھی گئے اور اپنے وزراء کو بھی لے کر گئے، ان سے دعا کروائی اور ہزاروں دیناروں سے بھری ایک تھیلی ان کو ہدیہ کے طور پر پیش کی، انہوں نے کہا: جی نہیں، ہمیں ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے، ان کی تم دنیاداروں کو ضرورت ہے، لے جاؤ اپنے ساتھ، اورنگ زیب عالمگیرؒ اور زیادہ معتقد ہوئے کہ یہ بندہ تو بے غرض اور بے طمع ہو کر اللہ اللہ کر رہا ہے، چنانچہ تھیلی لے کر واپس چلے گئے۔

ابھی اورنگ زیبؒ جا کر دربار میں بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں وہ بہروپیہ آکر کہنے لگا: بادشاہ سلامت! السلام علیکم

بادشاہ نے کہا: وعلیکم السلام

بہروپیے نے کہا: بادشاہ سلامت! انعام دیجئے

بادشاہ نے پوچھا: بھئی! کس بات کا انعام؟

اس نے کہا: بادشاہ سلامت! آپ مجھے نہیں پہچان سکے۔

بادشاہ نے پوچھا: بھئی! میں کیسے نہیں پہچان سکا؟

اس نے پوچھا: جی! آپ ابھی جس بندے سے مل کر آئے ہیں وہ کون تھا؟ بادشاہ نے کہا: وہ ایک اللہ والا تھا۔

بہروپیے نے کہا: بادشاہ سلامت! وہ میں تھا، میں نے اپنے آپ کو ایسا بنا کر پیش کیا کہ آپ نہ پہچان سکیں، لہٰذا آپ مجھے انعام دیجئے۔

بادشاہ بڑا حیران ہوا اور اس نے اسے انعام دیا، لیکن انعام تھوڑا تھا۔

بہروپیے نے کہا: بادشاہ سلامت! انعام تو بہت کم ہے۔

بادشاہ نے کہا: میں تو بس یہی دے سکتا ہوں، ہاں! جب تم وہاں تھے تو میں نے تو دیناروں سے بھرا ہوا تھیلا پیش کیا تھا، تم اس وقت قبول کر لیتے تو پورا تھیلا تمہارا ہوتا، اب کیوں انعام کی کمی کا شکوہ کر رہے ہو؟۔

بہروپیے نے کہا: بادشاہ سلامت! جب آپ نے مجھے تھیلا دیا تھا تو خیال میرے دل میں بھی آیا تھا کہ اچھا موقع ہے، تھیلا ہی لے لیتا ہوں، مگر پھر دل میں خیال آیا، نہیں، اگرچہ تو بہروپیہ ہے مگر اللہ والوں کا بھیس بنا کر بیٹھا ہوا ہے، اگر تو نے تھیلا قبول کر لیا تو اللہ والوں کی مسند بدنام ہو جائیگی کہ اللہ والے بھی اس طرح ہدیہ قبول کرتے ہیں، لہذا میں نے وضع قطع کا لحاظ رکھا اور میں نے تھیلے کو ٹھوکر لگا دی۔

(ملفوظات فقیہ الامت-حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات ۲۵-علمی مضامین ۳۷۵)

احسان کا ایک واقعہ

چنانچہ ہمارے نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت خواجہ بہاؤالدین بخاریؒ انکے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جارہے تھے، تو انہوں نے قبرستان میں ایک زخمی کتے کو دیکھا، ان کے دل میں بڑا اثر ہوا کہ یہ کتا ہے اور زخمی ہے، ان کے پاس جو کچھ پیسہ تھا انہوں نے اسکی مرہم پٹی پر لگا دیا، وہ روزانہ جو کاروبار کرتے تھے یعنی مزدوری وغیرہ اس میں سے کچھ گھر والوں کو دیتے اور جو بچتا اسکی روٹی لے کر اس کتے کو ڈال آتے، جہاں وہ زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا، چند دن اس کتے کو وہ کھانا دیتے رہے اور اسکے زخم پہ مرہم لگاتے رہے، حتی کہ اس کتے کا زخم ٹھیک ہو گیا اور وہ صحت مند ہو گیا، جب وہ صحت مند ہو کر اس جگہ سے

دوسری جگہ چلا گیا تو اللہ نے اسی رات ان کو معرفت کا نور عطا کیا اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی تفصیلات عطا فرمائیں، تو یہ ان کی زندگی کے حالات میں لکھا ہے کہ کتے کی خدمت کرنے پر اللہ نے ان کو اپنی معرفت کا نور عطا فرما دیا تو اگر ہم کسی انسان کی خدمت کریں گے تو اس پر اللہ کی کیا کچھ رضا ملے گی۔

بائع کے ساتھ خیر خواہی

مشتری بھی بائع کا خیر خواہ ہوا کرتا تھا..... ایک صحابی رضی اللہ عنہ گھوڑا خریدتے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے وہ گھوڑا ایک ہزار درہم میں خریدا۔ اسے لے کر گھر آئے، انہوں نے اسے باندھ دیا۔ اگلے دن ان کے ایک دوست آئے۔ انہوں نے اپنے دوست سے کہا: میں نے یہ گھوڑا خریدا ہے۔ دوست نے دیکھ کر کہا: جی یہ تو بہت اچھا گھوڑا ہے، لگتا ہے کہ یہ تو پندرہ سو درہم کا ہوگا۔ جب اس نے یہ ویلیوایشن دی کہ یہ پندرہ سو درہم کا ہوگا تو وہ اگلے دن پانچ سو درہم اور لے کر گھوڑا بیچنے والے کے پاس گئے اور کہا:

''جی آپ یہ پانچ سو درہم اور لے لیجیے، وہ آپ کی چیز تھی اور آپ کو اس کی ویلیو کا اندازہ نہیں تھا۔ ایک تھرڈ پرسن (تیسرے بندے) نے اس کو Evaluate (پرکھا) کیا ہے کہ یہ پندرہ سو درہم کا ہے، لہٰذا میں آپ کو پانچ سو درہم دینے کیلیے آیا ہوں، میں آپ کے ساتھ بدخواہی نہیں کرسکتا۔''

صاحبزادی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت

(۱)..... جب بدر کے قیدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے گئے تو ایک قیدی ابوالعاص بھی پیش ہوئے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے مگر انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا تھا کہ

اگر تم مکہ سے مدینہ جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ، میں اسلام قبول نہیں کرتا چنانچہ وہ غزوۂ بدر کے بعد ہجرت کی غرض سے مکہ سے مدینہ آنے لگیں، تو راستے میں کافروں نے کہا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہو کر بحفاظت کیسے جاسکتی ہو؟ لہذا انہوں نے ان کو سواری سے دھکہ دے دیا اور وہ اونٹ سے نیچے آگریں، ان کا حمل بھی ضائع ہو گیا اور ان کو کمر میں درد بھی رہنے لگا، اس کے بعد انہوں نے بڑی تکلیف میں وقت گزارا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لخت جگر کی تکلیف دیکھ کر رو دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری اس بیٹی کو دین کی خاطر کتنی تکلیفیں دی گئیں۔

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۲ / ۵۱۷-سبل الہدیٰ ۱۱ / ۲۹-امتاع الاسماع ۵ / ۳۴۳)

مکہ مکرمہ میں جب حضرت زینبؓ کو پتہ چلا کہ میرے خاوند مدینہ منورہ میں قید ہو چکے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو فدیہ کے عوض آزاد کرنے کا حکم دے دیا ہے تو انہوں نے بھی اپنے سونے کا ہار فدیے کے طور پر بھیجا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فدیہ لے کر قیدیوں کو واپس کر رہے تھے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کے سامنے اپنی بیٹی کا وہ ہار آیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز کی شکل میں اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کو پہنایا تھا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹی کی تکلیفیں یاد آئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم میرا مشورہ قبول کرو تو یہ ہار بھی واپس لوٹا دو اور اس بندے کو بھی آزاد کر دو، صحابہ کرامؓ نے اس بات کو قبول کر لیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹی سے کتنی محبت تھی۔

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۲ / ۴۸۴-سبل الہدیٰ ۴ / ۷۱-السیرۃ الحلبیۃ ۲ / ۴۵۳-الروض الانف ۳ / ۱۰۳)

(۲)..... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں نہ صرف بیٹیوں کی بلکہ بیٹیوں کی بیٹیوں کی محبت بھی ہوتی تھی، ایک مرتبہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف

لائے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہ بنت ابی العاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کے وقت ان کو اپنے مبارک کندھے پر بٹھا لیا اور امامت شروع کروادی، صحابہ کرامؓ پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع میں جاتے تو اس بچی کو اتار کر قریب کھڑا کر دیتے، پھر سجدہ کر لیتے اور جب سجدے سے کھڑے ہونے لگتے تو اس بچی کو دوبارہ کندھے پر بٹھا لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوری نماز اسی حالت میں پڑھائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار تھی۔

(سنن ابوداؤد ۹۱۸-سنن النسائی الکبریٰ ۷۹۰)

جب بیٹیوں کی اولاد سے بھی محبت ہوتی ہے تو پھر بیٹیوں سے کتنی محبت ہوتی ہوگی۔

(مسند احمد ۲۲۶۳۷-ذخائر العقبی (طبری) ۱۶۱)

کفر کے معاشرے کی ایک مثال

ہمارے ایک واقف کار تھے جو U.K. (انگلینڈ) میں رہتے تھے۔ یہاں سے ان کے ماموں ان سے ملنے کے لیے گئے۔ ان کے یہاں آموں کے باغات تھے۔ جب جانے لگے تو والدہ نے پھلوں کی ایک ٹوکری دی اور کہا کہ میرے بیٹے کو اپنے باغ کے پھل دینا..... ماں ایسی ہستی ہے کہ جب تک وہ اپنے ہاتھ سے کھانے کی چیز نہ دے اسے تسلی ہی نہیں ہوتی..... چنانچہ ان کے ماموں پھلوں کی ٹوکری لے کر ان کے پاس گئے اور کہا کہ یہ تحفہ تمہاری امی نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔ انہوں نے خود بھی آم کھائے اور کچھ آم دائیں طرف والے پڑوسیوں کو بھیج دیے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازے پر جا کر دیکھا تو دونوں طرف کے پڑوسی موجود تھے۔ پوچھا: آپ لوگ کیسے آئے؟ انہوں نے کہا، مسٹر احمد! آپ نے جو آم بھیجے وہ

بہت ہی مزے دار تھے۔ ہم نے بہت انجوائے کیا، لیکن آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں کہ ان کی پرائس کتنی تھی؟ آپ ہمیں بل دیں تاکہ ہم آپ کو پے کریں.....اب اس معاشرے کے لوگ حیران! جب کوئی اللہ کی رضا کے لیے کسی کو گفٹ دے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ اگر وہ گفٹ بھی کرتے ہیں تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد پوشیدہ ہوتا ہے، انہیں ایک دوسرے کو بے مقصد گفٹ دینا سمجھ میں نہیں آتا۔

اسلامی معاشرے کی مثال

لیکن اسلامی معاشرے کے اس خلق ''ایثار'' کا ایک اور واقعہ سناتا ہوں۔ یہ آج سے تقریباً تیس سال پہلے کا واقعہ ہے.....ایک صاحب کابل گئے اور وہاں سے واپس آتے وقت وہ انار اور دوسرے پھلوں کی ایک ٹوکری بھر کر لائے۔ اللہ کی شان کہ جب وہ یہاں پاکستان پہنچے تو انہوں نے وہ ٹوکری اپنی والدہ کے حوالے کر دی اور کہا کہ میں آپ کے لیے وہاں سے تحفہ لایا ہوں۔

ان کے کچھ رشتہ دار انہیں دہلی سے ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے اور وہ اسی دن واپس جا رہے تھے۔ والدہ نے بیٹے سے کہا: بیٹا! رشتہ دار مستورات واپس جا رہی ہیں۔ کیوں نہ یہ پھلوں کی ٹوکری ان کو دے دیں؟ چنانچہ انہوں نے وہ پھلوں کی ٹوکری ان کو دے دی۔ اب جب ان لوگوں نے پھلوں کی وہ ٹوکری اپنی والدہ کو دی۔ اس وقت اس کی والدہ کے پاس گھر کی خادمہ (ماسی) جو بیوہ تھی، اپنے گھر کے دکھڑے بیان کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرے بچے یتیم ہیں، خاوند نہیں ہے، بڑی پریشانی کا عالم ہے۔ جب اس کی والدہ نے اس عورت کے دکھڑے سنے تو اس نے وہ ٹوکری اسی طرح اٹھا کر اس خادمہ کے حوالے کر دی اور اس طرح اس کے یتیم بچوں نے ان پھلوں کو کھایا.....اللہ اکبر!!.....کابل سے پھل چلتے ہیں اور لاہور آتے ہیں اور لاہور

سے دہلی جاتے ہیں، اور دہلی جا کر ایک بیوہ عورت کے ہاتھ میں پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے ان یتیموں کو وہ پھل کھانے کو مل جاتے ہیں۔ اسلام ہمیں ایثار کی یہ تعلیم دیتا ہے۔اب آپ ذرا کھلے دل و دماغ سے سوچیے کہ ان دونوں طریقہ ہائے زندگی کے درمیان موازنہ کر کے دیکھیے کہ انسانیت کی صحیح تصویر کس طریقہء زندگی میں نظر آتی ہے۔ یقیناوہ تصویر دین اسلام میں ہی نظر آتی ہے۔

تابعین کے دور کی حیرت انگیز مثال

تابعین کے زمانے کا ایک واقعہ ہے۔ ایک صاحب نے زمین خریدی اور دوسرے نے زمین بیچی۔خریدنے والے نے ہل چلائے۔ جب گہرا ہل چلایا گیا تو اس زمین میں سے ایک صندوق برآمد ہوا۔اس کے اندر سونا چاندی بھرا ہوا تھا۔ پہلے زمانے کے لوگ سونا چاندی کو محفوظ کرنے کیلیے زمین میں دبا دیتے تھے۔ جب وہ خزانہ نکلا تو وہ آدمی بڑا حیران ہوا۔ اس نے سوچا کہ میں نے تو اس سے زمین خریدی تھی۔ خزانہ تو نہیں خریدا تھا۔لہٰذا اگلے دن وہ بیچنے والے کے پاس گیا اور جا کر کہنے لگا، جی زمین سے یہ خزانہ نکلا ہے، یہ آپ کا ہے اور آپ مجھ سے لے لیجیے۔ جب یہ دینے لگا تو اس بندے نے کہا،نہیں بھئی ! جب میں نے زمین بیچ دی تو اس کے بعد اس میں سے جو نفع نکلے گا وہ آپ کا ہوگا، میرا نہیں ہوگا،لہٰذا یہ میرا نہیں بلکہ آپ کا ہے۔

اب ان کا آپس میں اختلافِ رائے ہو گیا۔لہٰذا فیصلہ کروانے کے لیے دونوں جج کے پاس آئے۔ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو ہمارے ایسے مقدمے عدالتوں میں آتے تھے کہ ایک کہتا تھا کہ میرا حق نہیں، میرے بھائی کا حق ہے۔ دوسرا کہتا تھا کہ میرا نہیں، میرے بھائی کا حق ہے۔جج صاحب ! فیصلہ کر دیجئے۔آج کے تو معاملات ہی اور ہیں۔ایک کہتا ہے کہ اپنے حق کی خاطر خون کا آخری قطرہ بھی بہا دوں گا، جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ میں اپنے حق کی خاطر یہ کر دوں گا۔اس لیے آج عدالتوں میں جاؤ تو

عداوتیں ملتی ہیں۔

(شرح الاربعین النوویۃ عطیہ بن محمد سالم ۳۳/۷)

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا گیا۔ جج بھی حیران تھے کہ اس مقدمے کا فیصلہ کیسے کریں! اس وقت کے جج صاحب بھی تقویٰ والے لوگ تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو معرفت کے نور سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے ان دونوں سے ان کی زندگی کے حالات پوچھے۔ اس طرح ان کو پتہ چل گیا کہ ان میں سے ایک کے گھر میں بیٹا جوان تھا اور دوسرے کے گھر میں بیٹی جوان تھی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے ججمنٹ لیتے ہو تو میں یہ ججمنٹ دوں گا کہ بہتر ہے کہ اس بیٹے اور اس بیٹی کا آپس میں نکاح کر دیا جائے اور یہ خزانہ ان دونوں کی جہیز میں دے دیا جائے..... ایک طریقہء زندگی ہمیں خیر خواہی سکھا رہا ہے اور دوسرا طریقہ دوسرے سے اجنبیت سکھا رہا ہے۔ پڑوسی کو پڑوسی کا پتہ نہیں ہوتا کہ کون ہے کون نہیں ہے۔ اب آپ کو بھی اللہ نے علم دیا ہے، آپ میچور لوگ ہیں، سوچیں نا، کہ کونسا طریقہء زندگی اچھا ہے۔ یقینا دل سے آواز نکلے گی کہ دین اسلام ہی زیادہ بہتر طریقہء زندگی ہے۔

عدل وانصاف سے بھر گئی زمین

حضرت عمرؒ کا ایک واقعہ ہے ایک مرتبہ یہ سوئے ہوئے تھے اچانک اٹھ بیٹھے اور اچانک اٹھ کر فرمانے لگے کہ ''یہ بنو امیہ کا زخمی کون ہے؟ جو عمر سے پیدا ہوگا، اس کا نام بھی عمر ہوگا وہ عمر کی سیرت پر چلے گا اور زمین کو عدل سے بھر دیگا، اب سب لوگوں نے یہ بات سنی کہ عمرؒ نے یہ خواب دیکھا یہ خواب ان کی اولاد میں چلتا رہا چلتا رہا، نتیجہ کیا نکلا کہ انہوں نے اپنے بیٹے عاصم کا نکاح اس لڑکی سے کیا تھا، جس نے دودھ میں پانی ملانے سے انکار کر دیا تھا، مشہور واقعہ ہے ان کی ایک بیٹی تھی، ان کا نام لیلیٰ تھا، لیکن بعد میں وہ ام عاصم کے لقب سے مشہور ہوگئی، اس ام عاصم کو اللہ نے ایک بیٹا دیا اس نے اس کا نام عمر رکھا یہ بچہ ابھی چھوٹا تھا

چلتا پھرتا تھا کہ ایک دن یہ والدہ سے نظر بچا کر اصطبل میں نکل گیا، جہاں گھوڑے بندھے ہوئے تھے تو جیسے ہی گیا ایک گھوڑے نے اسکو جو پیچھے سے لات ماری تو اسکی پیشانی پر لگی تو ماتھے سے خون نکل آیا، ماں دوڑی ماں نے بھی اس کو سینہ سے لگایا اسکا خون صاف کیا، پھر اس کا والد آ گیا عبدالعزیز تو والدہ جو تھیں وہ ان سے خفا ہونے لگیں کہ آپ گھر پر کوئی باندی ہی دیدیں کوئی نوکر ہی دیدیں جو بچے کو ہی سنبھال لیا کرے، ہم بچے کی ہی پرورش صحیح کر سکتے تو ان کے والد نے کہا کہ ناراض نہ ہو، میرا دل کہتا ہے کہ میرے اس بچے کا نام عمر بھی ہے یہ خاندان عمر میں سے بھی ہے اور اسکے چہرے پر اللہ نے زخم بھی لگا دیا، مجھے لگتا ہے کہ یہ میرا جانشین بنے گا اور اللہ نے ان کی بات سچ کر دی یہ عمر بڑے ہو کر عمر بن عبدالعزیز بنے اور انہوں نے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیا، اس طرح حضرت عمرؓ کا دیکھا ہوا خواب سو فیصد سچا ثابت ہوا۔

(عمر بن عبدالعزیز معالم التجدید ۳/۲۶۵-الدولۃ الاموبۃ ۳/۲۶۹)

جذبۂ خدمت

ایک امیر کی خدمت کا جذبہ

ایک صاحب کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ مروزیؒ کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا، سفر شروع ہونے سے پہلے انہوں نے کہا کہ اچھا بتاؤ! ہم میں سے امیر کون ہے؟ میں نے عبداللہ مروزیؒ سے کہا: جی آپ سب کے امیر سفر ہے، انہوں نے کہا: بہت اچھا! اب اگر میں امیر بن گیا تو تمہیں پورے سفر میں میری بات کو ماننا ہوگا، میں نے کہا، حاضر ہوں، چنانچہ انہوں نے اپنے اور میرے سامان کو باندھا اور اپنے سر پہ رکھ لیا، میں نے کہا: جی مجھے اٹھانے دیں، کہنے لگے کہ آپ مجھے امیر مان چکے ہیں اب میں جو کر رہا ہوں مجھے کرنے دیں، میں بڑا حیران، چنانچہ دونوں کا سامان انہوں نے خود اٹھایا، چلے، راستے میں

جب کھانے کا وقت آتا تو وہ کھانا میرے سامنے رکھتے اور مجھے حکماً زیادہ کھلاتے حتی کہ ایک جگہ بارش ہوگئی تو وہ اپنی چادر سے ایک گھنٹہ میرے اوپر سایہ کئے رہے تاکہ میں بارش سے بچا رہوں اور آرام کی نیند سویا رہوں، میں نے کہا کہ جی مجھے آپ کی خدمت کرنی چاہیئے، جب میں بات کرتا تو وہ کہتے: دیکھو! آپ مجھے امیر مان چکے ہیں، لہذا اب میں جو کہوں گا وہ آپ کو کرنا ہوگا، تو کہنے لگا کہ میں افسوس ہی کرتا رہا کہ کاش میں نے انہیں امیر نہ بنایا ہوتا۔

(فیض القدیر ۴/۱۶۱-مرقاۃ المفاتیح ۱۲/۵۶-احیاء العلوم عبداللہ رازی ۲/۱۸۳)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انداز خدمت

حضرت عمرؓ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملنے کے لئے آئے، دیکھا کہ ان کے پاس رجسٹر یعنی کوئی ایسی چیز جس پر لکھا ہوا ہے پڑا ہے، کچھ (senior citizen) جو بوڑھے ہوجاتے ہیں یا معذور ہوتے ہیں بوڑھی عورتیں یا بیوائیں ان کے نام لکھے ہوئے ہیں، ان کے سامنے ایڈریس بھی لکھے ہوئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ان کی خدمت کس نے اپنے ذمہ لی تو آپ وہ سارا رکارڈ دیکھتے ہیں، ایک جگہ ایک بوڑھی عورت کا نام ہے ایڈریس بھی ہے لیکن خدمت کرنے والے کا نام درج نہیں، تو حضرت عمرؓ اپنے دل میں سوچتے ہیں اس کی خدمت میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، چنانچہ اگلے دن فجر کی نماز پڑھی اور پڑھنے کے بعد سیدھا اس بڑھیا کہ گھر گئے، دروازہ کھٹکھٹایا اس نے پوچھا کون؟ آپؓ نے جواب دیا میں آپ کی خدمت کرنے کے لئے آیا ہوں کوئی کام ہو تو بتایئے، اس وقت دو کام ہوتے تھے، گھر کی صفائی اور باہر سے پانی بھر کر اندر پہنچا دینا، باقی کام تو گھر والے خود کرلیا کرتے تھے، تو بڑھیا نے جواب دیا کوئی آ گیا تھا، وہ میرے گھر کے کام کر کے چلا گیا، پوچھا کہ کب سے آرہا ہے، جواب ملا کہ مدتوں سے آرہا ہے۔

پوچھا اس کا نام، بوڑھیا کہنے لگی نہ میں نے کبھی پوچھا، نہ اس نے کبھی بتایا، وہ

آ کر دروازے پر دستک دے کر کہتا ہے پردہ کرلیں میں کمرے میں چلی جاتی ہوں وہ کام سمیٹ کے جب جاتا ہے تو دروازے پے (knock) کر کے مجھے بتا جاتا ہے، میں جا رہا ہوں میں باہر آجاتی ہوں نہ، میں نے کبھی شکل دیکھی نہ میں نے کبھی نام پوچھا، عمرؓ بڑے حیران ہوئے یہ کون ایسا بندہ ہے، چنانچہ اگلے دن تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد آپ بڑھیا کے گھر پہنچ گئے، جب دیکھا تو پھر کام مکمل ہو چکے، وہ بھی عمر بن خطابؓ تھے، کہنے لگے بہت اچھا اگلے دن عشا کی نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر بڑھیا کے گھر کے قریب راستے میں بیٹھ گئے، کہ ذرا میں اس بندے کو تو دیکھوں کہ جو رات کے اندھیرے میں آ کر اس طرح کام کرتا ہے کہ کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا، جب گہری رات ہوگئی اندھیرا چھا گیا، لوگ گہری نیند کی آغوش میں چلے گئے، عمرؓ کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی اللہ کا بندہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا آ رہا ہے، اتنا آہستہ کہ وہ چاہتا ہے کہ میرے قدم اٹھا کر رکھنے سے زمین کو بھی تکلیف نہ پہنچے، تو عمرؓ بڑے حیران ہوئے، قریب آنے پر پوچھا تو کون ہے، جواب میں امیر المومنین صدیق اکبرؓ کی آواز آئی میں ابوبکر ہوں، امیر المومنین اس بڑھیا کا کام آپ رات کو آ کر کرتے ہیں، تو بتایا کہ ہاں میں کرتا ہوں، حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ امیر المومنین تو ننگے پاؤں چل رہے تھے، جوتا بھی نہیں تھا، تو پوچھا امیر المومنین آپ نے جوتا کیوں نہیں پہنا؟ تو فرمایا کہ جوتا میں گھر اتار آیا اس وجہ سے کہ رات ہے لوگ سوئے ہوئے ہیں ایسا نہ ہو کہ میں گلی میں چلوں اور قدموں کی آہٹ سے کسی سونے والے کی نیند میں خلل آجائے۔

(تاریخ دمشق ۳/ ۳۲۲-الکامل ۱/ ۳۹۷-اسد الغابۃ ۲/ ۱۴۷-کنز العمال ۳۵۶۰۷)

اکابرین کی زندگی معاشرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس جمیل

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) فرماتے ہیں کہ جب میں نے دار العلوم سے دورۂ حدیث کرلیا، تخصص کرلیا، مفتی بن گیا، میرے پاس کچھ وقت فارغ تھا میں میاں اصغر حسین دیوبندیؒ کے پاس چلا گیا، دوپہر کا وقت تھا، کھانا کھایا، کھانا کھانے کے

بعد جب دسترخوان سمیٹنے کا وقت آیا تو میں نے کہا حضرت! میں دسترخوان سمیٹتا ہوں، حضرت نے سوال پوچھا تم نے دسترخوان سمیٹنا کسی سے سیکھا ہے؟ ایک مفتی سے پوچھا جارہا ہے کہ تم نے دسترخوان سمیٹنا کسی سے سیکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت آپ سکھا دیجئے، فرمایا دیکھیں جو بچا ہوا کھانا ہے میں اسے پہلے اٹھا کے الگ کرلیتا ہوں تا کہ کوئی اور بندہ اس کو کھالے، پھر جو چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں ان سب کو میں اکھٹا کرتا ہوں، ان کو میں فلاں جگہ پر ڈالتا ہوں، اس لئے کہ وہاں پر چیونٹیوں کے بل ہیں تو کھانے کے یہ چھوٹے چھوٹے ذرات چیونٹیوں، کیڑے مکوڑوں کی خوراک بن جاتے ہیں اور یہ جو ہڈیاں ہیں بچی ہوئی ان کو میں اٹھاتا ہوں اور فلاں جگہ پر ڈالتا ہوں وہاں پر بلیاں، کتے وغیرہ آتے ہیں، تو یہ ہڈیاں کھاتے ہیں تو یہ ان کے کام آجاتی ہیں، یہ جو تم نے آم کھائے ان کی گٹھلیوں کو اکٹھا کر کے میں فلاں جگہ پر چھوڑتا ہوں وہاں میدان ہے اور محلے کے بچے کھیلتے ہیں تو گٹھلیاں خشک ہوجاتی ہے، بچوں کو خشک گٹھلیاں مل جاتی ہیں اور ان کے دل خوش ہوجاتے ہیں کہ ہمیں کھیلنے کی چیز مل گئی، اور یہ جو آم کے چھلکے ہیں یہ میں اکٹھا کرتا ہوں مگر ایک جگہ پر پھینکتا نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ یہ غریب محلہ ہے اگر بچے دیکھیں گے اور ان کے دل میں حسرت ہوگی، ہمارے والد کے پاس بھی پیسے ہوتے وہ ہمیں بھی آم لاکر کھلاتا اور ان کے دل کی حسرت کا سبب میں بنوں گا، میں ایک جگہ نہیں ڈالتا، میں چلتا جاتا ہوں ایک چھلکا یہاں ڈالتا ہوں دوسرا دس قدم آگے، تیسرا دس قدم آگے تا کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ اس محلے میں کسی نے آم کھائے بھی ہیں یا نہیں، حیران ہوتے ہیں! یہ تھے اللہ والے جو دوسروں کو اتنی بھی تکلیف پہنچانا گوارہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں ہم نے عشاء کی نماز پڑھی، عشاء کی نماز پڑھ کر واپس آنے لگے، میں نے دیکھا کہ حضرت نے جوتے اتار لئے اور پیدل ننگے پاؤں چلنے لگے ننگے پاؤں چلنے کے بعد کوئی تیس چالیس قدم آگے چلے اور پھر جوتے پہن

لئے، میں نے کہا کہ حضرت مجھے تو بات کی سمجھ نہیں آئی، آپ نے جوتے اتارے کیوں، پھر دوبارہ پہنے کیوں؟ فرمانے لگے کہ دیکھو یہاں ملی جلی آبادی ہے، مسلمان بھی ہے کافر بھی ہے (partition) سے پہلے کی بات ہے، جہاں میں نے جوتے اتارے وہاں ایک کافرہ عورت رہتی ہے جو طوائف تھی جسم فروشی کا کام کرتی تھی، اپنی عزت بیچتی تھی، خوبصورت تھی، جوانی میں بہت لوگ اسکے پاس آتے تھے، اب تھوڑی عمر اس کی بڑی ہوگئی اب کوئی نہیں آتا، مگر وہ انتظار میں ہوتی ہے کہ کوئی گاہک آئیگا، میرا راستہ وہی بنتا ہے، میں اس کے مکان کے قریب آکر جوتے اس لئے اتار لیتا ہوں کہ مرد کے جوتوں کی آواز دور تک جاتی ہے، ایسا نہ ہو کہ میرے جوتوں کی آواز سن کے اس کے دل میں امید لگے کہ کوئی میری طرف آرہا ہے، اور جب میں اس سے دور چلا جاؤں گا گھر سے، تو اس کے دل میں افسوس ہوگا کہ میری طرف تو کوئی نہیں آیا، میں ایک کافرہ بدکار عورت کے دل بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔ اللہ اکبر کبیرا!

آپ سوچئے کہ ہمارے اکابر کیسے اچھے انسان تھے، اس لئے ان کے ساتھ مل جل کر رہنے سے لوگ خوش ہوتے تھے۔

علامات محبت ۱۵۷ بحوالہ خدمت خلق

اللہ اللہ اللہ

اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ

موت وقبر
اور
میدان حشر

پتھر دلوں کی موت

اب یہ واقعہ پتہ نہیں کہا تک سچا ہے اللہ جانے، لیکن ہمارے ایک دوست ہیں پروفیسر نصیر صاحب، انہوں نے سنایا، کہنے لگے ایک بس جارہی تھی، ایک آدمی نے دیکھا تو اسے نیچے ایک سانپ پڑا نظر آیا بس کے اندر تو اس نے کنڈیکٹر کو کہا سانپ سانپ، کنڈیکٹر نے سانپ کو پکڑ کے جو کھڑکی تھی اس سے نیچے پھینکا، تو کہتے ہیں کہ ساتھ ہی ایک اسکوٹر پر نوجوان جارہا تھا، وہ سانپ اس اسکوٹر والے کے جسم سے جا کر لگا اس نے اس کو کاٹا، جو کاٹا تو اسکوٹر والا گرا اور مرا، جب پولس نے آ کر اس بندے کو دیکھا تو اس اسکوٹر کے پیچھے ایک چیز بندھی ہوئی تھی، جیسے کچھ بریف کیس یا جو مرضی سمجھ لو، اس کو جب کھول کر دیکھا تو زلزلے میں جو عورتیں دب کر مر گئیں، ان کے ہاتھوں کو کاٹ کر لایا تھا جن میں چوڑیاں اور انگوٹھیاں پہنے ہوئی تھیں اور اس کو لے کے جارہا تھا۔

اب بتاؤ کہ کیسا پتھر دل ہوگا کہ مری ہوئی، ملبے میں دبی ہوئی عورتوں کے ہاتھوں کو وہ کاٹ رہا ہے اس لئے کہ اس میں سے اس نے چوڑیاں اور انگوٹھیاں اتارنی ہے اور ان کو وہ بریف کیس میں بھر کے لے جارہا تھا۔

حضرت عبداللہ کا وقت شہادت

حضرت عبداللہؓ ہیں اللہ اکبر، جنگ یرموک کے اندر زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے، سخت گرمی تھی عصر کا وقت ہوگیا، جسم سے خون بہنے کی وجہ سے بہت نقاہت، ہونٹ خشک ہو چکے، ان کا ایک دوست تھا، کزن تھا، انہوں نے اس کو دیکھا تو سوچا کہ میں ان کو پانی پلا دوں، چنانچہ انہوں نے مشک سے پانی پلانا چاہا تو عبداللہ نے اپنے ہونٹوں کو بند کرلیا تو دوست نے کہا: عبداللہ اس وقت تمہیں پیاس لگی ہوئی ہے، سخت گرمی

ہے، تمہارا جسم خون بہنے کی وجہ سے اتنا ڈھیلا ہو چکا ہے، تھوڑا سا پانی پی لو، جب انہوں نے کہا پانی پی لو تو عبداللہ نے آگے سے جواب دیا، فرمانے لگے نہیں، میں اس وقت روزے سے ہوں، چاہتا ہوں کہ مجھے شہادت نصیب ہو جائے تو میں اپنے محبوب کے شربت دیدار سے اپنے روزے کو افطار کروں، میں پانی سے افطار نہیں کرنا چاہتا، میں تو اپنے محبوب کے دیدار سے افطار کرنا چاہتا ہوں۔

یہ تب ہوتا ہے دل میں جب اللہ کی محبت نصیب ہوتی ہے، تو اس لئے اپنے دلوں کو بدلیے۔

(المستطرف ص:۱۶۱)

قیامت میں ایک گنہگار کی سفارش

ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے اور عبداللہ بن عمروؓ نے اسے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''قیامت کے دن حضرت آدمؑ کے لئے عرش کے پاس ایک جگہ ہوگی، حضرت آدمؑ دو سبز چادریں لپیٹے ہوئے ہونگے (سبز رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے) حضرت آدمؑ کا اتنا اونچا قد ہوگا جتنا کھجور کا لمبا درخت ہوتا ہے، جب ان کی اولاد میں سے کوئی بندہ جنت کے درجے چڑھے گا تو آدمؑ اس کو چڑھتا دیکھیں گے اور ان کی اولاد میں سے جو جہنم کے اندر جائیگا، وہ (اونچے قد کی وجہ سے) اس کو بھی دیکھیں گے، حضرت آدمؑ اسی حال میں ہوں گے کہ حضرت آدمؑ امت محمدیہ میں سے ایک ایسے بندے کو دیکھیں گے جس کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا، آدمؑ آواز دیں گے: یا احمد! یا احمد! (آدمؑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکاریں گے، یا احمد! یا احمد! جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز سنائی

پڑ یگی تو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے، اے بشر کے باپ! لبیک سعد یک، آدمؑ کہیں گے، یہ آپ کی امت کا ایک بندہ ہے، اس کو تو آگ کی طرف لے جایا جا رہا ہے، (نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) میں اپنی تہبند کو کس کے باندھ لوں گا اور فرشتے اس بندے کو جس طرف لے جا رہے ہوں گے، میں ان کے قدموں پر چلوں گا (پیچھے جاؤں گا) اور میں یہ کہوں گا: اے میرے پروردگار کے کارندو! رک جاؤ، وہ فرشتے آگے سے جواب دیں گے، ہم سخت گیر ہیں (شدت کرنے والے ہیں) ہمیں اللہ نے جو حکم دیا ہے ہم اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ کرتے ہیں جس کا ہمیں حکم دیا جاتا ہے، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی ریش مبارک پر رکھیں گے اور اپنا چہرہ مبارک عرش کی طرف کریں گے، فرمائیں گے، اے میرے پروردگار! آپ نے میرے ساتھ وعدہ نہیں کیا کہ میری امت کے معاملے میں آپ مجھے رسوا نہیں فرمائیں گے، پھر عرش سے ایک ندا آئیگی: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانو اور اس بندے کو اس مقام پر واپس لے جاؤ (جہاں میزان عدل قائم کیا گیا تھا، جب وہ بندہ میزان عدل کے پاس آجائیگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) میں اپنی چادر کے پلے (ڈب) سے انگلی کے پورے کے برابر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالوں گا، میں اس (ٹکڑے) کو میزان کے نیکی والے پلے میں ڈال دوں گا اور میں کہوں گا: بسم اللہ (اللہ کے نام سے)، اس کے بعد نیکیوں کا پلڑا گناہوں کے پلڑے سے جھک جائیگا، پس اعلان کر دیا جائیگا، یہ شخص نیک بخت بن گیا اور اس کا پلڑا بھاری ہو گیا، اس کو جنت کی طرف لے جاؤ، وہ بندہ کہے گا: اے ملائکہ! رک جاؤ حتی کہ میں اس کریم شخص سے معلوم کروں کہ یہ کون

ہے؟ (جس نے کاغذ کا چھوٹا سا پرزہ میرے پلڑے کے اندر ڈالا) پس وہ کہے گا: آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کا چہرہ کتنا خوبصورت ہے! اور آپ کے اخلاق کتنے اچھے ہیں! آپ کون ہیں؟ آپ نے تو میرے گناہوں کو کم کر دیا اور میرے عذاب کو مجھ سے ہٹا دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (میں یہ کہوں گا کہ) میں تمہارا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور یہ وہ درود شریف ہے جو تو میرے اوپر پڑھتا تھا اور اب یہ تجھے ایسے وقت میں پہنچ گیا ہے جب تو اس کا بڑا محتاج تھا۔

حسن الظن باللہ ۹۳ حدیث نمبر ۸۰

قبر کیا سلوک کرتی ہے؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ جنازہ پڑھنے گئے.....اب ذرا غور کیجئے گا کیونکہ یہ عاجز جو نکتہ آپ کے ذہن میں بٹھانا چاہتا ہے وہ فوراً آپ کے ذہن میں آجائیگا..... جنازہ پڑھنے کے بعد قبرستان میں ایک قبر کے پاس کھڑے ہو کر انہوں نے رونا شروع کر دیا، لوگوں نے پوچھا: حضرت! آپ تو اس جنازہ کے سرپرست تھے آپ پیچھے کیوں کھڑے ہو گئے؟ فرمانے لگے کہ مجھے اس قبر سے ایسی آواز محسوس ہوئی جیسے یہ میرے ساتھ ہمکلامی کر رہی ہو؟ فرمایا کہ قبر نے مجھ سے یہ ہم کلامی کی کہ اے عمر بن عبدالعزیز! تو مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتا کہ جو بندہ میرے اندر آتا ہے تو میں اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں؟ میں نے کہا، بتادو، قبر کہنے لگی کہ میں اسکے ساتھ یہ سلوک کرتی ہوں کہ

.....اس کے گوشت کو کھا جاتی ہوں

.....اس کی انگلیوں کے پوروں کو اس کے ہاتھوں سے جدا کر دیتی ہوں

.....اس کے ہاتھوں کو اس کے بازوؤں سے جدا کر دیتی ہوں

.....اس کے بازوؤں کو اس کے جسم سے جدا کر دیتی ہوں

.....یوں اس کی ہڈیوں کو جدا کر کے ان کو بھی کھا جاتی ہوں

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمانے لگے کہ جب قبر نے یہ بات کہی تو مجھے رونا آ گیا۔

البدایہ والنہایہ ۹/۲۲۹-اھوال القبور ابن الجوزی ۲۲۲-الھواتف ۴۱

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

مآخذ و مراجع

اللہ اللہ اللہ

ماخذومراجع

نام کتاب	مصنف ومرتب
ابوداؤد	ابوداؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ
مسند احمد	ابوعبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی المتوفی ۲۴۱ھ
الاستیعاب فی معرفۃ اصحاب	ابن عبدالبر مالمالکی المتوفی ۴۶۳ھ یوسف بن عبداللہ بن محمد
الاصابہ فی تمییز الصحابہ	احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ
اسد الغابۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم الجزری المعروف بابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ
الانساب للسمعانی	الامام ابوسعد عبدالکریم بن محمد التمیمی السمعانی المتوفی ۵۶۲ھ
انساب الاشراف	احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ
اتحاف الزائر	ابوالیمن عبدالصمد بن عبدالوہاب بن عساکر ۶۸۶ھ شرکۃ دار الارقم بن ابی الارقم
امتاع الاسماع	تقی الدین احمد بن علی المقریزی المتوفی ۸۴۵ھ
الآداب الشرعیۃ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح المقدسی الحنبلی المتوفی ۷۶۳ھ
الاوائل العسکری	ابواحمد الحسن بن عبداللہ العسکری المتوفی ۳۸۲ھ

الاسرار المرفوعۃ المعروف بالموضوعات الکبریٰ	نور الدین علی بن محمد بن سلطان القاری ۱۰۱۴ھ
ایقاظ الہمم شرح متن الحکم	احمد بن محمد بن المہدی ابن عجیبۃ المتوفی ۱۲۲۴ھ
آداب الشافعی	عبد الرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم، المتوفی ۳۲۷ھ
احیاء العلوم	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی المتوفی ۵۰۵ھ
الاذکار للنووی یحییٰ بن شرف النووی	یحییٰ بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ
الانصاف للدہلوی	احمد بن عبد الرحیم شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ
الانتقاء	یوسف بن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ
اہوال القبور	عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ
امداد السلوک	حضرت قطب الدین دمشقی ترجمہ حضرت گنگوہی ۱۳۲۲ھ
امداد الباری	مولانا شیخ عبد الجبار اعظمی المتوفی ۱۳۲۳ھ
ارواح ثلثہ	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۳ھ
اکابر کا مقام عبادت	حضرت مولانا امداد اللہ انور
اکابر علماء دیوبند	شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ
اطباء کے حیرت انگیز کارنامے	حکیم عبد الناصر فاروقی
اسوۂ صحابیات	مولانا عبد السلام ندوی

اصح السیر	حضرت مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوریؒ
انوار ہدایت	حضرت مفتی شبیر صاحب
اشرف السوانح	خواجہ عزیزالحسن مجذوبؒ ۱۷/اگست ۱۹۴۴ھ
آپ بیتی	حضرت شیخ الحدیث زکریا صاحبؒ
آپ بیتی	حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی
اولیاء اللہ کے اخلاق	
اصلاحی واقعات	فقیہ وقت حضرت مفتی تقی صاحب
اللہ والوں کے کرامات ونصرت کے حیرت کن واقعات	محمد انور بن اختر صاحب
آداب المتعلمین	حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ ۱۴۱۸ھ
آداب المتعلمین	حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ ۱۴۱۸ھ
اساتذہ کے تربیتی واقعات	مولانا روح اللہ نقشبندی
بخاری شریف	محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری المتوفی ۲۵۶ھ
بریقہ محمودیہ فی شرح طریقہ محمدیہ	محمد بن محمد الخادمی المتوفی ۱۱۵۶ھ
البدایۃ والنہایۃ	اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی المتوفی ۷۷۴ھ
البحر الرائق	زین الدین بن ابراہیم بن نجیم المصری المتوفی ۹۷۰ھ

بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب	عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ، ابن العدیم المتوفی ۶۶۰ھ
بیس بڑے اولیاء	مولانا عبدالقیوم حقانی
بیس بڑی خواتین	حسین احمد صدیقی
برکاتِ دعاء	مولانا محمد ایوب سورتی قاسمی
بستان العارفین	یحییٰ بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ
بڑوں کا بچپن	حضرت مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری
تفسیر البغوی	ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی المتوفی ۵۱۰ھ
تفسیر ابی السعود	ابوالسعود محمد بن محمد بن مصطفی المتوفی ۹۸۲ھ
الثقات لابن حبان	محمد بن حبان ابوحاتم البستی المتوفی ۳۵۴ھ
ترمذی شریف	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ
الترغیب والترہیب	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ
تحفۃ الاحوذی	محمد عبدالرحمن بن عبدالرحیم المبارکفوری المتوفی ۱۳۵۳ھ
تحفۃ الذاکرین	محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ
تاریخ الاسلام للذہبی	محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ
تاریخ الخلفاء للسیوطی	عبدالرحمن بن ابوبکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
تاریخ بغداد	احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ
تاریخ ابی الفداء	ابوالفداء اسماعیل بن علی المتوفی ۷۳۲ھ

تاریخ الامم والملوک	محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ
تاریخ المدینہ	ابوزید عمر بن شیبۃ النمیری البصری المتوفی ۲۶۲ھ
تاریخ مدینہ/ دمشق	علی بن الحسن ابن ہبۃ اللہ المعروف ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ
تاریخ قضاۃ اندلس	ابوالحسن علی بن عبداللہ الاندلسیالنباھی ۷۹۲ھ
تاریخ جرجانی	حمزۃ بن یوسف ابوالقاسم الجرجانی ۴۲۷ھ
تہذیب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
الترجمۃ للذہبیۃ لاعلام آل شیمہ	محمد صالح قرواش الیافعی
ترجمۃ الائمۃ الاربعہ	ابوحمزہ الشامی، اسلام المازنی
تربیت الاطفال فی الحدیث الشریف	الدکتور خالد احمد الشنشوث
تلبیس ابلیس	عبدالرحمن بن علی بن محمد ابن الجوزی ۵۹۷ھ
تنبیہ الغافلین	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ
ترتیب المدارک وتقریب المسالک	القاضی عیاض بن موسی ابن عیاض الیحصبی المتوفی ۵۴۴ھ
تذکرۃ الاولیاء	حضرت فرید الدین عطار المتوفی ۶۲۷ھ
تذکرۃ الرشید	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی المتوفی ۱۳۶۲ھ
تعلیم المتعلم	نعمان بن ابراہیم الزرنوجی المتوفی ۶۴۰ھ

تراشے	حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی
تحفۂ حفاظ	افادات: حضرت شیخ زکریاؒ، قاری طیب صاحب، مفکر اسلام حضرت ابوالحسن علیؒ الندوی
تحذیر الخواص	جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
اٹھارہ سوستاون	خورشید مصطفی رضوی
توبہ کے کمالات	حکیم طارق محمود عبقری
جمع الوسائل	علی بن سلطان محمد الملا القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ
الجواہر المضیئۃ	محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان التمیمی المتوفی ۱۲۰۶ھ
الجامع الصغیر	جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
جامع معمر بن راشد	معمر بن راشد بن ابی عمرو الازدی المتوفی ۱۵۳ھ
جامع الاحادیث	جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
جامع کرامات اولیاء	یوسف بن اسماعیل بن یوسف النبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ
جمال الاولیاء	حضرت اقدس تھانویؒ
تفسیر حقانی	حضرت شیخ عبدالحق حقانی المتوفی ۱۰۵۲ھ
حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ
حضرات القدس	علامہ بدرالدین سرہندی نقشبندی
الخلاصہ فی احکام الاجتہاد	علی بن نایف الشحود

حدائق الانوار	محمد بن عمر الحضرمی الشافعی ۹۳۰ھ
حسن الظن باللہ	ابن ابی الدنیا عبداللہ بن محمد ۲۸۱ھ
حضرت تھانوی کے دلچسپ واقعات	قاری ابوالحسن اعظمی زید مجدہ
حکیم الاسلام کے پسندیدہ واقعات	مولانا انیس الرحمن قاسمی
حیات سلیمانی	معین الدین ندوی
حیوۃ الحیوان	کمال الدین محمد بن موسیٰ الدمیری المتوفی ۸۰۸ھ
حاشیہ درالمختار	محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین المتوفی ۱۲۵۲ھ
حکایات کا انسائیکلو پیڈیا	
حکایات روی	طالب الہاشمی
حکایات سعدی	طالب الہاشمی
خطبات طارق جمیل	حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ العالی
چند عظیم شخصیات	حضرت مفتی شفیع صاحب
خلاصۃ الوفاء	علی بن عبداللہ السمہودی المتوفی ۹۱۱ھ
الخصائص الکبری	جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
الدعاء للطبرانی	سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ

دلائل النبوۃ للبیہقی	احمد بن الحسین ابوبکر البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ
درس ترمذی	حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی
دولۃ السلاجقہ	الدکتور علی محمد محمد الصلابی
دروس للشیخ المنجد	محمد صالح المنجد
دائرۃ معارف الاسرۃ المسلمہ	علی بن نایف الشحود
الدولۃ الاموبۃ	الدکتور علی محمد محمد الصلابی
درۃ الناصحین	عثمان بن حسن بن احمد الشاکر الخوبی المتوفی ۱۲۴۱ھ
ذخائر العقبی	محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری المتوفی ۶۹۴ھ
الرسالۃ القشیرۃ	عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری المتوفی ۴۶۵ھ
رجال حول الرسول	خالد محمد خالد
الریاض النضرۃ	محب الدین احمد بن عبداللہ الطبرانی المتوفی ۶۹۴ھ
الروض الانف	عبدالرحمن بن عبداللہ ۰ بن احمد السہیلی المتوفی ۵۸۱ھ
الرحیق المختوم	صفی الرحمن المبارکپوری
روح البیان	اسماعیل حقی بن مصطفی الاستانبولی المتوفی ۱۱۲۷ھ
الزہر الفاتح	محمد بن محمد بن یوسف ابن الجزری المتوفی ۸۳۳ھ
الزواجر	احمد بن محمد بن حجر الھیثمی المتوفی ۹۷۴ھ
زاد المعاد	محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ھ

الزہد لاحمد	احمد بن حنبل الشیبانی المتوفی ۲۴۱ھ
السنن الکبریٰ	احمد بن الحسین بن علی البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ
السیرۃ النبویہ	اسماعیل بن کثیر المتوفی ۷۴۸ھ
السیرۃ الحلبیۃ	علی بن برہان الدین الحلبی المتوفی ۱۰۴۴ھ
السیرہ لابن حبان	محمد بن حبان بن احمد التمیمی المتوفی ۳۵۴ھ
سہل الہدی	محمد بن یوسف الصالحی المتوفی ۹۴۲ھ
سیر اعلام النبلاء	محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ
تفسیر السراج المنیر	محمد بن احمد الشربینی المتوفی ۹۷۷ھ
سیر السلف	اسماعیل بن محمد بن الفضل الاصبہانی ۵۳۵ھ
سلوک واحسان	حضرت مفتی فاروق صاحب
سوانح مولانا یوسف کاندھلوی	مولانا سید محمد ثانی حسنی
سیرۃ المصطفی	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ
سوانح قاسمی	سید مناظر حسن گیلانی ۱۳۷۵ھ
سوانح رائے پوری	سید ابوالحسن علی ندوی
شعب الایمان	احمد بن الحسن بن علی بن موسیٰ ابوبکر البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ
الشفاء	العلامہ القاضی ابوالفضل عیاض الیحصبی ۵۴۴ھ

شرح البخاری	شمس الدین محمد بن شیخ زین الدین عمر بن الشیخ شہاب الدین السفیری المتوفی ۹۵۶ھ
شمائل ترمذی	محمد بن عیسی بن سورۃ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ
شخصیۃ عمر بن الخطاب	عبدالسلام بن محسن آل عیسیٰ
شیخ الاسلام واقعات و کرامات کی روشنی میں	حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی
الصواعق المحرقہ	ابوالعباس احمد بن محمد بن محمد بن علی ابن حجر الہیثمی
صفوۃ الصفوۃ	ابوالفرج ابن الجوزی ۵۹۷ھ
صاحب المثنوی	قاضی تلمذ حسین مرحوم
ضرورت مرشد	صوفی محمد اقبال قریشی
الطبقات الکبری	محمد بن سعد ابوعبداللہ البصری المتوفی ۲۳۰ھ عدد الاجزاء ۸/
طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	تاج الدین بن علی السبکی المتوفی ۷۷۱ھ عدد الاجزاء ۱۰/
طبقات الحنابلہ	ابوالحسین ابن ابی یعلی محمد بن محمد المتوفی ۵۲۶ھ الاجزاء ۲
الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیۃ	تقی الدین بن عبدالقادر التمیمی
طبقات الاولیاء	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ
طلبۃ الطلبۃ للنسفی	ابوحفص عمر بن محمد بن احمد النسفی المتوفی ۵۳۷ھ
طلبہ کے لیے تربیتی واقعات	مولانا محمد روح اللہ نقشبندی

عمدۃ القاری	بدرالدین العینی الحنفی ۸۵۵ھ
عیون الاثر	محمد بن عبداللہ بن یحییٰ بن سید الناس المتوفی ۷۳۴ھ
عیون الاخیار	ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری المتوفی ۲۷۶ھ
العمدۃ من الفوائد	شہدۃ بنت احمد بن الفرج الدینوری ۵۷۴ھ
تفسیر عبدالرزاق	عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی ۲۱۱ھ
عشرۃ النساء للنسائی	الامام ابوعبدالرحمن احمد بن شعب السنائی ۳۰۳ھ
عمر بن عبدالعزیز معالم التجدید	علی محمد محمد الصلابی
عوارف المعارف	شہاب الدین عمر بن محمد بن عبداللہ السہر وردی ۶۳۲ھ
علمی مضامین	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
علامات محبت	مولانا محمد ارسلان بن اختر میمن
غایۃ المقصد	الحافظ علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ
وفاء الوفاء	علی بن عبداللہ ابن احمد السمھو دی ۹۱۱ھ
فتح الباری	احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ
فیض القدیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی المتوفی ۱۰۳۱ھ
فتوح الشام	ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی ۲۰۷ھ
الفتاویٰ ابن تیمیہ	العلامہ تقی الدین ابن تیمیہ ۷۲۸ھ
الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر	احمد شہاب الدین بن حجر الہیثمی ۹۷۴ھ

فلسفۃ المال عند الغزالی	فضیلۃ الشیخ محمد راتب النابلسی
الفاروق	علامہ شبلی نعمانیؒ
فضائل اعمال	حضرت شیخ الحدیث شیخ زکریا صاحبؒ متوفی ۱۴۰۲ھ
فضائل حج	حضرت شیخ الحدیث شیخ زکریا صاحبؒ متوفی ۱۴۰۲ھ
الفتنۃ فی عہد الصحابہ	علی بن نائف الشہود
الفکر الاسلامی	احمد عبد الکریم یخبب
الفخری فی الاداب السلطانیہ	محمد بن علی بن طباطبہ العلوی ۷۰۹ھ
قیمۃ الزمن	شیخ عبد الفتاح ابوغدہ ۱۴۱۷ھ
القصاص والمذکرین	ابوالفضل عبد الرحمن بن علی بن محمد القرشی ۵۹۷ھ
تفسیر القرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی ۶۷۱ھ
تفسیر الکشاف	العلامہ جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری ۵۳۸ھ
الکبائر للذہبی	محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ۷۴۸ھ
الکامل	علی بن محمد بن عبد الکریم الجزری المعروف بابن الأثیر ۶۳۳ھ
کنز العمال	علی بن عبد الملک الشہیر بالمتقی ۹۷۵ھ
الکواکب السائرۃ باعیان المائۃ العاشرۃ	النجم الغزی ۱۰۶۱ھ
کمالات اشرفیہ	حضرت اشرف علی تھانویؒ
الکفایہ	احمد بن علی بن ثابت ابوبکر الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ

کتاب التوابین	موفق الدین عبداللہ بن قدامہ ۶۲۰ھ
کرامات الاولیاء (اللالکائی)	ھبۃ اللہ بن الحسن اللالکائی ۴۱۸ھ
گناہوں کا سمندر	مولانا محمد ارسلان بن اختر میمن
گناہوں کا پہاڑ اور بخشش کا سیلاب	مولانا ابوطلحہ محمد یونس عبدالستار
گلستانِ مؤمنات (اردو ترجمہ) المرأۃ المسلمۃ	موسیٰ الاسود
لطائف الاولیاء	مفتی محمد معصوم قاسمی مدظلہ
لطائف ونوادر	الدکتور فائف محمود معروف
لطائف علمیہ	امام ابن الجوزی بغدادیؒ ۵۹۷ھ
اللآئی المصنوعۃ	حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ
مسلم شریف	مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری المتوفی ۲۶۱ھ
مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البصری البزار المتوفی ۲۹۲ھ
مسند احمد	ابوعبداللہ احمد بن حنبل الشیبانی المتوفی ۲۴۱ھ
مسند الشہاب القضاعی	ابوعبداللہ محمد بن سلالۃ بن جعفر القضاعی المصری المتوفی ۴۵۴ھ
مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی ۲۳۵ھ
مرقات	ملا علی قاریؒ
مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی ۸۰۷ھ

المستدرک	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری ۴۰۵ھ
موسوعۃ الدین النصیحۃ	علی بن نایف الشحود
موسوعۃ الدفاع	علی بن نایف الشحود
موسوعۃ فقہ الابتلاء	علی بن نایف الشحود
موسوعۃ التخریج	
تفسیر مظہری	محمد ثناء اللہ العثمانی المظہری
التفسیر المنیر	وہبۃ بن مصطفی الزحیلی
منتخب الکنز	علی بن حسام الدین المتقی
المعجم الکبیر للطبرانی	سلیمان بن احمد ابوالقاسم الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ
معرفۃ علوم الحدیث	محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری المتوفی ۴۰۵ھ
المستطرف	محمد بن احمد ابوالفتح الابشیہی المتوفی ۸۵۲ھ
مناقب کردری	محمد بن محمد الکردی الخوارزمی ۸۲۷ھ
المعرفۃ والتاریخ	ابویوسف یعقوب بن سفیان الفسوی ۳۴۷ھ
مفتاح دار السعادۃ	محمد بن ابی بکر بن قیم الجوزیۃ المتوفی ۷۵۱ھ
مفاتیح الغیب	محمد بن عمر المعروف بفخر الدین الرازی المتوفی ۶۰۶ھ
المنتظم	ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد بن الجوزی ۵۹۷ھ

مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان	عبداللہ بن اسعد بن علی الیمنی المعروف بالیافعی ۷۶۸ھ
المغازی للواقدی	محمد بن عمر بن واقد الاسلمی الواقدی ۲۰۷ھ
مروج الذہب	علی بن الحسین بن علی المسعودی المتوفی ۳۴۶ھ
محض الصواب فی فضائل عمر	یوسف بن حسن بن عبدالہادی المبرد المتوفی ۹۰۹ھ
المفصل فی تاریخ العرب	الدکتور جواد علی
مکارم الاخلاق للخرائطی	محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی المتوفی ۳۲۷ھ
مختصر تاریخ دمشق	محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری ۷۱۱ھ
مشائخ چشت	حضرت شیخ زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ ۱۳۱۵ متوفی ۱۴۰۲ھ یکم شعبان
مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع	شیخ محمد عطیہ سالمؒ (واعظ مسجد نبوی شریف)
مطالعہ کی اہمیت	مولانا محمد روح اللہ نقشبندی
متاع وقت اور کاروان علم	مولانا ابن الحسن عباسی
مجالس حکیم الاسلام	مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب
مآثر شیخ الاسلام	مولانا اسیر ادروی صاحب
ملفوظات فقیہ الامت	حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی
معارف شمس تبریزی	

معارف مثنوی	حضرت حکیم اختر صاحب اطال اللہ عمرہ
مخزن اخلاق	مولانا رحمت اللہ سبحانی لدھیانویؒ
نصب الرایہ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی المتوفی ۷۶۲ھ
النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ	ابن تغری بردی
نزہۃ المجالس	عبدالرحمن بن عبدالسلام الصفوری ۸۹۴ھ
نورالیقین	محمد بن عضیفی الخضری ۱۳۴۵ھ
نہایت الادب فی فنون الادب	شہاب الدین احمد بن عبدالوہاب النویری ۷۳۳ھ
وفیات الاعلام	احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان ۶۸۱ھ
الوافی بالوفیات	صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفوی ۷۶۴ھ
الھواتف	عبداللہ بن محمد الشہیر بابن ابی الدنیا ۲۸۱ھ
ہر واقعہ بے مثال	ابوطلحہ محمد اظہار الحسن محمود

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی
آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

اللہ اللہ اللہ

مصنف کی قلمی کاوشیں

(۱) آئینۂ اصول حدیث اول، دوم
(۲) احکام مسافر (اردو، گجراتی، انگریزی)
(۳) علاج ومعالجہ کے شرعی احکام (اردو، گجراتی)
(۴) مریض کے شرعی احکام
(۵) نفع المسلم شرح مسلم افادات: حضرت شیخ اکرام صاحب بھاگلپوریؒ
(۶) رہبرِ علم حدیث افادات: حضرت الطاف حسین صاحب (بنگلہ دیش)
(۷) اہل دل کے تڑپا دینے والے واقعات اول، دوم
(۸) اہل دل کو تڑپا دینے والے اشعار
(۹) گناہوں سے کیسے بچیں؟
(۱۰) برکات رمضان
(۱۱) (مبوب) مجالس فقیر اول، دوم، سوم
(۱۲) محنت کم ثواب زیادہ (اردو، گجراتی)